اسلامی تمدن و تاریخ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر عثمان غنی
پروفیسر نذیر احمد بھٹی

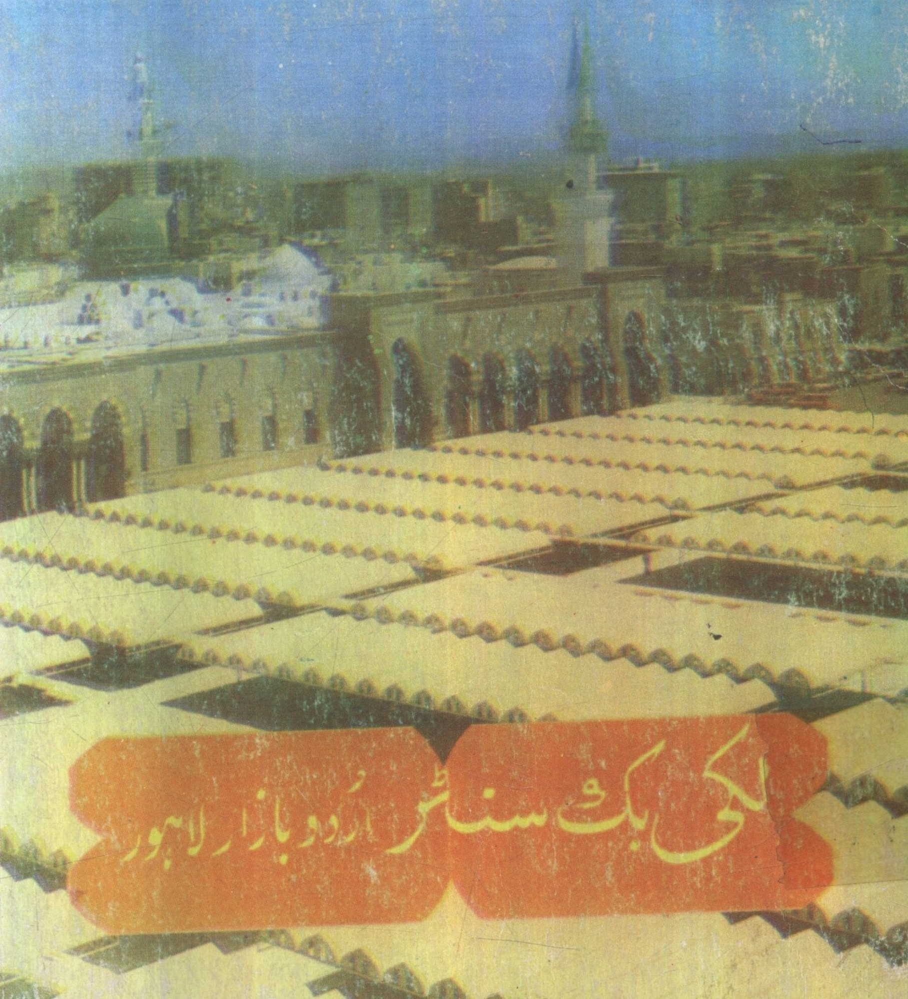

لکی بک سنٹر اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

جدید نصاب کے مطابق

اسلامی تمدّن و تاریخ

برائے، امتحان انٹرمیڈیٹ علوم اسلامیہ

پروفیسر عثمان غنی
گورنمنٹ ایف۔سی۔کالج لاہور

پروفیسر نذیر احمد بھٹی
گورنمنٹ کالج بہاولپور

علمی بک سنٹر اردو بازار لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

المكتبة الرحمانية
۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر 15980

283

جدید ایڈیشن ۱۹۹۵ء

ناشر ۔۔۔۔۔۔۔ چوہدری امجد اقبال

کتابت ۔۔۔۔۔۔۔ ریاض احمد وسیم

قیمت ۔۔۔۔۔۔۔ 40.00

تعداد ۔۔۔۔۔۔۔ ۱۱۰۰

خدام یونس پرنٹرز لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نذرانۂ عقیدت و محبت

مخدوم و محترم سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق وائس چانسلر

جامعہ اسلامیہ بہاولپور

کی خدمتِ اقدس میں

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ محض اس کے فضلِ خاص سے اس کتاب کا نیا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ اب تک اس کتاب کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اساتذۂ کرام اور عزیز طلباء نے ہماری اس کوشش کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

ہم نے طبعِ اوّل کے دیباچہ میں اپنے کرم فرماؤں سے گزارش کی تھی کہ وہ کتاب میں جو خامیاں محسوس کریں ان سے ہمیں مطلع فرمائیں۔ ہم ان کا ازالہ آئندہ ایڈیشنوں میں کر دیں گے۔ اس کے علاوہ انفرادی طور پر بھی بہت سے احباب سے ہم نے یہی درخواست کی تھی لیکن اب تک کتاب کے مواد میں کسی خاص نقص کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ البتہ بہت سے واجب الاحترام بزرگوں اور اساتذہ نے اسے طلباء کے لیے حد درجہ مفید قرار دیا۔ ہم ان کی طرف سے اس حوصلہ افزائی کے لیے شکر گزار ہیں۔

اب یہ نیا ایڈیشن نظرِ ثانی کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔ جس میں نصاب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض ضروری تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ طباعت اور کتابت کا معیار بھی پہلے سے بہت بہتر کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ کتاب اپنی موجودہ صورت میں زیادہ پسند کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کوشش کو طلبہ کے لیے زیادہ مفید بنائے۔ اساتذۂ کرام سے درخواست ہے کہ وہ مزید بہتری کے لیے اپنے مفید مشوروں اور تعاون سے نوازیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	تمدن	

۱	تہذیب و تمدن	۹
۲	اخلاق	۳۴
۳	تقویٰ	۴۵
۴	ذکر	۶۱
۵	صبر	۷۹
۶	شکر	۹۲
۷	عفو	۱۰۰
۸	عدل	۱۱۰
۹	احسان	۱۲۰
۱۰	خدمت خلق	۱۴۹
۱۱	عائلی زندگی	۱۴۳
۱۲	خاوند اور بیوی کے حقوق و فرائض	۱۵۲
۱۳	والدین کے حقوق ۔ اولاد کے فرائض	۱۶۵
۱۴	اولاد کے حقوق ۔ والدین کے فرائض	۱۷۴
۱۵	اسلامی معاشرہ میں تعلیم کی نوعیت و اہمیت	۱۸۳
۱۶	مکتب	۱۹۱
۱۷	استاد و شاگرد کے حقوق و فرائض	۲۰۰
۱۸	مسجد	۲۰۵
۱۹	اسلامی معاشرہ	۲۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰	رشتہ دار	۲۲۲
۲۱	ہمسایہ	۲۲۹
۲۲	شہری	۲۳۷
۲۳	ریاست	۲۴۹
۲۴	اُمت	۲۵۶
۲۵	اخوت	۲۶۳
۲۶	تبلیغ	۲۷۰
۲۷	جہاد	۲۸۰
	حصہ تاریخ	
۲۸	اسلام کا پس منظر	۲۹۲
۲۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی	۳۰۰
۳۰	تبلیغ دین اور ابتدائی مشکلات	۳۰۶
۳۱	ہجرت مدینہ	
۳۲	غزوات و فتوحات ۔ غزوۂ بدر ۔ احد اور خندق	۳۳۵
۳۳	غزوات و فتوحات ۔ صلح حدیبیہ ۔ فتح مکہ اور دوسری فتوحات	۳۵۷
۳۴	حجۃ الوداع اور رحلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	۳۸۱
۳۵	سیرت و تعلیمات نبوی	۳۸۹
۳۶	حضرت ابوبکر صدیق رضؓ	۴۰۴
۳۷	حضرت عمر فاروق رضؓ	۴۲۰
۳۸	حضرت عثمان غنی رضؓ	۴۴۷
۳۹	حضرت علی رضؓ	۴۶۹
۴۰	خلافت راشدہ کی اہم خصوصیات	۴۷۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ۱

تہذیب و تمدّن

نئے نصاب میں تہذیب و تمدّن کا مفہوم اور اسلامی تہذیب کی خصوصیات جیسے عنوانات شامل نہیں کیئے گئے لیکن اسلامی نظامِ حیات کو سمجھنے کے لیئے ان عنوانات کا مختصر تعارف ضروری ہے اس لیے ہم آغاز ان ہی موضوعات سے کر رہے ہیں۔

مفہوم میں ابہام انگریزی زبان میں کلچر CULTURE اور سویلیزیشن CIVILIZATION اور اردو زبان میں تہذیب، تمدن، مدنیت اور ثقافت کے الفاظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے کچھ اس طرح اُلجھے ہوئے ہیں کہ ان کے مطالب کے درمیان حدِ فاصل کھینچنا خاصا کٹھن کام بن کر رہ گیا ہے۔ آج زندگی کے اساسی تصور، اس کے نصب العین، اس کے بنیادی عقائد اور اس کے اجتماعی نظام کے لیے لفظ "کلچر" بولتے ہیں اور "سویلیزیشن" سے مراد زندگی کے ان بنیادی عقائد و نظریات اور اساسی اقدار کے مظاہر لیئے جاتے ہیں تو کچھ عرصہ پہلے سویلیزیشن کو پہلے مفہوم میں اور کلچر کو موخر الذکر معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات یہ دونوں لفظ ہم معنی بن جاتے ہیں۔ یہی حال عربی یا اردو کے الفاظ تہذیب، مدنیت، تمدن اور ثقافت کا بھی ہے۔ ہمارے ملی شاعر علامہ اقبالؒ کے کلام میں تہذیب اور مدنیت کے الفاظ اکثر اس طرح استعمال ہوئے ہیں جس طرح کلچر اور سویلیزیشن کے متعلق ہم نے اوپر گذارش کی ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ نہ سکی عفیف

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

ان دونوں اشعار میں حضرت اقبالؒ نے تہذیب اور مدنیت کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا ہے اور انہوں نے ان سے مراد زندگی کے بنیادی تصورات و افکار لیے ہیں۔

ایک اور مقام پر حضرت علامہؒ لکھتے ہیں ؎

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لبِ گور

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

بیکاری و عریانی و میخواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

ان دونوں مقامات پر لفظ مدنیت سے مراد بنیادی تصورات و عقائد کے مظاہر لیے گئے ہیں۔

روزمرہ کی بولی میں مفہوم

روزمرہ کی بولی میں تہذیب، مہذب، تمدن، متمدن، ثقافت، کلچر اور سویلائیزیشن کے الفاظ ایک اور ہی معنی میں بولے جاتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا "مہذب" "کلچرڈ" CULTURED یا سویلائزڈ CIVILIZED ہے تو اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ وہ آدمی بھلا ہوا ہے۔ اس کی گفتگو میں شائستگی، اس کے اطوار و عادات میں سلیقہ اور اس کی نشست و برخاست، چال ڈھال، بالوں کی تراش خراش اور لباس میں قرینہ، نفاست اور صفائی پائی جاتی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں ملک بڑا متمدن ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سڑکیں اور عمارات صاف ستھری اور کشادہ اس کے ذرائع رسل و رسائل ترقی یافتہ اور اس میں رہنے والے لوگ بیدار مغز اور ہوشمند ہیں۔

انگریزی کے مشہور شاعر میتھیو آرنلڈ نے اپنی کتاب "کلچر اینڈ انارکی" CULTURE AND ANARCHY (تہذیب اور انتشار) میں لفظ کلچر کا مطلب "حصول کمال کی کوشش کرنا"، "ہوشمند انسان کو ہوشمند تر بنانا" اور "عقلِ سلیم اور رضائے الٰہی کے فروغ کے لیے سعی کرنا" بتایا ہے۔

سرسید احمد خاں اپنی کتاب "تہذیب الاخلاق" کی دوسری جلد میں تہذیب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تہذیب سے مراد انسان کے تمام افعال مادی، اخلاقی اور معاملات و معاشرت، تمدن اور طریقہ تمدن، صرفِ اوقات، علوم اور ہر قسم کے فنون کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اس کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی حاصل ہوتی ہے۔ تمکین، وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔"

تہذیب کا لغوی مفہوم تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے۔ جدید عربی کی لغت القاموس العصری میں اس کے یہ معانی لکھے گئے ہیں:۔

۱۔ کسی درخت، مضمون یا مسودہ قانون وغیرہ کی کاٹ چھانٹ کرنا۔

1. TO PRUNE (A TREE. AN ESSAY, LAWS, Etc.)

۲۔ نقائص سے پاک کرنا، صاف کرنا۔ ٹیڑھ نکال دینا یا اصلاح کرنا۔

2. TO EXPURGATE REFINE RECTIFY OR CORRECT.

۳۔ تعلیم دینا، رہنمائی کرنا۔

3. TO EDUCATE, INSTRUCT.

۴۔ "کلچر"

4. CULTURE.

۵۔ مہذب، سلجھا ہوا، شائستہ۔

5. CULTURED, POLISHED, POLITE.

تمدن کا لغوی مفہوم القاموس العصری میں تمدن کے مندرجہ ذیل معانی دیے گئے ہیں:۔

۱۔ پاک صاف کرنا، شائستہ بنانا۔

1. TO CIVILIZE, REFINE

۲۔ متمدن۔

2. CIVILIZED

اصطلاحی مفہوم القاموس العصری میں دیے ہوئے ان معانی سے صاف پتہ چلتا ہے کہ "تہذیب" کا انگریزی میں متبادل لفظ "کلچر" CULTURE اور تمدن کا انگریزی میں مترادف سولیزیشن CIVILIZETION ہے۔ اس لیے تہذیب کا اصطلاحی مفہوم وہی ہوگا جو کلچر "کا اصطلاحی مفہوم ہے اور تمدن کا اصطلاحی مطلب وہی ہوگا۔ جو سولیزیشن کا اصطلاحی مطلب ہے۔

کلچر یا تہذیب کا مطلب پہلے کلچر محدود معنی میں استعمال ہوتا تھا لیکن اب اس کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے۔ پہلے یہ لفظ کسی قوم کے اطوار، معاشرت، انداز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمدن، طرز سیاست اور فنون لطیفہ کے لیے مستعمل تھا۔ مگر اب ان چیزوں کو کلچر کے مظاہر و نتائج سمجھا جانے لگا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کلچر یا تہذیب کی حیثیت درخت کی جڑ کی ہے اور ان چیزوں کی حیثیت اس کے برگ و بار کی۔

فلسفہ کے استاد ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب لکھتے ہیں۔

"تہذیب کو انگریزی میں کلچر کہتے ہیں جو جرمنی زبان کے لفظ کلٹوڑ سے ماخوذ ہے جس میں جوتنے بونے اور اگانے کا استعارہ پایا جاتا ہے مگر جو کچھ جوتا جاتا ہے وہ زمین نہیں انفرادی و اجتماعی ذہن ہے۔ جو کچھ بویا جاتا ہے وہ بیج نہیں تصورات ہیں اور جو کچھ اگایا جاتا ہے وہ اناج کی فصل نہیں بلکہ یکسانی کردار کا وہ نمونہ ہے جس کی بدولت کسی گروہ میں وحدت کا شعور راسخ ہوتا ہے۔"

تہذیب اور اس کے عناصر ترکیبی

کسی چیز کی اصلیت تک پہنچنے کا بہترین طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا تجزیہ کر کے اس کے اجزاء اور عناصر ترکیبی کو سمجھا جائے۔ اسی طرح نفس تہذیب کو سمجھنے اور اس کی روح تک پہنچنے کے لیے اس کے عناصر ترکیبی کا گہری نظر سے جائزہ لینا ضروری ہے۔ یہ عناصر پانچ ہیں۔

۱۔ پہلا عنصر۔ تصور زندگی :۔ کسی تہذیب کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے جس چیز کا کھوج لگانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے متعلق اس کا تصور کیا ہے؟ وہ یہاں انسان کی کیا پوزیشن قرار دیتی ہے؟ اس کی نظروں میں یہ جہان کیا ہے اور انسان کا اس سے کیا تعلق ہے؟

۲۔ دوسرا عنصر۔ مقصد زندگی :۔ تصور زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق رکھنے والا تہذیب کا دوسرا جزو یہ ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ ساری کشاکش، یہ ہنگامہ اور یہ جدوجہد کس لیے ہے؟ وہ کونسی منزل ہے جس تک پہنچنے کے لیے انسان کو سعی کرنی چاہیے۔ وہ کون سا نصب العین ہے جس کے حصول کے لیے اولاد آدم کو کام کرنا ہے؟ یہی مقصد و نصب العین کا سوال انسان کی عملی زندگی کا رخ اور اس کی رفتار متعین کرتا ہے۔

۳۔ تیسرا عنصر۔ بنیادی عقائد و افکار :۔ تیسرا عنصر یہ ہے کہ زیر بحث تہذیب میں انسانی کردار کی عمارت کن بنیادی عقائد و افکار پر اٹھائی گئی ہے؟ انسانی ذہن کو وہ کس سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہے؟ اور انسان کے دل میں کس نوعیت کے جذبات کو پروان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلانا اس کے پیش نظر ہے؟

چونکہ انسان کے ہاتھ پاؤں اس کے ذہن اور اس کی فکر کے تابع ہوتے ہیں اس لیے کسی بھی بنیادی فکر اور بنیادی عقیدے پر ہی پورا نظام سیاست و معیشت اور سارا معاشرتی ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی تہذیب کی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنے کے لیے اس کے بنیادی عقائد و نظریات کو سمجھنا آتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی عمارت کی مضبوطی و کمزوری کا حال معلوم کرنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی بنیادیں کتنی گہری اور مضبوط ہیں۔

۴۔ چوتھا عنصر۔ انسان کی تربیت:۔ کسی تہذیب کو سمجھنے اور پرکھنے کے لیے چوتھی ضروری چیز ہے کہ وہ تہذیب انسان کو کن اخلاق کے سانچے میں ڈھالتی ہے؟ اور وہ کون سے اوصاف اور کونسی عادات ہیں جنہیں وہ انسان میں پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے؟ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگرچہ تہذیب کا اصل مقصد اجتماعی نظام کی تعمیر ہوتا ہے لیکن افراد ہی سے چونکہ اجتماعیت کی تشکیل ہوتی ہے اس لیے یہ بھی بنیادی سوال ہے کہ اس تہذیب کی اخلاقی تربیت سے کیسا انسان بنتا ہے۔

۵۔ پانچواں عنصر۔ اجتماعی ڈھانچہ:۔ تہذیب کا پانچواں اہم عنصر اس کا اجتماعی نظام ہوتا ہے یعنی یہ کہ اس تہذیب میں ایک انسان کا دوسرے انسان یا انسانوں کے ساتھ تعلق مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے کس طرح قائم کیا گیا ہے؟ اس کے روابط اس کے خاندان، اس کے ہمسایوں، اس کے دوستوں اور دشمنوں اور اس کے ماتحتوں اور بالا دستوں سے کس قسم کے رکھے گئے ہیں؟ اس کو کن حدود کا پابند کیا گیا ہے؟ اس کو آزادی دی گئی ہے تو کس حد تک اور پابند کیا گیا ہے تو کس حد تک؟ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث تہذیب خاندان، معاشرے، حکومت اور بین الاقوامی اداروں کی تنظیم کس ڈھنگ سے کرتی ہے؟

اس بحث سے پتہ چلتا ہے کہ تہذیب جس چیز کا نام ہے اس کی تشکیل ان پانچ عناصر سے ہوتی ہے۔

۱۔ دنیوی زندگی کا تصور
۲۔ زندگی کا مقصد
۳۔ بنیادی عقائد و نظریات
۴۔ افراد کے کردار کی تعمیر
۵۔ اجتماعی نظام۔

انہی پانچ عناصر کی بنا پر ایک تہذیب دوسری تہذیب سے ممیز و ممتاز ہوتی ہے مختلف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تہذیبوں کے ان بنیادی اجزاء میں جتنا فرق ہو گا، اتنا ہی فرق ان تہذیبوں کے مظاہر میں بھی ہو گا۔

تمدن کا مفہوم تہذیب بنیادی نظریات و عقائد اور تصورات و مقاصد زندگی سے عبارت ہے اور ان بنیادی نظریات و عقائد کے مظاہر کو تمدن کہتے ہیں۔ اگر تہذیب کو ہم ایک درخت تصور کر لیں تو بنیادی نظریات اس کی جڑیں ہیں اور تمدن اس کے پتے اور پھل ہیں۔ تمدن تہذیب کے مظاہر کا نام ہے۔ تہذیب اگر عمارت کے نقشے اور بنیاد کا نام ہے تو ان بنیادوں پر بنی ہوئی عمارتوں اور ان کے رنگ و روغن اور نقش و نگار کو تمدن کہتے ہیں۔

تہذیب و تمدن کے مفہوم اور فرق کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک قوم ہے جس کے بنیادی نظریات میں یہ بات شامل ہے کہ عام انسان ہونے کی حیثیت سے مساوی ہیں۔ مساوات کا نظریہ اس قوم کی تہذیب کا جزو ہو گا۔ اس مساوات کا یہ نظریہ اس قوم کی تہذیب کا جزو ہو گا۔ اس مساوات کا اظہار کئی طریقوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً مسلمانوں کے ہاں نماز اس کا ایک مظہر ہے۔ نماز میں محمود و ایاز ایک ہی صف میں کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا بلکہ عین ممکن ہے کہ ایاز اگلی صف میں کھڑا ہو اور محمود دیر سے آنے کی وجہ سے پچھلی صف میں کھڑا ہو جائے اور سجدے میں جائیں تو محمود کا سر ایاز کے پاؤں کے پاس زمین پر رکھا ہو۔ اسلامی تہذیب کے بنیادی نظریہ مساوات کا نماز میں یہ مظہر اس کا تمدن ہے۔ اسی طرح حج کے موقع پر شاہ و گدا سب دو اَن سلی چادروں میں ملبوس ہوتے ہیں۔ بادشاہوں کے ساتھ "ہٹو بچو" کے نعرے لگانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ بیت اللہ میں سب کی حالت ایک سی ہوتی ہے۔ مساوات کا یہ مظہر اسلامی تمدن کا ایک نمونہ ہے۔

لباس کی مثال لیجئے۔ اسلام میں اس کا مقصد ستر چھپانا ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کا جزو ہے اس مقصد کو پورا کرنے والے لباس کے کئی ڈیزائن ہو سکتے ہیں جو موسم، آب و ہوا اور وقت کے ساتھ ساتھ بدل سکتے ہیں۔ پردے کے مقصد کو پورا کرنے والے لباس کے مختلف نمونے اسلامی تمدن کہلائیں گے۔

لباس کے بعد کھانے پینے کی چیزوں کو سامنے رکھیے۔ ان میں بعض چیزوں کی حرمت کا تعلق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ قرآن وحدیث میں کر دیا گیا۔ پھر ہر ملک اور ہر دور کے لوگوں کے اپنے اپنے مزاج اور حالات کے مطابق ان حرام چیزوں سے بچتے ہوئے کھانے اور پینے کی چیزیں اور انداز ہونگے۔ حلال وحرام کے یہ بنیادی اصول اسلامی تہذیب کا جزو ہیں اور ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں دسترخوان پر چنی ہوئی چیزیں اور دسترخوان کے مقامی آداب تمدن کا حصہ ہوں گے۔

مثالی تہذیب ۔ خصوصیات اور خوبیاں

مثالی تہذیب کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا انسانیت کی عظیم ترین خدمت ہے اور اس کے دائرے میں زندگی بسر کرنا ایک آدمی کے لیے قلبی اطمینان اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ ایسی تہذیب کی نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہو سکتی ہیں:۔

۱۔ اعتدال :۔ اس تہذیب کی پہلی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ بنیادی نظریات وعقائد سے لے کر زندگی کے جزئیات تک افراط و تفریط سے پاک ہو۔ اس میں توازن اور اعتدال ہو۔ اس میں انسان نہ تو مطلق العنان اور خودسر ہو کہ وہ شتر بے مہار بن جائے اور نہ وہ مجبور محض ہو کہ مظاہر قدرت یا اپنے جیسے انسانوں کے سامنے سجدے کرتا پھرے۔ اس میں فرد اور معاشرے کے حقوق وفرائض اس طرح متعین ہوں کہ کوئی دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ اس میں مرد اور عورت کا دائرہ کار ان کے فطری وپیدائشی رجحانات، صلاحیتوں اور نوعی فرائض کا لحاظ رکھتے ہوئے مقرر کیے گئے ہوں۔ اس کی سیاست اور معیشت کے مختلف پہلوؤں میں ایک حسین تناسب ہو اور اس میں روحانیت ومادیت کا خوبصورت امتزاج اس طرح پایا جاتا ہو کہ کسی ایک کے تقاضے نظرانداز نہ کر دیے گئے ہوں۔

۲۔ اعلیٰ مقصد کا شعور :۔ معیاری تہذیب انسان کو اعلیٰ مقصد کا شعور اور احساس دیتی ہے۔ وہ انسان کے سامنے اتنا اونچا نصب العین رکھتی ہے کہ گھٹیا چیزوں سے اس کی توجہ ہٹ کر اس پر مرتکز ہو جاتی ہے۔

۳۔ انسانی احترام :۔ معیاری تہذیب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسان کا انسان ہونے کی حیثیت میں احترام پایا جاتا ہو اور رنگ، نسل، زبان، وطن، جنس، عمر اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظریات و عقائد سے قطع نظر کرتے ہوئے آدم و حوا کے ہر بیٹے اور بیٹی کی جان، مال، عفت عصمت اور عزت نفس کی حفاظت کی ضمانت ہو۔ یہ چیزیں مقدس ہوں اور اس وقت تک ان کا تقدس مجروح نہ ہونے دیا جائے جب تک کہ خود کوئی شخص انسانیت کی اس متاع گرانبہا پر دست درازی نہ کرے۔ جب ایسی صورت پیدا ہو تو صرف اتنا اقدام کیا جائے جو اس زیادتی کو روکنے کے لیے ضروری ہو۔

۴۔ مساوات:۔ اس تہذیب کا چوتھا نمایاں پہلو مساوات ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ قانون کی نظروں میں سب برابر ہوں، ترقی کے مواقع سب کے لیے کھلے ہوں اور کسی خاص خاندان، رنگ یا نسل کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے کسی کو خاص حقوق اور مراعات میسر نہ ہوں اور بعض دوسروں کے لیے انہی بنیادوں پر پابندیاں نہ ہوں۔

۵۔ آزادی:۔ اس تہذیب کی پانچویں خصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں لوگوں کو فکر و عمل، اظہار رائے، اجتماع اور اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے جماعت سازی کی آزادی ہو اور کسی شخص کی اس آزادی پر اس وقت تک کوئی قدغن عائد نہ کی جائے جب تک وہ اسے غلط مقاصد کے لیے استعمال نہ کرے۔

۶۔ پاکیزگی:۔ مثالی تہذیب، طہارت، و پاکیزگی کا مرقع ہوتی ہے۔ ظاہر اور باطن دونوں کی پاکیزگی اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ اگر دل و دماغ کو فاسد خیالات اور ناپاک جذبات سے وہ پاک کرتی ہے تو لباس، جسم اور رہائش کی صفائی پر بھی وہ پوری توجہ دیتی ہے۔ اس میں تعلقات و معاملات کی طہارت، کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔

۷۔ جامعیت:۔ معیاری تہذیب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں اور پہلوؤں پر حاوی ہوتی ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ نہیں ہوتا جس کے لیے اس میں بنیادی ہدایات اور اصول نہ پائے جاتے ہوں۔

۸۔ نظام تربیت:۔ مثالی تہذیب میں افراد کی انفرادی اخلاقی تربیت اور ان میں اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنے کے لیے ٹریننگ کا بہترین نظام موجود ہوتا ہے۔ اس تہذیب میں اس چیز کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ اس کے بنیادی عقائد، اس کا بلند نصب العین اور اس کی اقدار حیات لوگوں کے دل و دماغ میں جاگزیں ہوتی رہیں۔

تہذیب کو پرکھنے کے اصول | مثالی تہذیب کی جن خصوصیات کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ کسی تہذیب کو پرکھنے کے لیے کسوٹی ہیں۔ جس تہذیب میں توازن اور اعتدال پایا جاتا ہو، افراط و تفریط سے پاک ہو، انسان کو اعلیٰ مقصد کا شعور اور احساس دیتی ہو، انسانی جان، مال، عفت، عصمت اور عزت نفس اس میں قابل احترام ہوں، مساوات اور صحیح آزادی کی فضا اس میں پائی جاتی ہو وہ بہترین تہذیب ہے اور جو ان اصولوں پر پوری نہ اترتی ہو وہ تہذیب ناقص ہے۔ جس قدر وہ ان اصولوں سے ہٹی ہوئی ہو گی اسی قدر وہ ناقص ہو گی۔

تمدن پر اثر انداز ہونے والے عوامل

ہم اس سے پہلے ان عناصر کا ذکر کر چکے ہیں جن سے کوئی تہذیب مرکب ہوتی ہے اب ہم ان عوامل کا ذکر کریں گے جو کسی قوم کے تمدن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۱۔ دین۔ تہذیب و تمدن کا اصل سرچشمہ:۔ کسی قوم کے تمدن پر بنیادی طور پر جو چیز اثر انداز ہوتی ہے وہ اس کا دین ہے۔ دین دراصل ایک قوم کے بنیادی عقائد و نظریات اور ان نظریات کی بنیاد پر قائم ہونے والے نظام زندگی کا نام ہے۔ تمدن کے رگ و ریشے میں ہمیشہ دینی تصورات کا خون دوڑتا ہے۔ جو کچھ اساسی افکار کسی قوم کے ہوں گے، انہی کی رنگت اس کے تمدن میں جلوہ فرما ہو گی۔ مثلاً ایک قوم مشرکانہ نظریات کی حامل ہے تو اس کے تمدن میں شرک کی جھلک صاف نظر آئے گی۔ ہندوؤں کا تمدن اس کی واضح مثال ہے۔ اس تمدن میں برہمن، کھشتری، ویش اور شودر کی طبقاتی تقسیم ان کے مشرکانہ نظریات اور ان کی مذہبی تنگ نظری کی مرہون منت ہے۔

توحید کی علمبردار کسی قوم کا تمدن ایک دوسرے ہی سانچے میں ڈھلا ہوا ہو گا اور اگر کوئی گروہ خدا کا منکر ہو تو اس کے تمدن کی نوعیت مختلف ہو گی۔ یہ دینی تصورات ہی کی وجہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں سکھ، ہندو اور مسلمان صدیوں اکٹھے رہتے رہے اور بعض علاقوں میں اب بھی وہ اکٹھے رہ رہے ہیں لیکن ان کے لباس، ان کی طرز رہائش، ان کے کھانے پینے کی چیزیں اور ان کے مزاج میں بڑا نمایاں فرق ہے۔ اس فرق کو اکبر کی پالیسی اور کانگریس کی کوششیں بھی مٹا نہ سکیں اور آخر کار اس برصغیر کے دو حصے اس لیے کرنے پڑے کہ دونوں قوموں کی تہذیب اور تمدن میں ان کے ادیان کے اختلاف کی بنا پر بُعد المشرقین تھا۔ اس کے مقابلے میں برصغیر کے مسلمانوں اور ترکیہ کے مسلمانوں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمان و مکان کے اختلاف کے باوجود ان کے تمدنوں میں ایک ہی بنیادی روح کار فرما ہے اور ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تہذیب و تمدن کا اصل سرچشمہ دین ہی ہے۔

۲۔ جغرافیائی حالات

دین کے بعد تمدن پر اثر انداز ہونے والا دوسرا زبردست عامل جغرافیائی حالات ہیں۔ کسی ملک کی آب و ہوا، اس کا محل وقوع اس کی زمین کی ساخت اور خصوصیات، اس کے پہاڑ اور دریا اور اس کی معدنیات وغیرہ بھی تمدن پر بے پناہ اثر ڈالتی ہیں۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان ایک ہی ملک کے دو حصے تھے۔ ان کا دین بھی ایک ہے۔ لیکن جغرافیائی حالات کے اختلاف کی وجہ سے دونوں کے تمدنوں میں جوہری اور اساسی نہ سہی، بہر حال ظاہری فرق ضرور ہے۔ حتیٰ کہ پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں بھی طرز بود و باش، لباس اور کھانے پینے کے ذوق میں کچھ نہ کچھ اختلاف موجود ہے جس کی وجہ جغرافیائی حالات ہیں۔

۳۔ زبان

زبان بھی تمدن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر زبان کے ساتھ اس کی اپنی کچھ روایات، اپنے تمدنی تصورات اپنے مخصوص الفاظ اور ان کا پس منظر ہوتا ہے اور وہ اپنے سارے لوازمات سمیت تمدن پر اثر ڈالتی ہے۔ مثلاً انگریزی زبان کی اپنی روایات اور اپنا لٹریچر ہے۔ اس کے ساتھ ایک خاص مزاج اور ایک مخصوص انداز فکر و عمل بنتا ہے جس کا اثر آدمی کے سارے رویّے اور اس کے پورے طرز بود و باش، لباس اور دوسری چیزوں پر پڑتا ہے۔ اسی طرح اردو و فارسی، عربی، پنجابی، پشتو اور سندھی وغیرہ کی بھی اپنی روایات اور اثرات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم کی درسگاہوں سے فارغ ہونے والے اور اردو ذریعۂ تعلیم کے مدرسوں میں پڑھنے والے ایک ہی ملک بلکہ ایک ہی محلے کے طلبہ کے طرز فکر اور احساسات اجازت دیتے ہیں حالانکہ طرز بود و باش میں بھی بالعموم بڑا نمایاں فرق ہوتا ہے۔

۴۔ مخصوص دَور کی خصوصیات

ہر دور کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ ہر زمانے میں کچھ رجحانات غالب آتے ہیں جنھیں روح عصر بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس روح عصر سے بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر تمدن متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً پچھلی صدی اور اس صدی میں آزادی و جمہوریت اور سائنس کی برتری کو روح عصر کی بنیاد کی حیثیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہو گئی تو ان چیزوں نے مختلف تمدنوں پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ آزادی کی لہر نے پرانے توڑ کر نئے سانچے بنائے اور سائنس نے رہنے سہنے کے انداز بدل کر رکھ دیے ہیں۔

۵۔ سیاسی حالات سیاسی حالات بھی تمدن کا مزاج متعین کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ آزاد قوموں کی اپنی تہذیب ہوتی ہے جس سے وہ اپنا تمدن بناتی ہیں۔ وہ قومیں جو کچھ کرتی ہیں سوچ سمجھ کر پورے اعتماد کے ساتھ کرتی ہیں ان کا اپنا لباس ہوتا ہے۔ اُن کی عمارتوں کے اپنے ڈیزائن ہوتے ہیں اور وہ کسی دوسری قوم سے اگر ضرورت کے تحت کچھ تمدنی اثرات قبول کرتی ہیں تو احساس کمتری کی بنا پر وہ ایسا نہیں کرتیں اور نہ یہ سارا عمل بے ڈھنگے طریقے سے ہوتا ہے بلکہ وہ دوسرے تمدنوں کے بعض اجزا کو جب قبول کرتی ہیں تو اس طرح کہ وہ خود ان کے اپنے تمدن کا خوبصورت جزو بن جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں غلام قومیں غالب قوموں سے ذہنی طور پر مرعوب ہو کر نہایت بھونڈے طریقے سے ان کے تمدن کے مختلف پہلوؤں کی نقالی کرتی ہیں۔

۶۔ معاشی حالات روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ غریبوں کے مکانوں کی ساخت، ان کی بود و باش اور ان کا لباس، امیروں کے محلوں کی ساخت، ان کی بود و باش اور ان کے لباس سے مختلف ہوتا ہے۔

لاہور شہر میں گلبرگ والوں کا تمدن اندرون بھاٹی گیٹ اور لوہاری گیٹ کے رہنے والوں کے تمدن سے خاصا مختلف ہے اور اس اختلاف کی ایک وجہ معاشی تفاوت ہے۔ جس طرح ایک امیر فرد اور ایک غریب فرد اور ایک مال دار کالونی اور ایک غریب بستی کے تمدنوں میں فرق ہوتا ہے اسی طرح ایک امیر ملک اور ایک غریب ملک کے تمدنوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔

۷۔ تہذیبی روابط قوموں کے باہم تہذیبی و ثقافتی روابط بھی تمدن کو متاثر کرتے ہیں اور تاریخ اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ عرب کے مسلمانوں کے روابط ایرانیوں اور رومیوں سے جب ہوئے تو ان کے تمدن پر ایران، روما اور یونان کی قدیم تہذیبیں اثر انداز ہوئیں۔ اس دور میں بھی مختلف ممالک کے ثقافتی و تمدنی تعلقات ایک دوسرے پر اثر ڈال رہے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی تہذیب و تمدن

اسلامی تہذیب کے عناصرِ ترکیبی ہم پہلے ہی گزارش وضاحت سے کر چکے ہیں کہ تہذیب کی تشکیل بنیادی طور پر پانچ عناصر سے ہوتی ہے۔

۱۔ تصورِ زندگی ۲۔ مقصدِ زندگی

۳۔ بنیادی عقائد و نظریات ۴۔ تربیت افراد

۵۔ اجتماعی نظام۔

ہر تہذیب کے خدوخال کا انحصار انہی پانچ عناصر پر ہے اور اسلامی تہذیب کا خاکہ سامنے لانے کے لیے بھی ہمیں انہی کا جائزہ لینا ہو گا۔

۱۔ تصورِ زندگی۔ نیابتِ الٰہی انسانی زندگی کے متعلق انتہائی افراط و تفریط پر مبنی نظریات ہمیشہ سے اس دنیا میں موجود رہے ہیں۔

بعض تہذیبوں میں انسان کو مختارِ کل، مطلق العنان اور کائنات کے تسخیر کرنے والے کی حیثیت دی گئی اور مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً (ہم سے زیادہ طاقت کس کے پاس ہو سکتی ہے) کا ناقوس اس نے بجایا۔ اس تصور نے کسی بالاتر ہستی کے وجود اور ایسی ہستی کے سامنے انسان کی جواب دہی کے تخیل کو واہمہ قرار دیا۔ جس کی وجہ سے انسان وحشی اور عملاً غیر ذمہ دار بن گیا۔

بعض دوسری تہذیبوں نے دوسری انتہا اختیار کی اور انسان کو دنیا کی ذلیل ترین مخلوق سمجھ لیا۔ ان تہذیبوں نے انسان کو درخت، پتھر، دریا، پہاڑ، جانور، ہوا، آگ، بادل، چاند، سورج، تارے، غرض ہر اس چیز کے سامنے سرنگوں کر دیا جس کے اندر کسی قسم کی قوت نفع و نقصان کی خاصیت نظر آئی۔

اسلامی تہذیب نے ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی اور انسان کو ایک طرف تو یہ بات بتائی کہ وہ مختارِ مطلق نہیں۔ اس کی تو تخلیق ہی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیر مخلوق ہے۔ فرمایا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ

انسان اپنی حقیقت تو دیکھے کہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے، ایک اچھلتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (الطارق)

ہوئے پانی سے جو پشت اور سینے کی پڈیوں کے درمیان سے کھینچ کر آتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ۔ (السجدہ)

انسان کی ابتدا مٹی سے کی پھر مٹی کے نچوڑ سے، جو ایک حقیر پانی ہے، اس کی نسل چلائی۔

دوسری طرف اسلام نے انسان کو سمجھایا کہ وہ ذلیل نہیں بلکہ معزز ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (بنی اسرائیل)

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور تری میں سواریاں دیں اور انہیں پاک چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو ایک طرح کی فضیلت عطا کی۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ (الحج)

اے انسان کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے زمین کی ساری چیزیں تیرے لیے مسخر کر دیں۔

انسان کے تکبر و نخوت اور پستی و ذلت کے تصور کو توڑ کر اسلام نے اس کے سامنے ل پوزیشن واضح کی کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ ہے۔ زمین و آسمان کی اکثر چیزیں اس کے ے مسخر کی گئی ہیں۔ لیکن وہ ان میں تصرف ایک مطلق العنان شہنشاہ کی حیثیت سے نہیں کتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے ۔ سے ان چیزوں میں ان کے مالک و خالق کی ہدایت کے مطابق تصرف کرنا چاہیے ضمون کو پوری تفصیل سے سورہ البقرہ اور سورہ الحجر میں بیان کیا گیا ہے۔

انسان کی پوزیشن واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام نے یہ بات بھی پوری صراحت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مضبوط دلائل کے ساتھ کھول کر بیان کر دی ہے کہ یہ دنیا اور اس کی زندگی عارضی ہے اور اس کے بعد ایک دوسری دنیا ہے جس میں موت نہیں۔ اس میں انسانوں سے اُن کے اعمال کے نتائج کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۔ (زلزال)

جس شخص نے یہاں ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اس کے سامنے آجائے گی۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ

انسان کو معاوضہ اس کی محنت ہی کا ملے گا۔

ایک جگہ فرمایا:

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ (طٰہٰ)

فیصلے کی گھڑی جسے ہم چھپانا چاہتے ہیں آنیوالی ہے۔ تاکہ ہر نفس کو اس کی سعی کے مطابق بدلہ ملے۔

پس اسلامی تہذیب کا پہلا جزو اس کا یہ تصورِ زندگی ہے کہ انسان اس کائنات میں مختار مطلق یا ذلیل و خوار مخلوق نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ جس کے لیے زمین و آسمان کی اکثر چیزیں مسخر کر دی گئی ہیں تاکہ وہ ان میں اللہ تعالےٰ کی مرضی کے مطابق تصرف کرے نیز یہ زندگی عارضی ہے اس کے بعد دوسری زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں اور ہر انسان کو اُس زندگی میں فرداً فرداً اس دنیا میں کیے ہوئے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

۲۔ مقصدِ زندگی

مقصدِ زندگی کا سوال تصورِ زندگی کے سوال سے بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ایک تہذیب میں زندگی کا جیسا کچھ تصور ہوگا۔ اسی قسم کا مقصدِ زندگی اس میں متعین ہوگا مثلاً جس تہذیب نے انسان کی مطلق العنانی، تمام اشیاء پر اس کی برتری اور کسی بالاتر ہستی کے سامنے جواب دہ نہ ہونے کا تصورِ حیات پیش کیا ہو۔ اس تہذیب میں فطری طور پر مقصدِ زندگی یہی طے پائے گا کہ اس چند روزہ مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوب جی بھر کر جگ لیا جائے۔ آسائشات و تعیشات کی فراوانی کا اہتمام کیا جائے تاکہ اس قلیل مدت میں زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کی جاسکے۔ انفرادی اور قومی طور پر سیاسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلبہ و تفوق حاصل کیا جائے اور عمرانی ترقی کے مختلف مظاہر مثلاً علوم و فنون اور آثار مدنیت میں شان و شکوہ کی دوڑ میں دوسروں پر برتری حاصل کی جائے۔

اس کے مقابلے میں جس تہذیب نے انسان کے فطری طور پر گنہگار اور جبلی طور پر ذلیل و حقیر ہونے کا تصور دیا ہو اور دنیا کو دارالعذاب سمجھا ہو، جس میں انسان سزا بھگتنے کے لیے مقید کیا گیا ہے۔ اس تہذیب میں زندگی کا نصب العین اس عذاب سے نجات، اس گناہ سے پاکیزگی اور اس ذلت و حقارت سے چھٹکارا ہی قرار پائے گا۔

اس بنیادی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسلام کے اس تصور زندگی پر جب ہم غور کرتے ہیں کہ اس تہذیب میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا نائب اور زمین پر اس کا خلیفہ مقرر کیا گیا ہے تو منطقی طور پر اس سے جو مقصد حیات متعین ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ نائب ہونے کی حیثیت سے انسان اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرے اور اس کی نظر میں وہ ایک وفادار، فرض شناس اور قابل اعتماد ملازم قرار پائے۔ اس تہذیب میں دوسروں پر سیاسی، معاشی اور معاشرتی تفوق و برتری زندگی کا نصب العین اور شرافت و فضیلت کا معیار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس کلچر میں فرائض کی بجا آوری محض اس غرض سے ہوگی کہ مالک راضی ہو جائے۔ جلب منفعت یا جاہ و منزلت اس میں مقصود نہیں ہو سکتی۔ یہ الگ بات ہے کہ مالک راضی ہو کر اس پر انعامات کی بارش کر دے۔

اسلامی تہذیب نے رضائے الٰہی کے حصول ہی کو انسانی زندگی کا نصب العین قرار دیا ہے اور قرآن و حدیث میں اسی ایک نصب العین کو مختلف پیرایوں میں ذہن نشین کرانے اور دل میں بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (الانعام)

اے پیغمبر کہہ دے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ۔

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر بیچ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(البقرہ) بندوں پر شفقت فرمانیوالا ہے۔

مال خرچ کرنے کے متعلق فرمایا:

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ۔

تم جو کچھ بھی خیرات کی مد میں خرچ کرو گے اس کا فائدہ تمہارے ہی لیے ہے جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو خدا کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہو۔

(البقرہ)

ایک اور پیرائے میں یوں فرمایا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا. إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا۔

وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے مسکینوں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو محض اللہ کی رضا کے لیے ہی کھلا رہے ہیں، ہماری نیت اس کا قطعاً معاوضہ لینا یا شکریہ وصول کرنا نہیں۔

(الدہر)

۳۔ بنیادی عقائد و نظریات

کسی تہذیب کی تیسری نمایاں خصوصیت اس کے بنیادی عقائد و نظریات ہوتے ہیں۔ انسانی زندگی میں نظم و ترتیب پیدا کرنے اور کسی مخصوص تہذیب کو معرض وجود میں لانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسانی ذہنوں میں مخصوص خیالات جاگزیں ہوں اور ان خیالات میں اتنی پختگی اور مضبوطی ہو کہ وہ دوسری قسم کے خیالات کو آنے اور ذہن کی دنیا میں برہمی پیدا کرنے کا موقع نہ دیں اور انہی خیالات کو ہم بنیادی عقائد و نظریات کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور دین کی بولی میں انہیں "ایمانیات" کہا جاتا ہے۔

بعض تہذیبیں ایسی ہیں جن کے ایمانیات میں نہ کوئی خدا ہے نہ کوئی مذہبی رہنما، نہ کوئی الہامی کتاب، نہ کوئی ایسی تعلیم جو انسانی سیرت کو روحانی بنیادوں پر تعمیر کرنے والی ہو اور نہ کوئی زندگی بعد موت، نہ کوئی جواب دہی کی ذمہ داری اور نہ کوئی جزا و سزا۔

ان تہذیبوں میں سب سے بڑا معبود "قوم اور ملک" ہے جسے تمام "قوم پرست" اور وطن پرست پوجتے ہیں اور اس کی خدمت میں جان دینا اور تن من دھن اس پر نچھاور کر دینا ان کے نزدیک بہت بڑی سعادت ہے۔ اس "قوم پرستی" میں یہ بات بھی شامل ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہی کی قوم برحق ہے اور ہر شخص کا فرض ہے کہ سارے جہاں میں اپنی قوم کا جھنڈا بلند کرے۔

ان تہذیبوں میں دوسرا معبود ملک کا وہ "قانون" ہے جسے وہ خود بناتے اور پھر خود ہی اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہاں تیسرا معبود "نفس" ہے۔ جس کی خواہشات کی تسکین اور جس کے لیے آسائشات، تعیشات کا حصول اکثر سرگرمیوں کا مرکز و محور ہے۔

بعض دوسری تہذیبیں ایسی ہیں جن کی بنیاد مشرکانہ مذاہب پر ہے۔ ان تہذیبوں میں پتھروں کے تراشے ہوئے بے شمار بتوں "مظاہر فطرت"، برگزیدہ انسانوں اور اسی نوعیت کی دوسری لاتعداد چیزوں کو معبود بنا لیا جاتا ہے اور اخروی زندگی میں نجات و سرخروئی کے عجیب عجیب تصورات کو بنیادی عقائد میں شامل کیا جاتا ہے۔

ان دونوں قسم کی تہذیبوں کے برعکس اسلامی تہذیب کے بنیادی عقائد میں اللہ تعالیٰ کی توحید (ذات، صفات، اختیارات میں توحید) اس کے رسولوں، فرشتوں، الہامی کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان شامل ہے۔

سورہ بقرہ میں ایمان کے ان پانچوں اجزاء کا ذکر اس طرح ہوا ہے

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ	اصل نیکی تو اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لانا ہے

اسلام نے ان پانچ چیزوں کا جو تصور پیش کیا ہے۔ ان کے لیے انفس و آفاق سے مفصل دلائل دیے گئے ہیں۔ ان پر غور و فکر کرنے اور عقل کو استعمال کرنے کی بار بار دعوت دی گئی ہے۔ پھر ان چیزوں پر ایمان لانے سے عملی زندگی میں جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ حد درجہ خوشگوار اور انسانیت کے لیے ایک رحمت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جو لوگ اسلام کی حقانیت پر ایمان نہیں لاتے وہ بھی برملا اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان ایمانیات کی بنیاد پر اسلامی تہذیب نے جو افراد تیار کیے وہ بہترین انسان تھے اور ان سے بہتر انسان تیار نہیں کیے جا سکتے۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ اس تہذیب نے ایک ایسا معاشرہ، ایک ایسی اجتماعیت اور ایک ایسی ریاست عملی زندگی میں پیدا کر دی جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں مل سکتی۔

ان ایمانیات میں سے صرف ایمان باللہ کو لیجیے۔ توحید پر صحیح ایمان کا تمام تر مطمح نظر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی شکل میں نکلتا ہے۔ اتنی ہی وسعت نظر جتنی وسعت خدا کی غیر محدود سلطنت میں ہے اس ایمان میں یہ چیز شامل ہے کہ وہ اللہ ایک فرد، ایک قوم، ایک ملک، ایک خاندان ایک نسل، ایک رنگ اور ایک زبان رکھنے والے لوگوں ہی کا خدا نہیں بلکہ وہ خالق السموات والارض اور رب العالمین ہے۔ اس وسعت نظر کے نتیجے میں دوستی، دشمنی اور محبت ونفرت کے پیمانے بالکل بدل جاتے ہیں اور ان بے شمار فسادات کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو قوم پرستی یا نفس پرستی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

پھر ایمان باللہ خودداری اور عزت نفس کے بلند ترین مدارج تک آدمی کو پہنچا دیتا ہے بندۂ مومن کی نظروں میں دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس قابل نہیں۔ حتی کہ اس سے خوف کھائے اس سے طمع رکھے، اس کے سامنے جھکے، اس کے سامنے دست سوال دراز کرے، یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امیدیں وابستہ کرے۔ پس ایمان باللہ کے بعد آدمی انتہائی بے خوف، بے نیاز اور باغیرت وخوددار ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ عزت نفس، دولت، جاہ ومنصب، طاقت یا کسی دوسری چیز پر گھمنڈ کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس سے تکبر ونخوت نہیں بلکہ تواضع، انکساری اور فروتنی پیدا ہوتی ہے۔

اللہ کی معرفت سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ آدمی کے اندر یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا مالک صاحب اختیار اور رحمن ورحیم ہے۔ اس لیے اس کے اندر مایوسی وقنوطیت نہیں بلکہ رجائیت پیدا ہوتی ہے۔

یہی رجائیت ترقی کر کے صبر واستقلال اور توکل علی اللہ کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جاتی ہے۔ بندۂ مومن مشکلات ومصائب اور مخالف قوتوں کے مقابلے میں پہاڑ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کوئی چیز اسے اپنے مسلک سے نہیں ہٹا سکتی۔

اسی صبر واستقامت سے ملی جلی صفت جرأت وشجاعت بھی ایمان باللہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بزدلی مومن کے قریب نہیں پھٹکتی اور ... قتل ہونے کو، بلکہ وہ ڈرنے کی بجائے اور نڈر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا بھروسہ ذخیرہ طاقت پر نہیں بلکہ خدا پر ہوتا ہے۔ ایمان باللہ کی وجہ سے پیدا ہونے والی چند صفات اور اس سے مترتب ہونے والے بہت ہی تھوڑے سے فوائد کا تذکرہ ہے۔ اسلامی تہذیب کے دوسرے اجزا بات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے فوائد بھی لاتعداد ہیں جن کے احاطہ کی یہاں گنجائش نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے تفصیلی اور دوسری تہذیبوں کے ساتھ تقابلی مطالعہ اور ان پر گہرے غور و فکر کے بعد ناممکن ہے کہ آدمی کی روح وجد میں نہ آجائے، وہ جھوم نہ اٹھے اور اس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں سے یہ صدا بلند نہ ہو کہ ایسی تہذیب کے غلبہ کے لیے آدمی کو جسم و جان اور مال و اولاد غرض دنیا کی عزیز ترین متاع کی بازی لگا دینی چاہیے۔

۴۔ تربیت افراد تہذیب کا چوتھا اہم جزو یہ ہے کہ اس نے اپنے تصور زندگی اور اپنے طے کردہ مقصد حیات کے مطابق افراد کی تربیت اور ان کی سیرت سازی کے لیے کیا انتظام کیا ہے؟ کیسے انفرادی اعمال اور اجتماعی ادارے اس غرض کے لیے مقرر کیے ہیں؟

مثلاً جس تہذیب نے اس چند روزہ عارضی زندگی میں عیش پرستی کو مقصد حیات قرار دیا ہے۔ اس نے سینما، شہوت انگیز تصاویر، ہیجان خیز ادب، مخلوط معاشرت، مخصوص نظریات کی بنیادوں پر استوار نظام تعلیم کو اپنے افراد کی تربیت کے لیے ذریعہ بنایا ہے۔

اسلامی تہذیب نے تربیت اولاد کے لیے "ایمانیات" کو بنیاد بنایا ہے۔ خالق، مالک، رازق، رحمٰن، رحیم، حی، قیوم، سمیع، بصیر، علیم، عادل، جبار، قہار، فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ، أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ، سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ پر پختہ ایمان۔ اس زندگی کے عارضی اور زندگی بعد موت کے مستقل ہونے پر اور آخرت میں پورے انصاف کے ساتھ اس دار العمل میں کیے ہوئے کاموں پر جزا و سزا کے مترتب ہونے پر یقین محکم اور رسولوں کے معصوم عن الخطا اور اللہ کے سچے نمائندے ہونے پر غیر متزلزل اطمینان آدمی کے دل و دماغ کی اس طرح تطہیر کرتا ہے کہ گھٹیا اور انسان دشمن خیالات، شہوات اور سفلی جذبات و احساسات بڑی حد تک دب جاتے ہیں۔ کسی برائی کا ارتکاب کرتے وقت ایک شخص اگر ساتویں کوٹھڑی میں بند ہو جہاں کوئی انسان اسے دیکھ نہ رہا ہو، وہاں بھی اسے یہ خیال آئے گا کہ سمیع و بصیر اور حی و قیوم ہستی کی نظر مجھ پر ہے۔ اس کے مقرر کردہ فرشتے میرے اعمال لکھ رہے ہیں اور قیامت کے روز مجھے ان کی جوابدہی کرنی ہے۔ یہ تصور اول تو اسے برائی سے روک دے گا۔ لیکن وقتی طور پر غلط جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی نازیبا حرکت اس سے سرزد بھی ہو جائے تو بعد میں اسے ایسی ندامت ہوگی اور اس کے لیے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے گا کہ آئندہ اس طرح کی حرکت کا صدور بہت ہی مشکل ہو جائے گا۔

ارکان اسلام ان ایمانیات کو پختہ کرنے۔ ان کا تصور ذہن میں تازہ رکھنے اور مضبوط بنیادوں پر تعمیر سیرت کے لیے اسلامی تہذیب میں مستقل ایسے ادارے قائم کیے گئے ہیں جن کی بدولت انسانی کردار مسلسل اسلامی سانچے میں ڈھلتا رہے۔

نماز پانچ وقت کی نماز اس سلسلے میں اولین اہمیت رکھتی ہے۔ یہ صبح سویرے جاگنے کے وقت سے لے کر رات کو بستر پر دراز ہونے کے وقت تک پانچ مرتبہ انسان کو اس کی حیثیت اور اس کا مقصد زندگی یاد دلاتی ہے۔ یہ نماز انفرادی سیرت کے ساتھ اجتماعی آداب کا احساس بھی پیدا کرتی ہے۔ نماز کا مقصد یادِ الٰہی کو تازہ رکھنا ہے۔ فرمایا:-

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي	نماز میری یاد کے لیے قائم کرو

اس نماز کا ثمرہ قربِ الٰہی اور منکرات سے اجتناب ہے۔ حدیث میں ہے۔

الصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ	نماز مومن کی معراج (یعنی قربِ الٰہی کا ذریعہ) ہے۔

قرآن پاک میں ہے:-

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (عنکبوت)	بلاشبہ نماز فواحش اور منکرات سے روکتی ہے۔

روزہ نماز کے بعد سال میں ایک مرتبہ پورے ایک ماہ کے روزے اس لیے فرض کیے گئے ہیں کہ دل میں خوفِ خدا پروان چڑھے۔ آدمی میں صبر اور ضبطِ نفس کا ملکہ پختہ ہو حکمِ الٰہی کے تحت حلال چیزوں تک سے رک جانے کی تربیت اسے ملے اور بھوک پیاس سہ کر نادار اور مفلس لوگوں کی دشواریوں کا احساس اس کے اندر پیدا ہو۔ یہ مہینہ نیکیوں کا موسم بہار ہوتا ہے اور اس ایک ماہ کی اجتماعی تربیت افراد کو تقویٰ و اخلاقِ حسنہ کے بہت بلند مقام پر پہنچا دیتی ہے۔

زکوٰۃ سال میں ایک بار اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اپنی حلال کمائی میں سے چالیسواں حصہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے مستحق لوگوں کو دینا ضروری قرار دیا گیا۔ زکوٰۃ کے اس حکم پر عمل سے حبِ مال کے جذبے پر شدید چوٹ لگتی ہے اور انسان مال و دولت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بجائے میں جن لاتعداد بھیانک اور خوفناک اور انسانیت کے لیے تباہ کن حرکتوں کا مرتکب بنتا ہے، صحیح جذبے اور تصور کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی ان حرکتوں کا قلع قمع کر دیتی ہے۔

حج حج زندگی میں ایک دفعہ فرض کیا گیا ہے اور پہلے تینوں ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوٰۃ، سے تعمیر سیرت کے سلسلے میں جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ سب فوائد ان بہت کچھ اضافے کے ساتھ حج کے ذریعے میسر آتے ہیں۔ حج خدا پرستی کی بنیاد پر اہل اسلام کی ایک عالمگیر برادری بناتا ہے۔ اور ایک ایسی بین الاقوامی تحریک چلاتا ہے جو صدیوں سے جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گی۔

تربیت افراد کے سلسلے میں اسلامی تہذیب میں یہ وہ مثبت اقدام ہیں جن پر عمل فرض ہے۔ اس کے علاوہ انسانی کردار کو گھن کی طرح کھا جانے والے اور ابن آدم کے دل و دماغ میں ناقص خیالات اور کمینے جذبات کو ابھارنے والے بعض افعال مثلاً قتل، شراب نوشی، جوا، زنا، سود خوری، چوری، ڈاکہ، قتل اولاد اور دوسروں کے حقوق مارنے کی شدت سے صرف اخلاقی ممانعت ہی نہیں کی گئی بلکہ ان چیزوں کو قانونی جرم قرار دے کر ان کے لیے باقاعدہ سزائیں اور تعزیرات مقرر کیں جن کا نفاذ اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرہ پر فرض کیا گیا اور جو حکومت اور معاشرہ ان سزاؤں کو نافذ نہیں کرتا اسے اسلامی کہلانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

اجتماعی نظام حیات اسلام محض پوجا پاٹ کا مذہب، انفرادی نجات کا وسیلہ اور زندگی کا پرائیویٹ معاملہ نہیں۔ اس میں ایسا کوئی تصور نہیں کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے قیصر کو دو۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو زندگی کے اخلاقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، روحانی شعبوں کے لیے مفصل ہدایات، واضح اصول اور واجب العمل احکام و قوانین دیتا ہے۔ ان ہدایات کی پیروی ان اصولوں کا اتباع اور ان قوانین و فرامین کی اطاعت خدا کے خوف اور اس کی رضا کے حصول کے جذبے، اسلامی معاشرے کے اجتماعی دباؤ اور اسلامی ریاست کی انتظامی مشینری کے ذریعہ ہوگی۔ اگر کبھی ایسا دور آجائے کہ یہ چیزیں خوف خدا، رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ، معاشرے کا اجتماعی دباؤ اور ریاست کی انتظامیہ مشینری کمزور پڑ جائے تو اہل ایمان اور حساس افراد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ منظم و متحد ہو کر ایسے اسباب و حالات پیدا کرنے کی کوشش کریں جن کے ذریعے اسلامی نظام زندگی نافذ ہو سکے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی تمدن کا مفہوم

تمدن کا عمومی مفہوم سمجھنے کے بعد اسلامی تمدن کا مفہوم سمجھنا چنداں دشوار نہیں۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد پر جو تمدن استوار ہوگا۔ اسے ہم اسلامی تمدن کہیں گے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کے پانچ بنیادی عناصر ترکیبی یعنی اسلام کا تصور حیات، اسلام کا مقصد حیات، اسلامی عقائد و افکار، اسلام کا نظام تربیت اور اسلام کے نظام اجتماعی پر جس تمدن کی عمارت کھڑی ہوگی وہ اسلامی تمدن ہوگا۔

اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ اسلامی تہذیب تو ہر جگہ اور ہر زمانے میں ایک ہی رہی ہے اور ایک ہی رہے گی۔ لیکن اسلامی تمدن اپنی روح کے اعتبار سے ایک ہی ہونے کے باوجود زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اپنی شکل میں بعض پہلوؤں سے مختلف ہو سکتا ہے۔ اس اختلاف کا سبب وہ عوامل ہیں جو کسی تمدن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان عوامل کا تفصیلی ذکر ہم کر چکے ہیں۔

اسلامی تمدن کی بنیاد خدا اور آخرت پر ایمان، احساس جواب دہی، اخلاقی قدروں کی برتری اور خواہشات نفس پر ضبط اور ان کی جائز ذرائع سے تسکین پر ہے۔ اسلامی تہذیب نے ایک ایسے تمدن کو جنم دیا ہے۔ جس میں انسان کی ذہنی قوتوں، تخلیقی صلاحیتوں، لطیف جذبات احساسات اور جائز خواہشات کی تسکین و ترقی کا پورا اہتمام کیا گیا ہے لیکن اس طرح نہیں کہ زمین پر بد اخلاقی بے حیائی، فحاشی اور خود غرضی کا دور دورہ ہو جائے جس کا آخری نتیجہ اسلامی تہذیب کی تباہی کی شکل میں سامنے آئے۔

راک اینڈ رول، ٹوئسٹ، بھنگڑا، لڈی اور ناچ کے دوسرے انداز اسلامی تمدن نہیں کیبرے ڈانس اسلامی ثقافت نہیں۔ فحش تصاویر اور برہنہ مجسموں کی نمائش، جنسی جذبات کو بھڑکانے والا ترقی پسند ادب اور سفلی جذبات کو ہوا دینے والی فلمیں اسلامی تمدن نہیں۔ اسلامی تمدن ایک پاک صاف، اعلیٰ جذبات کو پروان چڑھانے والا ہمارے بنیادی نظریات سے ہم آہنگ تمدن ہے۔

اسلامی تہذیب و تمدن کی خصوصیات اور خوبیاں

اسلامی تہذیب و تمدن دنیا کی مثالی تہذیب و تمدن ہے۔ اس تہذیب و تمدن کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنیادیں خود خالق کائنات نے فراہم کیں۔ صرف اسی نظام میں انسانی نفسیات اور ضروریات کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا، کیونکہ یہ کام انسان کے خالق اور اس کی فطرت سے باخبر ہستی کے علاوہ کوئی اور سرانجام نہیں دے سکتا۔ اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم یہ بات پورے شرح صدر سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب و تمدن کی خصوصیات اور خوبیاں وہی ہیں جن کا تفصیل سے ذکر ہم "مثالی تہذیب کی خصوصیات اور خوبیاں" کے عنوان کے تحت اس سے پہلے کر آئے ہیں اور اختصار کے ساتھ ہم ان کو یہاں دہراتے ہیں۔

۱۔ اعتدال اسلامی تہذیب و تمدن بنیادی نظریات اور اصولوں سے لے کر زندگی کی جزئیات تک افراط و تفریط سے پاک ہے۔ اس میں انسان نہ شتر بے مہار ہے نہ مجبور محض، بلکہ وہ ایک خدا کا بندہ اور نائب ہے جس کے لیے کائنات کی چیزیں مسخر کی گئی ہیں۔ اس تہذیب و تمدن میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی دائروں میں فرد اور اجتماعیت کے حقوق و فرائض میں کمال درجے کا توازن رکھا گیا ہے اور یہاں مادیت و روحانیت کا ایسا حسین امتزاج ہے کہ کسی ایک کے بھی تقاضے نظر انداز نہیں ہوتے۔

۲۔ اعلیٰ مقصد کا شعور اسلامی نظام نے انسان کو رضائے الٰہی کے حصول کا بلند ترین نصب العین عطا کیا ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر سے خود غرضی، حسد، گلا کاٹنے والے مقابلے کے گھٹیا جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور وہ اعلیٰ مقصد کے لیے اعلیٰ ترین اوصاف اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔

۳۔ انسانی احترام اسلامی نظام تہذیب و تمدن میں انسانی جان و مال، عزت و آبرو اور بنیادی حقوق واجب الاحترام ہیں اور کسی بڑے سے بڑے انسان حتیٰ کہ کسی نبی کو بھی یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ ان چیزوں پر جائز سبب کے بغیر ہاتھ ڈالے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ:

"لوگو! قیامت تک تمہارے مال اور جانیں ایک دوسرے کے لیے اتنی ہی محترم ہیں جتنی وہ آج کے دن اس شہر میں واجب الاحترام ہیں۔"

۴۔ مساوات اسلامی تہذیب و تمدن میں انسان ہونے کی حیثیت میں قانونی لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں اور ترقی کے مواقع سب کے لیے یکساں ہیں۔ کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص خاندان، رنگ، نسل یا زبان کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے کسی کو خاص سہولتیں اور مراعات نہیں دی جاتیں۔

۵۔ آزادی اس تہذیب و تمدن کی ایک اہم خصوصیت اور خوبی یہ ہے کہ اس میں لوگوں کو فکر و عمل، اظہار رائے، اجتماع اور اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے جماعت سازی کی آزادی ہوتی ہے۔ کسی شخص کو اس آزادی پر اس وقت تک پابندی عائد کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ جب تک کوئی شخص اس آزادی کو غلط مقاصد کے لیے غلط طریقے سے استعمال نہ کرے۔

۶۔ پاکیزگی اسلامی تہذیب و تمدن میں ظاہری اور باطنی طہارت و پاکیزگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ دل و دماغ کو فاسد خیالات و جذبات سے پاک اور لباس، جسم اور رہائش کو ظاہری گندگیوں سے صاف ستھرا رکھنے کی تاکید قرآن و حدیث اور عمل سلف صالحین سے واضح ہے۔

۷۔ عالمگیریت اسلامی تہذیب و تمدن زمان و مکان کی حدود سے بالا ہے۔ اس کے بنیادی اصول انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور جس طرح انسان کی فطرت کبھی اور کہیں نہیں بدلتی اسی طرح وہ اصول بھی غیر تغیر پذیر ہیں۔ اصولوں کے علاوہ باقی جزئیات میں ان اصولوں ہی کی روشنی میں حالات و ضروریات کے مطابق اجتہاد کے ذریعے تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں مل کر اسلامی تہذیب و تمدن کو عالمگیر بنا دیتی ہے۔

۸۔ جامعیت اسلامی تہذیب و تمدن میں بڑی جامعیت پائی جاتی ہے اور زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کے لیے اس میں بنیادی ہدایات اور اصول نہ پائے جاتے ہوں۔

۹۔ سادگی اسلام نے سادگی کی تعلیم دی ہے۔ تعیش پسندی، فضول خرچی اور اسراف و تبذیر کو شیطانی عمل سے تعبیر کر کے ممنوع قرار دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی معاشرت سادگی کا بہترین نمونہ تھی۔

۱۰۔ تربیتی نظام اس نظام میں افراد کی انفرادی اخلاقی اصلاح اور ان میں اجتماعی ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کے لیے تربیت کا بہترین نظام موجود ہے اس پر ہم تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۱۔ تسلسل اسلامی تہذیب و تمدن کی ایک خصوصیت اور خوبی یہ ہے کہ اس میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ اسلام کے متعلق قرآن نے یہ تصور دیا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے یہی دین پیش کیا۔ اس لحاظ سے اس تہذیب کی جڑیں ہزارہا سال گہری اور اہل اسلام کی روایات قریباً قرن پرانی ہیں۔ یہ تہذیب اپنے فرزندوں میں ملی غیرت پیدا کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان روایات اور اصولوں کی حفاظت ہوتی آرہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

۱۲۔ اخوت اسلامی تہذیب کا ایک اہم جزو اخوت ہے۔ قرآن اسی بات پر زور دیتا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کی مثال ایک جسم کی ہے کہ جس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے۔

اہم سوالات

۱۔ وہ عوامل اور عناصر بیان کیجئے جو کسی قوم کی تہذیب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ نیز بتائیے کہ کسی تہذیب کے قیام میں دین کا کہاں تک تعلق ہے؟ (ثانوی تعلیمی بورڈ لاہور ۱۹۶۲ء)

۲۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی خصوصیت پر تفصیلی مضمون تحریر کیجئے۔

۳۔ اسلامی تمدن سے کیا مراد ہے؟ اس کی خوبیاں واضح کیجئے۔

۴۔ اسلامی تہذیب کی دوسری تہذیبوں پر برتری کے وجوہ لکھیے۔

۵۔ اسلامی تہذیب کے عناصر و عوامل بیان کیجئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲

اخلاق

مفہوم اخلاق خلق کی جمع ہے۔ لفظی مطلب ہے خصلت، عادات۔ اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ وہ خصلتیں اور صفات جو کسی کی فطرت اور طبیعت کا اس طرح لازمی جزو بن جائیں کہ پھر غور و فکر کے بغیر روزمرہ کی زندگی میں ان کا ظہور ہوتا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اخلاق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"خلق انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جو اس کی طبیعت کے مختلف اوصاف و حالات کو جدوجہد کرکے اپنی طرف راجع کرے"

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"خلق انسان کی ایک ایسی کیفیت اور ہیئت راسخہ کا نام ہے جس کی وجہ سے بسہولت اور کسی فکر اور توجہ کے بغیر نفس سے اعمال سرزد ہوں۔"

"اخلاق جلالی" کے مصنف ملا جلال الدین دوانی لکھتے ہیں

"جب افعال کسی فکر و تردد کے بغیر سرزد ہونے لگیں تو اس کیفیت کو "خلق" سے تعبیر کرتے ہیں"

قسمیں اخلاق کی دو قسمیں ہیں (۱) اخلاق حسنہ (۲) اخلاق سیئہ۔ اعلیٰ اوصاف کو جنہیں انسانیت نے اپنی فطرت کے مطابق سمجھتے ہوئے ہمیشہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے، اخلاق حسنہ کہتے ہیں۔ اور گھٹیا اور برے اوصاف کو جنہیں بحیثیت مجموعی انسانیت نے ہمیشہ ناپسند کیا ہے، اخلاق سیئہ کہتے ہیں۔ اسلام نے اخلاق حسنہ کو اپنانے اور اخلاق سیئہ سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسلام نے ان چیزوں کو بھی اپنانے کی تلقین کی ہے جو فی نفسہٖ چاہے مطلوب نہ ہوں لیکن جن سے اخلاق حسنہ کو تقویت پہنچتی ہو اور ان چیزوں سے بھی بچنے کا حکم دیا ہے جو بذات خود بری نہ ہوں لیکن وہ برائی اور اخلاق سیئہ کی طرف لے جانے والی ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضیلت و اہمیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ اخلاق پر بہت زور دیا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت اور غیر معمولی دنیوی و اخروی اجر بیان فرمایا ہے ان میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ مکارمِ اخلاق کی تکمیل حضورؐ نے فرمایا "مجھے بھیجا ہی مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے گیا ہے"۔

۲۔ بہترین لوگ آپؐ نے فرمایا: "تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں"۔

۳۔ تکمیل ایمان آنحضرتؐ نے فرمایا: "سب سے زیادہ مکمل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں"۔

۴۔ میزان میں سب سے زیادہ وزنی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے روز مومن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی چیز اس کے اخلاق حسنہ ہوں گے"۔

۵۔ بہترین عطیہ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ جو کچھ انسان کو عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ فرمایا: "اچھے اخلاق"

۶۔ قیام لیل اور صوم نہار کا اجر حضورؐ نے فرمایا: صاحبِ ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق کے ذریعے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نماز میں قیام کرتے ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وقرب آپؐ نے فرمایا: "تم میں سے مجھے سب سے محبوب وہ ہیں اور قیامت کے روز میرے قریب ترین وہی ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں"۔

۸۔ حضورؐ کی دعا حضورؐ دعا مانگا کرتے تھے کہ "اللہ اپنے کرم سے تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے تو میری سیرت بھی اچھی بنا دے"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ جانوروں سے حسنِ سلوک کی تاکید آنحضرتؐ نے جانوروں تک سے حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ آپؐ نے ایک اونٹ کی درد بھری آواز سنی تو اس پر دستِ شفقت پھیرا اور اس کے مالک سے فرمایا کہ تم اس بیچارے بے زبان جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا ہے۔

ایک دفعہ ایک سفر میں بعض صحابہؓ نے ایک چھوٹی سی سرخ چڑیا کے دو بچے پکڑ لیے وہ چڑیا آکر ان لوگوں کے سروں پر منڈلانے لگی۔ اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپؐ نے فرمایا کس نے اس کے بچے پکڑ کر اسے صدمہ پہنچایا ہے۔ اس کے بچے واپس کر دو۔

ایک عورت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اس نے بلی کو گھر میں بند رکھا یہاں تک کہ وہ مرگئی تو آپؐ نے فرمایا "وہ عورت دوزخ میں جائے گی۔"

۱۰۔ جنت کی ذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں جنت کی بلندی میں اس شخص کے لیے گھر کی ذمہ داری لیتا ہوں جو اپنے اخلاق اچھے کرے۔"

اسلامی اخلاق کی امتیازی خصوصیات

علم الاخلاق میں مندرجہ ذیل مسائل بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۔ معیارِ خیر و شر پہلا سوال یہ ہے کہ خیر کیا ہے اور شر کیا؟ اور خیر و شر کو پرکھنے کا معیار کیا ہے؟

۲۔ مقصدِ اخلاق دوسرا سوال یہ ہے کہ اخلاق کا مقصد کیا ہے؟ جنہیں اخلاق حسنہ کہتے ہیں انہیں کیوں اختیار کیا جائے اور جنہیں اخلاق سیئہ کے نام سے یاد کرتے ہیں ان سے کیوں اجتناب کریں۔

۳۔ قوتِ نافذہ اخلاقی قدروں کو نافذ کرنے کے لیے ذریعہ کیا ہے؟

۴۔ مستقل اخلاقی قدریں یہ بھی بڑا اہم سوال ہے کہ کچھ مستقل اخلاقی قدریں بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں یا نہیں اور ہیں تو وہ کون سی ہیں؟

پس ان سوالوں کے جو جوابات اسلامی تعلیمات میں ہمیں ملتے ہیں وہ اسلامی اخلاق کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

۱۔ معیارِ خیر و شر۔ اللہ و رسولؐ کی مرضی

یہ سوال کہ کسی نظامِ اخلاق میں معیارِ خیر و شر کیا ہے؟ اس کا بڑا گہرا تعلق اس بات سے ہے کہ وہ اخلاقی نظام —— جس نظامِ زندگی کا ایک حصہ ہے؟ اس نظامِ زندگی میں تصورِ کائنات، تصورِ زندگی اور تصورِ انسان کیا ہے؟ باقی نظامہائے حیات سے اس وقت ہمیں بحث نہیں۔ اسلامی نظام میں بنیادی طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے، وہی اس کا انتظام چلا رہا ہے۔ وہ سمیع، بصیر، علیم، حکیم، مدبر، منصف، رحمٰن، رحیم اور صاحبِ اختیار و اقتدار ہے۔ انسان اس کا نائب ہے جس کا کام یہ ہے کہ آقا کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں تھوڑی سی مدت کے لیے آزمائش اور امتحان میں ڈالا ہے اور اپنے پیغمبروں کے ذریعے اسے رہنمائی دی ہے کہ وہ کس طرح کام کرے تو امتحان میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

اس تصورِ کائنات، تصورِ زندگی اور تصورِ انسان کو مدِنظر رکھنے کے بعد یہ طے کرنے میں کچھ بھی دقت نہیں پیش آتی کہ اسلام کے نظامِ اخلاق میں معیارِ خیر و شر کیا ہے؟ اسلام میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی خیر و شر، حق و باطل اور خوب و ناخوب کی کسوٹی ہے۔ جن چیزوں، جن عادات اور جن اوصاف کو وہ پسند کرتے ہیں وہ خیر ہیں اور جن چیزوں کو وہ ناپسند کرتے ہیں وہ شر ہیں۔

فلسفۂ اخلاق کے طالبعلموں کی نظروں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ دوسرے نظاموں میں یہ مسئلہ کتنا الجھا ہوا ہے اور اسے حل کرنے کے لیے محنت منش کس طرح ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں اور ڈور کا سرا پھر بھی اُن کے ہاتھ نہیں لگتا اور نہیں لگ سکتا۔

۲۔ مقصدِ اخلاق۔ رضائے الٰہی کا حصول

فلسفۂ اخلاق کا یہ بھی بڑا پیچیدہ سوال ہے کہ اخلاق کا مقصد کیا ہے؟ مثلاً اگر یہ طے بھی کر لیا جائے کہ حاجت مند کی حاجت روائی کرنی چاہیے تو سوال یہ ہے کہ کیوں [illegible] ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے یہ کام کیا [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ اس سے آدمی میں بے پناہ خلوص اور اس کے جذبات میں حد درجہ پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ یقیناً دنیا میں اس سے اونچے مقصد اخلاق کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ قوتِ نافذہ۔ توحید و آخرت پر ایمان اور معاشرتی و سیاسی دباؤ

اخلاقی قدروں کو زندگی میں عملی جامہ کس طرح پہنایا جائے۔ یہ بہت اہم سوال ہے اس لیے کہ سنہری اصول طے کرنا شاید اتنا مشکل نہیں جتنا مشکل یہ ہے کہ ان پر عمل کیسے ہو؟ دوسرے نظاموں میں مختلف طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ اسلام نے اس کے لیے اپنے بنیادی نظریات اور ایمانیات سے کام لیا ہے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت کا تصور بڑی وضاحت اور اطمینان بخش دلائل کے ذریعے دلوں اور دماغوں میں بیٹھا یا ہے۔ پھر اسی تصور کی مدد سے اخلاقی قدروں پر انسان کو عمل پیرا بنایا ہے۔

یہ یقین کہ اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اس وقت بھی دیکھ رہا ہوتا ہے جب کوئی دوسرا نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ ہر شخص کا اعمال نامہ باقاعدگی سے مرتب ہو رہا ہے۔ آخرت میں اسی اعمال نامے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ خود فیصلے کر کے مطیع فرمان لوگوں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا دے گا۔ وہ جزا بے مثال اور وہ سزا ناقابل تصور حد تک تکلیف دہ ہوگی۔ یہ یقین آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ اخلاقی قدروں کی پابندی کرے۔ یہ سب سے بڑی قوتِ نافذہ ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھیں اتنا پختہ ایمان بالغیب حاصل نہیں ہوتا۔ انہیں ان اقدار کا پابند بنانے کے لیے توحید و آخرت کے یقین پر استوار شدہ معاشرے کا دباؤ اور اسلامی ریاست کی انتظامی مشینری حرکت میں آتی ہے اور ان کے ذریعے قوانین اور اقدار کو نافذ کیا جاتا ہے۔

۴۔ مستقل اخلاقی قدریں

بعض نظام مستقل اخلاقی قدروں کے قائل نہیں۔ ان کی نظروں میں یہ اصول زمان، مکان اور حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک آج اس وقت یہاں سچ بولنا خوبی کی بات ہے تو کل دوسری جگہ جھوٹ بولنا نیکی ہوسکتی ہے۔ بعض حالات میں چوری برائی ہے تو کچھ حالات میں چوری نیکی ہے۔

اسلام مستقل اخلاقی قدروں کا قائل ہے جن میں تغیر و تبدل کا حق انسانوں کو نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اس نقطۂ نظر سے اسلام نے اخلاقیات کو بہت مضبوط اور قابلِ اعتماد بنا رہا ہے جب کہ دوسرے نظاموں میں کوئی اخلاقی ضابطہ قابلِ اعتماد نہیں۔

۵۔ جامعیت اسلامی اخلاق کی دوسری امتیازی خصوصیت جامعیت ہے۔ اخلاقیات زندگی کے تمام دائروں اور تمام معاملات پر محیط ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ان سے آزاد نہیں۔ اسلام سیاست، معیشت، معاشرت اور روحانیت کی بنیاد ہی اخلاق پر رکھتا ہے اور ان کے لیے مفصل اخلاقی ہدایات دیتا ہے اگر یہ شعبے اخلاق سے خالی ہو جائیں تو یہ زندگی اسلام سے دور ہو گی۔

جامعیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسلام میں ہر گروہ، ہر طبقے، ہر پیشے اور ہر عمر کے افراد کے لیے ہدایات ہیں۔ ان میں ایک امیر کے لیے بھی اسی طرح ہدایات ہیں جس طرح ایک غریب کے لیے۔ ایک سربراہِ مملکت کے لیے بھی اسی طرح رہنمائی ہے جس طرح ایک عام آدمی کے لیے ہے۔

۶۔ خلوصِ نیت اسلامی اخلاق کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں اعمال کی ظاہری شکل کی بھی بلاشبہ ایک حیثیت ہے لیکن وہ حیثیت ثانوی ہے۔ یہاں اصل اہمیت نیت اور ارادے کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اسی صورت میں ہوتے ہیں کہ ان سے مقصود ریا، نمود و نمائش، داد و تحسین حاصل کرنا اور دولت کمانا وغیرہ نہ ہو بلکہ وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کیے گئے ہوں۔ نیت کا یہ خلوص نہ ہو تو ساری عمر کی عبادت میں گزاری ہوئی راتیں اور مدت العمر کے روزے، کروڑوں روپے خرچ کرنا اور لڑتے ہوئے اپنی جان دے دینا بھی کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

۷۔ انسانی فطرت سے مطابقت انسانی فطرت بحیثیت مجموعی بعض چیزوں کو ہمیشہ سے پسند کرتی آئی ہے اور بعض چیزوں سے اسے ہمیشہ سے نفرت رہی ہے۔ محنت، صداقت، شجاعت، دیانت، امانت اور اسی طرح کے دوسرے اوصاف کو انسانوں کی اکثریت نے استحسان کی نظر سے دیکھا ہے اور جھوٹ، [illegible] بے ایمانی اور اسی قبیل کے دوسرے اوصاف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو انسانی ضمیر نے برا جانا ہے ۔

انسانیت کے پسندیدہ اوصاف کو معروف اور غیر پسندیدہ اوصاف کو منکر کہتے ہیں ۔

اسلامی اخلاق کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسانی فطرت سے جنگ نہیں روا رکھی گئی بلکہ انہی معروف چیزوں کو نیکی اور بھلائی قرار دیا گیا اور منکرات کو برائی ٹھہرایا گیا ۔

۸۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم

اسلام انفرادی نیکی کو کافی نہیں سمجھتا۔ اسلامی اخلاق کا یہ امتیازی وصف ہے کہ یہ معروف کو قائم کرنے اور منکر کو مٹانے کا حکم دیتا ہے اور یہ اخلاق کی معراج ہے ۔

عبادات اور اخلاق

اسلامی عبادات کا اصل مقصد اخلاق حسنہ کا بیج بونا اور اس کی آبیاری کرنا ہے ۔

سورۂ بقرہ میں ہے :

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ ... لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو ۔

روزے کے متعلق بھی فرمایا کہ اس کا مقصد تقویٰ پیدا کرنا ہے اور تقویٰ کی صفت ایک مسلمان کے اندر خدا ترسی، صلہ رحمی، محبت، شفقت، ایفائے عہد، صبر و استقامت انفاق فی سبیل اللہ، جانوروں پر رحم اور حقوق العباد کی ادائیگی کا وصف پیدا کرتی ہے ۔

نماز کے متعلق فرمایا :

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۔ بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے ۔

یعنی نماز کا مقصد منکرات سے روکنا ہے ۔ اگر نماز یہ کام نہیں کرتی اور ایک شخص نمازی ہونے کے باوجود منکرات میں مبتلا رہتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف اعضاء و جوارح کو اس نے حرکت دے لی ہے ۔

روزے اور نماز کے علاوہ دوسری عبادات سے بھی مقصود وہی ہے ۔ مولانا سلیمان ندوی کے الفاظ میں :

" زکوٰۃ کا مقصد بھی یہ ہے کہ اہل غنا اور دولت مند اشخاص کے دلوں میں غربا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مساکین کے لیے ہمدردی و محبت اور اخوت کا احساس پیدا ہو جائے اور وہ اُن کا خیال رکھیں اس لحاظ سے زکوٰۃ سراپا انسانی ہمدردی اور غمخواری کا سبق ہے۔ اسی طرح حج بھی مختلف طریقوں سے ہماری اخلاقی اصلاح و ترقی کا ذریعہ ہے اور اپنی اور دوسروں کی امداد کا وسیلہ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ عبادات کے بنیادی مقاصد میں اخلاق کی تعلیم مضمر ہے۔ اگر عبادات سے یہ اخلاقی و روحانی ثمرہ حاصل نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ احکام الٰہی کی محض لفظی تعمیل ہیں اور عبادت کے جوہر و معنی سے یکسر خالی اور معریٰ ہیں۔ "وہ درخت ہیں جن میں پھل نہیں، وہ پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں وہ قالب ہیں جن میں روح نہیں۔"

فرد کے اخلاق اور معاشرہ فرد کے اخلاق معاشرے پر اور معاشرے کی روایات فرد پر گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے افراد کے جو اخلاق ہوں گے وہی اخلاق اس معاشرے کے بنیں گے۔ فرض کیجیے کہ ایک فرد چوری کرتا ہے، وہ قتل کرتا ہے، زنا اور بدکاری کرتا ہے۔ جھوٹ بولتا اور غبن کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے یہ اعمال معاشرے میں انتشار اور ذہنی بے اطمینانی کا موجب بنیں گے اور اگر بروقت کنٹرول نہ کیا گیا تو آہستہ آہستہ دوسرے لوگ بھی اسی راستے پر یہ سمجھتے ہوئے گامزن ہونے لگیں گے کہ شرافت و دیانت سے کام نہیں بنتا۔ بالخصوص برائیوں کے مرتکب اگر صاحب اختیار و اقتدار لوگ ہوں تو آہستہ آہستہ سارا معاشرہ ان سے متاثر ہوتا ہے اور اگر وہ لوگ راہِ راست پر چلیں تو معاشرہ بھی اُن کی تقلید کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر ہم معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تو اپنے کردار کو مؤثر بنانے کی سخت ضرورت ہے۔

اہم اخلاقی اقدار

یوں تو اخلاقی قدریں بہت سی ہیں جن کا احاطہ یہاں مقصود نہیں۔ بعض ایسی قدروں کا ذکر ہم کرتے ہیں جنہیں افراد کے کردار اور معاشرے کے حسن میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

۱۔ رحم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ترس کھانے کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ   جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الناس (بخاری و مسلم) اس پر رحم نہیں کرتا۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:-

"رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا رحم کرے گا تم اہل زمین پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا"

ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں

"رحمت کا مادہ بدبخت کے دل ہی سے نکالا جاتا ہے"

ایک آدمی نے حضورؐ سے اپنی سنگ دلی کی شکایت کی تو آپ نے اُسے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے اور مسکین کو کھانا کھلانے کے لیئے فرمایا:-

۲۔ احسان

دوسری اہم اخلاقی قدر احسان ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ دوسروں کو اُن کے حقوق سے زیادہ دینا۔

قرآن پاک میں ہے:-

أَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ (قصص)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے۔ اسی طرح تم بھی احسان کرو۔

حدیث میں ہے:-

"تم دوسروں کے نقال نہ بنو کہ کہنے لگو کہ اگر لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے اور اگر دوسرے لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ایسا ہی کریں گے بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کرو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو اور اگر اور لوگ بُرا سلوک کریں تب بھی تم برائی اور ظلم کا رویہ اختیار نہ کرو بلکہ احسان ہی کرو"

۳۔ سخاوت

تیسری اہم اخلاقی قدر سخاوت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بخل اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

۴۔ معاف کردینا

اسلامی اخلاقیات میں ان لوگوں کو معاف کر دینے کی بڑی اہمیت ہے جنہوں نے زیادتی کی ہو۔

حدیث میں ہے کہ "حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ تیری بارگاہ میں سب سے زیادہ باعزت کون ہیں؟ تو اللہ تعالےٰ نے جواب دیا۔ وہ جو قابو پانے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد معاف کر دیتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت و نفرت اسلامی اخلاقیات میں شاید سب سے اہم وصف یہ ہے کہ دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ کسی سے محبت ہو تو اس کے لیے اور نفرت ہو تو اس کی خاطر، ذاتی اغراض ذاتی مفاد اور ذاتی رجحانات کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور وہ عداوت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔"

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اتنا محبوب عمل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے لازم ہے جو میرے لیے باہم محبت کرتے ہیں جو میری خاطر مل بیٹھتے ہیں، جو میری وجہ سے ملاقات کرتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔"

۶۔ صداقت اور امانت اسلام نے سچائی اور امانت داری پر بہت زور دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ اور خیانت کو ایمان کے منافی قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"مومن کی طبیعت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے جھوٹ اور خیانت کے۔"

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:۔

"سچا اور ایماندار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

۷۔ غصے پر قابو حضورؐ نے غصے پر قابو پانے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ اصل میں طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ غصہ پی جاتے ہیں۔

۸۔ صبر اسلامی اخلاق میں صبر کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مصیبت کے مقابلے میں مومن کے دو ہتھیار ہیں۔ نماز اور صبر۔ اس پر مفصل بحث آگے آئے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ تواضع تکبر شیطان کا وصف ہے۔ شیطان نے اکڑ کر کہا تھا کہ میں انسان سے بہتر ہوں۔ انسان کا امتیازی وصف تواضع اور انکساری ہے۔ قرآن نے خدائے رحمٰن کے بندوں کی پہلی صفت یہ بیان کی کہ وہ زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بلند مرتبہ عطا فرماتا ہے۔"

۱۰۔ صلہ رحمی والدین، بھائی بہنوں، بیوی بچوں اور دوسرے اعزہ و اقارب کے ساتھ حسن سلوک کا بھی بلند مقام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم سے کٹے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

اہم سوالات

۱۔ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے اس کی اہمیت واضح کیجئے اور بتایئے کہ فرد کے اخلاق سوسائٹی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ ۱۹۶۴ء

۲۔ اخلاق کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اسلام میں اخلاق کی اہمیت بیان کیجئے، نیز بعض اہم اخلاقی اقدار کی نشاندہی کیجئے۔ ۱۹۶۶ء

۳۔ اخلاق کی تعریف کیجئے اور بتایئے کہ اخلاق عامہ اور اخلاق اسلامی میں کیا فرق ہے دونوں کی بنیاد کن امور پر ہے؟ ۱۹۶۳ء

۴۔ اسلامی اخلاق کی امتیازی خصوصیات وضاحت سے لکھیئے۔

۵۔ اسلامی اخلاق پر مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بحث لکھیئے۔

(ا)۔ اخلاق کی اہمیت (ب) اسلامی اخلاق کی بعض نمایاں خصوصیات۔

(سرگودھا بورڈ ۱۹۸۳ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳

تقویٰ

لغوی مفہوم لفظ تقویٰ کا مادہ "و ق ی" اور وقایہ ہے۔ اس کا لغوی معنی کسی تکلیف دہ اور ضرر رساں چیز یا صاحب قوت و اختیار شخصیت سے بچنا یا ڈرنا اور پرہیز کرنا ہے۔ قرآن پاک میں انہی معنوں میں یہ لفظ مندرجہ ذیل مواقع پر استعمال ہوا ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا — تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ — اللہ تعالیٰ (کی گرفت) سے انہیں بچانیوالا کوئی نہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا:-

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ — اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

اصطلاحی مفہوم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کائنات کی ایک ایک چیز کو اس کے تصرف میں دیکھتے ہوئے آدمی کا دل اس کی نافرمانی اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتا ہے اور وہ احتیاط کی روش اختیار کرتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز نہ ہو جائے۔ دل کی اس کیفیت اور عملی زندگی میں احتیاط کی اس روش کو کتاب و سنت کی اصطلاح میں تقویٰ کہتے ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں جلد میں تقویٰ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"ہر اچھے کام کے کرنے اور برائی سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ضمیر کا احساس بیدار اور دل میں خیر و شر کی تمیز کے لیے خلش ہو یہ تقویٰ ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت کعبؓ کی تشریح

تقویٰ کی بہترین تشریح حضرت کعب الاحبارؓ نے فرمائی جب حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے سوال کیا کہ تقویٰ کیا ہے؟ تو انھوں نے پوچھا: آپ کبھی کسی خاردار راستے پر چلے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ کپڑے سمیٹ لیتا ہوں اور بچ بچ کے احتیاط سے چلتا ہوں مبادا کہ کانٹے دامن سے الجھ جائیں۔ حضرت کعبؓ نے جواب دیا یہی تقویٰ ہے۔ دنیا کے اس خاردار جنگل میں گناہوں کے کانٹے ہر لحظہ اعمالِ انسانی کے دامن سے اُلجھنا چاہتے ہیں۔ ان سے بچ کے نکل جانے کی کوشش کرنا اور اپنے دامن کو سمیٹ لینا ہی تقویٰ ہے۔

مشتبہ چیزوں سے اجتناب

تقویٰ یہی نہیں کہ حرام چیزوں سے اجتناب کیا جائے بلکہ یہ اس سے بھی اگلی منزل ہے۔ تقویٰ دراصل مشتبہ اور مشکوک چیزوں سے بچنے کا نام ہے اس کی وضاحت مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال اور حرام دونوں واضح ہیں اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنھیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جو ان مشکوک چیزوں سے بچا وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لے گیا اور جو شخص ان مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہو گیا۔ وہ حرام میں پڑ گیا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی چرواہا اپنے ریوڑ کو کسی چراگاہ کے پاس چرائے تو غالب گمان ہوتا ہے کہ ریوڑ اس چراگاہ میں جا پڑے گا۔ ہوشیار رہو۔ ہر بادشاہ کا محفوظ علاقہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محفوظ علاقہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔"

اس کی مزید وضاحت ایک دوسری حدیث میں آتی ہے۔ جو امام احمدؒ اور دارمیؒ نے حضرت وابصہؓ بن معبد سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وابصہ! تم نیکی اور برائی کی حقیقت پوچھنے آئے ہو۔ میں نے گزارش کی کہ ہاں یا رسول اللہ! حضورؐ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینے پر رکھا اور فرمایا اپنے جی سے پوچھو (یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی) تقویٰ وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو جائے اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے چاہے لوگوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہو۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنے نانا رصلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس پہلو کو چھوڑ دو جو خلجان میں ڈالتا ہے اور وہ پہلو اختیار کرو جو خلجان میں نہیں ڈالتا۔ صحیح چیز اطمینان دیتی ہے اور غلط چیز خلجان میں ڈالتی ہے۔"

ترمذی شریف اور ابن ماجہ کی ایک اور حدیث میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک متقی لوگوں میں شامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ خدشے والی چیزوں سے بچنے کے لیے ان چیزوں سے بھی احتراز نہ کرے جن میں بظاہر خدشہ نہیں ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی آدمی کا طالبات کی درسگاہ کے پاس سے گزر جانا ناجائز نہیں لیکن بعض مواقع ایسے ہو سکتے ہیں کہ اس طرح گزرنا فتنے اور آزمائش کا سبب بن جائے۔ اس لیے ایسے مواقع سے پرہیز کرنا تقویٰ کا تقاضا ہے۔

مشکوک چیزوں سے اجتناب کی اس قدر تاکید کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے اس چیز پر بھی زور دیا ہے کہ یہ احتیاط اس وسوسے کی شکل اختیار نہ کرلے جو راہبانہ زندگی کی بنیاد بنتا ہے۔

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ کا اصل تعلق دل سے ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے الفاظ ہیں "یہ قلب کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالےٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر و شر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔"

تقویٰ کا اصل تعلق دل سے ہے۔ اس کا واشگاف الفاظ میں ذکر قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے مجمع میں فرمایا۔

اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا (مسلم) تقویٰ یہاں ہے اور یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنے ہاتھ سے دل کی طرف اشارہ فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک میں مناسکِ حج کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

اور جو شعائر الٰہی کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

اس آیت سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ دل کی کیفیت کا نام ہے۔

حضورؐ کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھنے والوں کے متعلق فرمایا :

"وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے جانچا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔" (حجرات) اس آیت میں بھی تقویٰ کا مرکز دل بتایا گیا ہے۔ قلبی کیفیت پر جس طرح تقویٰ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کیفیت کے نتیجہ و اثر کے لیے بھی تقویٰ استعمال ہوتا ہے۔ صحابہؓ نے کفار کے اشتعال دلانے اور اپنی تمناؤں اور توقعات کے خلاف ہونے کے باوجود صلح حدیبیہ کو تسلیم کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پسندیدہ روش کو تقویٰ کے لفظ سے تعبیر کیا۔ سورۂ فتح میں ارشاد ہے :-

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان (مومنین) کو تقویٰ کی بات پر لگا رکھا اور وہ تھے اس کے لائق اور اس کے اہل۔

یہاں جنگ سے احتراز، خانہ کعبہ کے احترام اور کفار کی ہٹ دھرمی سے اغماض کو تقویٰ کی بات قرار دیا گیا ہے۔

تقویٰ کا غلط تصور

اوپر جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ تقویٰ نام ہے دل کے اس جذبے کا اور ضمیر کے اس احساس کا جس کی بنا پر ہر کام میں آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرتا اور اس کی نافرمانی سے ڈرتا ہے۔ نیز اس جذبے اور احساس کا عمل زندگی کے ہر شعبے۔ اخلاقی، سیاسی، معاشی، روحانی۔ میں جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے اسے بھی تقویٰ کہتے ہیں۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تقویٰ اور فسق و فجور کے ماپنے کا پیمانہ محض بالوں کی مخصوص تراش خراش اور لباس کی خاص قطع و برید نہیں کہ جس کی شکل و صورت اس پیمانے پر پوری اترے وہ متقی ہے چاہے زندگی کے دوسرے معاملات میں وہ خدا کے احکام و قوانین کا باغی ہی کیوں نہ ہو اور جس کے بال اور لباس کا انداز اس مخصوص انداز سے مختلف ہو وہ فاسق ہے چاہے وہ زندگی کے معاملات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حدودِ الٰہی کا کتنا ہی پابند کیوں نہ ہو اس سے مقصود یہ نہیں کہ بالوں اور لباس کے بارے میں آدمی ہر لحاظ سے آزاد ہے کہ جو انداز اُسے پسند آئے وہ بلا روک ٹوک اختیار کرے۔ یقیناً اس سلسلے میں اسے احکامِ الٰہی اور سنتِ رسول کا پابند ہونا چاہیے۔ اس گذارش کا اصل مدعا یہ ہے کہ تقویٰ کا تعلق پوری عملی زندگی اور قلبی کیفیت سے ہے۔ صرف ایک دو ظاہری چیزوں کے ساتھ نہیں۔

اس حقیقت کو سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔

"نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر دیے یا مغرب کی طرف۔ بلکہ اصل نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ پر، یومِ آخرت پر، فرشتوں پر، کتبِ آسمانی پر اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے قریبی رشتہ داروں، یتیموں مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے صرف کرے۔ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے اور جو وعدہ کرنے کے بعد اسے ایفا کرتے ہیں، اور سختی، تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں۔ یہی ہیں جو سچے ٹھہرے اور یہی تقویٰ والے ہیں۔"

تقویٰ کی اہمیت

۱۔ تمام عبادات کا مقصد اسلام کی تمام تعلیمات کا مقصد انسان کے دل اور اس کے عمل میں تقویٰ کی روح بیدار کرنا ہے تاکہ وہ جو کام بھی کرے اور اس کے قلب و ذہن میں جو جذبات و خیالات بھی پیدا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اس کی رضا کے لیے اس کی قائم کردہ حدود کے اندر ہوں۔ چنانچہ اسلام کی ساری عبادتوں کا مقصد اسی تقویٰ کا حصول ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (البقرہ)	اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔

روزے کا مقصد بھی یہی ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ	اے ایمان والو تم پر روزے فرض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ -	کیے بالکل اسی طرح جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تاکہ تم متقی ہو جاؤ -

"تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو"

حج کا مدعا بھی یہی ہے - فرمایا :-

وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ	اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے - تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے -

قربانی کا اصل منشا بھی جانور کا گوشت اور خون نہیں بلکہ قربانی کرنے والے کے دل کا تقویٰ ہے - قرآن پاک میں ہے -

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ	اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ تمہارے دلوں کا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے -

۲ - مسجد کی بنیاد اسلام میں عبادت کے لیے مسجد کی بنیاد بھی تقویٰ پر رکھنے کی تاکید کی گئی ہے - جو مسجد کسی دوسری غرض مثلاً مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے یا ذاتی نمود و نمائش اور اپنی سخاوت کا رعب جمانے کے لیے تعمیر کی جائے - اس کی مذمت کی گئی ہے -

قرآن پاک میں ہے :-

"اے نبی - جس مسجد کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے - آپ کو اس میں کھڑا ہونا چاہیے" (سورۃ توبہ)

۳ - سفرِ زندگی کا توشہ تقویٰ کو بہترین زادِ راہ قرار دیا گیا -

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ (بقرہ)	زادِ راہ لے کر چلو اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک صحابیؓ نے سفر پر جاتے ہوئے حضورؐ سے دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ تمہیں تقویٰ کا زادِ راہ دے"۔

۴۔ زیب و زینت کا سامان تقویٰ ظاہری لباس سے بڑھ کر ہماری آرائش و زیبائش کا سامان ہے۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (اعراف) — اور تقویٰ کا لباس سب سے اچھا ہے۔

۵۔ اخلاقی نظام کی بنیاد اسلام کی اخلاقی اقدار کا بنیادی تعلق تقویٰ سے ہے۔ عفو و درگزر کے متعلق فرمایا:-

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ (بقرہ) — اور معاف کر دینا تقویٰ سے قریب تر ہے۔

عدل کے متعلق ارشاد ہے۔

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ) — عدل کرو، یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

صبر کے متعلق فرمایا:-

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ (آل عمران) — اور صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔

۶۔ حکمت کی جڑ تقویٰ اختیار کرنے اور دل میں خوفِ خدا پیدا ہونے سے حکمت و دانائی کے دروازے آدمی پر کھلتے ہیں۔ تقویٰ وہ بیج ہے جس سے حقیقی دانش کی کونپلیں پھوٹ کر تناور درخت بنتی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

رَاْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ — حکمت کی بنیاد خوفِ الٰہی ہے۔

حضرت شبلیؒ کا قول ہے۔

"جس روز بھی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا، اسی روز میرے سامنے حکمت و عبرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے وہ دروازے کھل گئے جو پہلے میں نے کبھی نہ دیکھے تھے۔"

"خوفِ الٰہی دل کا چراغ ہے۔ دل اسی کے ذریعے خیر و شر میں تمیز کرتا ہے"۔
واضح ہے کہ خیر و شر میں تمیز کی صلاحیت ہی اصل حکمت ہے۔

۷۔ عزت و فضیلت کا معیار

اسلام میں تقویٰ کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رنگ، نسل، وطن، مال و دولت، علم، جاہ و جلال اور اسی طرح کے دوسرے صدہا خود ساختہ معیارِ فضیلت مٹا کر صرف ایک معیار اختیار قائم کر دیا جس کا نام تقویٰ ہے اور جو تمام نیکیوں اور عبادات کی روح ہے۔ قرآن نے کس شان سے کہا:-

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (حجرات)	تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

آنحضرتؐ نے یہی بات ان دو الفاظ میں بیان فرمائی۔

الکرمُ التقویٰ	بزرگی و فضیلت تقویٰ ہی ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے یہ اعلانِ عام فرمایا:-
"کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری نہیں، سوائے تقویٰ کے"

۸۔ بہترین چیز

قبا کے مقام پر جمعہ کا جو پہلا خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:-
"میں تمہیں تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو جو بہترین تلقین کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے اور تقویٰ کا حکم دے"۔

ایک دن حضرت ابوذرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت فرمانے کے لیے درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا:-
"میں تمہیں تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ یہ ہر چیز کی ابتدا ہے"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقویٰ کی حدود

اسلام میں سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا گیا ہے۔ وہ اعتدال اور توازن ہے۔ افراط و تفریط خرابیوں کی جڑ ہے۔ تقویٰ کے بارے میں بھی انتہا پسندی کو ناپسند فرمایا گیا۔ اس سلسلے میں ایک طرف تو یہ ہدایت دی گئی کہ مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کیا جائے۔ (اس پر تفصیلی گفتگو ہم پہلے کر چکے ہیں) لیکن دوسری طرف ایسی احتیاط کو جس کے ڈانڈے رہبانیت سے ملتے ہوں، غیر مناسب اور غیر مطلوب قرار دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تم دن کو روزے رکھتے اور رات بھر نمازیں پڑھا کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ درست ہے حضورؐ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو۔ کبھی روزہ رکھو، کبھی افطار کرو۔ رات کو نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تم سے ملنے والوں کا بھی تم پر حق ہے۔"

اسی طرح حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے اوپر سختی مت کرو کہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرنے لگے۔ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔ انہی کی یادگاریں کلیساؤں اور گرجوں میں دیکھ رہے ہو۔ یہ ان کی گھڑی ہوئی رہبانیت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض نہیں کیا تھا!

ایک اور حدیث میں ہے کہ تین آدمی ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ کی عبادت کے متعلق سوالات کیے۔ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے معمولات بتائے تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ یہ تو کم ہے۔ پھر انہوں نے آپس میں کہا کہ حضورؐ سے ہماری کیا نسبت؟ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عمر بھر شادی نہیں کروں گا۔ اسی اثنا میں حضورؐ تشریف لے آئے اور آپؐ نے ان کی باتیں سن لیں۔ آپؐ کا رخ انور غصے سے سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا: تم میں کون ہے جو مجھ سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور میں نے شادیاں بھی کی ہیں۔ یہ میرا طریقہ ہے اور جو اس سے روگردانی کرے گا میرا اس سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی تعلق نہیں؟

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ کے بارے میں اعتدال کی روش مطلوب ہے، ترکِ دنیا ناپسندیدہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تقویٰ ترکِ دنیا تک پہنچا دے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاملات دنیا کی باگ ڈور فساق و فجار کے ہاتھوں میں دے دی جائے اور مجوزانہ کی بے پناہ قوت کو استعمال کرتے ہوئے اللہ کی زمین پر شیطان کی مرضی چلائیں جسے کوئی صحیح ذہن رکھنے والا مسلمان کبھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتا اسلام کا تو تقاضا ہی یہ ہے کہ پوری زمین پر اللہ کا تشریعی قانون اسی طرح چلے جس طرح کہ اس کا تکوینی قانون پوری کائنات میں چل رہا ہے اور مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ اس تشریعی قانون کے نفاذ کے لیے بھرپور جدوجہد کرے۔

متقین کی صفات

متقی لوگوں کے اوصاف اور ان کی خصوصیات قرآن و حدیث میں مختلف مواقع پر بڑی تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے سورۂ زمر کی آیت نمبر ۳۳ اور سورۂ بقرہ کے رکوع نمبر ۲۲ میں مختلف صفات پوری جامعیت کے ساتھ دی گئی ہیں۔ اس سے متقی لوگوں کے نمایاں خدوخال اس طرح نکھر کر سامنے آجاتے ہیں کہ ان کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ سورۂ بقرہ کے رکوع نمبر ۲۲ کا ترجمہ اس باب میں "تقویٰ کا غلط تصور" کے عنوان کے تحت دیا جا چکا ہے۔

سورۂ زمر میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔	جو سچائی لے کر آیا اور اسے سچ جانا وہی لوگ اہل تقویٰ ہیں۔

یعنی متقی شخص زندگی کے جملہ معاملات اور تمام پہلوؤں میں سچائی کا دامن تھامتا ہے۔ وہ ابدی سچائی کو مانتا ہے۔ وہ ظاہری مفادات، مادی ثمرات اور جاہ و عزت پر نہیں بلکہ حق و صداقت پر نظر رکھتا ہے اور خواہ بظاہر نقصان ہو مگر متقی آدمی راستبازی کے جادہ سے سر مو نہیں ہٹنا چاہتا۔

متقین کی صفات ترتیب وار حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حق و صداقت کا علمبردار

متقی شخص حق و صداقت کا علمبردار اور باطل اور جھوٹ کا دشمن ہوتا ہے۔ متقی خود راست باز ہوتا ہے اور ہمیشہ ساتھ بھی راست بازی کا دیتا ہے۔ چاہے اس سے اس کی ذات، خاندان اور ملک کو نقصان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنچتا ہو یا نقصان۔

۲۔ ایمان باللہ متقی آدمی کا اللہ کی توحید پر پختہ ایمان ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر ایک اللہ ہے اور اسی کے قبضے میں ہر چیز کی جان، رزق اور عزت و آبرو ہے۔ وہی قانون ساز اور حاکم اعلیٰ ہے اور اصل میں اطاعت کا حق دار وہی ہے۔

۳۔ آخرت پر ایمان متقی کی تیسری صفت آخرت پر ایمان ہے وہ اس دنیا کو عارضی اور اخروی زندگی کو پائیدار سمجھتا ہے اور آخرت میں کامیابی کے لیے دنیا کی ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

۴۔ فرشتوں پر ایمان متقی آدمی فرشتوں پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ اللہ کی مطیع فرمان مخلوق ہے جس کا کام تسبیح و تحمید ہے وہ اللہ کے حکم کے تحت نظام کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔

۵۔ آسمانی کتابوں پر ایمان متقی کتب سماوی پر ایمان رکھتا اور انہیں منزل من اللہ سمجھتے ہوئے ان کی روشنی میں اپنی زندگی گزارتا ہے۔

۶۔ انبیاء پر ایمان متقی کا چھٹا وصف یہ ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبروں پر ایمان رکھتا ہے، انہیں معصوم عن الخطاء تسلیم کرتا ہے اور ان کی پیروی اپنے اوپر فرض سمجھتا ہے۔ اس کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں اور آپ پر ایمان لائے بغیر آدمی مومن نہیں ہو سکتا۔

۷۔ انفاق فی سبیل اللہ متقی شخص مال سے محبت نہیں رکھتا بلکہ اللہ کی محبت کی وجہ سے وہ دولت اپنے آقا کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ وہ مختلف حقداروں اور ناداروں میں دولت تقسیم کر دیتا ہے تاکہ اللہ راضی ہو۔

۸۔ ایفاء عہد متقی وعدے کا پابند ہوتا ہے، وہ ان تمام وعدوں کو پورا کرتا ہے جو وہ اللہ سے، بندوں سے یا اپنے آپ سے کرتا ہے۔

۹۔ صبر متقی رنگ تنگی، مصیبت، مرض اور جنگ کے وقت، حالات کا مقابلہ پورے حوصلے اور جرأت سے کرتے ہیں۔

تقویٰ کے تقاضے تقویٰ کے تقاضے یہی ہیں کہ متقین کے اوصاف اپنے اندر پیدا کیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائیں۔ اس سلسلے میں مذکورہ صدر دو آیات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

تقویٰ کی تربیت

تقویٰ اصل مطلوب ہے۔ اس صفت کو پیدا کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں مندرجہ ذیل طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔

۱۔ خدا و آخرت پر یقین

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دلوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید (ذات، صفات اور اختیارات میں توحید) اور زندگی بعد موت کا صحیح تصور اور ان پر سچا اور پکا یقین پیدا کیا جائے۔ ان چیزوں کے بارے میں ایسا غیر متزلزل ایمان ہو کہ مخالف دلائل کے بڑے بڑے طوفان اس میں کوئی ارتعاش پیدا نہ کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے قرآن و سنت کا مطالعہ اور اس مطالعہ کی روشنی میں انفس و آفاق کا مشاہدہ بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

۲۔ حبِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تقویٰ پیدا کرنے کے لیے دوسری ضروری چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ شیفتگی ہے۔ حضورؐ سے ایک دفعہ اگر سچی محبت ہو جائے تو ان چیزوں کا اختیار کرنا کچھ بھی مشکل نہیں رہتا جو آپؐ نے اختیار فرمائیں اور ان باتوں سے اجتناب ذرا بھی دشوار نہیں ہوتا جن سے جناب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتناب فرمایا۔

۳۔ پاکانِ امت کی صحبت

تقویٰ کی تربیت کے لیے ان بزرگوں کی صحبت بڑی مفید ہے جنہیں علامہ اقبالؒ نے پاکانِ امت کہا ہے۔ اس صحبت کا یہ فیض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آدمی بڑی آسانی سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ انسان کی اپنی پسند و ناپسند کلی طور پر مالک کی پسند و ناپسند میں مدغم ہو جاتی ہے اور یہ تقویٰ کا بلند ترین درجہ ہے۔

۴۔ حلال و حرام کا علم

صحیح قسم کے مطلوب تقویٰ کو پروان چڑھانے کے لیے حدود اللہ کا علم بھی ناگزیر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو شخص قانون کا علم ہی نہیں رکھتا وہ اس کی پابندی کیونکر کرے گا۔ ہر مسلمان پر اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے کہ جس سے وہ حلال و حرام میں تمیز کر سکے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقویٰ کے ثمرات و نتائج

تقویٰ کا بیج جب کسی دل میں پڑ جاتا ہے اور اس کی مسلسل آبیاری اور مناسب دیکھ بھال ہوتی ہے تو یہ تناور درخت بن کر دنیا اور آخرت دونوں جگہ نہایت لذیذ و شیریں پھل دیتا ہے۔ ان میں چند ایک کا ذکر ہم بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کی محبت متقی جب ہر کام میں اللہ کی خوشنودی اور رضامندی کو مد نظر رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی محبت کا صلہ عطا فرماتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (انفال) — تقویٰ والے ہی اللہ کے دوست ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ (توبہ) — بلاشبہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں سے پیار اور محبت کرتا ہے۔

۲۔ اللہ کی معیت اہل تقویٰ کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور وہ ان کی نصرت فرماتا ہے ارشاد ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (بقرہ و توبہ) — اور یقین مانو کہ بلاشبہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

۳۔ قبولیت مختلف کام مختلف اغراض و مقاصد کے تحت کیے جا سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی اعمال مقبول ہوتے ہیں جو تقویٰ کے ساتھ سرانجام دیے جاتے ہیں۔ فرمایا:

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (مائدہ) — اللہ تو تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔

۴۔ کامیابی اہل تقویٰ کو بظاہر مشکلات و مصائب سے سابقہ پڑتا ہے۔ لیکن انجام کار کامیابی انہی کے لیے مقدر ہے، پرہیز کا نتیجہ بدپرہیزی سے بہرحال بہتر ہوتا ہے۔ فرمایا:

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی (طٰہٰ) — اچھا انجام تقویٰ ہی کا ہے۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ (اعراف) — اچھا انجام تقویٰ والوں کا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ حق و باطل میں تمیز کی قوت تقویٰ سے آدمی میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ حق و باطل اور خوب و ناخوب میں تمیز کر سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارے لیے بُرے بھلے میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا فرما دے گا۔

۶۔ قرآن سے رہنمائی تقویٰ ہی کی بدولت آدمی قرآن سے ہدایت و رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (بقرہ) (یہ کلام الٰہی متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔)

۷۔ اعمال کی اصلاح اور مغفرت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تقویٰ اختیار کرو اور صاف سیدھی بات کیا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا۔"

۸۔ دوزخ کی آگ سے چھٹکارا خوف الٰہی سے نکلے ہوئے آنسو جسم کے جن حصے پر بھی جاتے ہیں وہ حصہ دوزخ کی آگ پر حرام ہو جاتا ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے خوف سے جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم، مثلاً مکھی کے سر برابر (یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں۔ پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرے پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرے کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔"

۹۔ رسول عربیؐ کی محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جو شخص تقویٰ کی روش اختیار کرتا ہے۔ اس سے حضورؐ محبت فرماتے ہیں۔ حضرت معاذؓ کو جب حضورؐ نے یمن کا والی بنا کر بھیجا تو انہیں نصیحتیں فرمائیں۔ اس وقت آپ نے آخری بات مدینہ منورہ کی طرف منہ کرتے ہوئے فرمائی:

"مجھ سے سب سے زیادہ قریب اور قلبی تعلق رکھنے والے اہل تقویٰ ہیں وہ جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔

۱۰۔ رزق متقی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے خاص کرم سے رزق کا اہتمام فرماتا ہے ارشاد ہے :۔

"جو شخص اللہ کا تقویٰ رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگی سے چھٹکارے کا سامان پیدا فرما دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔" (سورۂ طلاق)

۱۱۔ بے خوفی و بے غمی متقی لوگ اللہ کے دوست ہیں اور جس کا دوست اور کارساز اللہ تعالیٰ ہو اس کے لیے کوئی خوف اور غم نہیں۔ سورۂ یونس میں ہے :۔

"اللہ کے دوستوں کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ غم۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی۔ ان کے لیے دنیا و آخرت میں بشارت ہے۔ اللہ کے وعدے نہیں بدلتے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔"

۱۲۔ دشمن سے حفاظت اہل تقویٰ کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے، فرمایا :۔

"اگر تم ثابت قدم رہو اور تقویٰ کا رویہ اختیار کرو تو دشمن کی چالیں تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی۔"

۱۳۔ فضیلت و احترام تقویٰ کا یہ ثمرہ نمایاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ اہل تقویٰ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز اور قابل احترام ہیں :۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔ (حجرات)

اہم سوالات

۱۔ تقویٰ سے کیا مراد ہے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
(نازی تعلیمی بورڈ ۱۹۶۵ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ تقویٰ کا مفہوم بیان کیجئے اور اس پر ایک تشریحی نوٹ لکھیے۔
(لاہور ثانوی تعلیمی بورڈ ۱۹۶۶ء)

۳۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں تقویٰ کی اہمیت بیان کیجئے اور ثابت کیجئے کہ تقویٰ تمام نیکیوں کی بنیاد ہے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۲ء)

۴۔ اسلام میں تقویٰ کی کیا اہمیت ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت کیجئے۔

۵۔ تقویٰ کے ثمرات ونتائج تفصیل سے بیان کیجئے۔

۶۔ تقویٰ کی حقیقت اور اس کی حدود وضاحت سے لکھیے۔

۷۔ متقین کی صفات اور تقویٰ کے تقاضے لکھئے

۸۔ تمام عبادات کا مقصد تقویٰ کا پیدا کرنا ہے؛ بحث کیجئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۴

ذکر

مفہوم ذکر کبھی "نسیان" کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے تو کبھی "غفلت" کے مقابلے میں یہ "نسیان" کے مقابلے میں بولا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کسی بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا۔

جب یہ "غفلت" کے مقابلے میں استعمال ہو تو اس کا مفہوم ہوتا ہے کسی چیز کا تصور دل و دماغ میں تازہ رکھنا۔ بار بار کسی چیز کا نام دہرانے کے لیے بھی لفظ ذکر استعمال ہوتا ہے۔

اصطلاح میں ذکر سے مراد ذکر الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ اس کا نام لینا، اس کے اسم ذات اور اسمائے صفات کا ورد کرنا، اس کی پاکیزگی اور حمد و ثنا بیان کرنا، اس سے استعانت اور استغفار کرنا، اس کا تصور ذہن میں تازہ رکھنا اور زندگی کے تمام معاملات میں اقدام کرتے ہوئے یہ دیکھنا کہ آقا کا حکم، اس کی مرضی اور پسند کیا ہے۔

قرآن میں استعمال قرآن پاک میں لفظ ذکر مندرجہ ذیل معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۱۔ یاد کرنا فرمایا:۔

فَاذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ — تم مجھے (اللہ تعالیٰ کو) یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا۔

۲۔ قرآن پاک فرمایا:

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنٰهُ — وہ برکت والا ذکر (قرآن پاک) ہے جو ہم نے نازل کیا

۳۔ رسول ارشاد ہے:۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا — اللہ نے تمہاری طرف ذکر رسول بھیجا۔

۵۔ یاددہانی نصیحت | فرمایا :-

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ — یہ تو بس دنیا والوں کے لیے یاددہانی اور نصیحت ہے۔

نماز اور نماز جمعہ کے لیے بھی ذکر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ نماز | ارشاد ہے :-

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ۔ — جب تم حالت امن میں ہو جاؤ تو اللہ تعالےٰ کو اس طریقے سے یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا۔

۷۔ نماز جمعہ | ارشاد ہے :-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ — اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو۔

اہمیت

۱۔ تمام عبادتوں کا حاصل | ذکر کے متعلق فرمایا :-

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔ — اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔

غور فرمایئے تو معلوم ہو گا کہ ہم جس جس شکل کی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں، اس کا منتہائے مقصود خدا کی یاد اور اپنے آقا کا تصور ذہن میں تازہ رکھنا ہوتا ہے تاکہ زندگی کے ہر قدم پر اس کی رضا کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے احکام کی ہم اطاعت کریں اور اس کے قوانین کی خلاف ورزی سے بچیں۔ صبح بستر سے اٹھنے کے وقت سے لے کر رات کو بستر پر لیٹنے کے وقت تک پانچ نمازیں اور بے شمار دعائیں اسی مقصد کے لیے بتائی گئیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنکھ کھلتے ہی آدمی یہ دعا پڑھتا ہے۔

"اس اللہ کا شکر ہے جس نے موت کے بعد مجھے زندگی عطا کی اور اسی کی طرف جانا اسی کی طرف ہے"۔ بیت الخلا کی طرف جاتا ہے تو اندر پاؤں رکھتے ہوئے دعا مانگتا ہے۔

"اے اللہ! خباثتوں اور گندگیوں سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر باہر نکلتے ہوئے اس کی زبان پر یہ دعائیہ جملہ ہوتا ہے "ساری تعریفیں اس مولیٰ کے لیے ہیں جس نے تکلیف سے مجھے نجات دی اور ساری قوتوں کا سرچشمہ تو وہی ہے"۔

اسی طرح دن بھر ایک مسلمان اللہ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے کہ اس کا تصور ذہن میں تازہ رہے۔ گھر سے باہر جاتے وقت، گھر میں واپس آتے ہوئے، مسجد کے اندر جاتے ہوئے، مسجد سے باہر نکلتے وقت، کھانا کھانے سے پہلے، کھانا کھانے کے بعد غرض ہر وقت ہر حال میں، ہر جگہ وہ اللہ سے دعائیں مانگتا اور اس کا ذکر کرتا ہے۔

۲۔ ہر حالت میں ذکر کی تاکید | اسی اہمیت کے پیش نظر ہر حالت میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ عقلمندوں کی علامت قرآن پاک میں یہ بتائی گئی ہے۔

"وہ اللہ کا ذکر اٹھتے بیٹھتے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے (غرض ہر حالت میں) کرتے رہتے ہیں"۔ (سورۂ آل عمران)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَّسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا۔ (سورۂ دھر)	اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرتے رہو۔

اسی ہدایت پر عمل کرنے کے لیے حضورؐ نے وہ دعائیں سکھائی ہیں، جن کے پڑھنے سے یاد الٰہی کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے اور زندگی کے ہنگاموں سے کٹنے کی بجائے ان میں ایک بندۂ مومن کی طرح آدمی بھرپور حصہ بھی لیتا رہتا ہے۔

۳۔ نماز کا مقصد | قرآن پاک میں نماز کا مقصد ذکر الٰہی بتایا گیا۔ فرمایا:۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ

نماز میرے ذکر کے لیے قائم کرو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ حالتِ جنگ میں ذکر کی تاکید عام حالات میں تو ذکر کی تاکید ہے ہی لیکن یہ اتنی اہم چیز ہے کہ عین میدان جنگ میں جب دشمن سے ٹکراؤ ہو تو پیں اور ٹینک گولہ باری کر رہے ہوں، بم برسائے جا رہے ہوں، اس وقت بھی کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا، فرمایا :۔

اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔	جب کسی گروہ سے تمہاری جنگ ہو رہی ہو تو ثابت قدمی سے لڑو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو کہ تم کامیاب ہو جاؤ ۔

جنگ بدر کے موقع پر جب مسلمان اور کفار آمنے سامنے تیر سے تلے کھڑے تھے اس وقت حضورؐ خیمے میں سربسجود اللہ کے حضور عاجزی کر رہے تھے اور اس سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ آنسو جاری تھے۔ بیخودی کا عالم طاری تھا۔ کندھے سے چادر گر جاتی تھی اور حضرت ابوبکرؓ گزارش کر رہے تھے کہ حضورؐ بس کیجئے یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا ۔

حالتِ جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے :۔

"اے اللہ! تو میرا دست و بازو ہے، تو ہی میرا مددگار ہے اور میں تیرے ہی سہارے لڑتا ہوں"

۵۔ انبیاء کو ذکر کا حکم ذکر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبیوں کو اس کا خصوصی حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ و ہارونؑ کو فرمایا :۔

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ	میرے ذکر میں سستی نہ کرنا

۶۔ ذکر سے منہ موڑنا باعثِ ہلاکت ہے قرآن پاک میں ان لوگوں کو عذاب کی دھمکی دی گئی جن کے دل سخت اور یاد الٰہی سے غافل ہیں، فرمایا :۔

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ (زمر)	جن لوگوں کے دل یاد الٰہی کے لیے سخت ہیں ان کے لیے ہلاکت ہے اور وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ۔

۷۔ ذکر الٰہی سے غفلت برتنا شیطان کی رفاقت ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (زخرف)

جو شخص خدائے رحمٰن کی یاد سے منہ موڑ لیتا ہے ہم ایک شیطان اس کے ساتھ کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

۸۔ ذکرِ الٰہی سے غفلت، شیطان کے غلبے کی علامت ہے

جب کوئی شخص ذکرِ الٰہی سے غافل ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ وہ شیطان سے مغلوب ہو چکا ہے فرمایا:۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ۔ (مجادلہ)

ان پر شیطان نے غلبہ پا لیا اور اپنے اللہ کی یاد سے انھیں غافل کر دیا۔

۹۔ شیطان ذکر سے روکنا چاہتا ہے

شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ انسان اس کے قبضے میں رہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے قریب نہ جانے پائے۔ چنانچہ اس کے لیے وہ مختلف طریقے اختیار کرتا ہے۔ فرمایا:۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ۔

شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ وہ شراب اور جوئے کے ذریعے تم میں عداوت و بغض پیدا کرے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔

۱۰۔ ذکر سے اعراض پر شدید عذاب

جو شخص جان بوجھ کر اللہ کے ذکر سے منہ موڑتا ہے۔ اس کے لیے سخت عذاب ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (جن)

جو شخص اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے اللہ اسے سخت عذاب دیتا ہے۔

۱۱۔ افضل ترین عمل

اللہ کے راستے میں جان دینا کتنا عظیم کام ہے۔ شہید کے اعمال کا حساب قیامت کے روز نہیں لیا جائے گا۔ لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اس سے بھی افضل عمل ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین، تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو سب سے زیادہ بلند کرنے والی ہے۔ وہ تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہے کہ تم سونا چاندی اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور دشمنانِ اسلام سے تم جہاد کرو تو تم انہیں قتل کرو اور وہ تمہیں شہید کریں"۔
صحابہؓ نے گزارش کی کہ ہاں یا رسول اللہؐ ضرور فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔
"یہ اللہ کا ذکر ہے"۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم)

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو سعیدؓ خدری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قیامت کے روز اللہ کے نزدیک سب سے بلند مرتبہ کس کا ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
"کثرت سے ذکر الٰہی کرنے والوں کا"۔
میں نے پوچھا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں سے بھی ان کا مرتبہ بلند ہوگا؟ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"ایک غازی اگر کفار و مشرکین کو اپنی تلوار سے قتل کرتا رہے یہاں تک کہ وہ تلوار ٹوٹ جائے اور خود وہ غازی خون میں لت پت ہو جائے تو بھی ذکر الٰہی کرنے والوں کا مرتبہ بلند رہے گا"۔ (احمد، ترمذی، بیہقی)

ان احادیث سے غلط فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیے کہ جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ کر آدمی کسی کونے میں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں معروف ہو جائے۔ جس شخص نے ایسا کیا وہ تو ذکر کے ثمرات سے محروم رہا۔ ان احادیث کا اصل مقصود صرف یہ ہے کہ ذکر الٰہی کے بغیر جہاد بے روح ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ عین حالتِ جہاد میں ذکر الٰہی جاری رہنا چاہیے۔

۱۲- دل کی پاکیزگی کا ذریعہ

دل کو سفلی جذبات، غیر پسندیدہ احساسات اور اوصافِ رذیلہ سے پاک صاف کرنے کا بہترین ذریعہ ذکر ہے چنانچہ رسول اللہؐ فرماتے ہیں:۔

"ہر چیز کو کوئی نہ کوئی صاف کرنے والی چیز ہوتی ہے (مثلاً کپڑے اور بدن کے لیے صابن، لوہے کے لیے آگ کی بھٹی وغیرہ) دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے اور عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے ذکر الٰہی سے بہتر کوئی چیز نہیں"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۔ صدقہ کا بدل اگر کسی شخص کے پاس اتنی دولت نہ ہو کہ وہ صدقہ کر سکے تو اس کی تلافی وہ ذکر کے ذریعے کر سکتا ہے۔

ایک دفعہ چند نادار صحابہؓ نے حضورؐ کی خدمت میں گزارش کی کہ ہمارے مالدار ساتھی صدقہ کے ذریعے ہم پر سبقت لے گئے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس سے تمہیں ان جیسا اجر مل جائے۔ تم "تینتیس" بار سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر ہر نماز کے بعد پڑھا کرو۔ تمہیں ان کے صدقے جتنا ثواب دیا جائے گا۔

شرائط ذکر

ذکر کے فوائد اور ثمرات سے متمتع ہونے کے لیے کچھ لازمی شرائط ہیں۔ وہ پوری نہ ہوں تو بظاہر ذکر الٰہی میں مصروف رہنے کے باوجود آدمی اس کے ثمرات و اثرات سے محروم رہتا ہے وہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

۱۔ خلوص ذکر کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خالصۃً لوجہ اللہ ہو۔ اس سے کوئی اور غرض مدنظر نہ ہو۔ بعض لوگ اپنے آباؤ اجداد کی گدی سنبھالنے کے لیے ذکر میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بعض دوسرے حضرات جنوں کی تسخیر کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ کچھ اشخاص کا مقصد اپنے تقویٰ کا رعب جمانا اور اپنی نمائش کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح کا کوئی مقصود پیش نظر رکھ کر کتنا ہی ذکر کیوں نہ کر دیا جائے اور ریاضت کے نئے ریکارڈ کیوں نہ قائم کر لیے جائیں اس سے ممکن ہے باقی سب کچھ تو حاصل ہو جائے لیکن اللہ کے ساتھ صحیح تعلق اور اس کا حقیقی قرب بہرحال میسر نہیں آتا۔ اسی لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (مومن) — تم اللہ کو پکارو اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ (الکہف) — اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ پابند رکھیے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام محض اس کی خوشنودی کی خاطر پکارتے ہیں۔

۲۔ فکر ذکر کے لیے دوسری شرط فکر ہے۔ طوطے کی طرح سوچے سمجھے بغیر کچھ کلمات رٹ کر

www.KitaboSunnat.com

دہراتے جانا اور ان پر غور نہ کرنا کچھ زیادہ سود مند نہیں۔ ذکر کے فوائد سے مستفیض ہونے کے لیے فکر ناگزیر شرط ہے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہے:-

"عقلمند وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اٹھتے بیٹھتے اور پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے مصروف رہتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیق پر غور و فکر کرکے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار یہ سارا نظام تو نے عبث اور بے کار پیدا نہیں فرمایا پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔" (سورۂ آل عمران)

قرآن پاک میں ایک جگہ رحمٰن کے بندوں کی یہ صفت بتائی کہ جب اُن کے پروردگار کی آیات کے ذریعے انہیں یاددہانی کرائی جاتی ہے تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان آیات پر اوندھے منہ گر نہیں پڑتے (بلکہ وہ ان پر غور و فکر کرتے ہیں) (سورۂ الفرقان)

۲۔ عاجزی اللہ کا ذکر عاجزی اور فروتنی سے کرنا چاہیے۔ ذکر کے بعد نخوت پیدا ہونا کہ میں ذاکر ہوں، بڑی بدقسمتی اور محرومی کی بات ہے۔ ارشاد ہے:-

"اور اپنے رب کی یاد اپنے دل میں اور کبھی ذرا اونچی آواز سے اس طرح کرو کہ اس میں عاجزی و فروتنی اور خوف ہو۔" (اعراف)

ذکر کے طریقے اور قسمیں

قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں اور زبان کے ذریعے ذرا دھیمی آواز سے انکساری کے ساتھ کرنے کا حکم آیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:-

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ۔ (اعراف)	اور اپنے رب کی یاد صبح و شام اپنے دل میں اور ذرا دھیمی آواز سے بھی اس طرح کرو کہ اس میں عاجزی بھی ہو اور خوف بھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق فرمایا:-

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا (مریم)	جب زکریا نے اپنے پروردگار کو چپکے سے پکارا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر عاجزی وانکساری کے ساتھ دل سے بھی ہونا چاہیے اور زبان سے بھی۔ علاوہ ازیں ذکر اعضاء وجوارح سے بھی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ذکر کی مندرجہ ذیل قسمیں بنتی ہیں۔ انھیں ذکر کے طریقے بھی کہتے ہیں:۔

(ا)۔ قلبی (ب)۔ قولی

(ج)۔ عملی (د)۔ ایک طریقہ مل بیٹھ کر ذکر کرنے کا بھی ہے۔ اسے اجتماعی ذکر کہتے ہیں۔

ا۔ قلبی قلبی ذکر کا مطلب یہ ہے کہ دل پوری طرح اللہ تعالیٰ کی یاد میں محو اور اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو۔ دل میں دوسروں کی یاد نہ رہے۔ بس اسی کی یاد میں ہر وقت ہو۔ اس کی ایک ایک دھڑکن سے معلوم ہو کہ وہ اسی ذات قدوس کو پکار رہا ہے۔ اصل ذکر یہی ہے اور امام غزالیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، بایزید بسطامیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور اسی زمرے کے دوسرے ہزاروں بزرگوں نے اسی کی تربیت حاصل کی اور اسی کی تربیت دی۔

ب۔ قولی ذکر انسان کمزور مخلوق ہے۔ عام آدمی کے دل کی عجیب کیفیات ہوتی ہیں۔ اور ہر لحظہ بدلتی رہتی ہیں۔ اس گھڑی وہ اللہ کی طرف متوجہ ہے تو دوسری گھڑی دنیا کی رعنائیاں اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور قلب سے ذکر مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا علاج یہ ہوتا ہے کہ زبان کے ذریعے اپنے آقا کا ذکر کرکے دل کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے۔ زبان سے ذکر کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ **تلاوت قرآن**:۔ قرآن پاک کی تلاوت اور احادیث نبویؐ کا مطالعہ قولی ذکر کی ایک صورت ہے۔ اس میں زبان حرکت کرتی ہے اور دل اور دماغ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۲۔ **نماز**:۔ نماز بھی ذکر ہی کی ایک شکل ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں زبان ہلائی جاتی ہے۔

۳۔ **دعا**:۔ قولی ذکر کی تیسری قسم دعا ہے۔ دعا میں اللہ کو پکارا جاتا ہے۔ نیازمندی کے ساتھ اس سے التجا کی جاتی ہے۔ یہ ادا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے وہ فرماتا ہے:۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ — تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دیتا ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (بقرہ)

میرے بندے جب تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتایا کرو کہ میں بہت قریب ہوں اور جب مجھے کوئی پکارتا ہے تو اس کی دعا کا میں جواب دیتا ہوں۔

۴۔ درود:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا بھی ذکر کی ایک قسم ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور ہمارے سامنے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا ہے اور انہی کے بتائے ہوئے طریقوں سے ہم اپنے مولیٰ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس لیے اس عظیم احسان کے اعتراف کے لیے ہمیں خود اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیا اور یہ درود بھی وصل اللہ کی یاد ذہن میں تازہ کرتا ہے۔

۵۔ کلماتِ ذکر:۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔ کوئی گھڑی اور کوئی لمحہ اس کی یاد سے غافل نہیں گزرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام میں رہبانیت کا کوئی جواز نہیں کہ آدمی معاملاتِ دنیا سے کٹ کر الگ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرے اور وہاں حق ہو کے نعرے لگاتا رہے۔ یہاں تو زندگی کی کشتی کو عین منجدھار میں کھینا ہے اور اس وقت اپنے آقا کو نہیں بھولنا۔ اس مقصد کے لیے نبی کریمؐ نے چھوٹے چھوٹے، پیارے پیارے بول اور موقع و محل کے مطابق دعائیں سکھائی ہیں جن کا ذکر کتب احادیث میں مل جاتا ہے۔ ان کلمات کو اٹھتے بیٹھتے دہرایا جاتا ہے۔

صبح سویرے آدمی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اللہ کی تعریف کرتا ہے۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے لیے جاتا ہے تو دعا کرتا ہے۔ فارغ ہوتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے۔ وضو کا آغاز کرتا ہے تو اس کا نام لیتا ہے۔ وضو کے دوران ایک ایک عضو دھوتے ہوئے الگ الگ کلمے کہتا جاتا ہے۔ وضو ختم ہوتا ہے تو سورہ قدر کی تلاوت کرتا ہے۔ نماز کے لیے مصلے پر کھڑا ہوتا ہے تو اِنِّیْ وَجَّهْتُ ...... پڑھتا ہے۔ اسی طرح دن بھر یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پھر عام چلتے پھرتے یا بیٹھے ہوئے پڑھنے کے لیے سُبْحَانَ اللہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللہُ اَکْبَرُ، سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ۔ اور اسی طرح کے دوسرے کلمات

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے سکھائے ہیں۔

ج۔ عملی ذکر اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کو یاد کرنا اور اس کا شکر بجالانا نیز عملی زندگی میں احکام الٰہی کی اطاعت کرنا عملی ذکر کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ — تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انھیں یاد کرو۔

سورۂ والضحیٰ میں ہے :

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ — اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کیا کرو۔

زندگی کے معاملات میں قدم قدم پر فیصلے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی پسند اور اس کی ہدایات کو ملحوظ رکھنا عملی ذکر ہے بلکہ شاید اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ زبان اور دل سے ذکر الٰہی کا مقصد پورا ہی اس وقت ہوتا ہے جب آدمی عملی زندگی میں احکام الٰہی کی پابندی کرے لیکن اگر زبان سے ہزار دانہ تسبیح روزانہ ذکر کیا جائے اور عملی زندگی میں شیطان کی پیروی کی جائے تو وہ ذکر بے نتیجہ ہے۔

د۔ جماعتی ذکر اسلام انفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی نیکی پر بہت زور دیتا ہے اس دین کا مزاج یہ ہے کہ پوری فضا کو للہیت سے معمور کر دیا جائے اور عام بنی نوع انسان کو صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگ دیا جائے۔ اس لیے اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ اجتماعی طور پر بھی ذکر کیا جائے جس طرح خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان کی طبیعت، اس کے رجحانات اور اس کی پسند کا اثر دوسرے انسان پر بھی پڑتا ہے۔ جماعتی ذکر میں بھی یہی ہوتا ہے۔ بعض اللہ کے بندے اللہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ ان کے اندر تڑپ، جذب وشوق اور آتش عشق کی حرارت جیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے دوسروں کو بھی گرمی پہنچتی ہے اور ان کے دل بھی پگھل جاتے ہیں۔ پھر وہ اجتماعی کیفیت طاری ہوتی ہے جسے قرآن حکیم میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ — جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

(الانفال)

نماز باجماعت اجتماعی ذکر ہی کی ایک صورت ہے۔ حلقۂ ذکر میں بیٹھنا اور مل کر اللہ کا نام لینا اور اسے یاد کرنا حد درجہ مستحسن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کچھ لوگ اللہ کے ذکر کے لیے مل کر بیٹھتے ہیں تو فرشتے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، ان پر سکینت کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں (فرشتوں) میں ان کا ذکر کرتا ہے۔"

فوائد، ثمرات ونتائج

ساتویں آٹھویں صدی ہجری کے مشہور محدث حضرت امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید اور فاضل اجل حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب "الوابل الصیب" کے نام سے فضائل ذکر کے بارے میں تصنیف فرمائی ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ ذکر کے سو سے زیادہ فوائد اور ثمرات ونتائج ہیں۔ ان میں سے اناسی فوائد انہوں نے ترتیب وار گنوائے ہیں۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں انہیں مزید درج کرتے۔

واقعہ یہ کہ ذکر الٰہی تمام روحانی واخلاقی بیماریوں کے لیے اکسیر کامل ہے اس کے استعمال سے ان گنت بیماریاں دور ہوتی اور بے شمار فوائد ذاکر کو حاصل ہوتے ہیں۔ ان کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے اس کا مزہ چکھا ہو۔ ساحل پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے والوں کو پتہ نہیں چل سکتا کہ جو لوگ رحمت الٰہی کے سمندر کے عین وسط میں غوطہ زن ہیں اور جن پر انوار کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے وہ کیا کیف محسوس کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل ذکر کے بس کی بات نہیں کہ وہ ان ثمرات کے اصل ذائقے کی کیفیت ٹھیک ٹھیک بیان کر سکیں۔ بالکل یوں سمجھیے کہ ایک شخص نے آم نہ کھائے ہوں اور ان کی مختلف انواع سے وہ لطف اندوز نہ ہوا ہو تو آپ اسے بتا نہیں سکتے کہ آم اور اس کی مختلف قسموں کا ذائقہ کس طرح کا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو لنگڑے، دوسہری اور انور روٹول کے ذائقے کی کیفیت آپ کیسے بتائیں گے۔ اگر اسے کہیں کہ یہ بہت میٹھے ہوتے ہیں تو ممکن ہے ایک ناواقف آدمی یہ سمجھے کہ یہ گڑ یا شکر کی طرح ہوتے ہوں گے۔ بالکل یہی حال ذکر کا ہے کہ اس کے ثمرات ونتائج سے باخبر ہونے کے لئے تو اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر اس چشمۂ صافی سے سیراب ہونے کی ضرورت ہے تاہم یہاں اس کے ثمرات اور فوائد ونتائج کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ اطمینانِ قلب

انسان کسی خطے کا رہنے والا ہو، اس کی عمر اور مذہب کچھ بھی ہو، وہ مرد ہو یا عورت، ہر کسی کا مطلوب اور اس کی ساری سرگرمیوں کا مرکزی نقطہ اطمینان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قلب کا حصول ہے۔ اسی اطمینان قلب کے ذرائع مختلف لوگوں نے الگ الگ اپنا رکھے ہیں۔ کوئی دولت کو اطمینان قلب کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک بڑا بنگلہ، لیسی اور سب سے آخری ماڈل کی خوب صورت کار، ٹیلیفون، ٹیلی ویژن، بہترین سامان آرائش سے سجا ہوا ڈرائنگ روم بھاری بینک بیلنس اور اسی قبیل کی دوسری مادی اشیاء آدمی کو مطمئن کر سکتی ہیں۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ شخص ان اشیاء کے حصول کے لئے دن رات ایک کر دیتا ہے، لوگوں کے حقوق سے بے پرواہ ہو کر ہر جائز و ناجائز طریقے سے وہ دولت کماتا ہے، لیکن کیا واقعی اس طریقے سے اطمینان مل جاتا ہے؟ ان لوگوں کے دلوں کو ٹٹولیے اور بے شک پوری دنیا میں سے ان لوگوں کو چن لیجیے جو اس میدان میں سب سے آگے ہوں، آپ دیکھیں گے کہ ان کے دل ناقابل تصور اضطراب، ناقابل یقین پریشانیوں اور ان گنت خدشات و خطرات سے داغ داغ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دولت کی آغوش میں اطمینان قلب تلاش کرنیوالوں کی اکثریت بے خوابی، امراض دماغی، امراض قلبی، امراض جنسی، امراض معدہ اور ہر طرح کے انتشار کے بری طرح شکار رہتے ہیں اور بعض اوقات زندگی سے اس حد تک تنگ آجاتے ہیں کہ آخر کار خودکشی کے ذریعے نجات کی کوشش کرتے ہیں۔

بعض دوسرے لوگ اقتدار، اختیارات اور اثر و رسوخ کو اطمینانِ قلب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دولت کی بنیادی اہمیت نہیں کہ یہ تو آنی جانی چیز ہے وہ کرسی اقتدار کے عشق میں دیوانہ ہو رہے ہوتے ہیں، ان کی تسکین اور ان کے دل کا اطمینان ان کے خیال کے مطابق صرف اس صورت ہو سکتا ہے کہ ان جیسے انسانوں کی گردنیں ان کے سامنے جھکیں، آدم و حوا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے ہاتھ ان کے سامنے پھیلیں۔ وہ سیاہ و سفید کے مالک ہوں، ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ حکم اور قانون کا درجہ رکھتے ہوں، وہ جسے ٹھیک کہیں وہ ٹھیک ہو، وہ جسے غلط کہیں وہ غلط سمجھا جائے، وہ جسے چاہیں سزا دیں اور کسی کو ان کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ ہو۔

لیکن مشاہدہ اور تاریخ انسانی کا فیصلہ یہ ہے کہ اقتدار کے ذریعے بھی اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ معشوق اضطراب و بے چینی میں اضافہ تو کر سکتا ہے لیکن اس سے سکون میسر نہیں آ سکتا جو سر ایک دفعہ تاج پہن لیتا ہے اسے کانٹوں پر ہی لوٹنا پڑتا ہے۔ دن کا آرام اور رات کی نیند اس کے لئے اجنبی چیزیں بن جاتی ہیں اور کبھی نہ کبھی اس کا احساس انسانی دل اور اس کا ضمیر دلاتا ہے اسے کتنا ہی مشورہ کیوں نہ کر دیا گیا ہو آپ ایسے لوگوں کے لگا کر دیکھ کہ الامان والحفیظ بغاوتوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خطرات اس کے لیے سوہانِ روح ہوتے ہیں۔ دنیا کے کسی کونے سے کسی صاحبِ اقتدار کا تختہ الٹنے کی خبر آئے تو اس کا سارا سکون ختم ہو جاتا ہے اور اُسے اپنا تخت ہلتا ہوا نظر آتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اقتدار سے زیادہ بے چینی پیدا کرنے والی شاید ہی کوئی چیز ہو سوائے اس کے کہ یہ اقتدار کسی بالاتر ہستی کے اقتدار کے تابع ہو اور آدمی کا ذہن اس اقتدار کو اپنی ملکیت سمجھنے کی بجائے اسے امانت تصور کرے۔

اطمینانِ قلب کے اور ذرائع بھی لوگوں نے سوچے ہیں مثلاً بعض لوگ کسی حیلے سے راہ و رسم بڑھا کر اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی غم غلط کرنے کے لیے جام مے پیتا ہے لیکن یہ سب ذرائع بیکار اور بے چینی میں اضافہ کرنے والے ہیں۔ اطمینانِ قلب کا اصل اور واحد ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا ہے اور تاریخ اس کی لاکھوں مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ جنھوں نے اللہ سے لو لگائی، اس کی یاد اپنے دل و دماغ میں تازہ رکھی اور اس کا نام پکارتے رہے وہ مادی اعتبار سے انتہائی کٹھن حالات میں بھی حد درجہ سکون اور چین کی زندگی گزارتے رہے اور اگر اپنے محبوب کی خاطر تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر لیٹنا پڑا، اگر انھیں درختوں سے باندھ کر ان کے سر ریوں نے پیٹا، اگر آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں انھیں جھونکا گیا، اگر سرِ دار انھیں لٹکایا گیا اور ان کے گلے پر چھری رکھ کر انھیں ذبح کیا گیا تو ان کے سکون میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور ہر نئی تکلیف نے ان کے لطف کو دوبالا اور ان کے نشہ کو تیز تر کر دیا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ — خبردار! اطمینانِ قلب صرف ذکرِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی جلد ششم میں کیسے پیارے انداز میں لکھا ہے:

"انسان کو اپنی روحانی تڑپ، دلی بے چینی، قلبی اضطراب اور ذہنی شورش کے عالم میں جب دنیا اور دنیا کی ہر چیز فانی، عقل کی ہر تدبیر درماندہ، جسم کی ہر قوت عاجز اور سلامتی کا ہر راستہ بند نظر آتا ہے تو سکون و اطمینان کی راحت اس کو صرف اسی ایک قادرِ مطلق کی پکار، دعا اور التجا میں ملتی ہے اور مصیبتوں کے ہجوم اور تکلیفوں کی شدت کے وقت ثباتِ قدم اور دعا ہی چارہ کار ہے"

نماز جو ذکر ہی کی ایک قسم ہے اس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا:

قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ — میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

كَانَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى۔ جب حضورؐ کو کسی چیز سے تکلیف پہنچتی تو آپؐ نماز پڑھنے لگتے۔

اس نماز کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق قائم ہوتا اور دل کو اس سے سکون مل جاتا ہے۔

۲۔ اللہ کے ہاں مقبولیت

ذکر کا دوسرا بڑا فائدہ پوری کائنات کے خالق، مالک اور رازق کے ہاں مقبولیت ہے اس درجہ کی مقبولیت کہ بندہ جب اُسے زمین پر یاد کرتا ہے تو وہ اُسے آسمان پر یاد کرتا ہے اور فرشتوں میں اس کا ذکر کرتا ہے نہ بندے کو مستقل اپنی رحمت میں لے لیتا ہے اور ہر حالت میں وہ اس کا مونس وغمخوار بن جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے:

"اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے متعلق گمان کرتا ہے۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا ذکر اجتماع میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر اجتماع میں کرتا ہوں۔ اگر بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب آتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔" (احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی)

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ ذکر سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے۔

۳۔ رفع درجات

ذکر سے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات میں بلندی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دنیا میں نرم بستروں پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انھیں بلند درجات عطا فرمائے گا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ فرشتوں سے مصافحہ ذکر کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے کہ فرشتے مصافحہ کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

"اگر تم ہر وقت ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں۔"

۵۔ جنت میں مخصوص دروازہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں ایک ذاکرین کے لیے مخصوص ہے۔

۶۔ نور اور اُجالا ذکر، ذاکر کے لیے زمین پر روشنی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ آنحضرت سے لمبی حدیث بیان کرتے ہیں جس کے آخر میں آپ فرماتے ہیں:

"تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کو اپنے لیے لازم ٹھہرالو کیونکہ اس سے آسمانوں میں تیرا ذکر ہوگا اور زمین پر یہ تیرے لیے نور کا سبب بنے گا۔"

۷۔ اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے اللہ تعالیٰ ذاکرین کی وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے، حدیث میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کے ایک حلقہ کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کس چیز نے تمہیں یہاں بٹھایا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس بات پر اس کی حمد بیان کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی نعمت سے نوازا۔ حضورؐ نے فرمایا: خدا کی قسم صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے قسم کھا کر کہا کہ صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بدگمانی کی وجہ سے میں نے تمھیں قسم نہیں دی بلکہ جبریلؑ میرے پاس ابھی ابھی آئے تھے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی وجہ سے فرشتوں پر فخر فرما رہا ہے۔"

۸۔ جنت کی ضمانت ذاکر کے لیے جنت کی ضمانت ہے حضورؐ نے فرمایا:

"جو شخص یہ چاہے کہ جنت سے خوب سیراب ہو، وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔"

۹۔ مغفرت اور برائیوں کا نیکیوں میں تبدیل ہونا ذکر کی وجہ سے گناہوں کی نہ صرف مغفرت ہوتی ہے بلکہ برائیاں نیکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جو لوگ بھی اللہ کے ذکر کے لیے جمع ہوں اور ان کا مقصود رضائے الٰہی ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا دیتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمھاری برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئیں۔"

۱۰۔ عذابِ قبر سے نجات

حضرت معاذؓ راوی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذابِ قبر سے نجات دلانے والا نہیں۔"

۱۱۔ دل کی پاکیزگی

ذکر سے قلب و روح کی صفائی ہوتی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں: "ہر چیز کو صیقل کرنے والی کوئی چیز ہوتی ہے اور دل کو صیقل کرنے والا ذکر الٰہی ہے۔"

۱۲۔ چہروں پر نور اور موتیوں کے منبر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بعض ایسے لوگوں کو اٹھائیں گے، جن کے چہروں پر نور ہوگا اور وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے۔ لوگ ان پر رشک کریں گے اور وہ نبی اور شہید نہیں ہوں گے۔" ایک اعرابی نے گزارش کی کہ یا رسول اللہؐ ان کا حال بیان فرما دیجیے تاکہ ہم انھیں پہچان سکیں حضورؐ نے فرمایا: "وہ مختلف خاندانوں اور مختلف مقامات سے اللہ کی محبت کی خاطر اللہ کے ذکر پر جمع ہونے والے لوگ ہوں گے اور اللہ کا ذکر کرتے رہے ہوں گے۔"

۱۳۔ جنت کے باغ

حضورؐ نے حلقہ ہائے ذکر کو جنت کے باغ کہا۔ فرمایا: "جب تم جنت کے پاس سے گزرو تو خوب چرو۔" کسی نے پوچھا: "جنت کے باغ کیا ہیں"؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ذکر کے حلقے۔"

۱۴۔ قیامت کے روز رحمت الٰہی کے سائے میں جگہ ملنا

حشر کے میدان میں سخت گرمی ہوگی اور اس سے بچاؤ کی واحد صورت یہی ہوگی کہ اللہ تعالےٰ اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا فرمائے حدیث میں آتا ہے۔ اس کیفیت میں سات قسم کے لوگوں کو اس سائے میں جگہ ملے گی۔ ان میں ایک قسم ان لوگوں کی ہوگی جنھوں نے تنہائی میں اللہ کا ذکر کیا ہوگا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے ہوں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم سوالات

۱۔ ذکر سے کیا مراد ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی اہمیت پر مضمون لکھیے۔

۲۔ ذکر کے طریقے بیان کیجئے۔ نیز اس کے ثمرات وضاحت سے تحریر کیجئے۔

۳۔ "اطمینان قلب صرف ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے" بحث کیجئے۔

۴۔ "تمام عبادات کا حاصل ذکر الٰہی ہے" بحث کیجئے۔

۵۔ مندرجہ ذیل پر تشریحی نوٹ لکھیے:

ذکر، عفو، کتب، تحمل۔ (۱۹۶۸ء لاہور بورڈ)

۶۔ مندرجہ ذیل عنوانات میں سے کوئی سے دو پر تشریحی نوٹ لکھیے۔

(الف) احسان (ب) صبر (ج) ذکر (لاہور بورڈ۔ ۱۹۸۲ء)

۷۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ذکر کی اہمیت بیان کیجئے۔ نیز ذکر کی مختلف صورتوں پر مختصر نوٹ لکھیے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۰ء)

۸۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔ اس جملے کی صداقت دلائل سے ثابت کیجئے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۷۹ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۵

صبر

مفہوم اور حقیقت صبر کے تین مفہوم ہیں: ایک عام مفہوم، دوسرا عرب کا لغوی مفہوم اور تیسرا شرعی اصطلاحی مفہوم۔

(۱) **عام مفہوم**: عوام کے نزدیک صبر کا مطلب ہے کمزوری، مجبوری اور بیچارگی کی وجہ سے مخالف سے انتقام نہ لے سکتے ہوں تو خاموشی سے اسے سہہ جائیں۔ ایک دوسرا عام مفہوم یہ بھی ہے کہ انسان مصائب اور تکالیف میں بیقرار نہ ہو، شور نہ مچائے بلکہ جذبات کو قابو میں رکھے۔

(۲) **لغوی مفہوم**: لغوی مفہوم یہ ہے کہ "کسی اور کو یا اپنے آپ کو" روکنا" اور "سہارنا" یعنی بیقراری اور بے چینی کا اظہار نہ کرنا بلکہ مضبوطی سے ڈٹے رہنا اسی مفہوم میں کفار کا یہ قول قرآن مجید میں نقل ہوا ہے:

أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ (ص) — چلو اور اپنے خداؤں پر صبر کرو (مضبوطی کے ساتھ قائم رہو)

(۳) **شرعی و اصطلاحی مفہوم**: شرعی اور اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی حالت ہو انسان دین حق کے تقاضوں اور بندگی رب کی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور ایک طرف تو اسے حالات کی ناسازگاری اور راہ حق کی آزمائشیں، دشمنان دین کی فتنہ انگیزیاں اور خواہشات نفس کے پھندوں کی کھینچا تانیں حدود شرع سے ہٹنے نہ دیں، دوسری طرف دنیا کی زینتیں اور سامان عیش کی فراوانیاں، نام و نمود کی رغبتیں اور جاہ و جلال کی مطلق العنانیاں بھی اس کے پائے استقلال کو شریعت کے راستے سے بیگانہ نہ ہونے دیں اور پھر تیسری طرف ایسا بھی ہو کہ ذاتی رجحانات، خاندانی رسوم و روایات، قومی اور ملکی تعصبات و مفادات، وقت کے فتوے اور زمانے کے فیصلے سب کے سب اپنا اپنا زور دکھا کر تھک ہار جائیں مگر مومن اپنی شاہراہ ہدایت پر بدستور رواں دواں رہے۔ الغرض حق کی خاطر داخلی اور خارجی ہر طرح کی رکاوٹوں کے مقابلے میں راہ ہدایت پر جو انمردی سے استقامت و استقلال کا نام صبر ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک میں صبر کا استعمال اور اس کے تقاضے

قرآن پاک میں اس بنیادی مفہوم کو قائم رکھتے ہوئے مطلب میں تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ لفظ حسب ذیل طریقوں سے استعمال ہوا ہے۔

اس استعمال سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ صبر کے تقاضے کیا ہیں:

۱۔ مناسب وقت کا انتظار

پہلا مطلب یہ ہے کہ مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اور راہِ ہدایت پر قائم رہتے ہوئے کامیابی کے وقت کا انتظار کرنا۔ نبی اکرم کو ابتدائے دعوت میں مشکل ترین حالات کا سامنا کرنا پڑا عرب کا بچہ بچہ آپ کا دشمن ہو گیا اور وہاں کا ذرہ ذرہ آپ کو نگل جانے کو دوڑتا تھا۔ فطری طور پر اس صورتحال میں آپ کے اندر اضطراب سا پیدا ہوتا تھا۔ اس وقت فرمایا:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۔ (طور)

اپنے رب کے فیصلے کا ثابت قدمی کیساتھ انتظار کیجئے کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۔ (ہود)

ثابت قدم رہ کر انتظار کیجئے۔ آخر کار کامیابی پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۔ (روم۔ مومن)

صبر سے انتظار کریں۔ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے یعنی اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا پس مناسب وقت کا انتظار کیجئے۔

۲۔ بیقرار نہ ہونا

صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مصائب پر بے قرار اور بے چین ہونے اور شکوہ و شکایت کرنے کی بجائے رضا و تسلیم کے جذبات کے ساتھ ان کو برداشت کیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۔ (ص)

ہم نے بیشک ایوب کو صابر پایا کیسا اچھا بندہ، وہ خدا کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ مشکلات کو خاطر میں نہ لانا اس کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ منزل حق تک پہنچنے کے راستے میں جو مشکلات آئیں، دشمن جو تکلیفیں پہنچائیں اور مخالفین جو بہتان باندھیں اور طعنے دیں، ان میں سے کسی چیز کو خاطر میں نہ لانا اور پست ہمت ہونے کی بجائے زیادہ پامردی اور مستقل مزاجی سے آگے بڑھتے چلے جانا۔ حضورؐ سے فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف) — جس طرح اولوالعزم پیغمبر پامردی کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں اسی طرح (اے محمدؐ) تم بھی کرو۔

۴۔ درگزر کرنا صبر کا چوتھا مفہوم جس کے لیے قرآن میں استعمال ہوا ہے، برائی کرنے والوں کی بدخواہی اور اذیت رسانیوں کو نظر انداز کر دینا ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ۔ (نحل) — اگر تم سزا دو تو اتنی ہی جتنی تکلیف کہ تمہیں پہنچائی گئی ہے اور اگر نظر انداز کر دو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔

ثابت قدمی قرآن پاک میں صبر میدان جنگ میں ثابت قدمی کے ساتھ لڑنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے۔

إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۔ (انفال) — اگر تم میں سے بیس ثابت قدمی سے لڑنے والے ہوں تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے۔

۶۔ ضبط نفس قرآن پاک میں صبر ضبط نفس کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اشخاص اور قوموں کی زندگی میں سب سے نازک موقع وہ آتا ہے جب وہ کسی بڑی کامیابی یا ناکامی سے دوچار ہوں۔ اس وقت نفس پر قابو رکھنا اور ضبط سے کام لینا مشکل ہوتا ہے مگر یہی ضبط نفس کا اصل موقع ہوتا ہے اور اسی سے اشخاص اور قوموں میں سنجیدگی، متانت، وقار اور سیرت کی مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

- اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے کسی مہربانی کا مزہ چکھائیں، پھر اس کو اس سے چھین لیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر کسی مصیبت کے بعد اس کو نعمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مزہ چکھائیں تو کہتا ہے کہ برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں بیشک وہ شاداں و نازاں ہے۔ لیکن وہ جنھوں نے صبر (یعنی نفس پر قابو) رکھا اور اچھے کام کئے۔ یہ لوگ ہیں جن کے لئے معافی اور بڑا اجر ہے۔" (ہود)

۷۔ تکالیف اٹھا کر فرض کی ادائیگی

ہنگامی اور وقتی مشکلات کا پامردی سے مقابلہ کرنے سے آگے صبر کا ایک مفہوم یہ ہے کہ فرائض کو عمر بھر ہر طرح کی تکلیفوں اور لالچوں کے علی الرغم خوش اسلوبی سے نبھاتے جانا۔ فرمایا:

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ (مریم)

اس (اللہ تعالیٰ) کی عبادت کر اور اس کی بندگی پر ٹھہرا رہ (یعنی پوری عمر استقامت کے ساتھ اس کی بندگی کرتا رہ)

صبر کے مختلف نام

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے صبر کی تعریف کرنے کے بعد وہ نام دیئے ہیں جن ناموں سے اسے مختلف مواقع پر موسوم کیا جاتا ہے۔ امام موصوف نے صبر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"خواہشات سے پر اعمال کو ترک کر دینا ایسا فعل ہے جو ایک خاص قسم کی کیفیت پر منتج ہوتا ہے۔ اس کیفیت کا نام صبر ہے۔"

صبر کے مختلف نام اس طرح دیئے ہیں۔ میدان جنگ میں برداشت اور پامردی کا نام "شجاعت" اور اس کی ضد کا نام "بزدلی" ہے۔ پریشان کن مصیبت کو انگیخت کرنے کو "حوصلہ" کہتے ہیں اور اس کے برعکس کیفیت کو بے حوصلگی، غصے پر قابو پانے کے لئے "حلم" کا لفظ بولا جاتا ہے اور قابو نہ پا سکنے کے لئے "تنک مزاجی" کا۔ تعیشات سے اجتناب کو "زہد" کا نام دیا جاتا ہے جس کی ضد "حرص" ہے۔ کم سے کم ضروریات پر راضی ہو جانے کو "قناعت" کہتے ہیں جس کی ضد "طمع" ہے

صبر کے مراتب و حدود

صبر کے مختلف مدارج و مراتب ہیں۔ جتنے خلوص اور جذبہ حصول رضائے الٰہی کے ساتھ جتنے کٹھن حالات میں جس درجے کی پامردی کے ساتھ صبر کیا جائے اتنا ہی اس کا مرتبہ ہوگا۔ اللہ کے دین کے غلبے کے لئے مصیبتیں برداشت کی جائیں، باطل کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے۔ ہر طرف لوگ اپنے ضمیر اور ایمان کے سودے چکا رہے ہوں، بولی دینے والے بڑی بڑی بولی دینے کے لئے تیار ہوں اور اگر ایمان کا سودا کرنے کے لئے کوئی شخص تیار نہ ہو تو اس کا صلہ جیل اور پھانسی کی کوٹھڑی کی شکل میں ملتا ہو لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالات میں اگر کسی کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئے۔ ناگہانی مصیبتیں آئیں اور اس کی پیشانی پر شکن نہ پڑیں تو یہ اعلیٰ ترین درجے کا صبر ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ جو چیزیں اخلاقی اور شرعی طور پر حرام ہیں، ان پر صبر کرنا فرض ہے جو چیزیں دینی لحاظ سے مکروہ ہیں ان پر صبر کرنا نفل ہے اور دینی محارم کی توہین برداشت کرنا حرام ہے۔ یہی صبر کی حدود ہیں۔ بعض لوگ غلطی سے بزدلی کو صبر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص اگر دوسرے شخص کے والدین، بھائی بہنوں یا دوسرے اعزا کو ناجائز گالیاں دیتا اور تنگ کرتا ہے اور آرام سے سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتا تو اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنا سخت قسم کی بے غیرتی ہے۔ یہ بزدلی و ضعیفی ہے جس کی سزا مرگ مفاجات ہے۔ اس چیز کا تدارک بہترین ممکن طریقے سے ہونا چاہیے اور اس کے مختلف راستے مثلاً سختی سے ڈانٹنا، بااثر معززین سے تعاون لینا، عدالت کی طرف رجوع کرنا اور آخری چارۂ کار کے طور پر مرمت کرنا وغیرہ ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ غلط فہمی کی بنا پر مصیبت کے وقت آنکھوں سے آنسوؤں کے بہہ نکلنے کو صبر کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صبر کے خلاف نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے بچے کے انتقال کے وقت ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ ساتھ کئی صحابہؓ بھی تھے۔ بچہ اٹھا کر آپؐ کی گود میں دیا گیا۔ اس وقت بچے کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضورؐ کے آنسو بہنے لگے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا: "حضرتؐ، یہ کیا؟" فرمایا "یہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالی ہے اور اللہ کی رحمت انہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا جذبہ موجود ہوگا۔"

صبر کی اہمیت

اسلامی تعلیمات میں صبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور قرآن و سنت میں اس چیز کی بار بار تاکید کی گئی ہے کہ یہ وصف اپنے اندر پیدا کیا جائے۔ اس سلسلے میں ضروری باتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ کامیابی کی لازمی شرط اسلامی نقطۂ نظر سے انسانی زندگی کا مقصد ہی اس بات کی آزمائش ہے کہ کوئی شخص نیکی پر قائم رہتا ہے یا وہ بدی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ بدی کی قوتیں کبھی اپنی ظاہری رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ اور کبھی اپنی قہرمانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جبروتی طاقتوں کے ذریعے انسان کو راہ راست سے ہٹانے کی کوششیں مسلسل کرتی رہتی ہیں۔ ان قوتوں کے مقابلے میں راہ راست پر قائم رہنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ایک شخص کے اندر صبر نہ ہو۔ گویا مقصد حیات میں کامیابی کے لئے صبر ناگزیر ہے۔

۲۔ دعوت اسلامی کا تقاضا ہر انسان کا مقصد حیات نیکی پر قائم رہنا ہے لیکن ایک مسلمان کا کام اس سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ کہ اپنی ذات کی حد تک ہی نیکی نہ کی جائے بلکہ پوری دنیا میں معروف کا بول بالا کیا جائے اور منکر کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ جب یہ کام شروع کیا جاتا ہے تو باطل قوتیں اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت میدان میں اتر کر اہل حق کو شکست دینے کے درپے ہو جاتی ہیں۔ ان قوتوں کے لیے یہ بات کسی صورت قابل برداشت نہیں ہوتی کہ راست بازی کا جھنڈا اونچا ہو اور جھوٹ پاؤں تلے روندا جائے۔ اس صورت میں صبر کے بغیر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بنیادی فریضہ سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ اسی لیے حضرت لقمانؑ کی زبان سے کہلوایا گیا:

میرے بیٹے! نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اس راستے میں جو مصائب آئیں ان پر صبر کرو یہ بڑا کٹھن کام ہے۔" (لقمان)

۳۔ انبیاءؑ کو تلقین انبیاء علیہم السلام کا مشن چونکہ سب سے زیادہ کٹھن ہوتا ہے۔ اس لیے انھیں صبر کی سب سے زیادہ تلقین کی گئی ہے۔ نبی کریمؐ سے فرمایا گیا کہ جس طرح اولوالعزم پیغمبر صبر کرتے آئے ہیں اسی طرح آپ بھی صبر کیجئے۔ حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے رسولوں کی یہ بڑی ابھری ہوئی خاصیت تھی۔ حضورؐ کو دوسری جگہ وحی میں فرمایا:

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ — اپنے پروردگار کے لیے صبر کرو۔

۴۔ مومنوں کو تلقین اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ مشکلات و مصائب میں نماز اور صبر کے ذریعے مدد مانگیں۔

فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ۔ (بقرہ) — اے مومنو! نماز اور صبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔

۵۔ جنت کے لئے لازمی شرط جنت میں داخلے کے لئے صبر ایک لازمی شرط ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چند اور اذکار کو اپنا کر اگر یہاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کے دن کاٹے جائیں تو آخرت میں پہنچتے ہی انھیں جنت میں داخلے کا پرمٹ مل جائے گا حالانکہ اصل حقیقت یہ نہیں ہے۔ جنت میں جانے کے لیے ضروری ہے کہ اس دنیا میں آدمی راہِ حق پر استقامت سے چلے اور اس راستے میں پیش آنے والی مصیبتوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرے۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی (آسانی سے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کس کس نے راہِ حق میں جہاد کیا اور کون کون صبر کرنے والے ہیں؟"

(آل عمران)

اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے کہ "جنت ناخوشی کے کاموں سے اور دوزخ لذت کے کاموں سے ڈھانپی گئی ہے"۔

۶۔ ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت

صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی کے لیے انفرادی طور پر ہی یہ لازم نہیں کہ وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے بلکہ یہ اجتماعی ذمہ داری اور کامیابی کے لیے لازمی شرط ہے کہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی جائے۔ چنانچہ قرآن پاک میں سورۃ العصر میں فرمایا:

"تاریخ انسانی گواہ ہے کہ انسان بحیثیت مجموعی خسارے میں رہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، جنھوں نے عمل صالح کیے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو حق بات کہی اور صبر کی نصیحت کی"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"ایمان والو! صبر کرو اور دوسروں کو صبر کی تلقین کرو۔ آپس میں جڑ کر رہو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو سکو"۔ (آل عمران)

۷۔ نصف ایمان

صبر کی اہمیت کے پیش نظر اسے نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ صبر کرنا نصف ایمان ہے اور تصدیق کرنا پورا ایمان۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صبر کی تربیت

جتنی کوئی چیز اہم ہوتی ہے اتنی ہی اس کی خصوصی تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ صبر کی تربیت کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں مفید ہیں:

۱۔ ایمان و توکل صبر کی تربیت کے لیے پہلی ضروری چیز اللہ، رسول اور آخرت پر غیر متزلزل یقین ہے۔ اگر ان بنیادی عقاید پر ایمان ہی نہ ہو اور آدمی کا دل اس بات پر ٹھہرتا ہی نہ ہو کہ اس کائنات کا خالق و مالک ایک اللہ ہے جو رحمٰن و رحیم، سمیع و بصیر، حی و قیوم اور عادل و حکیم ہے اسے اس بات پر اطمینان ہی نہ ہو کہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا ہے جس میں تمام فیصلے حق و انصاف کی بنیاد پر ہوں گے، جس نے یہاں نیکی اور راست بازی کی راہ اختیار کی ہوگی وہ آخرت میں سرخرو ہوگا اور جس نے یہاں برائی، جھوٹ، فریب اور ظلم کا راستہ منتخب کیا ہوگا وہ آخرت میں اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتے گا اور جسے اس امر کا یقین ہی نہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رسول کی حیثیت سے ٹھیک ٹھیک باتیں اللہ کی طرف سے ہم تک پہنچائی ہیں، اس شخص کے اندر کبھی صبر کا وصف جڑ نہیں پکڑ سکتا اور جو اس کے وسیع تقاضے ہیں وہ کبھی پورے نہیں کر سکتا۔

اسی لیے فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ صبر کرو اور صبر اللہ کے سہارے ہی ہو سکتا ہے

۲۔ عزم صبر کی تربیت کے لیے عزم اور پختہ ارادے کا پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی شخص کو صبر کی نعمت سے نوازتا ہے جو صبر کرنا چاہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جو شخص عفیف ہونا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے عفیف بنا دیتا ہے۔ جو غنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے غنی بنا دیتا ہے اور جو صبر کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے۔" (مسلم)

۳۔ اہل عزم کا اسوہ صبر کا جوہر پروان چڑھانے میں اولوالعزم اور باہمت لوگوں کا نمونہ بھی بہت زیادہ ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ جب آدمی یہ دیکھتا ہے کہ راہ حق میں پہلے بھی لوگوں نے مصیبتیں جھیلی اور تکلیفیں اٹھائی ہیں تو اس کا حوصلہ بڑھتا اور قدم جمتے ہیں۔ راہ حق میں حضرت ابوبکرؓ، بلالؓ، خبابؓ، صہیبؓ، عمارؓ، مصعبؓ بن عمیر اور دوسرے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سینکڑوں صحابہؓ، تابعینؒ اور سلف صالحین کی انگیز کی ہوئی تکلیفیں اور ان تکلیفوں کے باوجود ان بزرگوں کی استقامت کا حال پڑھ کر آدمی کے اندر صبر کا جذبہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں حضورؐ سے کہا گیا۔

"آپ اسی طرح صبر کیجئے جس طرح اس سے پہلے اولوالعزم رسول صبر کرتے رہے ہیں۔ اور نبی کریمؐ کے پاس ایک صحابیؓ آئے اور گزارش کی کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ حضورؐ کعبے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ آپؐ سیدھے بیٹھ گئے۔ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا:

"تم سے پہلے لوگوں کا یہ حال ہوا کہ گڑھے کھود کر انہیں کھڑا کیا گیا۔ پھر وہ آروں سے چیر دیئے گئے اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ لیا گیا مگر یہ بات انہیں اپنے دین سے ہٹا نہ سکی۔"

۴۔ روزہ

صبر کی تربیت کا بہترین ذریعہ روزہ بھی ہے۔ روزہ ضبطِ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ پیٹ اور شرمگاہ کے تقاضے آدمی کو راہِ راست سے ہٹا دیتے ہیں۔ پیٹ کے لیے آدمی غلط طریقے اختیار کرتا ہے اور نفسانی شہوات کے لیے وہ حدود کو توڑتا ہے۔ ان چیزوں پر ضبط حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔

صبر کی مثالیں

اسلامی دعوت و عزیمت کی تاریخ صبر کی مثالوں سے بھری پڑی ہے اور بلا مبالغہ لاکھوں واقعات اس سلسلے میں بیان کئے جا سکتے ہیں۔

اس کی بڑی ابھری ہوئی مثال حضرت نوحؑ کی ہے کہ پورے ساڑھے نو سو سال تک وہ راہِ حق کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے اور کھلم کھلا انہیں سیدھا راستہ دکھایا وہ انہیں خوشخبریاں بھی سناتے رہے اور تنبیہ بھی کرتے رہے لیکن چند نفوس کے علاوہ جو بعض روایات کے مطابق اسّی تھے کسی نے ان کی بات نہ مانی پھر بھی حضرت نوحؑ اپنا کام پوری تن دہی سے سرانجام دیتے رہے۔

صبر کے سلسلے میں حضرت ابراہیمؑ کی مثال بڑی درخشاں ہے کہ اللہ کی خاطر انہیں آگ میں ڈالا گیا، وہ اس آگ میں پڑنے کے لیے تیار ہوگئے لیکن راہِ راست اور دعوتِ حق سے سرمو نہ ہٹے بڑھاپے کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ملا تو اس کی تعمیل میں بھی کوئی لیت و لعل نہ کی اور فی الجملہ پوری زندگی صبر و استقامت کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

حضرت لوطؑ کا کردار بھی اس میدان میں بڑا نمایاں ہے۔ ایسی ذلیل ترین قوم سے ان کو سابقہ پیش آیا، جو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے ہوئے مہمانوں کے پیچھے پڑ گئے۔ لیکن حضرت لوطؑ صبر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالت میں جیتے رہے۔

حضرت ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، ایوبؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے تمام انبیاؑ نے بہترین صبر کا زندگی کے ایک ایک قدم پر مظاہرہ کیا۔

اور سب سے آخر میں خاتم الانبیاؐ نے اس کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا۔ آپ کو مکہ کی گلیوں میں اذیتیں دی گئیں۔ آپ کے سر مبارک پر کوڑا کرکٹ ڈالا گیا، راستے میں کانٹے بچھائے گئے طعنے دیئے گئے، آوازے کسے گئے، بہتان باندھے گئے، طائف کے بازاروں میں پتھروں سے لہولہان کیا گیا، معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کر کے شعب ابی طالب میں بھیجا گیا، گھربار اور آبائی شہر چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، قتل کے منصوبے بنائے گئے، دانت مبارک شہید ہوئے، منافقین نے عزت و آبرو پر حملے کئے اور بعثت کے بعد زندگی کا ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ کسی نئی آزمائش سے آپ دوچار نہ ہوئے ہوں لیکن ان سارے حالات میں آپ نے نہایت خندہ پیشانی جوانمردی، ہمت، استقامت اور بے مثال جرأت سے باطل کا مقابلہ کر کے اسے سرنگوں کیا اور حق کا علم قیامت تک کے لیے سربلند کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ اور ملت اسلامیہ کے اولوالعزم رہنماؤں نے صبر کی بہترین مثالیں پیش کیں۔

حضرت بلالؓ تپتی ہوئی ریت پر لیٹ کر بھی احد، احد کے نعرے لگاتے رہے۔ حضرت خبابؓ دہکتے ہوئے کوئلوں کو اپنی پیٹھ سے ٹھنڈا کر دیتے لیکن اپنے مسلک سے ایک انچ نہ ہٹتے۔ حضرت عثمانؓ کو درخت کے ساتھ باندھ کر پیٹا گیا، حضرت زبیرؓ کو بوری میں بند کر کے دھواں دیا گیا، حضرت مصعبؓ کے کپڑے اتروا کر گھر سے نکال دیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو اتنا پیٹا گیا کہ ان کا چہرہ مبارک سوج گیا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت سمیہؓ کو نیزہ مار کر ابوجہل نے شہید کر دیا، امام مالک بن انسؒ کا چہرہ سیاہ کر کے مدینہ کی گلیوں میں گدھے پر سوار کر کے انھیں پھرایا گیا، ابوحنیفہؒ کو کوڑے مارے گئے اور قید و بند کی صعوبتیں انھیں جھیلنا پڑیں، امام احمد بن حنبلؒ کو کوڑے مارے گئے، امام ابن تیمیہؒ کو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو گوالیار کے قلعہ میں مقید رکھا گیا۔ ان کے علاوہ سینکڑوں، ہزاروں دوسرے بزرگوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں لیکن جادۂ حق سے وہ بال برابر بھی پیچھے نہ ہٹے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صبر کے فضائل و ثمرات

صبر کی جتنی اہمیت ہے اتنے ہی اس کے ثمرات و فضائل ہیں۔ ہم ان ثمرات کا ذکر ترتیب وار کرتے ہیں۔

۱۔ بے حساب اجر اللہ تعالیٰ نے صابرین کے متعلق فرمایا کہ انھیں بے حساب اجر دیا جائے گا۔ ارشاد ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (زمر)	صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

اسی چیز کو حضورؐ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ صبر سے وسیع تر کوئی شے نہیں۔ (ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ صبر سے بہتر اور وسیع کوئی چیز انسان کو نہیں دی گئی۔

۲۔ بھلائی کا منبع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں بھلائی کا سرچشمہ ہیں۔ شکوہ نہ کرنا، مصیبت کا پوشیدہ رکھنا اور صبر کرنا، اور صدقے کا چھپانا۔

۳۔ اطمینان کا باعث صبر اطمینان کا باعث ہے۔ روایت ہے: "جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو اور صبر کرے، جو کچھ اسے دیا جائے اس پر شکر کرے، اس پر ظلم کیا جائے تو معاف کر دے اور خود کسی پر زیادتی کر بیٹھے تو استغفار کرے پس یہی لوگ ہیں جو امن اور اطمینان خاطر کے مستحق ہیں اور یہی لوگ راہ راست پر ہیں۔"

۴۔ مشکلات کی شاہ کلید انسانی زندگی میں مشکلات سے دوچار ہو جانا ناگزیر ہے۔ ان مشکلات کا علاج دعا اور صبر ہے۔ اسی وجہ سے قرآن پاک میں ترغیب دلائی گئی ہے کہ "صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے مدد طلب کرو۔"

۵۔ خاص نوازش، رحمت اور ہدایت قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔ (بقرہ)	(صبر کرنے والوں) پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازشیں اور خاص رحمتیں ہوں گی وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور ہدایت یاب ہوں گے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت معاذ بن جبلؓ کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعزیت نامہ میں انھیں انھی تین چیزوں کی خوشخبری سنائی۔ فرمایا:

"....... اگر تم نے رضائے الٰہی کی نیت سے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش، اس کی رحمت اور ہدایت کی تم کو بشارت ہے۔ پس اے معاذ صبر کرو ایسا نہ ہو کر جزع فزع تمہارا اجر ضائع کر دے اور پھر تمھیں ندامت ہو..."

۶۔ جنت کی بشارت | صبر کے تقاضے پورے کئے جائیں تو اس کا کم از کم اجر جنت ہے۔ حدیث میں ہے:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے فرزند آدم! اگر تو نے صدمے میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو جنت سے کم مجھے کوئی اجر دینے پر راضی نہیں ہوں گا۔"

۷۔ مغفرت کا حق | اللہ کے لیے صبر کیا جائے تو خدائے رحمان یہ ذمہ داری اپنے اوپر لیتا ہے کہ صابر کے گناہ بخش دے۔ حضورؐ نے فرمایا:

"جو شخص کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ اس کا کسی سے اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ اسے بخش دے۔"

۸۔ کامیابی کی ضمانت | مشکلات و مصائب میں استقامت کامیابی کی ضمانت ہے جس میدان میں بھی آدمی مستقل مزاجی سے کام کرتا جائے اور راہ کی رکاوٹوں سے دیکھ کر بھاگ نہ کھڑا ہو وہاں کامرانی قدم چومتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

إِنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ — مدد صبر کے ساتھ ہے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کی محبت و معیت | صبر کی یہ بھی فضیلت ہے کہ اہل صبر کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور معیت سے نوازا جاتا ہے

فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔ — اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ — بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

۱۰۔ رضائے الٰہی کا ذریعہ | صبر رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"آزمائش جتنی سخت ہو گی اتنا ہی بڑا انعام ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی گروہ سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ جو شخص اس ابتلاء میں راضی رہا اللہ اس سے راضی رہا۔ جس نے ناراضگی ظاہر کی اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوا۔"

ابتلاء میں راضی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس نے مصیبت میں صبر کیا اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

اہم سوالات

۱۔ صبر کا مفہوم وضاحت سے لکھیے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے؟

۲۔ صبر کی اہمیت پر جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

۳۔ صبر کی احادیث اور ثمرات پر تفصیلی مضمون لکھیے۔

۴۔ صبر اور شکر میں کیا فرق ہے؟ ہر ایک کی تعریف کیجیے اور بتائیے کہ ہر ایک کی مختلف قسمیں کیا ہیں؟ مثالیں بھی تحریر کیجیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۳ء، ۱۹۷۴ء)

نوٹ: شکر پر بحث اگلے باب میں پڑھیے۔

15980

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۶

شکر

حقیقت ومفہوم لغوی معنی ہے مادہ کے تھنوں کا دودھ سے بھرا ہوا ہونا اور تھوڑا سا چارہ ملنے پر بھی جانور کا تروتازہ ہو جانا۔ اس کا عام مفہوم یہ ہے کہ کوئی احسان کرے تو اس کی قدر کرنا اور زبان سے اس کا اظہار کرنا۔

شریعت کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے منعم حقیقی کی نعمتوں کا حق پہچان کر اس کا صحیح استعمال اس کی مرضی کے مطابق کرنا، اس کے احکام وقوانین کے مقابلے میں سرکشی نہ کرنا، اس کا احسان مان کر مطیع فرمان بنے رہنا اور زبان سے اس کے انعامات کا اعتراف کرنا۔

علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے شکر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"شکر پانچ قاعدوں پر مبنی ہے،

۱۔ محسن کے لیے فروتنی وانکساری۔

۲۔ محسن سے محبت کرنا۔

۳۔ نعمت کا اعتراف کرنا۔

۴۔ نعمت کی بنا پر محسن کی تعریف کرنا۔

۵۔ اس نعمت کو محسن کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔

یہ پانچ باتیں شکر کی بنیاد ہیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی جگہ سے ہل جائے تو شکر کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ضائع ہو گیا۔"

علامہ موصوف کی یہ تعریف بہت جامع ہے اور اس نے سارے پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے اس تعریف سے اجزائے شکر کا بھی وضاحت سے پتہ چلتا ہے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض زبان سے "شکریہ" یا اسی طرح کا کوئی اور لفظ ادا کرنا شکر ہے لیکن مندرجہ بالا تعریف سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شکر کے پانچ بنیادی اجزاء میں سے صرف ایک جزو ہے۔

اللہ کی طرف نسبت لفظ شکر کی نسبت بعض اوقات بندے کی طرف ہوتی ہے اور بعض اوقات اللہ کی طرف۔ بندے کی طرف نسبت ہو تو اس کا مفہوم وہی ہوتا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی طرف اس کی نسبت ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اچھے کاموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا اور شفقت و رحمت سے ان کی طرف توجہ فرماتا ہے۔

کفر کے مقابلے میں: شکر کے مقابلے میں لفظ کفر یا کفران نعمت ہے۔ اس کا لفظی مطلب ہے چھپانا اور اصطلاح میں اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کو بھلا کر دل سے ان کا احسان مند نہ ہونا، زبان سے ان کا اعتراف نہ کرنا، عمل سے اپنی وفا شعاری اور اطاعت ظاہر نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بجائے اپنی مرضی کے مطابق نعمتوں کو استعمال کرنا۔

شکر کے طریقے

اظہار شکر کے تین طریقے ہیں:

ا۔ قلبی شکر

ب۔ قولی شکر

ج۔ عملی شکر

قلبی شکر قلبی شکر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے دل میں محسن کے لیے حمد و سپاس کے جذبات موجود ہوں۔ اس کے دو مراحل ہیں:

ا۔ محسن کی محبت پہلا مرحلہ یہ ہے کہ محسن کے لیے دل میں محبت کے جذبات کا فرما ہوں وہ اس کے ساتھ قلبی تعلق محسوس کرے یہ فطری بات ہے کہ جس شخص پر کوئی دوسرا احسان کرے اور اس کا دل محسن کے لیے ممنون نہ ہو اور اس کے قلب میں قدر و منزلت اور محبت کے جذبات نہ پیدا ہوں وہ قدر ناشناس اور نمک حرام کہلاتا ہے۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کے بے پناہ اور ان گنت احسانات ہیں۔ اس کے جسم کا ایک ایک رونگٹا زبانِ حال سے اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ وہ احسان عظیم کا ایک مظہر ہے۔ آدمی کے جسم کے کسی عضو میں ذرا سی عارضی تکلیف بھی ہو جائے تو اسے پتہ چل جاتا ہے کہ کتنی بڑی چیز اسے حاصل تھی جس کا احساس اس میں نہ تھا۔ آنکھوں کو دیکھیے۔ ہاتھ پاؤں کو دیکھیے، کانوں پہ نگاہ ڈالیے، زبان کا تصور کیجیے، دماغ پر غور کیجیے۔ ان میں سے کوئی ایک چیز ضائع ہو جائے آنکھوں کو بصارت سے، زبان کو گویائی سے، دماغ کو صحیح توازن سے، کانوں کو قوت سماعت

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ہاتھ پاؤں کو چلنے پھرنے اور پکڑنے کی طاقت سے محروم کر دیا جائے تو انسان کتنی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ان احسانات کو دیکھ کر آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لیئے بے پناہ جذبات محبت پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا دل اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ دل کی گہرائیوں سے پکار اٹھتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ - ساری ستائشیں اللہ کے لیئے ہیں جو جہانوں کا پروردگار ہے۔

یہاں سے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ انسان کا اللہ کے ساتھ اصل اور بنیادی تعلق خوف کا ہے اور وہ اللہ کی قوت سے ڈر کر اس کی عبادت کرتا ہے اسلام میں اللہ کے ساتھ بنیادی تعلق محبت اور سپاس گزاری کا ہے اسی لیئے روزانہ بیسیوں مرتبہ وہ نماز میں اس کا اظہار الحمد للہ کے الفاظ سے کرتا ہے۔

محبت اور اس کے اظہار کے بھی کئی انداز ہوتے ہیں۔

۲- **فروتنی وانکساری** کہیں محبت میں انتہائی بے تکلفی ہوتی ہے۔ اس میں عاجزی نہیں بلکہ برابری اور بعض اوقات برتری ہوتی ہے۔ جیسے والدین اولاد سے شدید محبت کرتے ہیں لیکن اس محبت کے باوجود ماں باپ کا مرتبہ برتر ہوتا ہے۔ ان کا سلوک بھی اس طرح کا ہوتا ہے جس طرح ایک بلند مرتبہ شخص کا ہونا چاہیے لیکن جذبۂ شکر کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں محسن کی محبت کے ساتھ ساتھ عاجزی، فروتنی اور نیاز مندی کے جذبات بھی رکھتا ہو۔

قولی شکر دل میں محسن کے لیے محبت اور نیاز مندی کے جذبات موجود ہوں تو زبان سے ان کا اظہار بھی ضروری ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں،

۱- **نعمت کا اعتراف** پہلی صورت یہ ہے کہ منعم کی نعمتوں کا زبان سے برملا اظہار کیا جائے۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ - اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کیا کرو

بندے کو چاہیے کہ اس پر اللہ کے جو احسانات ہوں ان کا ذکر کرے۔ اس سے نخوت اور کبر کا بھی علاج ہوتا ہے مثلاً جب آدمی یہ کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ نے احسان فرمایا کہ میں امتحان میں اول آیا، معاشرے میں میری دوسری پوزیشن رہی وغیرہ تو اپنی قابلیتوں پر اسے گھمنڈ نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ محسن کی تعریف :- نعمت کا اعتراف کرنے کے ساتھ محسن کی تعریف بھی ضروری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر زبان سے اللہ تعالے کی تعریف کی تعلیم دی ہے۔ خوشی کی کوئی بات ہو اس پر الحمد للہ کہنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کی اس نے شکر ادا کیا اور جس نے نعمت کو چھپایا اس نے ناشکری کی۔ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کے کلمات زمین و آسمان کے درمیانی خلا کو نیکیوں سے بھر دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی حمد سے عمل کا ترازو پُر ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر شہر میں داخل ہوتے تو فتح کی اس عظیم نعمت پر آپ کا سر مبارک نیازمندی کے جذبات سے جھکا ہوا تھا اور آپ کی زبان اقدس پر کلمات شکر جاری تھے۔

عملی شکر عملی شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں انھیں اسی کی راہ میں، اسی کی رضا کے لیے اسی کی ہدایات کے مطابق استعمال کیا جائے مثلاً اس نے آنکھیں عنایت فرمائی ہیں۔ ان کا شکر یہ ہے کہ انھیں اس کی ہدایت کے خلاف غیر محرم عورتوں اور دوسری ممنوع چیزوں کو دیکھنے کے لیے استعمال نہ کیا جائے بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نیکی کے راستے میں استعمال کیا جائے کانوں سے گندے گانے نہ سُنے جائیں اور غیر محرم عورتوں کی آوازوں سے (وہ ریڈیو کے ذریعے ہوں یا براہ راست) لذت حاصل نہ کی جائے۔ غیبت، جھوٹ اور بُہتان ان سے نہ سُنے جائیں بلکہ بھلائی کی باتیں سننے کا کام ان سے لیا جائے۔ یہی حال باقی اعضا کا ہے۔

اسی طرح اللہ نے دولت کسی شخص کو عطا کی ہو، اولاد عنایت فرمائی ہو، کوئی منصب اور اختیارات تفویض کیے ہوں، حُسن و عقل سے نوازا ہو یا دیگر احسانات فرماتے ہوں تو ان سب کو اللہ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ان کا عملی شکر ہے۔ اگر ایک شخص زبان سے تو الحمد للہ کی ہزار دانہ تسبیح پھیرتا ہے مگر اللہ کی دی ہوئی قوتوں، صلاحیتوں اور نعمتوں کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال نہ کرے تو یہ زبان سے ممکن ہے شکر ہو لیکن یہ عمل کفر ہے اور اصل اعتبار زبان کا نہیں عمل کا ہے۔

اہمیت

۱۔ اَن گنت احسانات کا تقاضا انسان پر اللہ کے اَن گنت احسانات ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کو احاطہ نہیں کر سکتے۔

ان احسانات کا شکر ادا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی کو ہر ہر سانس پر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ممنونیت اور وفاشعاری کا اظہار کرنا چاہیے کہ اس کے فضل سے اسے یہ نعمت میسر آئی ورنہ سانس رک جائے تو ایک مصیبت آن کھڑی ہوتی ہے۔

۲۔ اپنی ذات کا فائدہ

شکر کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ اس کا فائدہ خود اپنی ذات کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ کون اس کا شکر گزار بندہ بنتا ہے اور کون ناشکرا۔ اگر دنیا بھر کے انسان جن اور دوسری مخلوق مل کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں تو اس کی سلطنت میں ہر گز اضافہ نہیں ہوگا اور یہ سب مل کر اس کی ناشکری کریں تو اس کی مملکت میں پَر کے برابر کمی نہیں ہوگی۔ اسی لیے فرمایا،

وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ۔ (سورۂ لقمان) جو شخص شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لیے کرتا ہے۔

۳۔ ہر حال میں ہر جگہ شکر

شریعت کا یہ مطالبہ ہے کہ ہر جگہ ہر حالت میں اللہ کا شکر ادا کیا جائے اکثر عبادات کے لیے اوقات مقرر ہیں۔ نماز، روزے، حج زکوٰۃ کے لیے مخصوص حالات اور مخصوص اوقات ضروری ہیں۔ لیکن شکر کے لیے وقت اور جگہ کی کوئی قید نہیں۔ حضورؐ کا یہ مستقل معمول تھا کہ جب بھی کوئی خوشی کی بات ہوتی تو سجدۂ شکر بجا لاتے۔ حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو آپ کسی ایسی نعمت سے محروم دیکھتے جس سے عام لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں تو اس وقت بھی آپ سجدۂ شکر کرتے۔ ایک دفعہ ایک انتہائی پست قامت شخص کو حضورؐ نے دیکھا تو سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے آپ کو مناسب قد عطا فرمایا۔

آپ کثرت سے عبادت کرتے۔ رات رات بھر قیام و سجود میں گزار دیتے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں جب کہ آپ عند اللہ مغفور ہیں؟

حضورؐ نے فرمایا،

أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

۴۔ انسانوں کا شکر

صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہی ضروری نہیں بلکہ جو شخص بھی کوئی بھلائی کرے اس کی احسان شناسی ضروری ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضورؐ نے فرمایا ہے:

لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ مَنْ لَا یَشْکُرُ النَّاسَ ۔ — وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا حکم جب کسی کام کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جائے تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح طور پہ فرمایا ہے:

بَلِ اللّٰہَ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ ۔ (زمر) — اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جا۔

۶۔ نعمتوں کا مقصد اللہ تعالیٰ نے انسان پر جتنے احسانات فرمائے ہیں ان کا اصل مقصد یہی ہے کہ آدمی اس کا شکر گزار بندہ بن کر رہے۔ حضرت لقمانؑ کے متعلق فرمایا کہ انھیں حکمت اس لیے عطا کی گئی کہ وہ اللہ کا شکر ادا کریں۔ اسی طرح فرمایا کہ کائنات کی چیزوں کو انسان کے لیے اس لیے مسخر کیا ہے کہ وہ شکر ادا کرے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا:

ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ ۔ — یہ میرے رب کا فضل ہے اور وہ آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کے احسانات کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔

شکر کے ثمرات وفضائل

شکر قلبی عبادات میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس کے ثمرات وفضائل بھی بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ نعمتوں میں اضافہ شکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے قرآن پاک میں ہے: "اگر تم شکر ادا کرو تو میں تمھیں مزید دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے"

دراصل شکر سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ناشکری سے ناخوش اور اس خوشی اور ناراضگی کے نتائج مزید عطا یا عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

۲۔ کفارۂ گناہ شکر گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جو شخص کھانا کھائے اور کہے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے میری تدبیر اور طاقت کے بغیر مجھے یہ کھانا دیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں"۔ (ابو داؤد)

۳۔ کبر کا علاج

کبر بہت بڑی روحانی اور اخلاقی بیماری ہے جو تمام نیکیوں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ شیطان کو اسی نے ذلیل کیا اور حضورؐ نے اسی کے متعلق فرمایا کہ

"جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا"۔

اس کبر کا بہترین علاج شکر ہے۔ کبر دراصل اس بات کا نتیجہ ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ میں کچھ ہوں یہ میرا کمال ہے۔ اس کے مقابلے میں شکر اس بات کا احساس ہے کہ میں کچھ نہیں اور یہ سب کچھ میرا کمال نہیں بلکہ اصل صاحب کمال اور قابل ستائش ذات کوئی اور ہے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور شکر، کبر کا قلع قمع کر دیتا ہے۔

۴۔ محبت کی فضا

شکر گزاری اور احسان شناسی کا جذبہ اگر کسی معاشرے کے افراد میں عام پیدا ہو جائے تو اس سوسائٹی میں محبت کی فضا پیدا ہو گی اور وہ معاشرہ سکھ اور چین کا معاشرہ ہو گا۔ ذرا تصور کیجیے اس سوسائٹی کا جس کے ارکان میں احساس پایا جاتا ہے کہ ہمارا اپنا کچھ نہیں بلکہ کسی اور ہستی کا دیا ہوا ہے۔ اس لیے اپنی تعریف اور اپنی بڑائی اور کبریائی کی خواہش پیدا ہونے کی بجائے اس مالک حقیقی کی تعریف اور عظمت کا جذبہ ان کے اندر پیدا ہو چڑھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس معاشرے میں کسی کی عزت نفس مجروح نہیں ہو گی۔ پھر اس معاشرے میں کوئی دوسرے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے تو اس کے لیے ممنون ہونے کے جذبات اور ان جذبات کے مناسب اظہار کے طریقے موجود ہیں۔ اس میں امیر، غریب، مرد، عورت اور بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں وہ معاشرہ بہترین معاشرہ ہو گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ وہ شکر ادا کرنے والوں کو جزا دے گا۔ فرمایا:

وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ۔ — ہم شکر ادا کرنے والوں کو بدلہ دیں گے

۶۔ عذاب سے چھٹکارا

اگر انسان اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بنے اور اس پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دیتا۔ فرمایا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ — اللہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ تمھیں عذاب دے اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللهُ شَاكِرًا عَلِيمًا۔ (النساء) تو قدر شناس اور جاننے والا ہے۔

۷۔ خیر کثیر حضورؐ نے شکر اور صبر کو خیر کثیر قرار دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"بندۂ مومن کا بھی عجیب حال ہے۔ ہر معاملے اور ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر اس کو خوشی پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی رنج پہنچتا ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے سراسر خیر اور موجب برکت ہے۔" (مسلم)

۸۔ دنیوی ترقی شکر کا مفہوم بتاتے ہوئے ہم واضح کر چکے ہیں کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کو ٹھیک اس کی مرضی مطابق استعمال کرنا بھی شکر ہے۔ جب کوئی فرد یا قوم اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ٹھیک استعمال کرتی ہے تو کائنات کی ایک ایک چیز اس کا ساتھ دیتی ہے اور وہ منزل پر منزل مارتی چلی جاتی ہے۔ کامیابی اس کے قدم چومتی ہے اور اس کا راستہ زیادہ دیر تک نہیں روکا جا سکتا۔

۹۔ آخرت میں بلند مرتبے شکر کا نتیجہ آخرت میں بلند درجات کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ حدیث میں ہے۔

"جب کسی کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے کیا تم نے میرے بندے کے لخت جگر کی روح قبض کر لی؟ فرشتے اثبات میں جواب دیتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کی تمنا توڑ لی۔ پھر وہ پوچھتا ہے، میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اس نے تیری حمد بیان کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔"

اہم سوالات

۱۔ صبر اور شکر میں کیا فرق ہے؟ ہر ایک کی تعریف کیجیے اور بتلائیے کہ ہر ایک کی مختلف قسمیں کیا ہیں مثالیں بھی تحریر کیجیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۷۰ء ضمنی امتحان)

۲۔ شکر سے کیا مراد ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی اہمیت واضح کیجیے۔

۳۔ شکر کے فضائل اور ثمرات پر جامع مضمون تحریر کیجیے۔

۴۔ شکر کی قسمیں اور ادائی کے طریقے تفصیل سے لکھیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب

عفو

مفہوم لغت میں عفو کے دو معنی ہیں :

۱۔ زائد شے۔

۲۔ مٹ جانا۔

اس کے عام معنی ہیں معاف کرنا۔ جب یہ لفظ اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کسی کی غلطی سے صرف نظر کرنا، کوئی زیادتی کرے تو قدرت کے باوجود اس سے درگزر کرنا، کسی کے قول و عمل پر غصہ آئے تو اس پر ضبط کرنا اور بردباری سے کام لینا۔

مراتب کوئی شخص زیادتی کرے تو اسے معاف کرنے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی طبیعت پر جبر کرکے اس زیادتی کو نظر انداز کر دے۔ دوسری یہ کہ خندہ پیشانی سے اسے بخش دے اور تیسری یہ کہ معاف کرنے کے ساتھ کچھ احسان بھی کرے۔ پہلی صورت عفو کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ دوسری صورت درمیانہ درجہ اور تیسری صورت اعلیٰ ترین رتبہ ہے۔

انہی تین مدارج کو قرآن پاک کی اس آیت میں بڑے خوب صورت انداز میں بیان فرمایا گیا ہے:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔	وہ غصے کو پی جانے اور لوگوں کو غلطیوں کو معاف کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو احسان کرنے والے ہوتے ہیں

حدود معاف کرنا ایک محمود وصف ہے، جس سے زندگی میں حلاوت و شیرینی پیدا ہوتی ہے لیکن اس کی کچھ حدود ہیں۔ افراط و تفریط جس طرح باقی معاملات میں نقصان دہ ہوتی ہے۔ اسی طرح عفو میں انتہا پسندی بھی اصلاح کی بجائے بگاڑ اور شیرینی کے بجائے تلخی کا باعث بن جاتی ہے۔ عفو کی حدود پر سید سلیمان ندوی مرحوم نے بہت عمدہ انداز میں بحث کرتے ہوئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھا ہے:

"عفو اور انتقام میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کرنا، دنیا کے جسمانی یا روحانی نظام کا نقص ہے۔ اگر انتقام اور سزا کا اصول نہ ہو، تو جماعت کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور نہ ملک میں امن و امان رہ سکتا ہے اور نہ افراد کے بڑے حصے کو برائیوں سے باز رہنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر عفو کا اصول نہ ہو تو تدرّج کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی کوئی چیز نہ رہے حالانکہ وہی ایک سچے مذہب کا مطلوب ہے اس لئے ان میں سے کسی ایک کو لینا اور دوسرے کو چھوڑ دینا نظامِ ہستی کو آدھا رکھنا اور آدھا مٹا دینا ہے۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی تعلیم لے کر آئے جس کی نظر انسانی ہستی کے پورے نظام پر ہے۔ اس نے یہ کیا کہ سزا اور انتقام کو تو جماعت اور حکومت کے ہاتھ میں دے دیا اور اس حکم کے ساتھ دیا کہ اس کے اجراء میں کوئی رحم نہ کیا جائے اور نہ اس میں چھوٹے بڑے، امیر و غریب اور اپنے اور غیر میں فرق کیا جائے، تاکہ جماعت اور ملک کا نظام قائم رہے اور دوسری طرف عفو کو شخصیت کے مدارج کمال کا ذریعہ بنایا، تاکہ اشخاص کی روحانی پاکی اور اخلاقی بلندی برابر ترقی کرتی جائے۔"

اسلامی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے عفو و انتقام کے متعلق ہم مندرجہ ذیل نتائج تک پہنچتے ہیں:

۱۔ حدود اللہ کے بارے میں سختی

پہلی بات یہ کہ اگر کوئی شخص حدود اللہ کو توڑے یا اجتماعی نظام میں گڑبڑ پیدا کرے تو اس پر گرفت ضروری ہوتی ہے قرآن پاک میں زانی مرد اور عورت کی سزا تجویز کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کے بارے میں تمہارے دلوں میں نرمی نہ پیدا ہو۔

اس سختی کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں ڈھیل دی جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

۲۔ ذاتی معاملات میں درگزر

ذاتی معاملات میں عام طور پر درگزر سے کام لینا چاہیے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا الا یہ کہ اس نے خدا کے کسی حکم کو توڑا ہو تو اس کو (قانونا) سزا ملی ہو۔

۳۔ **افراد کا مزاج** عفو و درگزر کے سلسلے میں افراد کے مزاج کا لحاظ بھی رکھنا چاہیے اگر کوئی شخص بار بار معافی کے بعد مسلسل زیادتی کرتا چلا جائے تو اس کی بہتری کی خاطر اسے سزا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔

اہمیت

اسلامی اخلاق میں عفو کی بڑی اہمیت ہے۔ چند پہلوؤں کا ہم ذکر کرتے ہیں:

۱۔ **صفت الٰہی** عفو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہاں سارا کاروبار حیات محض اس مالک حقیقی کی صفت عفو و مغفرت کی وجہ سے چل رہا ہے۔ یہ وصف نہ ہو تو سارا نظام تباہ و برباد ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مدتوں اپنے کو غافر (بخشنے والا) پانچ دفعہ غفار (بڑی بخشش کرنے والا) کہا ہے۔

(وہ برائیاں معاف کر دیتا ہے) وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ۔ (اکثر لوگوں کو وہ معاف کر دیتا ہے) اور يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۔ (وہ سب گناہ ڈھانپ دیتا ہے) اس طرح کی آیات بے شمار ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے عفو و درگزر کا سمندر کس زور و شور سے جوش مار رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ معاف کر کے وہ خوش ہوتا ہے۔ جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اسے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی خوشی ایک ماں کو اپنا گم شدہ بیٹا واپس ملنے پر ہوتی ہے۔

۲۔ **صفت رسولؐ** عفو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ میں بہت نمایاں ہے۔ آپ نے بعثت کے بعد پوری زندگی مخالفین حق کے ہاتھوں چرکے سہے اور چوٹیں کھائیں لیکن آپ نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لیے بدلہ نہیں لیا۔ حضورؐ نے اپنے دشمنوں کو نہ صرف ہمیشہ معاف فرمایا بلکہ ان پر احسانات فرمائے۔

مکہ کے لوگوں نے آپ پر اور آپ کے صحابہ پر کیا کیا مظالم نہ توڑے تھے۔ ان مظالم کا اندازہ کیجیے جن کی تاب نہ لاتے ہوئے حضورؐ جیسی شخصیت اپنے گھر بار اور اعزہ و اقربا کو چھوڑنے پر مجبور ہوئی۔ فتح مکہ کے موقع پر ان جانی دشمنوں کو بھی آپ نے معاف فرما دیا اور کہا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ آج تمھیں کوئی سرزنش نہیں۔

طائف اور اُحد کے دن آپؐ کی زندگی میں سخت ترین دن تھے۔ لیکن حضورؐ نے طائف والوں کے لئے دعائے خیر فرمائی اور اپنے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ہندہ کو معاف کر دیا۔

جو شخص تلوار سونت کر آپؐ کے سر پر کھڑا ہو گیا تھا کہ اب تمھیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ جب تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور حضورؐ نے پکڑلی تو آپؐ نے فرمایا: جا میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔

۳۔ مومنین کی صفت مومنین کے اوصاف میں عفو کو بڑی اہمیت حاصل ہے قرآن پاک میں مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔ انھیں غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں

(شوریٰ)

ایک دوسری جگہ فرمایا:

"وہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہوتے ہیں"

ایک جگہ ارشاد ہے:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا انھیں (صاحب فضل لوگوں کو) چاہیے کہ معاف اور درگزر کر دیا کریں۔

(نور)

سورۂ بقرہ میں فرمایا:

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ مسلمانو! اہل کتاب کو معاف کرو اور درگزر سے کام لو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی فیصلہ صادر فرما دے

۴۔ دوست و دشمن کے لیے عفو عفو کی اتنی اہمیت ہے کہ اس میں دوست و دشمن کی کوئی شرط نہیں۔ دوستوں کو تو اکثر لوگ معاف کر ہی دیا کرتے ہیں لیکن دشمن گرفت میں آجائے تو اس سے اگلی پچھلی ساری کسریں نکالی جاتی ہیں۔ اسلام نے ہدایت کی ہے کہ دشمنوں کو بھی معاف کر دیا کرو۔ اللہ نے مزید یہ فرمایا کہ مسلمان مخالفین ہی کو نہیں بلکہ خدا و رسولؐ اور آخرت کے منکرین کی زیادتیوں سے بھی صرف نظر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر لیا کرو۔ فرمایا:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰہِ۔ (جاثیہ)

مومنوں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کے جزا اور سزا کے واقعات پر ایمان نہیں رکھتے انھیں معاف کر دیا کریں۔

یہودی حضورؐ کے قتل کی سازشیں کرتے رہتے تھے لیکن ان کے متعلق بھی ایک عرصہ تک یہی ہدایات دی جاتی رہیں کہ انھیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو۔

۵۔ ہمت کا کام

کوئی کام جتنا کٹھن ہو اس کی اہمیت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے اور صبر اور عفو وہ کام ہیں جن کے متعلق خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بہت کٹھن کام ہیں۔ ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (شوریٰ)

البتہ جو شخص صبر کرے اور دوسرے کی خطا معاف کر دے تو بیشک یہ بڑے ہمت کے کام ہیں۔

۶۔ حضورؐ کو نصیحت

عفو کی اتنی اہمیت ہے کہ قرآن پاک میں حضورؐ کو خصوصی طور پر اس کا حکم دیا گیا۔ ایک مقام پر تو یہ فرمایا گیا کہ دعوت حق کے مخالفین جو غیر معقول اور جاہلانہ رویے اختیار کیے ہوئے ہیں، ان کی پرواہ کیے بغیر وہ امر بالمعروف کا کام کرتے جائیں اور ان کی تکلیف دہ حرکتوں کو معاف فرما دیا کریں اور ان سے درگزر کیا کریں۔

۷۔ اللہ تعالےٰ کی مغفرت کا ذریعہ

عفو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا ذریعہ ہے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کی خطائیں معاف نہیں کرتے اور باہم عداوت رکھتے اور جھگڑے کرتے ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ بھی اس وقت تک معاف نہیں کرتے جب تک وہ آپس میں صلح نہ کر لیں اور ایک دوسرے کو معاف نہ کر دیں۔

ایک حدیث میں ہے: حضورؐ نے فرمایا:

"پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کی مغفرت ہو جاتی ہے جو شرک نہیں کرتا۔ سوائے اس کے جس کی اپنے مسلمان بھائی سے عداوت ہو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: ان کی صلح کا انتظار کرو، ان کی صلح کا انتظار کرو۔"

حضرت مسطحؓ، حضرت ابو بکرؓ کے قریبی عزیز تھے۔ حضرت ابو بکرؓ ان کی کفالت کرتے تھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن واقعۂ افک میں دوسروں کے ساتھ مسطحؓ بھی شریک ہو گئے جس سے حضرت ابوبکرؓ کو سخت صدمہ پہنچا اور انھوں نے آئندہ مسطحؓ کی کفالت نہ کرنے کا عہد کر لیا۔ اس پر قرآن پاک میں فرمایا گیا:

"فراخ دست لوگ اپنے قریبی عزیزوں اور مسکینوں کو مدد نہ دینے کی قسم نہ کھالیں۔ انھیں چاہئے کہ وہ معاف اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالےٰ تمھاری مغفرت کرے؟"

یہ آیت سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ بے ساختہ پکار اٹھے کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ میری مغفرت کرے اور حضرت مسطحؓ کو پھر مدد دینے لگے۔

۸۔ غصے پر ضبط غصے پر ضبط جو عفو ہی کی ایک شکل ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

"ایک بندہ رضائے الٰہی کے لیے غصے کا جو گھونٹ پیتا ہے، اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ گھونٹ کوئی نہیں۔" (مشکوٰۃ)

دوسری حدیث میں ارشاد ہے،

"غصہ ایمان کو اسی طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوہ شہد کو۔" (بیہقی)

ایک حدیث میں ہے:

"جس نے اپنے بھائی سے اپنی غلطی کی معذرت چاہی اور اس نے وہ عذر قبول نہ کیا تو اسے اتنا گناہ ہوا جتنا ایک ناجائز محصول وصول کرنے والے کو ہوتا ہے۔" (بیہقی)

ایک دن ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے نصیحت کی درخواست کی۔ آپؐ نے ہر مرتبہ فرمایا:

"غصہ نہ کیا کر۔"

۹۔ عملی زندگی میں اہمیت عملی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں سے ہمیں بھائی، بہن دوست، محلہ دار، پڑوسی، رشتہ دار، ماتحت، افسر، ہمسفر یا ہم جماعت کی حیثیت سے واسطہ پڑتا ہے، ناگزیر ہے کہ ان سے یا ہم سے غلطیاں سرزد ہوں اور ایسی باتیں یا کام کریں جن سے دوسروں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ہر کوئی بدلہ لینے پر تل جائے تو معاشرہ جہنم بن کر رہ جاتا ہے اور زندگی اتنی اجیرن ہو جاتی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی موت کو اس پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ اس تلخی اور مصیبت کو اگر کوئی چیز ختم کرسکتی ہے تو عفو اور احسان کا رویہ ہے۔

تبلیغ میں عفو کی اہمیت

یوں تو روزمرہ کے عام معاملات میں بھی عفو کے بغیر چین اور اطمینان سے زندہ نہیں رہا جاسکتا لیکن تبلیغ دین کے سلسلے میں اس وصف کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔

اس بات کی وضاحت بہت خوب صورت اور پیارے انداز میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن جلد دوم میں آیت "خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ" کی تشریح کے سلسلے میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"داعی حق کے لیے جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نرم خو، متحمل اور عالی ظرف ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق، عامۃ الناس کے لیے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لیے حلیم ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے رفقا کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اسے شدید سے شدید مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔ نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی سے ٹال دینا چاہیے مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی، بہتان تراشی، ایذا رسانی اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو اس کو درگزر ہی سے کام لینا چاہیے۔ سخت گیری اور درشت خوئی، تلخ گفتاری اور منتقمانہ اشتعال طبع اس کام کے لیے زہر کا حکم رکھتا ہے اور اس سے کام بگڑتا ہے، بنتا نہیں۔ اسی چیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ غضب اور رضا دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھے حق سے محروم کرے میں اسے حق دوں، جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اسے معاف کردوں۔"

اور اسی چیز کی ہدایت آپ ان لوگوں کو کرتے تھے جنہیں آپ دین کے کام پر اپنی طرف سے بھیجتے تھے کہ "جہاں تم جاؤ وہاں تمہاری آمد لوگوں کے لیے مژدہ جانفزا ہو نہ کہ باعث نفرت اور لوگوں کے لیے تم سہولت کے موجب بنو نہ کہ تنگی و سختی کے" اور اسی چیز کی تعریف اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمائی ہے کہ

"یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو ورنہ اگر تم درشت خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضائل وثمرات

عفو کے دنیا و آخرت میں بے شمار فوائد ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ محبت کی فضا عفو سے معاشرے میں محبت کی فضا اور امن، چین اور سکھ کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اگر عفو کی بجائے ہر غلطی کا بدلہ لینے کے لیے لوگ تیار ہو جائیں تو ہر وقت شدید اعصابی کشمکش اور لڑائی جھگڑے کی کیفیت رہے۔

اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا:

"ایک دوسرے کو معاف کرو، تمہارے کینے دور ہو جائیں گے"

قرآن نے کہا:

"برائی کو نیکی کے ذریعے دھکیل دو، نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمن تمہارا جگری یار بن جائیگا"

۲۔ عزت افزائی عفو و درگزر سے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ انتقام سے گو فوری طور پر جذبات کی تسکین ہو جاتی ہے مگر اس سے پائیدار عزت کم ہی نصیب ہوتی ہے۔ یہ چیز عفو و درگزر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی کو بڑھاتا ہے" (ترمذی)

۳۔ عزم و ہمت کی تربیت عفو کوئی آسان کام نہیں۔ کسی سے چوٹ کھانا اور پھر قدرت کے باوجود اس سے انتقام نہ لینا معمولی دل گردے والے آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے غیر معمولی حوصلہ، وسیع ظرف اور جری دل کی ضرورت ہے اور مسلسل عفو و درگزر کے ذریعے ان اوصاف کی تربیت ہوتی ہے

قرآن پاک میں ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (شوریٰ)	اور جو شخص صبر اور عفو کا رویہ اختیار کرتا ہے تو یہ بہت کٹھن اور ہمت کا کام ہے۔

۴۔ دوزخ سے چھٹکارا جو شخص دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے اور انھیں معاف کر دیتا ہے، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ عبداللہ بن مسعود

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمہیں نہ بتاؤں کہ دوزخ کی آگ کس پر حرام ہے۔ ہر آسانی پیدا کرنے والے نرم دل جلد مٹنے والے اور سہولت برتنے والے پر۔"

نرمی، جو عفو ہی کی ایک قسم ہے، کے متعلق حضورؐ نے فرمایا:

۵۔ خیرِ کثیر "جس کو نرمی سے حصہ ملا، اس کو بھلائی کا حصہ ملا اور جو نرمی سے محروم ہوا وہ بھلائی سے محروم ہوا۔"

۶۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کسی پر زیادتی ہو اور وہ طاقت کے باوجود معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی مدد کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

"جس بندے پر ظلم کیا جائے اور وہ محض رضائے الٰہی کے لئے خاموش رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبردست مدد کرتا ہے۔" (بیہقی عن ابی ہریرہؓ)

ایک دفعہ ایک شخص حضرت ابوبکرؓ کو گالیاں دے رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ خاموشی سے وہ گالیاں سن رہے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس کھڑے مسکرا رہے تھے۔ تنگ آکر حضرت ابوبکرؓ نے اس شخص کو جواب دیا۔ حضورؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ وہاں سے چل پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ متفکر ہوئے اور پیچھے جا کر حضورؐ کے اس رویے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا: "ابوبکرؓ! جب تک وہ آدمی گالیاں دیتا رہا اور تم چپ چاپ سنتے رہے، اس وقت تک میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ تمہاری مدافعت کر رہے تھے، اور میں انہیں دیکھ کر ہی مسکراتا رہا تھا۔ لیکن جب تم نے جواب میں اپنی زبان کھولی تو فرشتے وہاں سے ہٹ گئے۔"

یہ اللہ کی طرف سے مدد کا ایک طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی ہزاروں لاکھوں محسوس اور غیر محسوس طریقے ہیں، جن سے وہ مدد کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔

۷۔ اجرِ خاص عفو و درگزر سے کام لینے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اجرِ خاص کا وعدہ فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

"برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے، پس جس نے معاف کیا اور مصالحت کی اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔" (شوریٰ)

اور حدیث شریف میں ہے:

"جس نے غصہ ضبط کر لیا اس حال میں کہ وہ اسے پورا کرنے کی قدرت رکھتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اُسے تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اُسے اختیار دے گا کہ جس حور کو پسند کرے، اپنے لیے منتخب کرے"۔

اہم سوالات

۱۔ عفو اور عدل کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجیے۔ نیز بتایئے کہ عفو میں قانونِ عدل کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا نہیں۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۳ء)

۲۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی دو پر تشریحی نوٹ لکھیے:

و۔ عدل۔ ب عفو۔ (ج) طلب علم (د) تدبر (لاہور بورڈ ۱۹۶۶ء)

۳۔ احسان اور عفو کی تعریفات لکھیے اور مثالیں دیجیے۔ نیز بتایئے کہ میدانِ جہاد میں ان پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (لاہور بورڈ ۱۹۶۳ء)

نوٹ: اس سوال کے جواب کے لیے "احسان" کا باب بھی پڑھیے۔

۴۔ عفو سے کیا مراد ہے؟ اس کی اہمیت واضح کیجیے۔

۵۔ عفو کی حدود اور اس کے فضائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں مضمون لکھیے۔

نوٹ: تدبر نئے سلیبس میں نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۸

عدل

لغت میں عدل کے مندرجہ ذیل معانی ہیں:

مفہوم ا۔ بدلہ و معاوضہ ۲۔ برابر کرنا، دو مساوی حصوں میں بانٹ دینا۔ ۳۔ تیر کو سیدھا کرنا۔ ۴۔ توازن قائم کرنا ۵۔ انصاف کرنا

اصطلاحی مفہوم: عدل کا اصطلاحی مفہوم ہے ہر کسی کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک دینا اور کسی پر کوئی زیادتی نہ کرنا۔ عدل کے مقابلے میں لفظ ظلم آتا ہے جس کا مطلب ہے: "وَضعُ الشَّیِٔ فِی غَیرِ مَحَلِّہٖ" یعنی کسی چیز کو اس کے مناسب مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا۔ خلاً ایک ان پڑھ آدمی کو ایم۔ اے کی کلاسیں پڑھانے پر متعین کر دیا جائے تو یہ اس پر ظلم ہوگا۔ اسی طرح ایک شخص کا اصل مقام مثلاً پٹواری، پولیس مین یا فوج کے سپاہی کا ہو لیکن اسے ہائی کورٹ کا چیف جسٹس، صوبے کا گورنر یا ملک کا سربراہ بنا دیا جائے تو یہ اس پر ظلم ہوگا۔

ظلم کے مقابلے میں عدل ہے جس کا مفہوم حضرت علی ہجویریؒ اور امام غزالیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھا جائے۔ سید سلیمان ندویؒ اس کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں، اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے۔

بعض لوگ عدل کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ دو آدمیوں کو کوئی چیز برابر دی جائے، حالانکہ یہ غلط فہمی ہے۔ عدل کا مفہوم مولانا مودودی نے بہت اچھے انداز میں واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

• عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو، دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اُردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ انصاف سے ادا کیا جاتا ہے مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لئے گئے ہیں۔ جو سراسر فطرت کے خلاف ہے دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے تو عدل بیشک معاشرے میں برابری چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت میں۔ مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالکل خلافِ عدل ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کمتر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات"

عفو، عدل اور احسان اور ان کی حدود بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عفو اور احسان، عدل کے منافی ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ عدل وہ کم سے کم چیز ہے جس کا تقاضا ایک فرد سے کیا جاتا ہے اسلام کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس پر ظلم ہو تو وہ اس ظلم کا بدلہ اس سے زیادہ دے جتنا ظلم اس پر ہوا ہے پہلے تو لئے اس بات کی ترغیب دلائی جاتی ہے کہ وہ احسان کا رویہ اختیار کرے اور برائی کو بھلائی سے دور کرے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جائے گی۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا	برائی کو بھلائی کے ذریعے دھکیل دو۔ نتیجہ یہ
الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ	نکلے گا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی
كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حم السجدہ)	وہ جگری دوست بن جائے گا۔

ظلم کے مقابلے میں احسان کی روش مشکل ترین کاموں میں سے ہے۔ اس لئے دوسرے درجہ پر عفو کی تلقین کی گئی کہ اس سے کشیدگی ختم ہو جاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

"جو تم پر ظلم کرے اُسے معاف کر دو۔"

لیکن یہ بھی کوئی آسان کام نہیں۔ آدمی کا جی چاہتا ہے کہ جو شخص اس پر زیادتی کرے اسے اس کا مزہ چکھایا جائے اور اگر کوئی ایک تھپڑ مارے تو کم از کم اسے دو رسید کئے جائیں آخری درجے میں اس رویّے سے روکا گیا ہے اور کم از کم چیز جس کا مطالبہ کیا گیا اور حکم دیا گیا وہ عدل ہے کہ اس کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

ان تینوں اوصاف حمیدہ پر ایک اور زاویے سے بھی نگاہ ڈالنی چاہیئے اور وہ یہ کہ عدل قانونی اور عفو و احسان اخلاقی ہدایت ہے۔ قانونِ عدل جماعت اور سلطنت کے ہاتھ میں دیا گیا اور عفو و احسان کو ذاتی معاملہ رہنے دیا گیا۔ جماعت اور حکومت کا نظام قانونِ عدل پر قائم ہے۔ اگر اسے ہٹا دیا جائے تو سارا شیرازہ منتشر ہو جائے اور کسی کی جان و مال اور آبرو محفوظ نہ رہے۔ اسی طرح اگر عفو و احسان کو ختم کر دیا جائے تو معاشرہ تلخیوں، رنجشوں اور کشیدگیوں کی آماجگاہ بن کے رہ جائے اور کوئی سوسائٹی صرف اس بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتی کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کر کے دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اُسے وصول کر کے چھوڑے اور دوسرے کا جتنا حق ہے اور اُسے بس اتنا ہی دے۔

اس بحث سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ان تینوں اوصاف کی حدود کیا ہیں اور کہاں کس سے کام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لینا چاہیے۔

اہمیّت

عدل اسلامی اخلاق بلکہ اسلام کے پورے نظامِ حیات میں بڑی اہمیت رکھتا ہے:

۱۔ صفتِ الٰہی عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ قرآن میں بار بار فرمایا گیا "میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا" جن روایات میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام گنائے گئے ہیں ان میں ایک عدل (عدل والا) بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے، وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے"

۲۔ کائنات میں عدل ہے یہ پورا نظامِ کائنات عدل پر قائم ہے۔ اس کی ایک ایک چیز ٹھیک اپنے اپنے مقام پر کام کر رہی ہے۔ کوئی دوسرے کے دائرے میں مداخلت نہیں کرتا۔ سورج اپنے مدار پر گھوم رہا ہے اور چاند اپنے پر۔ رات اپنے وقت پر آتی ہے اور دن اپنے وقت پر۔ موسم کا تغیر و تبدل نظامِ عدل کا پابند ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

- "سورج چاند کے دائرے میں داخل ہوتا ہے اور نہ رات دن سے تجاوز کرتی ہے۔ بس ہر کوئی اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔" (سورۃ یٰسین) خود انسانی جسم میں جان اسی توازن و اعتدال کی وجہ سے ہے اور یہ عدل و توازن تقاضا کرتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق ٹھیک رکھے۔ فرمایا:
- "اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بھٹکا دیا وہ رب جس نے تجھے پیدا کیا، تیرا ایک ایک عضو اپنی جگہ پر ٹھیک بٹھایا اور تجھ میں اعتدال پیدا کیا۔" (الانفطار)

۳۔ اسلامی نظام میں اعتدال واقعہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا سب سے بڑا المیہ افراط و تفریط کے رجحانات ہیں اور انسانیت پر اسلام کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا کیا۔ مادہ پرستانہ اور مشرکانہ تہذیبیں آج بھی انتہاپسندی کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ کہیں فرد اور اجتماعیت کے حقوق و فرائض کا مسئلہ ہے، کہیں عورت کی آزادی اور مظلومی کا رونا ہے، کہیں مادیت اور روحانیت میں کشاکش ہے۔ کہیں مادر پدر آزادی اور کہیں مجبوری محض کی مصیبت ہے اور کہیں کچھ اور اسی طرح کی مشکلات ہیں۔ اسلام نے ان تمام معاملات میں توازن پیدا کیا ہے اور پورے نظام کو عدل پر قائم کر دیا ہے اور اسی میں اسلام کا حسن و جمال بھی ہے۔ یہاں فرد آزاد بھی ہے اور اجتماعیت کو نقصان بھی نہیں پہنچاتا، یہاں مرد اور عورت کو برابر کے حقوق بھی دیئے گئے اور کوئی دوسرے کے فطری دائرے میں مداخلت بھی نہیں کرتا۔ یہاں روحانیت کے تقاضے بھی پورے کیے گئے اور مادیت کے بھی اور یہاں قانون اور اخلاق کو ایک دوسرے کا معاون بنا دیا گیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کے انفرادی شعبے ہوں یا اجتماعی، اسلام نے ہر میدان میں اعتدال کو پسند کیا ہے حضورؐ نے فرمایا:

خَيْرُ الْأُمُوْرِ أَوْسَطُهَا۔ بہترین بات درمیانی وافراط وتفریط سے پاک بات ہے۔

عبادت کا معاملہ لیجیے۔ اس بارے میں آپؐ نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ۔ اتنا بوجھ اٹھاؤ جتنا تمھارے بس میں ہو۔

بعض صحابہؓ دن بھر روزہ رکھتے اور پوری پوری رات قیام کرتے۔ حضورؐ نے انھیں حکم دیا کہ دن کو روزہ بھی رکھا کرو اور درمیان میں ناغے بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو عبادت بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو آپؐ نے فرمایا:

"تمھارے نفس کا تم پر حق ہے اور تمھاری بیویوں کا بھی تم پر حق ہے"۔

معیشت میں بھی اعتدال کو پسند فرمایا۔ قرآن پاک میں خدائے رحمٰن کے بندوں کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ "جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں نہ کنجوسی سے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خرچ میں اعتدال اور میانہ روی نصف معیشت ہے"۔ لباس کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ نہ تو بہت قیمتی کپڑے پہنو اور نہ مال و دولت کے ہوتے ہوئے گھٹیا چیتھڑے استعمال کرو۔

آزمائش کی دعا مانگنے سے منع فرمایا لیکن ابتلا آ جائے تو اس میں استقامت کی تلقین کی۔ تکبر کو بہت بڑی برائی کہا لیکن ذلت و تحقیر کی زندگی بسر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔

معاشرت پر غور کیجیے۔ یہاں بھی اسلام نے بہترین توازن قائم کیا ہے۔ میاں بیوی کے حقوق و فرائض، والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض، بڑوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق، ان تمام معاملات میں عدل کو پوری طرح مدنظر رکھا ہے۔

زندگی کے باقی شعبوں میں بھی یہی حال ہے۔ جو حضرات اس کا تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہیں وہ دورِ جدید کے مشہور مفکر اور راہِ حق کے شہید سید قطب علیہ الرحمۃ کی کتاب "اسلام کا نظامِ عدل" کا مطالعہ فرمائیں۔

۴۔ حضورؐ کو عدل کا حکم

عدل کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصاف کا حکم دیا گیا۔ فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"(اے رسولؐ!) جب آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ فیصلہ کریں بیشک اللہ تعالٰی عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" اس کے علاوہ حضورؐ کی زبان سے قرآن میں کہلایا گیا۔

"کہو! مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔" (شوریٰ)

۵۔ دشمنوں کے ساتھ عدل کا حکم

عدل کی اتنی تلقین کی گئی کہ دشمنوں کے ساتھ بھی ناانصافی نہ ہونے پائے کہ یہ تقویٰ کے تقاضوں کے منافی ہے فرمایا:

"اہلِ ایمان! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لئے تیار رہو اور لوگوں کی عداوت تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ ان (دشمنوں) کے معاملات میں تم عدل نہ کرو (نہیں ہر حال میں) انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری کے قریب تر ہے۔"

۶۔ اپنی ذات اور رشتہ داروں کے مقابلے میں عدل کا حکم

عام حالات میں بھی عدل خاصا مشکل کام ہے لیکن جب معاملہ اپنی ذات، والدین اور بھائی بندوں کا ہو اور انصاف سے بظاہر انہیں نقصان پہنچ رہا ہو تو جادۂ حق پر قائم رہنا بہت ہی زیادہ دشوار ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر بڑے بڑے قد آور ستون متزلزل ہو جاتے ہیں لیکن اسلام نے اس صورتحال میں بھی عدل کا بڑی سختی سے حکم دیا۔ قرآن پاک میں ہے:

"اے ایمان والو! انصاف کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کے لئے گواہ بنو اگرچہ اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا والدین کا یا رشتہ داروں کا۔ اگر وہ دولت مند ہیں یا محتاج تو اللہ تعالیٰ ان کا زیادہ خیرخواہ ہے۔ تم انصاف کرنے میں اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی مت کرو۔ اگر (گواہی میں) کج بیانی کرو گے یا کچھ بچا جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے واقف ہے۔" (النساء)

۷۔ عام لوگوں کے درمیان عدل کا حکم

اسلام میں عام لوگوں کے ساتھ عدل کا حکم دیا گیا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اور اپنے ہوں یا پرائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"جب لوگوں کے درمیان تم فیصلے کرنے لگو تو عدل کے ساتھ فیصلے کرو۔" (سورۂ نساء)

ایک جگہ فرمایا:

"بیشک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔" (نحل)

عام ناپ تول میں عدل کی تاکید کی گئی فرمایا:

"اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۔ کمزوروں کے ساتھ عدل کی خصوصی تاکید

بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ آدمی ان کے ساتھ تو انصاف کرتا ہے جو اپنا حق وصول کرنے کی طاقت رکھتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ احسان کا رویہ بھی اختیار کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ لیکن جب واسطہ کمزوروں، بے بسوں اور زیر دستوں سے ہو تو سب کچھ ہڑپ کر جانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ اسلام نے انصاف کا عام حکم دینے کے علاوہ معاشرے کے کمزور طبقوں کو گن گن کر ان کے ساتھ عدل کرنے ان کے حقوق انہیں دینے کی تاکید کی۔

عورت کمزور مخلوق ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اگر تم زیادہ بیویوں کے درمیان عدل قائم نہ کر سکو تو پھر تمہیں ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت ہی نہیں۔

یتیم بھی اکثر حالات میں بے بس ہوتے ہیں ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ اس لئے فرمایا:

• اور خاص کر یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔"

۹۔ لڑائی میں عدل کا حکم

دو شخصوں یا دو گروہوں کے درمیان فراق ہو جائے اور تلواریں میان سے نکل چکی ہوں یعنی جس وقت عقل کی قوت اور نیکی کی استعداد کا چراغ جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہو، اس عالم میں بھی مسلمانوں کو یہی کہا گیا کہ عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ فرمایا:

"اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان ہی کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے تم بھی لڑو۔ یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع کرے پھر جب وہ رجوع کرے تو دونوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کو ملحوظ رکھو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔" (سورۃ حجرات)

۱۰۔ عدالتی معاملات میں عدل

عدل کی علامت، عدالتیں ہوتی ہیں یہاں سے ملک کے ہر شہری کو بلا استثنیٰ انصاف ملنا چاہیئے کسی ملک میں عدالتوں سے اگر لوگ مایوس ہو جائیں اور یہاں رشوت، سفارش، تعلقات، برادری یا مادی وجاہت کی بنا پر فیصلے ہونے لگیں تو اس ملک کو ہلاکت سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ اسی لئے اسلام نے عدالتی معاملات میں عدل پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن پاک میں دستاویزات کے لکھنے اور گواہی دینے سے لے کر جج کی کرسی پر بیٹھ کر فیصلہ کرنے تک تمام مراحل میں انصاف کو اس طرح لازمی قرار دیا گیا ہے کہ جو شخص

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں ظلم کرے اس کے لئے آخرت میں نجات ممکن نہیں۔

۱۱۔ **افضل الجہاد** ظالم حکمران کے سامنے عدل و انصاف کی بات کہنے کو افضل الجہاد فرمایا ارشاد نبوی ہے:

افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر۔	ظالم حکمران کے سامنے عدل کی بات کہنا افضل جہاد ہے۔

(ترمذی۔ ریاض الصالحین)

امت مسلمہ کی پوری تاریخ حق بات کہنے اور عدل کا علم بلند کرنے کی تاریخ ہے۔ اس میں امام حسینؓ، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن تیمیہؒ اور مجدد الف ثانیؒ کے نام بہت نمایاں ہیں۔

مثالیں تاریخ اسلامی میں عدل کی ان گنت مثالیں ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

۱۔ قبیلہ بنو مخزوم کی ایک معزز عورت نے چوری کی۔ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ کچھ لوگوں نے سفارش کی کہ اس خاتون کا تعلق سردار قبیلہ سے ہے۔ اس کا ہاتھ کاٹنے سے بہت بے عزتی ہو گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید غصہ آیا اور آپ نے فرمایا، خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ تم سے پہلے کی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ جب غریب لوگ کوئی جرم کرتے تو انھیں سزا ملتی لیکن بڑے لوگ قصور وار ہوتے تو انھیں نظر انداز کر دیا جاتا۔

۲۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک شخص سے کھجوریں ادھار لیں۔ کچھ مدت کے بعد اس نے تقاضا کیا۔ حضورؐ نے ایک انصاری صحابیؓ سے اس شخص کو کھجوریں دینے کے لئے فرمایا۔ کھجوریں دی گئیں تو اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میری کھجوریں بہتر تھیں۔ انصاری صحابیؓ نے کہا کہ تم حضورؐ کی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو۔ وہ بولا: رسول اللہؐ عدل نہ کریں گے تو اور کون عدل کرے گا۔ حضورؐ نے یہ جملے سنے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ بالکل سچ ہے۔

۳۔ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں قاضی شریح کی عدالت میں ایک یہودی کے خلاف اپنی زرہ کی چوری کا دعویٰ کیا اور شہادت کے لئے حضرت حسنؓ اور قنبرؓ کو پیش کیے۔ قاضی شریح نے ان کی گواہی ماننے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ حضرت حسنؓ حضرت علیؓ کے بیٹے اور قنبرؓ ان کے غلام تھے اور بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں قابل قبول نہیں ہوتی۔ چونکہ اور گواہ نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا اس نے مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

۴۔ حضرت علیؓ نے عدل کے بارے میں نہایت اونچی مثالیں قائم کی ہیں۔ ایک دفعہ انھیں شہد کی ضرورت پڑ گئی، بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن عام اجازت کے بغیر انھوں نے شہد اس لئے استعمال نہ کیا کہ دوسرے لوگوں کا حق نہ مارا جائے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ کو بیت المال کی کستوری تولنے سے اس لئے منع کر دیا کہ اس سے جو خوشبو ان کے ہاتھوں کو لگ رہی تھی اس پر ان کا کوئی حق نہ تھا۔

۵۔ حضرت عمر بن عبد العزیز بھی گفتگو کرتے وقت بیت المال کا چراغ اس لئے بجھا دیا کرتے تھے کہ کہیں وہ اپنے حق سے زیادہ نہ وصول کر جائیں جو عدل کے خلاف ہو۔

عدل کی شرائط

۱۔ توحید و آخرت پر ایمان عدل کی پہلی اور بنیادی شرط اللہ کی ذات و صفات اور یوم آخرت پر پختہ ایمان ہے یہی ایمان آدمی کو ظلم سے روک سکتا ہے یہ احساس کہ مجھے اللہ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور اگر میں نے کسی کا حق مار کھایا ہو گا تو قیامت کے روز مجھ سے اس کا بدلہ لیا جائے گا، آدمی کو راہ عدل پر قائم رکھتا ہے۔ یہ یقین نہ ہو تو کچھ پتہ نہیں کہ کوئی شخص ظلم کی کس کس وادی میں بھٹکتا رہے۔

۲۔ حدود الٰہی کا علم عدل کے تقاضے صرف وہی قانون پورے کرتا ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے اس لئے انصاف کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی کو اس قانون کا علم ہو، ورنہ لاعلمی میں حدود سے تجاوز کا قوی امکان موجود ہوتا ہے۔

۳۔ اسلامی حکومت عدل کے لیے ضروری ہے کہ مسند اقتدار پر خدا ترس اور انصاف دوست لوگوں کا قبضہ ہو اس سے انصاف کی اجتماعی فضا پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں عدل کو مدنظر رکھا جاتا ہے لیکن اگر ظالم اور غاصب قسم کے لوگ برسر اقتدار آجائیں تو ان کی بری مثال سے متاثر ہو کر عام لوگ بھی آہستہ آہستہ زیادتیاں کرنے لگتے ہیں۔

۴۔ آزاد عدلیہ خدا ترس انتظامیہ کے ساتھ آزاد عدلیہ کا وجود بھی انصاف کے لئے ضروری ہے۔ اس عدلیہ کا یہ کام ہوتا ہے کہ ایک طرف عوام کو ایک دوسرے کی زیادتیوں سے محفوظ رکھے اور دوسری طرف ان کو حکمرانوں کی دستبرد سے بچائے۔

۵۔ عوام کا شعور انصاف کے لئے عوام کا باشعور اور جرأت مند ہونا بھی ایک لازمی شرط ہے اگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کے حقوق کا پورا پورا علم ہونا چاہیئے اور کوئی انھیں غصب کرنے کی کوشش کرے تو اسے روکنے کی جرأت ہونی چاہیئے جہاں یہ بات پائی جائے وہاں کسی بڑے سے بڑے آدمی میں یہ ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ دوسروں پر ظلم کرے۔

۶۔ نظام عدل کا قیام انصاف کی یہ بھی شرط ہے کہ عدل کا نظام قائم ہو اور وہ قانون رائج ہو جس کی بنیاد انصاف پر ہے۔ خدا ترس، انتظامیہ اور آزاد عدلیہ بھی اسلامی قانون کے نفاذ اور نظام عدل کی ترویج کے بغیر انصاف کا حق ادا نہیں کر سکتیں۔

عدل کے ثمرات و نتائج

۱۔ اللہ کی محبت عدل کا یہ عظیم ثمرہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ انصاف کرنے والوں کو دو دفعہ اپنی محبت اور دوستی سے نوازنے کی بشارت دیتا ہے۔

ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ (حجرات۔ المائدہ) بیشک اللہ تعالےٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

۲۔ نور کے مینار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف کرنے والوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

"جو لوگ اپنے گھر والوں میں یا جن کی حکومت ان کے سپرد کی گئی ہے ان میں انصاف کرتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کے پاس نور کے میناروں پر ہوں گے۔" (ریاض الصالحین)

۳۔ اللہ کا سایہ حدیث میں عادل حکمران کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"قیامت کے روز جب اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا تو سات قسم کے لوگوں کو خدا اپنے سائے میں جگہ دے گا ان میں سے ایک امام عادل ہوگا۔"

(بخاری)

ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن امام عادل کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔

۴۔ امن و چین عدل کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ معاشرے میں امن اور چین کا دور دورہ ہوتا ہے جہاں انصاف ہو لوگ اپنے حقوق سے زیادہ وصول نہ کرتے ہوں اور اگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی کا حق مارا جائے تو اسے یقین ہو کہ وہ آسانی سے اپنا حق حاصل کر سکتا ہے، اس معاشرے میں لوگ قلبی اطمینان اور ذہنی سکون محسوس کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جس سوسائٹی میں ظلم ہوتا ہو اس سوسائٹی میں لوگ مستقل طور پر ذہنی اور قلبی اضطراب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۵۔ عزت و وقار دنیا میں ہمیشہ وہی معاشرہ اور ملک عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس معاشرے اور ملک میں حق و انصاف کا بول بالا ہو، اس کے مقابلے میں جس ملک میں ظلم ہوتا ہو، لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہو، طاقتور کمزور کے لئے بھیڑیا ثابت ہو رہا ہو، کسی کی جان، مال، عزت و آبرو اور آزادی محفوظ نہ ہو، اس ملک میں کتنی ہی سربفلک عمارات، حیرت انگیز ڈیم، مرعوب کن کارخانے اور اسی طرح کی مادی ترقی کی مظہر دوسری چیزیں بن جائیں مگر دنیا میں اس ملک کو کوئی قدر و منزلت حاصل نہیں ہوتی۔

اہم سوالات

۱۔ عفو اور عدل کی تعریف کیجئے اور مثالیں دیجئے نیز بتائیے کہ عفو میں قانون عدل کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا نہیں؟ (لاہور بورڈ ۱۹۶۲ء)

۲۔ عدل و انصاف کا جو اعلیٰ معیار قرآن حکیم نے پیش کیا ہے اس کی وضاحت کیجئے نیز معاشرہ انسانی کے استحکام میں جو عدل کا اہم کردار ہے اس پر بھی روشنی ڈالئے (لاہور بورڈ ۱۹۶۵ء)

۳۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی دو پر تشریحی نوٹ لکھیے:

(ا) عفو (ب) عدل (ج) طلب العلم (د) تدبر (لاہور بورڈ ۱۹۶۶ء)

۴۔ عدل سے کیا مراد ہے، اس کی اہمیت واضح کیجئے۔

۵۔ اسلام کے نظام عدل پر تفصیلی نوٹ لکھیے

۶۔ عدل کے ثمرات و فضائل وضاحت سے تحریر کیجئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۹

احسان

مفہوم

لفظ احسان کا مادہ حسن ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں کوئی اچھا کام کرنا یا کوئی کام حسن و خوبی سے سرانجام دینا جب کوئی شخص اچھا کام بہترین طریقے سے کرے تو عرب کہتے ہیں: اَحْسَنْتَ یعنی تو نے کمال کر دیا۔

احسان کے معنی نیکی اور بھلائی کرنے کے بھی ہیں۔

اصطلاح میں احسان سے مراد ہے نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا، دوسرے کے ساتھ ایسا نیک سلوک کرنا جس سے اس کا دل خوش ہو اور اسے آرام پہنچے۔ احسان کے یہ معنی بھی ہیں کہ جو کام آدمی کے سپرد ہو اس میں اپنی پوری قابلیت اور تمام وسائل صرف کر دے اور دل و جان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے۔ حدیث میں اس کا مطلب ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ آدمی اللہ کی عبادت یوں کرے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہو اور اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر یہ بات ذہن میں مستحضر رہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ یعنی عبادت میں پورا حضورِ قلب، خلوصِ نیت، اور خشوع و خضوع ہو۔ جو عبادت اس انداز میں کی جائے گی۔ اس میں بڑا حسن اور جمال ہوگا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ بعض لوگ عبادت سے مراد صرف نماز لیتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے زندگی کے جملہ معاملات میں، ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، اللہ کی ہدایات کی پیروی کرنا عبادت ہے اور احسان یہ ہے کہ ان تمام معاملات میں حضورِ قلب، خلوصِ نیت، عاجزی و فروتنی اور وابستگی اور دل جمعی ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ اپنی مشہور تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں کہ احسان کا مطلب یہ ہے کہ شرعی احکام کو اس قدر دلجمعی، یکسوئی اور اخلاصِ نیت کے ساتھ کیا جائے کہ ان کی اصل روح حاصل ہو جائے۔

مراتب

احسان کے کئی مدارج و مراتب ہیں جن میں سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی عبادت میں تساہل نہ کرے اور دوسروں سے رواداری اور خوش خلقی سے پیش آئے۔ اس کا اوسط درجہ یہ ہے کہ آدمی عبادات میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرے اور اگر اس کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو اسے معاف کر دے۔ یعنی اس لحاظ سے عفو، احسان کا درمیانہ درجہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اعلیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ عبادت میں آدمی ہمہ تن حضور ہو، وہ نماز میں کھڑا ہو، اس کے بالکل قریب اگر دشمن کے گولے چھوٹ رہے ہوں تو بھی عبداللہ بن زبیرؓ کی طرح اس کے استغراق کی یہ کیفیت ہو کہ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ برابر نہ ہٹے اور اپنی نماز پورے اطمینان سے مکمل کرے۔ لوگوں کے ساتھ رویہ یہ ہو کہ وہ گالیاں دیں تو انھیں دل کی گہرائیوں سے دعائیں دے اور جب بھی مناسب موقع ملے ان کی مدد کرے اور عبادت کے اس انداز یا حسن سلوک کے اس رویے میں ذرا سی کمی آجائے تو ندامت سے پانی پانی ہو جائے اور خوف سے کانپ اٹھے۔

مختلف صورتیں اور تقاضے

احسان کے بہت سے تقاضے اور اس کی سینکڑوں صورتیں ہیں جن کا اندازہ عملی زندگی کے ایک ایک قدم پر ہر وہ ذہین اور حساس شخص کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سلامت طبع، محبت انسانی وسعت ظرف اور جذبۂ حمیت کی نعمتوں سے نوازا ہو۔ ہم ان میں سے یہاں ان چند ایک کا ذکر کرتے ہیں جو بہت اہم ہیں۔

۱۔ مصیبت سے بچانا احسان کی پہلی صورت اور غالباً اس کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ کوئی انسان اگر مصیبت میں مبتلا ہو تو اسے اس آفت سے چھٹکارا دلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کی مصیبت سے نجات دلائی تھی اسے وہ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان سمجھتے ہوئے کہتے ہیں:

وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ۔ (یوسف)

اور اس کے علاوہ اس نے مجھ پر اور بھی بڑے بڑے احسان کئے ہیں کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا۔

۲۔ صلہ رحمی احسان کی ایک صورت اور اس کا نہایت اہم تقاضا صلہ رحمی ہے دوسروں کے ساتھ بھی بھلائی کرنی چاہیے لیکن رشتہ داروں کا حق مقدم ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ۔

نیکی کا آغاز اپنے اہل و عیال سے کرو۔

قرآن پاک میں جہاں احسان کا حکم دیا وہاں ساتھ ہی صلہ رحمی کے لئے بھی فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ (نحل)

بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل، احسان اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احسان مالی امداد کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ اس کے اور بھی بے شمار طریقے ہو سکتے ہیں اور اس کے سب سے زیادہ مستحق والدین اور قریبی رشتہ دار ہیں۔

۳۔ معاف کر دینا

احسان کی ایک اور صورت اور اس کا ایک مزید تقاضا یہ بھی ہے کہ کسی کی غلطی یا حرکت کی وجہ سے اگر غصہ آجائے تو اس غصے پر قابو پا کر اس شخص کو معاف کر دیا جائے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے جیسا کہ حضرت جعفر صادقؒ کے چہرے اور کپڑوں پر چھینٹے پڑے۔ آپ کو غصہ آگیا۔ غلام نے کہا:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ — (متقی وہ ہیں) جو غصے کو پی جاتے ہیں۔

حضرت جعفرؒ نے فوراً کہا، میں نے غصہ پی لیا۔

غلام نے کہا:

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۔ — اور وہ لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے ہیں۔

حضرت جعفرؒ نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کیا۔

غلام نے کہا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ — اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

حضرت جعفرؒ نے کہا: جا، تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

۴۔ مطلقہ کو اچھے طریقے سے رخصت کرنا

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت بار بار کی گئی لیکن اگر میاں بیوی کا نباہ کسی وجہ سے بہت مشکل ہو جائے تو عورت کو تنگ کرنے اور قانونی حیلے نکال نکال کر اسے دق کرنے کی مذمت کی گئی اور فرمایا گیا کہ اگر کسی عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا پسند نہ ہو تو خوبی کے ساتھ اسے الگ کر دو اور اسے احسان کہا گیا۔ ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ۔ (بقرہ) — دو مرتبہ (بھی) طلاق دینے کے بعد یا تو معروف طریقے سے اسے اپنی زوجیت میں رکھو یا احسان کے ساتھ اسے رخصت کر دو۔

۵۔ ذمہ داری پوری کرنا

کسی پر جو ذمہ داریاں اور فرائض و واجبات ہوں، انھیں احسن طریقے سے پورا کرنا بھی احسان ہی کی ایک شکل اور اس کا ایک تقاضا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۔ (البقرہ)

پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے قصاص کا کوئی جزو معاف کر دیا جائے تو معروف طریقے سے خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور اس کی ادائیگی احسن طریقے سے کرنی چاہیے۔

یہ تو خون بہا کی ذمہ داری کا معاملہ تھا۔ اس کے علاوہ بھی زندگی کی جو ہزاروں ذمہ داریاں ایک آدمی کے سر پر، ایک استاد، ایک طالبعلم، ایک بھائی، ایک بہن، ایک باپ، ایک بیٹا، ایک ماں، ایک بیٹی، ایک شوہر، ایک بیوی، ایک ہمسایہ، ایک دوست، ایک شریک سفر، ایک ماتحت، ایک افسر، ایک بزرگ اور ایک برخوردار وغیرہ کی حیثیت سے ہوتی ہیں۔ انھیں احسن طریقے سے پورا کرنا اور اپنی بہتر قابلیتوں اور وسائل کو ان میں صرف کرنا احسان کی ایک صورت ہے۔

۶۔ نیکی کا بدلہ احسان کا یہ بھی تقاضا ہے کہ کوئی اگر نیکی کرے تو اس کے ساتھ اس سے زیادہ بھلائی کی جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن)

احسان کا بدلہ بھلا احسان کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ہدیہ دیتا تو آپ اس سے بہتر چیز اسے تحفے کے طور پر بھیجتے۔ ایک مرتبہ امام احمدؒ بن حنبل کی قمیص ان کے ایک کرایہ دار نے کنویں سے نکال کر دی تو آپ نے تین ماہ کا کرایہ اُسے معاف کر دیا۔

قرض دار کو مہلت دینا احسان کی ایک شکل یہ ہے کہ کوئی مقروض اگر تنگ دست ہو یا اپنی بعض ہنگامی مجبوریوں کی بنا پر وہ قرض ادا نہ کر سکتا ہو تو اسے اس وقت تک مہلت دی جائے کہ وہ قرض چکانے کے قابل ہو جائے اور اگر آدمی یہ محسوس کرے کہ وہ بالکل ادا نہیں کر سکتا تو اسے بالکل معاف کر دینا اور بھی بہتر اور بہت بڑا احسان ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

" اگر کوئی تنگ دست ہو تو اُسے فراخی تک مہلت دو، اور اگر سمجھو تو تمھارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اسے اصل قرضہ بھی معاف کر دو۔" (البقرہ)

امام ابوحنیفہؒ کا ایک مقروض تھا وہ ایک مرتبہ آپ کو دیکھ کر چھپنے لگا۔ امامؒ نے اس چھپنے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ قرض کی حیا کی وجہ سے وہ ایسا کر رہا تھا۔ حضرت امامؒ نے وہ قرض معاف کرنے کے علاوہ اس سے درخواست کی کہ مجھے دیکھ کر تمھیں جو تکلیف ہوئی وہ معاف کر دے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک حدیث شریف میں ہے:

"ایک شخص نیکی کا کوئی اور کام نہیں کرتا تھا، بس لوگوں کو قرض دیتا تھا۔ جب اسے کوئی مقروض تنگ دست نظر آتا تھا تو نوکروں سے کہتا کہ اس سے درگزر کرو، شاید اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگزر کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے درگزر کر دیا۔"

سزا دینے میں نرمی

احسان کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص کو سزا دینا ناگزیر ہی ہو جائے یا کسی جانور کو ذبح کرنا ہو تو اس میں بھی سختی نہ کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے تو اگر تمہیں کسی کو کسی شرعی حکم کے تحت جان سے مارنا بھی پڑے تو اسے بھی اچھائی سے کرو۔ کسی جانور کو ذبح کرنا چاہو تو بھی خوبی کیساتھ کرو، چھری کو خوب تیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحہ کو راحت دو۔"

(صحیح مسلم)

ایک دفعہ حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کو گرا کر اسے ذبح کرنے کے لئے اس کے سامنے چھری تیز کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: "کیا تم اسے مرنے سے پہلے ہی مار دینا چاہتے ہو؟" (شرح اربعین نووی از ابن حجرؒ)

میدان جنگ میں یا ویسے مقتول کا مثلہ کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا۔

بے مروت کے ساتھ احسان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اخلاقی تعلیم دی ہے اس میں یہی نہیں کہ جو تمہارے ساتھ حسن سلوک کرے، اسی سے تم حسن سلوک کرو۔ آپ سے ایک شخص نے ایک مرتبہ کہا: "یا رسول اللہؐ! میں ایک شخص کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری مہمانی نہیں کرتا، تو جب وہ میرے ہاں سے گزرے تو میں بھی اس کی کج خلقی کا بدلہ دوں؟" فرمایا، "نہیں، تم اس کی مہمانی کرو۔" (جامع ترمذی)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"ایسے نہ بنو کہ تمہاری اپنی عقل ہی نہ ہو اور محض دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرو، تم کہتے ہو کہ لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے اور وہ ظلم کریں تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ تم اپنے آپ کو اس بات پر مطمئن کرو کہ لوگ احسان کریں تو تم احسان کرو گے ہی، اور اگر وہ برائی بھی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ احسان نہ جتانا احسان نہ جتانا بھی احسان کا تقاضا ہے۔ اگر ایک شخص دوسرے کیساتھ بھلائی کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اسے نیکی کی توفیق عطا فرمائی گئی اور اس کی قوتیں، اس کا وقت یا اس کی دولت برائی کے راستے پر خرچ ہونے کی بجائے اللہ کے فضل سے حق کے راستے میں صرف ہوئی۔ اگر آدمی احسان جتاتا ہے تو وہ اپنی نیکی ضائع کر دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

- تم اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر ضائع مت کرو۔ (سورۃ بقرہ)

۱۱۔ عبادات میں توجہ احسان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ عبادات پوری دلجمعی، استغراق اور خشوع خضوع کے ساتھ اس طرح ادا کی جائیں گویا اللہ تعالیٰ کو ہم دیکھ رہے ہیں یا کم از کم وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

میدان جنگ میں عمل ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ احسان اور عفو پر میدان جنگ میں عمل ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب اثبات میں ہے۔ احسان کی جو صورتیں ہم نے اوپر بتائی ہیں ان سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ میدان جنگ میں نہ صرف احسان پر عمل کرنا ممکن بلکہ ضروری ہے۔ اسلام سے پہلے عرب میدان جنگ میں اپنے مخالفین کو بڑی بے رحمی سے مارتے تھے۔ مقتول کے مثلہ کرنے کا رواج تھا۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکالا گیا اور ان کی ناک اور کان وغیرہ کاٹ کر ہندہ نے ان کا ہار بنا کر پہنا۔ اسلام نے ان سب چیزوں سے منع کیا۔

اس سلسلے میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بہت بلند کردار پیش کیا ہے۔ صلیبی جنگوں میں عیسائی فوجوں کا سپہ سالار بیمار ہو گیا تو سلطان علیہ الرحمۃ نے اس کے لئے دوائیں بھجوائیں۔ اس کا گھوڑا بھاگ کر مسلمانوں کے لشکر میں آگیا تو اسے بحفاظت واپس پہنچا دیا۔ ایک دفعہ چند مسلمان سپاہی دشمن کا بچہ اٹھا لائے۔ اس کی ماں نے آ کر سلطان کو بتایا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ بچہ منگوا کر انھوں نے ماں کے حوالے کیا اور سواری دے کر نہایت عزت سے واپس پہنچایا۔

اہمیت

اسلامی تعلیمات میں احسان کو بہت بلند مقام حاصل ہے اور واقعہ یہ ہے کہ زندگی میں سلا جمال اور کمال اور حلاوت و شیرینی اس سے پیدا ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی صفت اللہ تعالیٰ کی جو صفت سب سے نمایاں اور باقی تمام صفات پر غالب ہے۔ وہ اس کی صفتِ احسان و رحمت ہے۔ نظام کائنات چل ہی اس صفت کی بناء پر رہا ہے اور اسی وصف کے لاتعداد مظاہر ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

"اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے احسانات شمار کرنے لگو تو اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بیشک انسان بڑا ہی ظالم اور ناشکرا ہے۔" (سورۃ ابراہیم)

۲۔ دین میں حسن دین میں حسن محض اطاعت سے نہیں احسان سے پیدا ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ۔

اس سے زیادہ خوبصورت اور اچھا دین کس کا ہوگا۔ جس نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا اور وہ ہر کام خوبی سے کرنے والا ہو!

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں لطافت اور حسن پیدا کرنے کے لئے احسان کا رویہ ضروری ہے۔

۳۔ حکم ربانی احسان کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔ (قصص)

تو احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کئے ہیں۔

۴۔ ترکِ احسان کا نقصان جن لوگوں نے اس دنیا میں احسان کا رویہ اختیار نہیں کیا ہوگا وہ قیامت کے روز پچھتائیں گے اور کہیں گے:

لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (زمر)

کاش! اگر مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کا موقع ملتا تو میں محسنوں میں سے ہوتا۔

صبر و تقویٰ کا امتزاج اسلامی زندگی میں تقویٰ اور صبر کی جو اہمیت ہے اس پر ہم تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ تقویٰ تمام عبادات کا مقصود اور صبر اخلاق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی مضبوط ترین ڈھال ہے۔ احسان ان دونوں کے حسین امتزاج کا نام ہے اور اس اکیلے وصف کی اتنی اہمیت ہے جتنی اہمیت تقویٰ اور صبر دونوں کی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"بے شک جو تقویٰ و صبر کی روش اختیار کرتا ہے (وہ احسان کی روش اختیار کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ محسنوں کا اجر ہرگز ضائع نہیں کرتا۔" (سورۂ نحل)

ثمرات

احسان کی روش آدمی کی جھولی کو انتہائی لذیذ و شیریں ثمرات سے بھر دیتی ہے اور اس کے ذریعے بلند ترین روحانی و اخلاقی منازل طے کرتے ہوئے آدمی اللہ کے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ ہم یہاں احسان کے بعض فضائل کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رضا

احسان کا ایک ثمرہ جس کی لذت ہر بندۂ مومن اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے اور جو اہل ایمان کی زندگی کی معراج ہے، رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ۔	جن لوگوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔

۲۔ اللہ کی رحمت

قرآن پاک میں بشارت دی گئی ہے:

إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۔ (اعراف)	اللہ کی رحمت احسان کا رویہ اختیار کرنے والوں کے بہت قریب ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی محبت

محسن اللہ تعالیٰ کی محبت کے حقدار ہیں۔ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۔ (آل عمران)	اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت رکھتا ہے۔

۴۔ اللہ کی معیت

جو لوگ اللہ سے ڈر کر برے طریقوں سے پرہیز کرتے ہیں اور دوسرے ان کے ساتھ زیادتیاں کریں تو بھی وہ ان کے مقابلے میں احسان ہی کی روش اختیار کرتے ہیں، انھیں یہ خوشخبری دی گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے انھیں کوئی غم نہیں کرنا چاہیے۔ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ	بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُوَ مُحْسِنُوْنَ۔ (نحل) | جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔

۵۔ آخرت میں اجر عظیم احسان کرنے والوں کو اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے۔ فرمایا: "جو لوگ احسان اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔"

۶۔ تسخیر قلوب احسان لوگوں کے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ قوت اور اقتدار کے زور سے اگر دبانے کی کوشش کی جائے تو بعض اوقات گردنیں مجبوری کے تحت جھک جاتی ہیں لیکن دل کبھی صاحب قوت کے گرویدہ نہیں ہوتے۔ دلوں نے ہمیشہ ان لوگوں کی بادشاہی تسلیم کی ہے جو احسان کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی دعوت پھیلانے میں صوفیائے کرام نے جو عظیم کارنامے سرانجام دیے ہیں وہ احسان ہی کی بناء پر تھے۔ لوگ ان کی روش دیکھ کر فریفتہ ہو جاتے تھے اور تقدول بار جانے کے بعد زبان سے کلمہ پڑھ لیتے تھے۔

احسان دشمن کو دوست بنا دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

"برائی کا مقابلہ احسان سے کرو تو دشمن تمہارا گہرا دوست بن جائے گا۔ (سورۃ حم سجدہ)

۷۔ معاشرے کا استحکام معاشرے اور مملکت کے استحکام کا انحصار بھی احسان پر ہے۔ ظلم و تشدد اور لوگوں کے حقوق غصب کرنے سے استحکام نہیں پیدا ہوتا۔ اس سے کمزوری اور ضعف پیدا ہوتا ہے۔ استحکام ہمیشہ احسان سے پیدا ہوتا ہے کہ اسی کے ذریعے دل آپس میں جڑتے ہیں اور سوسائٹی "بنیان مرصوص" کی شکل اختیار کرتی ہے۔

سوالات

۱۔ احسان اور عفو کی تعریفیں لکھیے اور مثالیں دیجئے نیز بتائیے کہ میدان جہاد میں ان پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (لاہور بورڈ ۱۹۶۳ء)

۲۔ احسان پر قرآن و سنت کی روشنی میں مضمون لکھیے۔

۳۔ احسان کی اہمیت اور ثمرات پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

۴۔ احسان کی مختلف صورتیں اور تقاضے وضاحت سے بیان کیجیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱

خدمتِ خلق

مفہوم عام زبان میں خدمت خلق، سوشل ورک (SOCIAL WORK) یا سوشل سروس (SOCIAL SERVICE) کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ رفاہ عامہ کے کام مثلاً ہسپتال بنوانا، مریضوں کی دیکھ بھال کرنا، درسگاہیں کھولنا، محتاج گھر اور یتیم خانے قائم کرنا، کسی مصیبت زدہ کی دستگیری کرنا یا کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا وغیرہ۔

اسلام میں خدمت خلق کا مطلب ہے خالق کی رضا کی خاطر اس کی جاندار مخلوق کو روحانی ذہنی اور جسمانی سکون، انفرادی اور اجتماعی پیمانے پر پہنچانے کی کوشش کرنا۔

وسعت خدمت خلق کی اس تعریف سے اس کے دائرہ کی وسعت اور تنوع کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں اس خدمت و خیر خواہی اور تعاون کا تعلق صرف انسانوں تک محدود نہیں بلکہ حیوان بھی اس کی برکات سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ایک حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ایک آدمی جا رہا تھا، اُسے سخت پیاس لگ گئی۔ چلتے چلتے اسے ایک کنواں ملا تو وہ اس کے اندر اُترا اور پانی پی کر باہر نکل آیا۔ باہر اس نے ایک کتے کو دیکھا جس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور شدتِ پیاس کی وجہ سے وہ کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس آدمی نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی ایسی ہی پیاس ہے، جیسی مجھے تھی۔ وہ اس کتے پر رحم کھا کر پھر کنویں میں اُترا اور اپنے جوتے میں پانی بھرا، پھر اپنے دانتوں سے پکڑ کر وہ کنویں سے باہر نکلا اور اس کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی رحم دلی اور اس محنت کی قدر افزائی کی اور اسی عمل پر اس کی بخشش کا فیصلہ صادر فرما دیا۔"

بعض صحابہؓ نے یہ واقعہ سن کر دریافت کیا کہ:

"یا رسول اللہ! کیا جانوروں کی تکلیف دُور کرنے میں بھی ہمارے لئے اجر ہے؟"

آپؐ نے فرمایا:

"ہاں! ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور کی تکلیف دُور کرنے میں ثواب ہے۔"

(بخاری و مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر خدمتِ خلق کا دائرہ اس لحاظ سے بھی بہت وسیع ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے جسم و جان اور مال و جائداد کی بازی لگانے سے لے کر کسی کے لئے دل میں جذبات ہمدردی رکھنا اور زبان سے ان کا اظہار کر دینا بھی خدمتِ خلق میں شمار ہوتے ہیں۔

خدمتِ خلق کے دائرے کی وسعت کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اس سے مراد صرف ایسی خدمت نہیں جس کا تعلق محض جسم سے ہو بلکہ اس میں روحانی، اخلاقی اور ذہنی خدمت بھی شامل ہے۔ کسی شخص کو روحانی، ذہنی اور اخلاقی طور پر بُری چیز سے بچانا اور بھلائی کے ساتھ اس کا رشتہ جوڑنا بھی خدمتِ خلق کا اعلیٰ درجہ ہے یہی مدعا ہے اس خدمت کا جس میں حضور نے فرمایا کہ:

"اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم"

صحابہؓ نے پوچھا کہ مظلوم کی مدد تو ہوئی لیکن ظالم کی مدد ہم کیونکر کر سکتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا:

"اسے ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد ہے" اور ظاہر ہے کہ یہ مدد یا خدمت روحانی و اخلاقی ہے۔"

اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی خدمتِ خلق کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔

اہمیت

اسلام میں خدمتِ خلق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلام کے بنیادی نظریات و عقائد اور اس کے اجتماعی نظام پر ہم نظر غائر ڈالیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام نے خدمتِ خلق پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اسلام میں دو ہی چیزیں ہیں، (۱) حقوق اللہ اور (۲) حقوق العباد۔

ان حقوق العباد کی ادائیگی ہی خدمتِ خلق ہے، بلکہ خدمتِ خلق اس سے بھی کچھ وسیع تر دائرہ رکھتی ہے۔ حقوق العباد کی اہمیت تو یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالےٰ انھیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ صاحب حق خود معاف نہ کر دیں۔ اس سے بخوبی پتہ چل جاتا ہے کہ اسلام کے بنیادی نظریات میں خدمتِ خلق کی اہمیت ہے۔

۱۔ اللہ کا حکم | اللہ تعالےٰ نے خدمتِ خلق کا حکم اور ترغیب دلائی ہے۔ فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرو۔" (مائدہ)

سورہ "الدہر" میں نیک لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وہ اللہ کی محبت کی وجہ سے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔" یہ بھی فرمایا کہ کھیتی کاٹنے کے دن ہی اس کا حق ادا کر دیا کرو۔

ہم تو یہ گزارش کر آئے ہیں کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی خدمت خلق ہے اور اس کا حکم قرآن پاک میں کئی مرتبہ دیا گیا بلکہ امت مسلمہ کا مقصد وجود ہی یہ بتایا کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے۔ گویا دوسرے لفظوں میں امت مسلمہ اگر اپنے مقصد کو پورا کرے تو وہ سراپا خدمت خلق ہے۔

۲۔ حضورؐ کی ہدایات اور آپؐ کا نمونہ

خدمت خلق کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ حضورؐ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور خود اس سلسلے میں بہترین عملی نمونہ پیش فرمایا ہے۔ ایک عورت اپنا سامان باندھے بیٹھی تھی، حضورؐ کا گزر ادھر سے ہوا۔ آپؐ نے اس بڑھیا سے پوچھا کہ وہ یوں سامان پاس رکھ کر کیوں بیٹھی ہے اس نے بتایا کہ شہر میں ایک جادوگر ہے جس سے بچاؤ کے لئے وہ شہر سے کہیں باہر جانا چاہتی ہے لیکن کوئی آدمی نہیں جو اس کا بوجھ اٹھا لے جائے۔ آنحضرتؐ نے اس کا بوجھ اٹھایا اور جہاں اس نے کہا چھوڑ آئے۔ آپؐ واپس آنے لگے تو اس بڑھیا نے کہا کہ تم بہت اچھے آدمی ہو۔ بس اس جادوگر سے بچ کے رہنا۔ آپؐ نے اس وقت فرمایا، وہ تو میں ہی ہوں جس کے متعلق یہ باتیں کہی جاتی ہیں۔ وہ عورت مسلمان ہو گئی۔

آپؐ پر غار حرا میں جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپؐ کانپتے ہوئے گھر پہنچے تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ کیونکہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، یتیموں کی دستگیری کرتے ہیں، بیواؤں کی اعانت کرتے ہیں اور بیکسوں کا سہارا ہیں۔"

آپؐ جب اسلامی ریاست کے سربراہ تھے اس وقت بھی آپؐ لوگوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔ بیواؤں کے گھر جا کر ان کا سودا لا دیا کرتے تھے اور عام بوڑھی عورتیں راہ چلتے ہوئے اس حال میں آپؐ کو روک کر کھڑی ہو جاتی تھیں کہ باہر سے آئے ہوئے معزز مہمان آپؐ کے ساتھ ہوتے تھے۔

حضورؐ نے خدمت خلق کی ترغیب بڑے بلیغ انداز میں دلائی۔ فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جس نے کسی تنگ دست کے لئے آسانی پیدا کی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا و آخرت میں آسانیاں پیدا فرمائے گا۔"

"اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی نیکی ہے۔"

فرمایا

"بھائی کو مسکراتے ہوئے چہرے سے ملنا بھی صدقہ ہے۔"

ایک حدیث میں ہے:

"اگر انسان کسی کی مدد خود نہ کر سکے تو اُسے چاہئے کہ کسی اور شخص کو سفارش کر دے۔" (بخاری)

آپؐ نے فرمایا:

"کہ پورے رمضان کے روزے رکھنے اور اس مہینے مسجد حرام میں اعتکاف بیٹھنے سے مجھے یہ زیادہ عزیز ہے کہ اپنے بھائی کی بوقت ضرورت مدد کروں۔"

عمل صحابہؓ خدمت خلق کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ نے بہت اونچا نمونہ پیش فرمایا ہے جس سے اس وصف کی اہمیت پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ہم صرف دو چار مثالیں عرض کرتے ہیں۔

(الف) اسلام قبول کرتے وقت حضرت صدیقؓ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے لیکن ہجرت کے وقت یہ پونجی کل پانچ ہزار درہم رہ گئی۔ باقی سرمایہ آپؓ نے فقراء و مساکین کی امداد کرنے اور غلام مسلمانوں کا فدیہ دے کر آزاد کرانے کے لئے صرف کر دیا۔

(ب) حضرت علیؓ اور ان کے گھر والوں کے پاس ایک دن ستو کی کل تین روٹیاں تھیں یہ روٹیاں انھوں نے ایک مسکین، ایک یتیم اور ایک قیدی پر صدقہ کر دیں۔ مسکین یتیم اور قیدی شکم سیر ہو گئے اور یہ خود فاقہ کرکے سو رہے۔

(ج) حضرت عمرؓ کو خیبر میں زمین ملی۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں: "مجھے خیبر میں زمین ملی ہے۔ اتنا قیمتی مال مجھے پہلے کبھی نہ ملا تھا۔ اس سلسلے میں کیا ارشاد ہے؟"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، "تمہارا جی چاہے تو اصل جائداد کو اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے اس کے منافع کو صدقہ کر دو۔" چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے فقراء اور حاجت مندوں کے لئے، غلاموں کو آزاد کراتے، کمزوروں کی مدد اور فی سبیل اللہ دوسرے کاموں کے لئے وقف کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) اللہ کی راہ میں جہاد اور خدمتِ خلق کا نظام قائم کرنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر گھر کا سارا اثاثہ اور حضرت عمرؓ نے نصف مال راہِ خدا میں نچھاور کر دیا۔

(ہ) حضرت عثمانؓ نے ایک کنواں خرید کر عامۃ الناس کے لیے وقف کر دیا۔

(و) مدینہ میں انصار نے مہاجرین کو اپنا بنالیا۔ انھیں اپنے مال، مکان غرض ہر چیز میں شریک ٹھہرالیا۔ ان کی طرف سے دیت اور فدیہ دیا اور انھیں اپنا بھائی بنالیا۔

(ز) حضرت ابوبکرؓ اپنے دورِ خلافت میں ایک بڑھیا کی بکریاں دوہا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ گلیوں، بازاروں میں اس مقصد کے لیے چکر لگایا کرتے تھے کہ کوئی ضرورت مند ایسا نہ رہ جائے جس کی ضرورت پوری نہ ہو۔

۴۔ خدمتِ خلق نہ کرنے کا وبال ــــ جہنم

خدمتِ خلق کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کام کو ترک کر دینے سے آدمی جہنم کا مستحق بن جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے کہ اہلِ دوزخ، دوزخ میں جانے کے اسباب بتاتے ہوئے ایک وجہ یہ بتائیں گے کہ ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔ (مدثر)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

"اُسے پکڑو، اس کے گلے میں طوق ڈالو، پھر اس کو جہنم میں جھونک دو اور ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ دو۔ بے شک وہ خدائے عظیم پر ایمان نہ لایا تھا اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتا تھا۔" (الحاقہ)

ان دونوں مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسکینوں کو کھانا نہ کھلانا اور دوسروں کو انھیں کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا آدمی کو جہنم کا مستحق بنا دیتا ہے۔

۵۔ اللہ کی حفاظت سے محرومی

خدمتِ خلق کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اگر یہ کام کہیں نہ کیا جائے تو اللہ تعالےٰ اس بستی کی حفاظت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ،

"جس بستی میں کوئی مسکین صبح کو اس حال میں اُٹھے کہ کھانا نہ ملنے کی وجہ سے وہ رات بھر بھوکا رہا ہو تو پھر اللہ تعالےٰ پر اس بستی کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں رہ جاتی۔"

(مسند احمد بن حنبلؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ سانپوں کا قیامت کے روز ڈسنا | زکوٰۃ بھی خدمت خلق کی ایک صورت ہے اس سلسلے میں فرمایا،

"جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس مال کو ایک خوف ناک اژدہا کی شکل میں ظاہر کرے گا جس کے سر پر بال کھڑے ہوں گے اور جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے، یہ سانپ اس کے گلے کا ہار بنایا جائے گا اور وہ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ رکھے گا اور کہے گا میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ۔"
(بخاری ونسائی)

۷۔ خدمت خلق، اللہ کی خدمت ہے | خدمت خلق کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسے اپنی خدمت قرار دیا۔ قرض خدمت خلق کی ایک صورت ہے۔ اس کے متعلق قرآن میں کئی مقامات پر ہے کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے۔

ایک حدیث قدسی میں انوکھے انداز میں فرمایا،

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اے ابن آدم! میں بیمار پڑا تو تو میری عیادت کو نہ آیا۔ آدمی جواب دے گا: پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرتا جب کہ تو سارے جہانوں کا آقا ہے۔ اس پر اللہ کہے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تو تو اس کی عیادت کو نہ آیا۔ اگر تو اس کی عیادت کو گیا ہوتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے نہ کھلایا۔ بندہ کہے گا: میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا جبکہ تو سارے جہانوں کا مالک ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے اسے نہ کھلایا۔ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس پاتا۔ پھر اللہ پاک کہے گا: میں نے تجھ سے پانی مانگا، مگر تو نے نہ پلایا۔ بندہ کہے گا: میں تجھے کیسے پلاتا جب کہ تو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے اسے نہ پلایا۔ اگر تو نے اسے پلایا ہوتا تو اس پانی کو میرے پاس پاتا۔" (مسلم)

۸۔ بلند مرتبہ | خدمت خلق کی اتنی اہمیت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، "قوم کا سردار اس کا خادم ہوتا ہے۔" حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں سب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بڑھ کر خدمت خلق کرتے رہے۔

عوامل

خدمت خلق کا جذبہ پیدا کرنے والے عوامل و محرکات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ رضائے الٰہی کا حصول پہلی اور بنیادی چیز رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

"ہم تمہیں محض اللہ کی خاطر کھلاتے ہیں۔ تم سے جزا اور شکریہ کی ہم امید نہیں رکھتے۔" (دہر)

۲۔ روحانی تسکین بعض اوقات آدمی روحانی تسکین کے لیے بھی دوسروں کی خدمت اور مدد کرتا ہے۔ وہ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر اگر مدد نہ کرے تو اُسے روحانی کرب محسوس ہوتا ہے۔

۳۔ رحم دلی بعض لوگ فطری طور پر اتنے رحم دل ہوتے ہیں کہ وہ لوگوں کی خدمت کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں کہ دوسروں کا ہاتھ بٹائیں اور ان کے دُکھ درد میں شریک ہوں حتیٰ کہ وہ کسی جانور کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔

۴۔ باطل سے نفرت بعض لوگوں کے دلوں میں اللہ کے دین کے ساتھ بے پناہ محبت اور باطل نظریات، باطل اداروں اور باطل کے مظاہر کے ساتھ اتنی نفرت ہوتی ہے کہ وہ باطل کو آگے بڑھتے ہوئے اور دین کو پسپا ہوتے ہوئے دیکھ ہی نہیں سکتے۔ وہ دین کے ساتھ لوگوں کو وابستہ کرنے اور باطل نظام سے انہیں دُور ہٹانے کے لئے ان کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ خدمت کے ذریعے ان کے اندر دین کی حمیت اور باطل سے عداوت کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

۵۔ رشتہ داروں سے محبت رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک بھی خدمت خلق کے زمرے میں شامل ہے اور اس خدمت کا محرک بعض اوقات اپنے خون سے فطری محبت ہوتی ہے۔

۶۔ نمود و نمائش بعض لوگ اس لئے خدمت خلق کرتے ہیں، ہسپتال اور کالج کھولتے ہیں، یتیم خانوں کو چندے دیتے یا اس طرح کے اور کام کرتے ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کران کے نام کی نمائش ہو۔ اگر یہ موقع انھیں نہ ملے تو وہ اس کام کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ یہ سب خدمتِ خلق کے محرکات وعوامل ہیں لیکن جس جذبے کے تحت اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ملے گا۔ وہ وہی جذبہ ہوگا جس میں نفسانیت نہیں بلکہ للہیت ہوگی۔

مختلف صورتیں اور طریقے

خدمتِ خلق کے مختلف طریقے اور اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں:

۱۔ **تنظیم** | لوگوں کی روحانی و اخلاقی اور مادی ترقی کے لئے تنظیم بنائی جائے۔ اس میں مختلف لوگ شامل ہوں جو اپنے ذرائع مجتمع کر کے خدمتِ خلق وسیع مفہوم میں کریں۔

۲۔ **حکومت** | حکومت اور اس کے مختلف مناصب خدمتِ خلق کا مؤثر ذریعہ ہیں۔ حکومت کے پاس بے پناہ اختیارات ہوتے ہیں جنھیں بھلائی اور برائی دونوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ مناصب ان لوگوں کے پاس ہوں جو خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار ہوں تو ان کے ذریعے بے مثال کام ہو سکتا ہے ورنہ یہ اختیارات رشوت ستانی اور ناجائز طریقے سے اقربا نوازی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

۳۔ **صدقۂ جاریہ** | نیکی کے وہ کام جو ایک شخص کی زندگی کے بعد بھی جاری رہتے ہیں خدمتِ خلق کا ذریعہ ہیں۔ ان سے اس بھلائی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۴۔ **درس گاہیں** | لوگوں کی اخلاقی تربیت اور ان کی سیرت سازی بہترین خدمتِ خلق ہے اس کے لئے درس گاہوں سے بڑا مؤثر کام لیا جا سکتا ہے۔

۵۔ **والدین کی خدمت** | اللہ کے بعد والدین کے حقوق سب سے زیادہ ہیں اور ان کی خدمت خدمتِ خلق کی بہترین شکل ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں اس کے متعلق بڑی تاکید آئی ہے۔ (اس کی تفصیل "حقوقِ والدین" کے باب میں ملاحظہ فرمائیں)

۶۔ **بیوی بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک** | خدمتِ خلق کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے بیوی بچوں کا خیال رکھے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے اور خود ایثار کرتے ہوئے ان کی ضروریات پوری کرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِأَھْلِہٖ — کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جس کا اپنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھر والوں سے سلوک سب سے اچھا ہے۔

(تفصیل "حقوق اولاد" اور "حقوق الزوجین" کے ابواب میں پڑھیے)

۷۔ پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ خدمت خلق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوا جائے، انھیں اذیت نہ پہنچائی جائے۔ ان کے گھر تحفے تحائف بھیجے جائیں اور ان کے بچوں کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آیا جائے۔ قرآن و سنت میں اس کے متعلق جو تاکید کی گئی ہے وہ "ہمسایہ" کے باب میں دیکھیے۔

۸۔ رشتہ داروں سے حسن سلوک خدمت خلق کا ایک طریقہ رشتہ داروں سے حسن سلوک کا ہے۔ قرآن میں عدل اور احسان کے ساتھ قریبی عزیزوں کو دینے کا حکم دیا گیا اور صلہ رحمی کی اس حد تک تاکید کی گئی کہ قطع رحم کو فسق کی علامت ٹھہرایا گیا۔ وضاحت "رشتہ دار" کے باب میں ملاحظہ کیجیے۔

۹۔ معاشرے کے کمزور افراد کی امداد معاشرے کے کمزور افراد مثلاً یتیموں، بیواؤں مسکینوں، مسافروں اور سائلوں وغیرہ کی دستگیری بھی خدمت خلق کی ایک شکل ہے۔ قرآن نے بڑی جامع بات کہی کہ متقی لوگوں کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہوتا ہے۔ ایک دوسری جگہ فرمایا کہ وہ اللہ کی محبت کی وجہ سے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

۱۰۔ مریض کی خدمت بیماروں کی بیمار پرسی اور خدمت بہترین خدمت خلق ہے۔ مرض کی حالت میں آدمی اپنے آپ کے لیے بوجھ بن جاتا ہے اس وقت جو شخص مدد کرتا ہے وہ عظیم احسان کرتا ہے۔ حضورؐ نے مسلمان کے مسلمان پر جو چھ حقوق بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک بیمار کی عیادت ہے۔

ایک حدیث میں حکم دیا کہ:

"بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو۔۔۔۔" (بخاری)

۱۱۔ مہمان نوازی مہمان نوازی بھی خدمت خلق کی ایک صورت ہے۔ حدیث میں اس کی تاکید اس طرح فرمائی کہ:

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے......" (بخاری)

۱۲۔ عام مسلمان بھائیوں کی مدد عام مسلمان بھائیوں کو وقتاً فوقتاً جو چھوٹی موٹی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ ان میں لوجہ اللہ تعاون بھی خدمت خلق ہے۔ حتیٰ کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی صدقہ ہے۔

۱۳۔ عام انسانوں کی خدمت عام انسان مسلمان ہوں یا غیر مسلم اور کسی بھی رنگ، نسل یا ملک سے تعلق رکھتے ہوں ان کے دکھ درد میں شرکت بھی خدمت خلق کا ایک طریقہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اسے گھر لے گئے اور اتنا کچھ دیا جو اس کی ضروریات کے لئے کافی تھا، پھر بیت المال کے خزانچی کو لکھ بھیجا کہ اس شخص اور اس جیسے دوسرے اشخاص کی طرف توجہ کرو۔

جب حضرت عمرؓ دمشق کے سفر پر گئے تو ایک ایسی بستی سے گزرے جہاں کچھ جذام کے مریض عیسائی بستے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کو زکوٰۃ کی مد سے امداد دی جائے اور ان کے لیے راشن جاری کیے جائیں۔

۱۴۔ حیوانوں سے نرم برتاؤ اسلام میں خدمت خلق صرف انسانوں کی خدمت تک محدود نہیں بلکہ حیوانوں کے ساتھ نرمی کا سلوک، ان کے چارے پانی کا اہتمام، ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دینا، بلاضرورت انھیں ذبح نہ کرنا، بوقت ضرورت ذبح کرتے وقت انھیں خواہ مخواہ اذیت نہ پہنچانا، ان کو آپس میں نہ لڑانا، ان کے بچے ان سے علیحدہ کرکے انھیں تکلیف نہ دینا اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کا خیال رکھنا بھی خدمت خلق میں شامل ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث ہیں جن میں سے کتے کو پانی پلانے پر ایک شخص کی مغفرت ہو جانے والی حدیث ہم اسی باب میں درج کر آئے ہیں اور بعض کا ذکر ہم نے احسان کے باب میں کیا ہے۔

۱۵۔ تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹانا کوئی شخص زیادہ استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے دوسری بے شمار صورتوں کے علاوہ راستے کی کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی خدمت خلق اور صدقہ ہے۔

یہ خدمت خلق کی چند صورتیں اور تھوڑے سے طریقے ہم نے بتائے ہیں ورنہ یہ دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ ممکن نہیں۔ ایک طالب علم ساتھی کو کوئی لفظ بتا دینا، کسی بھٹکے ہوئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسافر کو راستہ دکھا دینا، کسی نابینا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کی منزل تک پہنچا دینا، کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر دینا، کسی پیاسے کو پانی پلانا، کسی تھکے ہوئے مسافر کو چارپائی دینا اور ہزاروں دوسری چیزیں خدمت خلق میں شامل ہیں۔

ثمرات و نتائج

خدمت خلق کے ان گنت ثمرات و نتائج ہیں۔ عدل، عفو، احسان اور حسن خلق سب خدمت خلق ہی کی چونکہ مختلف صورتیں ہیں، اس لیے جو ان کے علیحدہ علیحدہ ثمرات اور فضائل ہیں، وہ سب خدمت خلق کے ثمرات و فوائد ہیں ہم اختصار کی خاطر چند ایک یہاں درج کرتے ہیں۔

۱۔ معاشرے کا استحکام

خدمت خلق کا اس دنیا میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جس گاؤں، جس محلے، جس شہر، جس ملک اور جس معاشرے میں یہ وصف پایا جائے۔ وہ گاؤں، وہ محلہ، وہ شہر، وہ ملک اور وہ معاشرہ بہت زیادہ مستحکم ہوتا ہے۔ اس مشینری کا ایک ایک پرزہ دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑ کر کام کرتا ہے کہ پوری مشین بہت مضبوط اور پائیدار ہوتی ہے۔ اس معاشرے میں محبت، الفت، یگانگت، ہم آہنگی، ہمدردی، خیر خواہی اور اتحاد کی فضا ہوتی ہے۔ اس سوسائٹی کا ہر فرد اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرتا ہے۔ اس معاشرے میں آدمی اپنے آپ کو بے یار و مددگار نہیں پاتا۔ وہ نفسیاتی، روحانی، اخلاقی، دماغی اور قلبی بیماریاں عام نہیں ہوتیں جن کا تسلط آج مغرب کی مادہ پرست سوسائٹی میں ساری علمی ترقی اور مادی برتری کے باوجود ہے۔

اس معاشرتی استحکام اور محبت و الفت کی اس فضا کا ذکر احادیث میں بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

"ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی اینٹوں کی مانند ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سنبھالے رکھتی ہیں اور عمارت کو مضبوط کرتی ہیں۔"

(بخاری و مسلم)

ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:

"باہم مودت و محبت، رحمت و شفقت اور لطف و کرم میں مسلمانوں کا حال ایک جسم کا سا ہے کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو بدن عضو عضو اور جوڑ جوڑ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے خوابی اور بخار کے ذریعے اس کا شریک و درد بن جاتا ہے۔"

۲۔ گناہوں کا کفارہ

بے شمار فرائض ایسے ہیں جن میں کوتاہی ہو جائے تو کفارہ، غلام کو آزاد کرنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا مقرر کیا گیا ہے۔ گویا خدمت خلق کو گناہوں کا کفارہ بنایا گیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ حاجت روائی کرتا ہے

خدمت خلق کا یہ فائدہ ہے کہ جو شخص اس کام میں معروف ہوتا ہے اس کی ذاتی محنت کے بغیر اس کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا:

"جو اپنے بھائی کی کوئی ضرورت پوری کر رہا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کر رہا ہوتا ہے۔"

۴۔ بخشش کا ذریعہ

خدمت خلق بخشش اور مغفرت کا ذریعہ بھی ہے اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ایک آدمی بخشا گیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے راستے سے کانٹے دار ٹہنی ہٹا دی تو اس کی مغفرت ہو گئی۔

۵۔ جہاد فی سبیل اللہ، قیام اللیل اور روزے کا اجر

خدمت خلق کا یہ بھی ثمرہ ہے کہ اس سے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے، رات بھر نفل عبادت کرنے اور دن کو نفل روزہ رکھنے کے برابر اجر ملتا ہے۔

حدیث میں ہے:

"بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا اپنے اجر کے اعتبار سے اس شخص کی مانند ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے اور جو دن بھر روزہ رکھتا ہو اور رات بھر نماز پڑھتا ہو"

(مسلم، بخاری، ترمذی، نسائی)

۶۔ سنگدلی کا علاج

سنگدلی لعنت اور نرم دلی رحمت ہے اور سخت دلی کا علاج خدمت خلق ہے۔ حدیث میں ہے،

"ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شقاوت قلب کی شکایت کی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔" (مسند امام احمد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ سیادت کا ذریعہ خدمت سیادت کا ذریعہ ہے۔ مخلوق خدمات کے بغیر بھی سیادت نہیں ملتی اور لوگ دل سے قیادت تسلیم نہیں کرتے۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا :

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ۔ لوگوں کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔

اہم سوالات

۱۔ خدمتِ خلق کے متعلق اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ ان کا اسلام کے بنیادی نظریات سے کیا تعلق ہے؟ (لاہور بورڈ ۱۹۶۳ء)

۲۔ وہ کون سے عوامل اور اسباب ہیں جو خدمت خلق کا جذبہ پیدا کرتے ہیں؟ نیز بتائیے کہ اس کا معاشرہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ (لاہور بورڈ ضمنی ۱۹۶۲ء)

۳۔ خدمت کا مفہوم اور اس کی اہمیت وضاحت سے لکھئے۔

۴۔ خدمتِ خلق کے ثمرات اور معاشرے کے استحکام میں اس کے حصے پر بحث کیجئے۔

۵۔ خدمتِ خلق کی مختلف صورتیں بیان کیجئے۔

۶۔ قرآن وسنت کی روشنی میں خدمتِ خلق پر مختصر مگر جامع مضمون قلم بند کیجئے۔

۷۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی دو پر مفصل نوٹ لکھئے

(ا) خدمتِ خلق (ب) صبر (ج) عدل

(لاہور بورڈ ۱۹۸۰ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان

۱۔ عائلی زندگی اور اس کی اہمیت

۲۔ والدین و اولاد کے حقوق و فرائض

۳۔ زوجین کے حقوق و فرائض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۱

عائلی زندگی

مفہوم عربی میں لفظ "عائلہ" خاندان یا بیوی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ عائلی زندگی کو خاندانی زندگی بھی کہتے ہیں۔

ایک مرد اور عورت جب معروف شرعی طریقے کے مطابق نکاح کر کے باہم مل کر خوشی خوشی زندگی بسر کرتے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا شریفانہ معاہدہ بر سر عام کرتے ہیں تو وہ خاوند اور بیوی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ میاں بیوی اور ان کی اولاد مل کر خاندان بنتے ہیں اور ان کی اجتماعی زندگی کو عائلی زندگی کہتے ہیں۔

عائلی زندگی کے مقاصد

اسلام نے عائلی زندگی کے کچھ مقاصد متعین کئے ہیں۔ جنھیں مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ اخلاق و عفت کی حفاظت انسانی جبلت میں دو بڑے شدید داعیے پائے جاتے ہیں۔ ایک جنسی جذبہ اور دوسرا عزت و آبرو کا احساس۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں داعیوں کو دبانے اور مٹانے کی جتنی بھی کوششیں آج تک کی گئی ہیں، وہ بری طرح ناکام ہوئی ہیں اور آئندہ بھی ناکام ہوں گی۔ عیسائیت اور بعض دوسرے مذاہب نے بڑا زور مار کر انسان کے جنسی جذبے کو ختم کر دیں۔ انھوں نے رہبانیت اور ترک دنیا کی تعلیم دی ہے۔ مگر یہ بات اہل علم سے چھپی ہوئی نہیں کہ یہ تعلیم اور یہ کوشش اپنے مقصد میں کامیاب تو کیا ہوتی، اس کی وجہ سے جنس کے فطری جذبہ نے بالکل غیر فطری، غیر شریفانہ اور بعض حالات میں غیر انسانی راستے اختیار کئے۔ اس کے مقابلے میں مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب نے انسان کو جنس کے مقابلے میں بالکل مادر پدر آزاد کر کے نِرے حیوانی سطح پر لانے کے لیے بہتیرا سر مارا اور انتہائی کوشش کی کہ اس کے دل و دماغ سے حفت و عصمت اور عزت و آبرو کا احساس ختم ہو جائے۔ وہ اپنی بیوی، اپنی بیٹی اور اپنی بہن کسی کے سامنے اسی طرح بے حیائی اور احساسِ فخر کے ساتھ پیش کر سکے، جس طرح وہ کھانے پینے کی چیزیں پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ماننے ہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنی کہ عمومی طور پر انسانی ذہن اور ضمیر اس بات کے لئے آمادہ نہیں ہوا۔ دوسرے کو اپنی بیوی بیٹی اور بہن فخر کے ساتھ پیش کرنے کے لئے بہت کم لوگ اپنے آپ کو آمادہ کر سکے۔

اسلام نے ان دونوں جذبات کی تسکین کے لئے نکاح کو لازمی اور زنا کو حرام قرار دیا اور عائلی زندگی کی بنیاد رکھی۔ اسلام اخلاق کو پوری زندگی کی بنیاد قرار دیتا ہے اور اخلاق و عفت کی حفاظت ہی کے لئے نکاح کا طریقہ رائج کیا گیا کہ انسان کے جنسی جذبہ کی بھی تسکین ہو اور اس کے اخلاق اور عزت و آبرو کی بھی۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اس کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی کتاب "حقوق الزوجین" میں لکھتے ہیں:

"اسلامی قانونِ ازدواج کا پہلا مقصد اخلاق و عفت کی حفاظت ہے۔ وہ زنا کو حرام قرار دیتا ہے اور نوعِ انسانی کی دونوں صنفوں کو مجبور کرتا ہے کہ اپنے فطری تعلق کو ایک ایسے ضابطے کا پابند بنا دیں جو اخلاق کو فحش اور بے حیائی سے تمدن کو فساد سے محفوظ رکھنے والا ہو۔ اسی قرآن مجید میں نکاح کو لفظ احصان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حصن قلعہ کو کہتے ہیں اور احصان کے معنی قلعہ بندی کے ہیں۔ جو مرد نکاح کرتا ہے وہ "محصن" ہے گویا وہ قلعہ تعمیر کرتا ہے۔ اور جس عورت سے نکاح کیا جاتا ہے وہ "محصنہ" ہے یعنی اس قلعہ کی حفاظت میں آگئی ہے جو نکاح کی صورت میں اس کے نفس اور اس کے اخلاق کی حفاظت کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ اسلام کی نگاہ میں سب سے زیادہ اہمیت اس چیز کی ہے کہ مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق میں احصان، یعنی اخلاق اور عفت و عصمت کا پورا پورا تحفظ ہو۔ یہ ایسا مقصد ہے جس کے لئے ہر دوسری غرض کو قربان کیا جا سکتا ہے مگر کسی دوسری غرض کے لئے اس کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔"

نکاح، تحفظِ اخلاق و عصمت کا مقصد پورا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جب کوئی مسلمان نکاح کرتا ہے تو شیطان چیخ اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا برا ہو، اس نے مجھ سے دو تہائی دین بچا لیا۔"

ب۔ افزائش نسل عائلی زندگی کا دوسرا مقصد نسل انسانی کی بقاء اور اس کی افزائش ہے۔ نکاح دراصل اس بات کی ضمانت فراہم کرتا ہے کہ مرد و زن کے اختلاط سے جو بچے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہوگا اس کی پرورش کا بار تنہا عورت یا اکیلے مرد پر نہیں ہوگا بلکہ وہ دونوں مل کر اس کی ذمہ داری اٹھائیں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ انسانی بچے کی پرورش نہ تنہا مرد کر سکتا ہے نہ تنہا عورت یہ کام دونوں کی اجتماعی کوشش اور تعاون ہی سے ہو سکتا ہے اور یہ تعاون نکاح کے شریفانہ معاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر نکاح کا یہ نظام نہ ہو تو انسانی بچے کی پرورش ناممکن اور نسلِ انسانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر قتلِ اولاد اور ضبطِ ولادت کی مہم سے روکا گیا۔ فرمایا:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ — اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (بنی اسرائیل) — نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔

۳۔ بچوں کی تربیت

عائلی زندگی کا تیسرا مقصد بچوں کی صحیح ذہنی، اخلاقی، جسمانی اور روحانی تربیت ہے۔ مغرب میں ماں باپ کے بغیر بچوں کی تربیت کے جو تجربات کیے گئے ہیں ان سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو گئی ہے کہ وہ انسانیت کے بنیادی جوہر سے محروم اور بیشتر حالات میں مجرم اور غنڈے بنتے ہیں۔

گھر کا نظام بچے کی اولین تربیت گاہ ہے۔ ماں اپنی چھاتیوں سے دودھ پلاتے ہوئے محبت پیار اور ایثار کے جذبات بھی گھول کر اس کے اندر ڈالتی جاتی ہے۔ باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا اور اس کے ساتھ ساتھ بوقت ضرورت محبت کی ڈانٹ اور نگرانی بچے کی سیرت بنانے میں بڑا حصہ لیتی ہے۔ بچہ بالکل خام مواد کی حیثیت رکھتا ہے جسے والدین اپنی مرضی کے مطابق سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اسی لیے فرمایا:

"بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں"

قرآن پاک میں ہے:

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو آگ سے بچاؤ یعنی ان کی تربیت ایسی کرو کہ وہ دوزخ سے بچ سکیں۔"

۴۔ سکون

ذہنی سکون اور قلبی اطمینان آدمی کی بنیادی ضرورت بلکہ ساری سرگرمیوں کا مرکز و محور ہے اور یہ سکون حاصل کرنے میں عائلی زندگی بہت معاون ثابت ہوتی ہے۔ دن بھر کے تھکے ہوئے پریشان آدمی کو گھر کے اندر قدم رکھتے ہی بیٹھی مسکراہٹ سے بیوی اپنے خوش آمدید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن تو اس کی ساری کلفتیں دور ہو جاتی ہیں اور وہ چین محسوس کرتا ہے۔ تکلیف کا دور آئے تو میاں بیوی دو مخلص و وفادار ساتھیوں کی طرح اس کا مقابلہ کر لیتے ہیں۔ خوش گوار عائلی زندگی کی نعمت سے جو لوگ محروم ہیں انھیں مشکل ہی سے سکون ملتا ہے۔

اللہ تعالٰے نے اس سکون اور زوجین کے باہمی مودت و رحمت کے تعلق کو اپنی نشانی قرار دیا۔ فرمایا:

"اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے خود تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی ہے۔" (الروم)

۵۔ احساس ذمہ داری پیدا کرنا عائلی زندگی کا مقصد احساس ذمہ داری پیدا کرنا بھی ہے ایک غیر شادی شدہ شخص آزاد منش ہوتا ہے۔ اس کی زندگی غیر مرتب ہوتی ہے۔ وہ معاملاتِ زندگی کے بارے میں زیادہ سنجیدہ نہیں ہوتا۔ اس کی نظر اپنی ذات اور اس کی ضروریات تک محدود ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں شادی شدہ آدمی اپنے اوپر بیوی بچوں کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے اور وہ زندگی کے معاملات میں زیادہ سنجیدہ ہوتا ہے۔ اگر شادی کے باوجود ایک شخص میں سنجیدگی اور احساس ذمہ داری نہ پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ آدمی اس قابل نہیں کہ اس پر کوئی کام ڈال کر اطمینان سے بیٹھا جائے۔

شادی اور عائلی زندگی کی یہی برکت ہے جس کی وجہ سے آنحضرتؐ نے فرمایا:

اِلْتَمِسُوا الرِّزْقَ بِالنِّکَاحِ۔ نکاح کے ذریعے رزق تلاش کرو۔

۶۔ اتباعِ رسولؐ عائلی زندگی کا ایک مقصد اتباعِ رسولؐ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنّت قرار دیتے ہوئے فرمایا جو اس سے روگردانی کرتا ہے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ گویا حضورؐ سے اپنا تعلق قائم رکھنے کے لیے بھی عائلی زندگی ضروری ہے۔

۷۔ مال کی حفاظت عائلی زندگی کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے گھر، اس کے بچوں اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ اس مقصد کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ نے اچھی بیوی کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

• تقویٰ کے بعد صالح بیوی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کہ شوہر اُسے جو (جائز بات) کہے وہ مانے۔ خاوند جب اس کی طرف دیکھے تو اُسے خوشی ہو۔ اگر وہ قسم دے کر اُسے کچھ کہے تو وہ اس کی قسم کو پورا کر دے اور شوہر گھر پر نہ ہو تو اپنی عزت کی اور اس کے مال کی پوری حفاظت کرے۔

۸۔ صحت کی حفاظت غیر شادی شدہ لوگ بعض اوقات خلاف فطرت ضبط اور بعض اوقات غلط کاریوں کی وجہ سے انتہائی خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس کی حقیقت واضح ہوتی ہے جب آدمی یورپ اور امریکہ کے معاشروں کا مطالعہ کرتا ہے کہ کس طرح وہاں ہسٹیریا، آتشک اور سوزاک کے امراض عام ہیں نکاح آدمی کو ان مصیبتوں سے بھی نجات دیتا ہے اور عائلی زندگی کا مقصد صحت کی حفاظت بھی ہے۔

۹۔ معاشرتی استحکام عائلی زندگی کا مقصد معاشرتی استحکام بھی ہے۔ معاشرے کی اکائی خاندان ہے۔ اس کے استحکام سے معاشرہ مستحکم ہوتا ہے۔ خاندان ٹوٹ جائے اور عائلی زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے تو معاشرے کی قدریں کمزور پڑ جاتی ہیں اور معاشرے کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ آپ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ جہاں صحت مند اور مضبوط خاندانی نظام موجود ہے وہاں معاشرے میں زیادہ استحکام ہے اور جہاں یہ عائلی نظام ٹھیک نہیں وہاں معاشرہ کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں۔

اہمیت

اسلام میں عائلی زندگی کی بڑی اہمیت ہے۔ اس سلسلے میں نکاح کے متعلق تاکیدی احکام اور اس کی فضیلت کا ہم ذکر کرتے ہیں:

۱۔ تمام انبیاءؑ کی سنت نکاح تمام انبیاء کی سنت ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً (الرعد)

ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ان کو بیویاں عطا کیں اور اولاد بھی۔

۲۔ ترکِ نکاح خلافِ اسلام ہے اسلام میں ترکِ نکاح کو پرہیزگاری کی علامت نہیں قرار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا گیا، بلکہ اسے ایک غیر اسلامی حرکت ٹھہرایا گیا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

"ترکِ نکاح اسلام میں نہیں ہے۔" (مسند احمد)

ایک اور حدیث میں حضرت سمرہؓ کہتے ہیں:

"رسولِ اکرمؐ نے شادی نہ کرنے اور دنیا سے کٹ جانے سے منع فرمایا۔"

۳۔ سُنّتِ نبویؐ

نکاح سُنّتِ نبویؐ ہے اور عائلی زندگی سے گریز اس سُنّت سے منہ موڑنا ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ تین آدمیوں نے حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کے معمولات کے متعلق سوال کیا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا تو انھوں نے کہا کہ ہم کہاں اور حضورؐ کہاں۔ وہ تو بخشے ہوئے ہیں۔ پس ان میں سے دو نے رات بھر عبادت کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے کا عہد کیا اور ایک نے کہا کہ میں ساری عمر شادی نہیں کروں گا۔ حضورؐ کو ان کے اس فیصلے کا پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا: میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں شادی بھی کرتا ہوں۔ اور جو میرے طریقے سے منہ موڑے، وہ مجھ سے نہیں۔

۴۔ بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا اجر

عائلی زندگی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بیوی بچوں پر خرچ کرنے کو صدقہ قرار دیا۔ حضورؐ نے فرمایا:

"جب ایک مسلمان اللہ کے ہاں سے ثواب کی نیت سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔" (بخاری)

۵۔ جنسی تعلق بھی صدقہ ہے

عائلی زندگی اور میاں بیوی کے تعلقات کی اہمیت واضح کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا:

"بیوی سے ہم بستری کرنا بھی صدقہ ہے۔" (مسلم)

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

"ازدواجی تعلق سے کنارہ کش ہو کر محض عبادت میں لگے رہنے سے افضل یہ ہے کہ آدمی اس تعلق میں مصروف ہو۔"

ان تعلیمات کی ضرورت اس لیے پڑی کہ بعض مذہبی لوگ اس زندگی کو دنیاداری اور اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بے تعلقی کی زندگی سمجھتے ہیں۔

۶۔ نکاح کا وجوب اخلاق اور عزت و عصمت کی حفاظت ہر چیز سے مقدم ہے۔ اسی لیے زنا کی سزا سنگسار کر کے مار ڈالنا یا رجم کرنا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر نکاح اور عائلی زندگی کو اتنا اہم بنا دیا گیا ہے کہ حنفی اور مالکی فقہا کے نزدیک نکاح اس وقت فرض ہو جاتا ہے۔ جب کوئی آدمی معاشی اور جسمانی طور پر نکاح کے قابل ہو اور شادی نہ کرنے کی صورت میں بدکاری کر بیٹھنے کا اسے یقین ہو۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک بدکاری کے اندیشے میں بھی نکاح واجب ہو جاتا ہے چاہے ایک شخص کے پاس نان و نفقہ کا انتظام بھی نہ ہو۔

۷۔ بیوگان کے نکاح کی تاکید عائلی زندگی کی اہمیت اس حد تک ہے کہ کسی عورت کے خاوند کا انتقال ہو جائے یا اسے طلاق مل جائے تو اس کا دوسرا نکاح ضروری قرار دیا گیا۔ قرآن پاک میں واضح طور پر کہا گیا کہ "جو تم میں سے بے خاوند عورتیں ہیں (یعنی بیوہ یا مطلقہ ہیں) ان کا نکاح کر دو۔"

اس سلسلے میں چند عملی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن حضرت حمنہؓ کا پہلا عقد حضرت مصعب بن عمیرؓ سے ہوا۔ پھر دوسرا نکاح حضرت طلحہؓ بن عبد اللہ سے ہوا۔

۲۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی شادی حضرت جعفر طیارؓ سے ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان سے نکاح کیا۔ جب حضرت صدیقؓ رحلت فرما گئے تو وہ حضرت علیؓ کے عقد میں آئیں۔

۳۔ حضرت حسینؓ کی ایک بیٹی حضرت فاطمہ ثانیہ کا پہلا نکاح حضرت حسن بن حسن مثنیٰ سے اور دوسرا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عثمان غنیؓ سے ہوا۔

۴۔ سکینہ بنت حسینؓ کی پہلی شادی عبد اللہ بن حسنؓ سے ہوئی۔ اور ان کے انتقال کے بعد عبد اللہ بن عمر بن حکیم بن حزام سے ان کا عقد ہوا۔

کامیاب عائلی زندگی کی شرائط

بعض شرائط ہیں جن پر عائلی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ یہ شرطیں پوری نہ ہوں تو گھر ... زندگی ... ہیں۔ ... خاوند، بیوی اور بچوں کی صلاحیتیں، جذبات و سکون تباہ ...

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دماغ جل جل کر بھسم ہوتا رہتا ہے۔

۱۔ کفاءت کامیاب عائلی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ خاوند اور بیوی اپنے اخلاق میں، اپنی دینداری میں، اپنے خاندانوں کے طور طریقوں میں، اپنی معاشرت میں، اپنے ذہنی معیار کے لحاظ سے، اپنی تعلیمی استعداد کے اعتبار سے اور اپنے مزاج کے نقطۂ نظر سے ایک دوسرے سے مشابہت یا کم از کم قریبی مماثلت رکھتے ہوں۔ اسے فقہ کی اصطلاح میں کفاءت (ہمسری) کہتے ہیں اور فقہ میں یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ شادی کفو (ہمسر) کے ساتھ ہو۔

۲۔ مودّت و رحمت دوسری شرط یہ ہے۔ مرد اور عورت ایک دوسرے سے محبت اور قلبی تعلق رکھتے ہوں۔ ان کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں اور ظاہری شکل و صورت اور ذہنی و قلبی صلاحیتوں اور خوبیوں کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوں۔ اس لیے شریعت نے شادی سے پہلے ان سارے پہلوؤں کو شریفانہ انداز میں مناسب طریقے سے جانچ پرکھ لینے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کی تاکید کی ہے اور اس سلسلے میں احادیث کثرت سے ہیں۔

۳۔ دائرۂ کار کا تعین خوشگوار عائلی زندگی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مرد اور عورت کا دائرۂ کار اور پوزیشن متعین ہو۔ اسلام نے اس سلسلے میں بڑی واضح ہدایات دی ہیں۔ مرد کا فریضہ باہر کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا، نان و نفقہ کا اہتمام کرنا اور گھر کی بحیثیت مجموعی حفاظت و نگرانی کرنا ہے جب کہ عورت کا فرض گھر کے اندرونی معاملات کی نگہداشت، بچوں کی پرورش و تربیت اور خاوند کو سکھ اور چین پہنچانا اور جائز کاموں میں اس کی اطاعت کرنا ہے۔

جن معاشروں میں اس تقسیم کار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے وہاں گھر برباد ہو گئے ہیں اور عائلی زندگی ایک مجسم عذاب کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

۴۔ جذبات کا خیال چوتھی چیز ایک دوسرے کے جذبات اور احساسات کا پاس اور لحاظ ہے۔ میاں اور بیوی میں سے ہر کوئی یہ کوشش کرے کہ دوسرے کے جذبات مجروح نہ ہونے پائیں۔ اس سلسلے میں زیادتی عام طور پر مردوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت خصوصی فرمائی کہ:

رُفقاً بالقوارير — ان آبگینوں سے نرمی کا سلوک کیا کرو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ اخلاق کی پاکیزگی کامیاب گھریلو زندگی کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ ایک مرد اور عورت پاک باز، باعصمت اور باحیا ہوں اور اس سلسلے میں انھیں ایک دوسرے پر پورا اعتماد ہو۔ مرد کو معلوم ہو کہ اس کی بیوی کے جسم کو کوئی اور ہاتھ چھوتا تک نہیں اور بیوی کو یقین ہو کہ اس کے خاوند کی نظریں کسی اور طرف نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں اگر میاں بیوی کے درمیان شکوک و شبہات کی فضا ہو تو گھر کی فضا سے سکون نام کی چیز رخصت ہو جاتی ہے۔

۶۔ مرد اور عورت کے والدین کا رویہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض جوڑے آپس میں بڑی مناسبت رکھتے ہیں۔ وہ خوش زندگی گزارنا چاہتے ہیں لیکن لڑکے یا لڑکی کے والدین میں سے کوئی ایسی باتیں کرتا ہے یا ایسا رویہ اختیار کرتا ہے کہ دل پھٹ جاتے ہیں اور نباہ مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ میاں بیوی میں کسی بات پر اختلاف یا جھگڑا ہو گیا اور ایسا کس گھر میں نہیں ہوتا۔ لیکن اس بات کو ختم کرنے کی بجائے والدین اندھی محبت یا ذاتی رنجشوں اور اختلافات کی وجہ سے مسئلے کو بالکل الجھا کے رکھ دیتے ہیں۔

سوالات

۱۔ عائلی زندگی یا مجلسی زندگی میں سے کسی ایک کے بنیادی مقاصد تحریر کیجیے اور اپنے جواب میں اسلامی نکر و نظر کی وضاحت کیجیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۳، ۱۹۶۴ء)

۲۔ گھریلو زندگی کا بنیادی مقصد کیا ہے اس میں ایک مسلمان ماں کے فرائض کیا ہیں؟ (لاہور بورڈ ۱۹۶۳ء ضمنی امتحان)

۳۔ منزلی (گھریلو) زندگی کی اہمیت اور اس کے مقاصد پر قرآن و سنت کی روشنی میں مفصل مضمون تحریر کیجیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۶ء)

۴۔ عائلی زندگی سے کیا مراد ہے؟ اس کی کامیابی کا انحصار کن عوامل پر ہے؟ بحث کیجیے۔

۵۔ اسلام میں گھریلو زندگی کی نوعیت اور مقاصد تفصیل سے بیان کیجیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۸ء)

۶۔ اسلام میں عائلی زندگی کی نوعیت اور مقاصد پر بحث کیجیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۹ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲

خاوند اور بیوی کے حقوق و فرائض

پچھلے باب میں ہم عائلی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کر آئے ہیں۔ اس میں نکاح کے لو مقاصد پر وضاحت سے گفتگو کی گئی ہے۔ ہم نے تفصیلاً بتایا ہے کہ نکاح اور عائلی زندگی کی اہمیت اسلام میں کیا ہے اور کیوں ہے وہاں ہم نے ان شرائط اور عوامل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ جن پر خاندانی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ ان چیزوں کو یہاں دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس باب میں ہم خاوند اور بیوی کے حقوق و فرائض پر بحث کریں گے۔

مفہوم زوجین تثنیہ ہے زوج کا۔ زوج کے معنی ہیں جوڑا، خاوند اور بیوی۔ حقوق، حق کی جمع ہے۔ حق کے معنی ہیں، سچی بات، حقیقت، عدل و انصاف۔ یہاں حق سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ایک شخص دوسرے سے وصول کر سکتا ہے اور اس سلسلے میں اسے معاشرہ، اخلاق اور قانون کی طرف سے حمایت حاصل ہو۔

فرائض، فرض یا فریضہ کی جمع ہے۔ اس کا مطلب ہے ضروری چیز جس کا پورا کرنا شرعی اور قانونی طور پر لازمی ہو۔ یہاں اس سے مراد خاوند یا بیوی کی وہ ذمہ داریاں ہیں جن کا نباہنا عرف، شریعت اور قانون کی رُو سے اس پر واجب ہے اور اس میں کوتاہی کرنے کی صورت میں فریق ثانی کو اس کے خلاف مناسب اقدام کرنے کا حق حاصل ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ خاوند کے جو حقوق ہیں وہی بیوی کے فرائض ہیں اور بیوی کے جو حقوق ہیں وہی خاوند کے فرائض ہیں۔

خاوند کے فرائض اور بیوی کے حقوق

۱۔ بیوی کی حفاظت مرد کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ بیوی کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور مجموعی طور پر بیوی کے جملہ امور کی نگرانی کا خاوند ذمہ دار ہے۔ مشہور آیت ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (النساء) نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

قوام کے معنی ہیں سربراہ، محافظ، نگران اور معاملات کا منتظم۔

یہ قوام ہونا جہاں مرد کے لئے ایک طرف استحقاق ہے وہاں دوسری طرف اس سے اس پر فرائض بھی عائد ہوتے ہیں۔

۲۔ مہر مرد کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت جو مہر مقرر کیا گیا ہو، وہ ادا کرے۔ مہر کی کوئی حد متعین نہیں کہ وہ کم یا زیادہ ہو، یہ خطیر رقم بھی ہو سکتی ہے اور متعین طور پر کچھ پڑھانے سکھانے کا مہر بھی مقرر ہو سکتا ہے۔ لیکن نکاح کے وقت جو کچھ بھی مہر مقرر ہو گیا ہو، مرد کا یہ فرض ہے کہ وہ خوشدلی سے دے اور بیوی کا یہ حق ہے کہ اسے وصول کرے۔ بیوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر خاوند اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کرے تو وہ وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی سے انکار کر دے۔ ہاں بیوی چاہے تو اپنی مرضی سے وہ مہر معاف بھی کر سکتی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے،

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا۔ (النساء)

اور عورتوں کے حق مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی مرضی سے کچھ معاف کر دیں تو وہ تم خوشی خوشی کھا سکتے ہو۔

ایک جگہ فرمایا:

وَّاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (النساء)

اور معروف طریقے سے ان کے مہر ادا کرو

۳۔ نفقہ شوہر کا تیسرا فرض، جو بیوی کا حق ہے، نان و نفقہ کی فراہمی ہے۔ عائلی زندگی کی کامیابی کی شرائط بیان کرتے ہوئے ایک شرط ہم نے یہ لکھی تھی کہ مرد اور عورت کا دائرہ کار متعین ہو۔ اسلام نے اس چیز کو پوری طرح مدنظر رکھا ہے اور میاں بیوی کی حدود کار واضح طور پر مقرر کر دی ہیں۔ عورت کی ذمہ داری خانگی معاملات سے متعلق ہے اور مرد کا کام کمانا اور اپنے اہل کے لیے ضروریات زندگی مہیا کرنا ہے۔ جسے اصطلاح میں نان و نفقہ کی فراہمی کہتے ہیں۔ اگر شوہر اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے تو قانون اس کو ادا کرنے پر مجبور کریگا اور بصورت انکار یا بصورت عدم استطاعت اس کا نکاح ختم کر دے گا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ نان و نفقہ کا معیار متعین کرنا بیوی کا کام نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ یہ کہے کہ مجھے رہنے کے لیے شیش محل، کھانے کے لیے مرغ پلاؤ و پہننے کے لیے زرق برق لباس اور بناؤ سنگار کے لیے سرخی پاؤڈر مہیا کرو، نہیں تو میں خلع کا دعویٰ کرتی ہوں۔ معیار کا تعین خاوند اپنے حالات کے مطابق کرے گا اور اس کے معاشی حالات جس طرح کے ہوں گے اسی لحاظ سے اس سے مطالبہ ہوگا۔

قرآن پاک نے اس بارے میں یہ قاعدہ کلیہ بتا دیا ہے :

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۔ — مال دار پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ ہے اور مفلس پر اس کی استطاعت کے مطابق

۴۔ بیویوں میں عدل

اسلام چونکہ زنا کو انسانی معاشرے کے لیے دینی، اخلاقی، روحانی اور تہذیبی و تمدنی لحاظ سے مہلک سمجھتا ہے اور اسے ہر قیمت پر بند کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے جہاں ایک طرف بدکاری کو قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے اور اس کی سزا شادی شدہ مرد یا عورت کے لئے پتھر مار مار کر ختم کر دینا رکھی ہے، وہاں اس بات کا بھی اہتمام کیا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر جن کا فیصلہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق خود کرتا ہے، اگر کوئی آدمی ضرورت محسوس کرے تو اسے بیک وقت چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس میں یہ کڑی شرط عائد کر دی گئی کہ ان بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں عدل کو مدنظر رکھنا ضروری ہوگا۔ اس صورت میں کسی ایک بیوی کی طرف مائل ہو کر دوسری بیوی یا بیویوں کو معلق چھوڑنا ظلم ہے جسے قرآن پاک میں واضح الفاظ میں ناجائز ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشاد ہے :

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۔ (النساء) — کسی ایک بیوی کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلق چھوڑے رکھو۔

قرآن پاک میں تعدد ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ دی گئی ہے اور صاف حکم دیا گیا ہے کہ اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی بیوی رکھو۔ فرمایا :

" اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو " (النساء)

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ قرآن پاک میں جس عدل کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ دلی محبت میں مساوات نہیں ہے کیونکہ یہ مساوات تو نہ ممکن ہے نہ مطلوب۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ — تم چاہو تو بھی بیویوں کے درمیان محبت کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (النساء) بارے میں مساوات نہیں کر سکتے۔

مرد کو جس بات کی تکلیف دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نفقہ، معاشرت اور تعلقات زن و شوہر میں ان کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔

اس سلسلے میں بہترین نمونہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا۔ آپ نے ہفتے کے دن اپنی ازواج مطہرات میں تقسیم کر رکھے تھے اور جس دن جس بیوی کے ہاں ٹھہرنے کی باری ہوتی اس دن اگر ضرورت ہوتی تو بھی اس کی اجازت کے بغیر کہیں اور نہ جاتے۔ اگر سفر پر جانا ہوتا تو قرعہ کے ذریعے فیصلہ فرماتے کہ ساتھ کس زوجہ مطہرہ کو جانا ہے۔

۵۔ جنسی تسکین

مرد اور عورت میں جنسی جذبہ ایک فطری امر ہے اور یہی جذبہ عائلی زندگی کی بنیاد بھی بنتا ہے۔ مرد کا یہ فرض ہے کہ وہ بیوی کی اس فطری ضرورت کو پورا کرے۔ ایک صحابیؓ رات بھر نفل پڑھتے رہتے تھے۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو آپؐ نے بلا کر ان سے کہا کہ "تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔" (بخاری)

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبے کے دوران فرمایا:

وَحَصِّنُوْا فُرُوْجَ هٰذِهِ النِّسَآءِ ان عورتوں کی شرمگاہوں کو محفوظ رکھو۔

یعنی مرد پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کی عصمت کا سامان کرے اور اسے بے راہ روی سے بچائے۔

امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے:

"مرد پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے سے اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کرے۔ یہ بیوی کا نہایت ہی مؤکد حق ہے۔ نان و نفقہ سے بھی زیادہ اہم حق ہے۔" (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۸۷)

حافظ ابن قیمؒ "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں کہ:

"بیوی کا خاوند پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ فطری طریقہ پر ہم بستری کرے۔"

۶۔ چار ماہ سے زیادہ قطع تعلق کی ممانعت

عورت کی جنسی تسکین اس کا حق اور مرد کا فرض ہے۔ اسی لیے شریعت کی طرف سے ایسی قانونی پابندیاں عائد کی گئیں جو مرد کو اس فریضے کی ادائیگی پر مجبور کرتی ہیں۔ مثلاً عورت کے اس فطری داعیہ کو پورا کرنے سے کسی جائز عذر (جیسے مرد یا عورت کی بیماری، مرد کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالت سفر یا جیل میں ہونا یا کوئی ایسی صورت پیش آجانا جس میں مرد اپنی بیوی کی طرف رغبت رکھتا ہو مگر اس کے پاس جانے کا موقع نہ ہو) کے بغیر پہلو تہی کرنے کے لیے اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار ماہ کی مدّت رکھی ہے۔ اس مدّت کے اندر مرد پر لازم ہے کہ وہ بیوی کی طرف رجوع کرے ورنہ اس کے بعد اسے رخصت کر دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ ارشادِ ربانی ہے:

"جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ طلاق کا عزم کر لیں تو اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔" (بقرہ)

۷۔ ایذا رسانی اور زیادتی کی ممانعت

خاوند کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کو بلا وجہ تکلیف نہ پہنچائے اور اس پر زیادتی نہ کرے۔ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو پسند نہ کرتا ہو تو اس کا اخلاقی فرض ہے کہ ایذا رسانی اور ظلم و تعدی کی بجائے بھلے مانسوں کے طریقے سے اُسے رخصت کر دے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا۔	اور عورتوں کو ستانے اور زیادتی کرنے کے لئے نہ روک رکھو۔ جو ایسا کرے گا، وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ۔

ستانے اور زیادتی کرنے میں روحانی، ذہنی اور جسمانی اذیتیں اور زیادتیاں شامل ہیں۔ جو شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اس قسم کا رویّہ اختیار کرے، وہ اپنی جائز حدود سے تجاوز کرتا ہے اور ایسی صورت میں عورت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ قانون کی مدد سے کر اس مرد سے چھٹکارا حاصل کرلے۔

۸۔ حُسنِ سلوک

عورت بڑے لطیف جذبات و احساسات رکھتی ہے۔ معاملات میں بدمزگی اس کے جذبات کے آبگینوں کو چُور چُور کر سکتی ہے اس لئے مرد کی ذمہ داری صرف اتنی ہی نہیں کہ وہ بیوی پر زیادتی نہ کرے اور اسے ایذا نہ پہنچائے بلکہ مثبت طور پر یہ اس کا فرض ہے کہ بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔	اپنی بیویوں کے ساتھ بھلے طریقے سے رہا کرو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ:

”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا سلوک اپنے گھروالوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو۔“

حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے تاکید کے ساتھ فرمایا،

”عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔“

خود حضورؐ نے اس سلسلے میں بہت ہی اہم نمونہ پیش فرمایا۔ جو چیزیں ازواج مطہرات کو مزاج کے اعتبار سے ناگوار ہوتیں، آپؐ ان سے بچنے کی کوشش فرماتے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے میرے ساتھ ایک دفعہ صحن میں دوڑ لگائی۔ میرا جسم اس وقت دبلا پتلا تھا اس لئے میں آگے بڑھ گئی۔ کچھ عرصہ بعد پھر ہم نے دوڑ لگائی۔ اس وقت میرا جسم فربہ ہو چکا تھا، اب کے حضورؐ آگے بڑھ گئے۔ آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: عائشہؓ! یہ اسکا بدلہ ہے۔“ (مسند احمد)

اس طرح کے بے شمار واقعات کتب احادیث میں ملتے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کا سلوک اپنی ازواج مطہراتؓ سے کتنا اچھا تھا۔ آپؐ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ان کی سہیلیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے۔ جب کبھی آپؐ بکری ذبح کرتے تو ان کے گھروں میں بھی گوشت بھجواتے۔

۹۔ صبر اور برداشت

ایک گھر میں زندگی بسر کرتے ہوئے اختلاف رائے کا پیدا ہو جانا اور ناگوار چیزوں کا سامنے آنا ناگزیر امر ہے۔ ان حالات میں مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صبر سے کام لے اور معاملات کو الجھانے کی بجائے سلجھانے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو زیادہ ہمت اور حوصلہ دیا ہے۔ اور یہی اس کی خوبی ہے۔ اس کے مقابلے میں عورت فطری طور پر نسبتاً جذباتی ہے اور اسی میں اس کا حسن ہے۔ اس لئے فطری طور پر مرد کو چاہئے کہ زیادہ حلم اور حوصلے سے کام لے اور جذبات کی رو میں نہ بہہ نکلے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

”عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے، تم اسے سیدھا نہیں کر سکتے۔ چاہو تو اس کے ٹیڑھے کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ تم اسے زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔“ (مسلم)

اس سلسلے میں ... نمونہ یہ ہے کہ جب فتوحات کثرت سے ہوئیں۔ مال غنیمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فراوانی سے آیا، تو ازواج مطہرات نے ایکا کر کے آپؐ سے مطالبہ کیا کہ فراخی کے اس دور میں ان کے لئے کچھ نہ کچھ مادی ضروریات و آسائشات فراہم کی جائیں۔ حضورؐ کو یہ بات سخت ناگوار گزری مگر آپؐ نے کسی بیوی پر کسی قسم کی کوئی سختی نہیں کی اور حکم الہیٰ کے تحت انہیں اختیار دیا کہ چاہیں تو اسی حالت پر راضی رہیں اور حضورؐ کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں اور چاہیں تو طلاق لے کر احسن طریقے سے رخصت ہو جائیں۔

۱۰۔ آخرت سنوارنے کی کوشش

مرد گھر کا قوام و نگران ہے۔ جہاں اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی بچوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کے ذمے یہ بات بھی ڈالی کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کی تربیت اس انداز میں کرے۔ ان کے لیے تعلیم و تفریح اور کام کاج کا ایسا ماحول مہیا کرے اور ان کے سامنے اپنا عملی نمونہ ایسا پیش کرے کہ وہ اللہ کی رضا کے حقدار بن سکیں اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ ارشاد ہے

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ اپنے آپ کو اور اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ۔ (تحریم)

۱۱۔ بیوی کا حق خلع

اگر خاوند کے ظلم و زیادتی، ناجائز ایذا رسانی، اس کی بد اخلاقی ناقابل برداشت حد تک بدصورتی یا کسی اور معقول وجہ کی بنا پر میاں بیوی کا اکٹھے زندگی گزارنا ممکن نہ ہو اور خاوند طلاق دینے کے لیے آمادہ نہ ہو تو بیوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور قاضی باقاعدہ تحقیق کر کے معاملہ نپٹا لے۔ حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیویاں جمیلہ بنت ابی سلول اور حبیبہ بنت سہل انصاریہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے مقدمات لائیں اور حضورؐ نے دونوں دفعہ حضرت ثابت کو حکم دیا کہ وہ طلاق دے دیں۔

۱۲۔ حق وراثت

اسلامی شریعت نے بیوی کو خاوند کی جائداد میں وارث بنایا ہے اور اس کی تفصیل احکام قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی کے فرائض اور خاوند کے حقوق

۱۔ اطاعت

بیوی کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ معروف کاموں میں خاوند کی اطاعت کرے۔ اسلامی معاشرت کا جو نقشہ ہے اس میں مرد قوام ہے یعنی عورت پر اسے حاکمانہ اختیارات حاصل ہیں۔ اس لئے قرآن وسنت میں بیوی کو بڑی تاکید کی گئی کہ وہ شوہر کے احکام مانے۔ قرآن پاک میں نیک بیویوں کی پہلی خصوصیت یہ بتائی گئی کہ وہ "قانتات" یعنی فرمانبردار ہوتی ہیں۔ حضورؐ نے اس کی اطاعت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کو سجدہ کرے۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے صالح بیوی کو ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت کہا اور اس کی پہلی خصوصیت یہ بتائی کہ "جب وہ اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے"۔

(ابن ماجہ)

خاوند کی اطاعت کے بارے میں آنحضرتؐ نے یہاں تک فرمایا کہ:

"دو قسم کے انسانوں کی نماز اُن کے سروں سے اُوپر نہیں جاتی (یعنی وہ بارگاہِ الٰہی میں نہیں پہنچتی) ایک وہ غلام جو اپنے آقا سے بھاگ گیا ہو اور دوسری وہ بیوی جس نے اپنے خاوند کی نافرمانی کی ہو یہاں تک کہ وہ اپنی حرکت سے رجوع کرلیں"۔ (الترغیب والترہیب بحوالہ طبرانی وحاکم)

اگر عورت نافرمان ہو تو شریعت نے خاوند کو چہرے کے علاوہ جسم کے باقی حصوں پر مارنے اور چار ماہ سے کم مدت کے لئے ان سے سزا کے طور پر ہم بستری ترک کردینے کا حق دیا ہے۔

۲۔ گھر کی دیکھ بھال

عورت کی اصل ذمہ داری گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش و تربیت ہے۔ اس لئے کسی ریاست، کسی معاشرہ، کسی انجمن اور ایسوسی ایشن اور خود اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ گھر کو اُجاڑ کر زندگی کے دوسرے شعبوں کے بناؤ سنگار میں لگ جائے۔ اگر وہ اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرکے سیاست و معیشت اور فلسفے کی گتھیاں سلجھانے میں لگ جائے اور وسیع معاشرتی دائرے میں اپنی [illegible] کی نظر میں یہ معصیت ہے۔ قرآن کا واضح حکم ہے:

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ۔   تم اپنے گھروں میں رہو۔

حضورؐ کا ارشاد ہے:

"عورت پوشیدہ رکھنے والی مخلوق ہے۔ جب وُہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف جھانکتا ہے۔" (ترمذی)

حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ: "عورت چھپا کر رکھنے والی چیز ہے تم اسے گھروں میں رکھو۔"

۳۔ گھر سے نکلنے کے لئے خاوند کی اجازت

خاوند کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وُہ بیوی کو بلا ضرورت گھر سے نکلنے سے منع کرے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

"مردوں کو اپنی بیویوں کو گھر سے نکلنے سے منع کرنے کا اختیار ایک طے شدہ امر ہے۔" (فتح الباری)

فقہاء حنفیہ نے اس مسئلے کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے۔

"چند گنے چنے اسباب کے سوا عورت کو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنے کا حق نہیں۔ ان اسباب میں سے ایک یہ کہ وُہ ایسے مکان میں ہو جس کے گرنے کا خطرہ ہو۔ ایک یہ کہ کوئی مسئلہ پیش آجائے اور خاوند فقیہ نہ ہو تو وہ بلا اجازت علمی مجالس کی طرف رُخ کر سکتی ہے اسی طرح اس پر حج فرض ہو جائے اور کوئی محرم بھی موجود ہو تو شوہر اسے جانے کی اجازت دے سکتا ہے اور اس سے وُہ گنہگار نہ ہوگا۔ اسی طرح والدین کی ملاقات، ان کی عیادت، تعزیت اور محرم رشتہ داروں سے ملنے جُلنے کے لئے بھی وہ شوہر کی اجازت کی پابند نہیں۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۴۴۳)

۴۔ اختلاط سے اجتناب

اُوپر جو گزارشات ہم نے کی ہیں ان سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیوی کا اصل دائرۂ کار گھر ہے۔ ہاں وہ خاوند کی اجازت سے گھر سے باہر بھی مختلف تعلیمی، دینی اور سماجی کاموں میں حصّہ لے سکتی ہے۔ لیکن قرآن وسنّت نے اس پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ اس صورت میں بھی وُہ مخلوط محفلوں میں شریک نہیں ہوگی اور غیر محرم مردوں سے ملنے سے وُہ گریز کرے گی۔ اسلام میں کسی مشترک ثقافتی پروگرام مرد وعورت کے مصافحے یا مخلوط تعلیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ آنحضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسی معصوم ہستی کا یہ حال تھا کہ بیعت لیتے وقت بھی عورتیں پردے کے پیچھے ہوتیں اور آپؐ ان سے ہاتھ نہ ملاتے۔ وعظ کی مجلسوں میں ان کے لئے الگ جگہ ہوتی۔ نماز میں ان کی صفیں بچوں سے بھی پیچھے ہوتیں۔ نماز ختم ہوتے ہی پہلے خواتین نکل جائیں، بعد میں مرد نکلتے۔ نماز میں امام اگر بھول جائے تو عورتوں کے لیے زبان سے سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہنا ٹھیک نہیں۔ وہ اس صورت میں تالی بجائیں گی۔ غیر محرموں سے اجتناب کی اس حد تک تاکید ہے کہ ایک نابینا صحابی ابن ام مکتومؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو پردے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا وہ تو نابینا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تم تو نابینا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جن عورتوں کے ساتھ محرم نہ ہو، ان کے ہاں مت جاؤ، کیونکہ شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

۵۔ جنسی تسکین

نکاح کا بہت بڑا مقصد تو عفت و اخلاق کی حفاظت ہے لیکن اگر مرد یا عورت کی جنسی تسکین نہ ہو تو یہ مقصد فوت ہونے کا شدید اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے جس طرح مرد کا یہ فرض ہے کہ وہ معروف طریقے سے بیوی سے ہم بستری کرے۔ اسی طرح بیوی کا یہ فرض ہے کہ وہ خاوند کے جنسی جذبات کی تسکین میں تعاون کرے۔ اس بارے میں نبی کریمؐ نے وضاحت سے ہدایات دی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

۱۔ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو ہم بستری کے لیے بلائے اور وہ نہ آئے اور اس وجہ سے خاوند رات بھر خفا رہے تو ایسی عورت پر فرشتے صبح تک لعنت بھیجتے ہیں۔
(بخاری، مسلم، ابوداؤد)

۲۔ جب خاوند بیوی کو ہم بستری کے لیے بلائے تو اسے فوراً آجانا چاہئے، خواہ وہ کھانا ہی کیوں نہ پکا رہی ہو۔ (ترمذی)

۳۔ "عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں رمضان کے سوا نفلی روزہ اس کی اجازت کے بغیر ایک دن بھی نہ رکھے۔"

۶۔ زیبائش و آرائش

اسلام نے غیر محرم کے سامنے بن سنور کر جانے سے عورت کو منع کیا ہے۔ اسی طرح بیوی کو یہ ہدایت کی کہ وہ خاوند کے سامنے زیبائش و آرائش کے ساتھ آئے تاکہ ان میں کشش و جذب بڑھے۔ دورِ اول کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بیویاں اپنے خاوندوں کی خاطر بناؤ سنگار کا انتظام کرتی تھیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بیوی کو اسباب زینت سے خالی پایا تو انہوں نے فوراً دریافت فرمایا، کیا عثمانؓ کہیں سفر پر گئے ہوئے ہیں۔ (مسند احمد)

امام شوکانی نیل الاوطار میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا تعجب سے پوچھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ سہاگنوں کا اپنے شوہروں کے لئے زیب و زینت کرنا پسندیدہ ہے۔

۷۔ عزت و آبرو کی حفاظت

بیوی کا یہ فرض ہے کہ وہ شوہر کی عزت و آبرو کی، جو اس کی اپنی عزت و آبرو ہے، حفاظت کرے۔ ایک غیرت مند شخص کے لئے بیوی کی باقی ہر چیز قابل برداشت ہو سکتی ہے لیکن یہ بات وہ ایک لمحہ کے لئے سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس کی بیوی کی کسی دوسرے کے ساتھ بھی آشنائی ہو۔ اسی وجہ سے شریعت نے عورت کا یہ فرض اور خاوند کا یہ حق قرار دیا ہے کہ بیوی اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرے۔ قرآن پاک میں نیک بیویوں کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی حفاظت کے تحت غیب کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں۔ یہ بڑی جامع بات ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں ہر اس چیز کی حفاظت کرتی ہیں جو خاوند کی ہے اور ان کے پاس بطور امانت ہے۔ اس میں خاوند کے نسب، اس کی آبرو، اس کے مال اور اس کے رازوں کی حفاظت بھی کچھ آجاتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی بہترین بیوی کی ایک علامت یہ بتائی کہ جب خاوند غائب ہو تو وہ اپنے نفس میں خاوند کے حق (یعنی عفت و عصمت) کی حفاظت کرتی ہے۔

۸۔ مال کی حفاظت

عورت خاوند کے مال کی امانتدار ہے اور اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے۔ حضورؐ نے اچھی بیوی کی ایک صفت یہ بھی بتائی کہ خاوند کی عدم موجودگی میں وہ اس کے مال کی حفاظت کرتی ہے۔ اس معاملے میں یہاں تک احتیاط کی گئی کہ خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی کو اس کے مال میں سے صدقہ کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

"عورت خاوند کے گھر میں سے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر صدقہ نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو اجر شوہر کو ملے گا اور گناہ بیوی کو ہوگا۔"

ہاں عورت کو یہ حق ہے کہ اگر خاوند بخیل ہو تو وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات معروف طریقے سے پوری کر سکتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹- خدمت اطاعت کا دائرہ اگرچہ خاصہ وسیع ہے اور خدمت اس میں شامل ہے تاہم اسے علیحدہ درج کرنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ حکم کے تحت کوئی کام کرنا اور چیز ہے اور خود خیال کر کے کسی کو راحت اور سکون پہنچانا ایک دوسری چیز ہے۔ بیوی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خاوند کو ہر ممکن طریقے سے آرام اور سکون پہنچائے اور اس کے فرائض کی انجام دہی میں اس کے ساتھ تعاون کرے۔

۱۰- خاوند کے رشتہ داروں اور دوستوں سے حسن سلوک بیوی کو چاہیئے کہ وہ خاوند کے رشتہ داروں اور اس کے دوستوں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اس کے مہمان آئیں تو خوشدلی سے ان کی مہمان نوازی کرے۔

۱۱- طلاق اگر کبھی عورت اور مرد میں نباہ ممکن نہ رہے تو خاوند کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ بیوی کو شرعی طریقے کے مطابق طلاق دے سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب عائلی زندگی کے مقاصد ہی فوت ہو جانے کا قوی امکان پیدا ہو جائے اس وقت میاں بیوی کے اکٹھے رہنے سے ان کا جدا ہو جانا ہی بہتر ہے اور یہ علیحدگی کا حق خلع کی شکل میں عورت کو اور طلاق کی صورت میں مرد کو دیا گیا ہے۔

اسلام نے طلاق کو جائز تو ضرورت کے تحت ٹھہرایا لیکن اسے حد درجہ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابغض الحلال عند اللہ الطلاق — اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

پھر محض اس وجہ سے طلاق دینا کہ کسی دوسری عورت کا مزہ چکھا جائے تو اس کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے:

"شادیاں کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ مزے چکھنے والوں اور مزے چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم سوالات

۱- اسلامی نظام حیات میں خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟ جواب کی وضاحت مثالوں سے کیجئے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۲ء)

۲- ایک اسلامی زندگی میں خاوند اور بیوی کے کیا حقوق و فرائض ہیں؟ اس کی تفصیل بیان کیجئے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۳ء ضمنی امتحان)

۳- میاں بیوی کے حقوق و فرائض اور باہمی تعلقات پر قرآن و سنت کی روشنی میں بحث کیجئے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۵ء)

۴- خاوند اور بیوی کے حقوق و فرائض کے بارے میں اسلامی احکامات پر مفصل بحث کیجئے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۱ء)

۵- حقوق زوجین پر ایک مضمون تحریر کیجئے۔ (بحوالہ تعلیمات اسلامی) سرگودھا بورڈ ۱۹۸۲ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۳

والدین کے حقوق ۔ اولاد کے فرائض

حقوق کی اہمیت و وسعت

دنیا میں مقدس ترین رشتہ والدین اور اولاد کا رشتہ ہے ۔ اللہ و رسولؐ کے بعد سب سے بلند اور واجب الاحترام مقام ماں باپ کا ہے ۔ یہ وہ ہیں جن کی رضامندی جنت کا ذریعہ اور جن کی نگاہ خشمگیں جہنم کا باعث بن سکتی ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کی رضامندی باپ کی رضامندی کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کا غضب باپ کے غصے کے ساتھ وابستہ ہے ۔

ماں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنا خون نچوڑ نچوڑ کر ، تھک تھک کر ، گھنٹوں پہ گھنٹیں گرا کر سب سے اونچی بات یہ ہے کہ اپنی عزیز ترین متاعِ زندگی کی بازی ہنسی خوشی لگا کر نو ماہ تک حمل اپنے پیٹ میں اٹھانے ، اُسے جننے ، اُسے دودھ پلانے اور اُسے پالنے پوسنے کے مراحل سے گزرتی ہے ۔ وہ دنیا میں مثالی ایثار کر کے بچے کو سکھ پہنچاتی ہے ۔ ساتھ باپ اپنا خون پسینہ ایک کر کے بچے کی ماں اور خود بچے کی ہر طرح کی کفالت کا اہتمام کرتا اور قربانیاں دیتا ہے ۔ جن ہستیوں کی یہ حیثیت ہو ، ان کے حقوق کا احاطہ کیونکر ممکن ہے !

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" والدین کا حق کبھی نہیں ادا ہو سکتا اِلّا یہ وہ کسی کے غلام ہوں اور انہیں خرید کر آزاد کر دیا جائے "

قرآن نے اللہ کے بعد والدین کے خصوصی حقوق کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ اس کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ اس سے پہلے انبیاء کی اُمتوں میں بھی والدین کی یہی حیثیت رہی ہے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اپنے ساتھ والدین کی مغفرت کی دُعا کرتے ہیں اور بنی اسرائیل سے باقاعدہ پختہ عہد لیا گیا کہ وہ والدین کے ساتھ احسان کی روش اختیار کریں گے ۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔	اور ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ وہ خدائے واحد ہی کی عبادت کریں گے اور والدین کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کریں گے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والدہ کا خصوصی مقام

والدین میں سے بھی والدہ کا مقام بلند تر اور ان سے قوی تر ہے، یہی عقل و عدل کا تقاضا ہے۔ اور شریعت بھی یہی کہتی ہے۔ ماں کی خدمت جنت کی ضمانت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا:

"میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"تیری ماں۔"

اس نے تین دفعہ یہی سوال کیا اور آپؐ نے ہر دفعہ وہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا:

"تیرا باپ۔" (بخاری)

حضورؐ نے فرمایا:

"اللہ نے تمہاری ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کی ہے۔"

اسلام میں جہاد کی اہمیت سے کون واقف نہیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی خدمت کو اس سے بھی اہم تر قرار دیا ہے۔ حدیث ہے:

"ایک صحابی نے جہاد میں شرکت کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے حضورؐ سے مشورہ چاہا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: تو اسی سے چمٹا رہ کہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔"

ماں کا یہ مقام ان صعوبتوں اور سختیوں کی وجہ سے ہے جو وہ بچے کی ولادت اور پرورش و تربیت وغیرہ کے سلسلے میں برداشت کرتی ہے۔ اسی لئے اس میں ماں کے مذہب کا کوئی لحاظ نہیں، وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے:

حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کہتی ہیں کہ جب مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح تھی، میری والدہ میرے پاس آئیں، اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پُوچھا کہ میری والدہ میرے پاس آتی ہیں اور وہ مجھ سے کوئی چیز چاہتی ہیں کیا میں انھیں دے سکتی ہوں آپؐ نے فرمایا: "ہاں! تم ان سے صلہ رحمی کا سلوک کرو۔"

جس ماں نے جنا ہو اس کا مقام تو بہت اونچا ہے ہی، رسول اللہ صلعم نے اس عورت کا احترام کرنے کی بھی تعلیم دی جس نے دُودھ پلایا ہو اور اسے رضاعی ماں قرار دیا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ جعرانہ کے مقام پر گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عورت آپؐ کے پاس آئی۔ حضورؐ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی جس پر وہ بیٹھ گئیں۔ ایک صحابی ابوطفیلؓ نے پُوچھا: یہ کون عورت ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ آپؐ کی رضاعی ماں ہیں۔ (بخاری)

حقوق

اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم ترتیب وار والدین کے حقوق درج کرتے ہیں:

قرآن پاک میں بارہ مختلف آیتوں میں والدین کے حقوق کی تاکیدی ہدایت توحید و خدا پرستی کی تعلیم کے ساتھ متصل کی گئی ہے۔ ان تمام آیات کو یہاں ذکر طوالت کا باعث ہوگا، ہم صرف سورۂ بنی اسرائیل کی ایک آیت کا ترجمہ درج کرتے ہیں جس سے والدین کے اکثر حقوق کی اہمیت واضح طور پر سامنے آتی ہے۔ فرمایا:

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کی روش اختیار کرنا۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑکو، ان سے ادب و احترام سے بولو اور ان کے لیے اطاعت کا بازو محبت و رحمت سے جھکاؤ اور کہو: اے میرے پروردگار جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا، تو اُن پر رحم فرما۔" (بنی اسرائیل)

اس جامع آیت میں والدین کے متعلق حسب ذیل حکم دیئے گئے ہیں:

۱۔ احسان کی روش اختیار کرنا۔

۲۔ ان سے ادب و احترام سے بات کرنا۔

۳۔ احتراماً انہیں اُف تک نہ کہنا اور نہ جھڑکنا۔ بالخصوص جب وہ بوڑھے ہو جاتے ہیں کہ اس وقت وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے محتاج بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنے اُوپر ضبط بھی نہیں رہتا اور ایسی چیزیں ان کی طرف سے سامنے آسکتی ہیں جو ناگوار خاطر ہوں۔

۴۔ اُن سے محبت و رحمت سے پیش آنا۔

۵۔ اُن کی اطاعت کرنا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ اُن کی خدمت کرنا۔

۱۰۔ اُن کے لیے دعائے مغفرت کرنا۔

ان احکام کے علاوہ چند ایک مزید حقوق کا ذکر بعض دوسری آیات یا احادیث میں ہوا ہے ان کی وضاحت بیان ہوگی۔

۱۔ احسان کی روش

اولاد کے ذمے یہ فریضہ ہے۔ کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرے۔ یعنی اولاد جب بالغ ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ جتنی کچھ بھلائی والدین اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ محض اسی کا بدلہ چکانے پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس سے زیادہ بھلائی اُن کے ساتھ کرے حتیٰ کہ والدین اگر سختی اور زیادتی بھی کریں، وہ اپنی نادانی اور طبعی رجحانات کی بناء پر اولاد کے کبھی حقوق مار بھی جائیں تو بھی ان کے ساتھ حسن سلوک ہی کیا جائے کیونکہ والدین نے ناقابل تصور سختیاں جھیل کر اولاد کو پالا پوسا ہوتا ہے اور ان کے احسانات اتنے عظیم ہوتے ہیں کہ ان کی موجودہ زیادتیاں ان احسانات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

قرآن پاک میں کئی مقامات پر فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ؕ ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔

اس سے پہلے وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ماں باپ کے احسانات کا بدلہ چکانے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ غلام ہوں اور انہیں خرید کر آزاد کر دیا جائے۔

اور وہ حدیث بھی کہ حضورؐ نے ایک آدمی کے اس سوال پر کہ "میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے"۔ تین مرتبہ فرمایا "تیری ماں"۔ اور چوتھی دفعہ کہا "تیرا باپ"۔

۲۔ عزت و احترام

والدین کا دوسرا حق یہ ہے کہ ان سے ادب و احترام سے پیش آیا جائے ان کے ساتھ چلنے پھرنے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، گفتگو کرنے میں ہمیشہ احترام کے پہلو کو مدنظر رکھا جائے۔

وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۔ تم انہیں اُف تک نہ کہو نہ جھڑکو، اور ان سے ادب سے بات کرو۔

آیت کے اس حصے میں یہی بات فرمائی گئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا:

"باپ کو گالی دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ صحابہؓ نے گزارش کی کہ حضرت کوئی شخص اپنے باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ فرمایا، جب آدمی دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے جواب میں اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔"

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ والدین کا نہ صرف خود ادب و احترام کرنا ضروری ہے بلکہ ایسا ماحول بھی پیدا کرنا چاہیے کہ ان کا احترام دوسرے بھی کریں۔

حضورؐ کے والدین بچپن میں انتقال کر گئے تو آپؐ اپنی رضاعی ماں کا احترام اسی طرح کرتے جس طرح حقیقی ماں کا کرنا چاہیے۔ حضرت حلیمہؓ سعدیہ تشریف لائیں تو آپؐ نے انہیں بیٹھنے کے لیے چادر بچھادی۔

حضرت ام ایمنؓ آپؐ کے گھر کی کنیز تھیں۔ انہوں نے آپؐ کی پرورش کی تھی۔ اس لیے حضورؐ ان کا بے حد احترام کرتے۔ آپؐ فرماتے کہ میری والدہ کے بعد ام ایمنؓ ہی میری ماں ہیں۔

والدین کی عزت کی تعلیم تمام انبیاءؑ نے اسی طرح دی جس طرح انہوں نے توحید کی تعلیم دی۔ تورات میں ہے:

"تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ خداوند تجھے جو عمر دیتا ہے، وہ دراز ہو۔"

حضرت عیسیٰؑ نے گہوارے میں فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کا احترام کرنے والا بنایا ہے۔"

۳۔ اطاعت

والدین کا تیسرا حق یہ ہے کہ اولاد ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرے۔ اس بارے میں حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا:

"اگر والدین تمہیں اپنے خاندان اور دنیا سے نکل جانے کے لیے کہیں تو بھی ان کی اطاعت کرو۔"

یہاں تک کہ اگر وہ بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں تو بھی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو اپنی بیوی سے محبت تھی لیکن حضرت عمرؓ کو وہ پسند نہ تھی۔ اختلاف نے جھگڑے کی صورت اختیار کر لی۔ حضرت عمرؓ نے بیٹے سے کہا: اسے طلاق دے دو۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا: عبداللہ! والد کی اطاعت کرو۔ آپؐ نے جو کبیرہ گناہ بتائے ان میں شرک کے بعد دوسرا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ تم پر خدا نے ماؤں کی نافرمانی حرام کی ہے۔

ہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اگر والدین کوئی ایسا حکم دیں جس سے احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہوتی ہو یا جس سے دوسرے انسانوں کے حقوق مارے جاتے ہوں تو اس صورت میں ان کی اطاعت نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں بلکہ ان کی بات نہ ماننا فرض ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے صاف طور پر کہا کہ:

"اگر وہ اپنا زور شرک کے لیے لگائیں کہ جس شرک کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں تو ان کی اطاعت مت کرو اور باقی معاملات دنیا میں ان سے حسن سلوک کرو" (لقمان)

اسی طرح فرمایا کہ عدل کرو چاہے اس سے تمہارے والدین ہی کو کیوں نہ نقصان پہنچے۔ پھر مستقل اصول بتایا:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ — کہ جس سے خالق کی معصیت ہوتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

۴۔ خدمت اولاد کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ والدین کی خدمت کرے۔ یہ خدمت اطاعت اور احسان سے تھوڑی سی مختلف چیز ہے۔ اطاعت تو یہ ہے کہ جو حکم ہو وہ مان لیا جائے اور بس۔ احسان یہ ہے کہ ان کے رویئے سے بہتر رویہ اختیار کیا جائے اور خدمت یہ ہے کہ ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھا جائے کہ انھیں تکلیف نہ پہنچے۔

حضورؐ نے والدین کی خدمت کو جہاد سے بھی زیادہ اہمیت دی۔ اس سلسلے میں حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا:

"وہ خوار ہوا، وہ خوار ہوا، وہ خوار ہوا، صحابہؓ نے پوچھا، کون یا رسول اللہ! فرمایا: وہ جس نے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر اُن کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر لی"

والدین کی خدمت اور ان سے حسن سلوک کا اجر کیا ہے؟ اس کی وضاحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکایت کے ذریعے فرمائی۔ ارشاد ہے کہ:

تین آدمی اکٹھے سفر کرتے ہوئے رات گزارنے کے لیے ایک غار میں گئے۔ وہاں ایک پتھر گرا جس سے غار کا دہانہ بند ہو گیا۔ ان مسافروں نے سوچا کہ اس وقت تو راہ نجات بس یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے نیک ترین عمل کے ذریعے اللہ سے کشائش کی التماس کریں۔ اس وقت ان میں سے ایک نے کہا، یا اللہ! میرے بوڑھے والدین تھے۔ میں ہر شام کو بکریاں گھر لا کر دوہتا تو پہلے انہیں دودھ دیتا۔ پھر اپنے بیوی بچوں کو پلاتا۔ ایک رات میں دیر سے آیا۔ ماں باپ سو چکے تھے۔ میں رات بھر دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا رہا کہ شاید وہ جاگ اٹھیں تو میں انھیں دودھ پلا دوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرے بچے روتے روتے سو گئے لیکن والدین سے پہلے میں نے انہیں دودھ نہیں دیا۔
اے اللہ! اگر تیرے علم میں میرا یہ کام خالص تیرے لیے تھا۔ تو آج تو ہمارے لیے کشائش پیدا فرما دے۔

اس دعا سے پتھر کچھ سرکا (اس کے بعد حدیث میں باقی دونوں آدمیوں کے اعمال اور ان کی التجا سے پتھر کے بالکل ہٹ جانے کا ذکر ہے۔

۵۔ شکر ادا کرنا والدین کا پانچواں حق یہ ہے کہ اُن کے احسانات کا شکر ادا کیا جائے۔

قرآن پاک میں ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان) — (اور ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ) میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کریں۔

شکر کا مفہوم اور اس کی پانچ صورتیں ہم شکر کے باب میں وضاحت سے بیان کر آئے ہیں اور یہاں شکر کے ضمن میں وہ پانچ آتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم اپنے آباؤ اجداد سے لاپرواہی نہ کرو جو شخص اپنے والدین سے بے توجہی برتتا ہے وہ ناشکری کرتا ہے۔" (مشکوٰۃ)

۶۔ محبت اولاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے والدین سے محبت کرے۔ ممکن ہے کسی ذہن میں یہ بات آئے کہ ادب و احترام کے بعد محبت کا الگ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن بنظرِ غائر دیکھا جائے تو محبت اور احترام میں فرق ہے۔ مثلاً والدین اپنی اولاد سے اور اساتذہ اپنے شاگردوں سے پیار اور محبت تو کرتے ہیں اور ان سے شفقت سے بھی پیش آتے ہیں لیکن وہ ان کا ادب احترام کرتے ہیں، نہ ان سے اس بات کا تقاضا ہے اسی طرح بالعموم خاوند اپنی بیوی سے محبت رکھتا ہے اور اس سے حسنِ سلوک بھی کرتا ہے لیکن احترام ایک مختلف چیز ہے۔ احترام بیوی اپنے خاوند کا کرتی ہے اور اسے محبت بھی ہوتی ہے اولاد کی ایک طرف تو یہ ذمہ داری ہے کہ وہ والدین کی عزت و تکریم کرے اور دوسری طرف یہ کہ وہ ماں باپ سے محبت بھی کرے۔ اوپر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت کے ترجمے کا یہ حصہ بھی نظر سے گزر چکا ہے کہ:

"ان کے آگے انکسار و محبت و رحمت سے جھکا دو"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ محبت کا ذکر ادب و احترام سے بات کرنے کے حکم کے علاوہ کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عزت و احترام کے علاوہ محبت بھی والدین کا حق ہے۔

ایک حدیث میں ہے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" فرمانبردار بچہ اپنے والدین کی طرف جب بھی محبت و رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالٰی ہر نظر کے بدلے اس کے لیے ایک مقبول حج لکھ دیتا ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا اگرچہ وہ روزانہ سَو بار ان کی طرف دیکھے۔ آپؐ نے فرمایا : ہاں ، (جو تمھارے تصور میں ہے) اللہ اس سے بہت بڑا اور پاکیزہ ہے "

۷۔ بڑھاپے میں خصوصی توجہ والدین کی خدمت و اطاعت اور ان سے حسنِ سلوک یوں تو عمر کے ہر حصے میں کرنا چاہیے لیکن جب وہ بوڑھے ہو جائیں ، جسمانی ضعف کی وجہ سے انھیں زیادہ سہارے کی ضرورت ہو اور ذہنی قوتوں کے کمزور پڑ جانے کی بناء پر اپنے اُوپر انھیں ضبط کم رہ جاتا ہے اور بہت سی ناگوار گزرنے والی باتیں ان سے ہوتی رہتی ہیں۔ اس وقت ان کی طرف خصوصی توجہ دینا اور ان کے ہر طرح کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا اولاد کے اوّلین فرضوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں بڑھاپے کے وقت والدین کو اُف تک نہ کہنے کا حکم آیا ہے اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس شخص کے لیے " خوار ہوا " کے الفاظ استعمال کئے جس نے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا لیکن خدمت کر کے اس نے جنت حاصل نہ کر لی۔

۸۔ دعائے مغفرت والدین کے لیے دعائے مغفرت کرنا بھی اولاد پر فرض ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ کی یہ دعا قرآن پاک میں منقول ہے :

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ ۔	ہمارے پروردگار! میری اور میرے
(ابراہیم و نوح)	والدین کی مغفرت فرما۔

سورۂ بنی اسرائیل کی محوّلہ بالا آیت میں یہ ہدایت بھی اللہ کی طرف سے ہے کہ والدین کے لیے رحمت کی دعا کیا کرو۔

والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اس کا کفارہ ان کے لیے دعائے مغفرت ہے حضورؐ نے فرمایا :

" ایک شخص کے والدین کا یا ان میں سے ایک کا انتقال اس حالت میں ہو جاتا ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ ان کا نافرمان تھا۔ اس کے بعد وہ ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے فرمانبرداروں میں لکھ لیتا ہے۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے آکر آنحضرتؐ سے پوچھا کہ والدین کی وفات کے بعد بھی ان کا کوئی حق رہ جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں! ان کے لیے دعا مانگنا، مغفرت طلب کرنا اور ان کے وعدوں کو پورا کرنا، ان کے قرابت داروں سے بھلائی کرنا اور ان کے دوستوں کی تعظیم کرنا۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۹۔ والدین کے اقرباء سے حسنِ سلوک

والدین کا یہ بھی حق ہے کہ اُن کے قریبی رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کیا جائے۔ آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے متعلق فرمایا: "جس نے میرے چچا کو تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور چچا باپ کے مثل ہوتا ہے۔" حضورؐ نے ایک مرتبہ حضرت عباسؓ کی زکوٰۃ اپنے پاس سے دی اور فرمایا کہ چچا بھی باپ کی مانند ہوتا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں گزارش کی کہ مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہوگیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپؐ نے پوچھا: خالہ؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا، تو اس سے نیکی کر۔

۱۰۔ والد کے دوستوں اور والدہ کی سہیلیوں سے حسنِ سلوک

اولاد کو چاہیئے کہ اپنے والد کے دوستوں اور اپنی والدہ کی سہیلیوں سے حسنِ سلوک کرے۔ حضورؐ نے فرمایا:

"بڑی بڑی نیکیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے انتقال کے بعد اس کے دوستوں سے اچھے تعلقات رکھے۔" (مسلم)

اہم سوالات

۱۔ والدین کے حقوق سے کیا مراد ہے؟ حقوقِ والدین وضاحت سے لکھیئے۔

۲۔ اولاد کے فرائض تفصیل سے بیان کیجیے۔

۳۔ والدین کے پانچ بنیادی حقوق بیان کیجیے۔ (سرگودھا بورڈ۔ ۱۹۸۳ء)

۴۔ والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیجیے۔

(لاہور بورڈ ۱۹۸۱ء و ۱۹۸۴ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۴

اولاد کے حقوق ۔ والدین کے فرائض

اولاد کے لیئے محبت شفقت، پیار اور ایثار کا جذبہ والدین کے دلوں میں فطری طور پر پایا جاتا ہے ۔ وہ جذبہ ایثار طاقتور ہے کہ اُسے کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے اسلام نے اس جذبے کو حدود کا پابند بنا کر اس میں اعتدال پیدا کیا ہے اور واضح طور پر والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض متعین کر دیئے ہیں ۔ والدین کے حقوق ہم لکھ آئے ہیں، اب اولاد کے حقوق ترتیب سے درج کرتے ہیں ۔

۱۔ محبت و شفقت

اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ والدین ان سے محبت و شفقت سے پیش آئیں ۔ مناسب محبت بچے کو سنوار دیتی ہے ۔ جب کہ بیجا سختی اور نفرت پر مبنی رویہ اس میں بے شمار اخلاقی، ذہنی اور نفسیاتی بیماریاں اور خامیاں پیدا کر دیتا ہے بچوں کے ساتھ شفقت اور رحمت سے پیش آنے کے لیے حضورؐ نے عام ہدایت فرمائی کہ:

"وُہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے" اپنے بچوں کے بارے میں آنحضرتؐ کا رویہ بڑا مشفقانہ اور محبت آمیز تھا چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

۱۔ حضرت فاطمہؓ تشریف لائیں تو آپ محبت سے اُن کے لیے اٹھ کھڑے ہو تے ۔

۲۔ حضرت حسنؓ اور حسینؓ بچے تھے تو آپ اُن کے لئے محبت سے سواری بن جاتے ۔

۳۔ آپؐ کی نواسی امامہؓ چھوٹی تھیں ۔ آپ نفل نماز میں سجدہ میں تھے ۔ وہ کندھوں پر چڑھ گئیں ۔ آپ رکوع میں جاتے تو انھیں اتار دیتے ۔ قیام کرتے تو پھر کندھوں پر بٹھا لیتے ۔

۴۔ ایک دفعہ آپؐ نے حضرت حسنؓ کا بوسہ لیا ۔ ایک عرب سردار اقرع بن حابس پاس بیٹھے تھے انھوں نے تعجب سے کہا ۔ آپ بچوں سے پیار کرتے ہیں میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا ۔ آپؐ نے فرمایا: اگر اللہ تمھارے دل سے رحمت کا مادہ نکال دے تو میں کیا کروں؟ جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا ۔

اولاد کے ساتھ محبت و شفقت میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ وُہ دینی معاملات اور احکام الٰہی کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے ۔ ارشادِ ربانی ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پائے" (سورۃ منافقون)

آنحضرتؐ اپنی اولاد سے بہت محبت کرتے تھے لیکن جب حضرت فاطمہؓ نے آپ سے کام کاج کے لیے غلام یا لونڈی کی درخواست کی تو آپؐ نے انکار کر دیا۔ اسی طرح حدود اللہ کے نفاذ کے سلسلے میں آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹوں گا۔

۲۔ اولاد کشی کی ممانعت

والدین کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں۔ اس سلسلہ میں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے تحریر فرمایا ہے:

"اولاد کا سب سے پہلا حق اپنے والدین پر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد کی زندگی کا واسطہ بنایا ہے تو وہ بالقصد اس کے نقش زندگی کے مٹانے کا سبب نہ بنیں، بلکہ اس کی حیات کی تکمیل اور اس کے نشوونما اور ترقی کے وہ تمام ذرائع مہیا کریں جو ان کی قوت اور استطاعت میں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اسلام نے حمل کو بالقصد ضائع کرنے (اسقاط) کو گناہ قرار دیا ہے اور ذریعۂ حمل کے ضائع کرنے (عزل) کو اچھا نہیں سمجھا ہے اور پیدا ہونے کے بعد اس کے مار ڈالنے کی جاہلانہ رسم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی پوری کوشش کی ہے۔"

(سیرۃ النبی ج ۶ ص ۲۲۰)

لوگ اپنی اولاد کو تین اسباب کی بنا پر قتل کرتے تھے۔

۱۔ معبودوں کو خوش کرنے کے لیے۔

۲۔ افلاس کے ڈر سے۔

۳۔ جاہلی غیرت کی بنا پر بیٹیوں کو قتل کرتے کہ کوئی داماد نہ بن جائے۔

قرآن نے ان تینوں صورتوں کی ممانعت فرمائی۔ معبودوں کو خوش کرنے کے لیے قتل اولاد کو حماقت قرار دیا۔ فرمایا:

"وہ لوگ خسارے میں ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو بغیر جانے بوجھے حماقت کی بنا پر قتل کیا۔" (انعام)

فقروفاقہ کے ڈر سے (یعنی معیار زندگی بلند کرنے سے بھی پہلا درجہ کہ بنیادی ضروریات مہیا نہیں ہو رہیں) قتل اولاد کو اللہ کی صفت رزاقیت پر عدم ایمان قرار دیا۔ فرمایا:

"اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی تمھیں رزق دیتے ہیں اور انھیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی دیں گے ۔ اولاد کو مار ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے"۔

(بنی اسرائیل)

اور غیرت کے جاہلی تصور کی بنا پر بیٹیوں کو مار ڈالنے کی قرآن پاک اور احادیث میں شدید مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی سختی سے ممانعت کی۔

۳۔ رضاعت اولاد کا تیسرا حق یہ ہے کہ بچپن میں اُسے دُودھ پلایا جائے دُودھ پلانے کی مناسب مدت دو سال ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

(مائیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال دُودھ پلائیں"۔ (البقرہ)

دُودھ کے انتظام کی بنیادی ذمہ داری باپ پر ہے۔ اگر ماں دُودھ پلانے سے انکار کر دے تو قانونی طور پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وُہ یہ کام ضرور کرے۔ پھر باپ کا فرض ہے کہ بچے کی نشوونما کے لیے متبادل دُودھ کا انتظام کرے۔

۴۔ پرورش انسانی بچے کو پالنا سب سے مشکل کام ہے۔ عام حیوانی بچے چند مہینوں میں اس قابل ہو جاتے ہیں کہ خود چر چگ کر اپنا پیٹ بھر لیں۔ پھر اُن کا وُہ چند ماہ کا عرصہ بھی ایسا نہیں کہ اس میں مادہ کے ساتھ نر کی شرکت بھی پرورش کے لیے ضروری ہو۔ ماں ہی ان کی پرورش کر لیتی ہے۔ لیکن انسانی بچے کا حال اس سے مختلف ہے سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے اور بعض حالات میں اس کے بعد بھی وُہ دوسروں کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے اسلام نے یہ ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے کہ وُہ اس کی پرورش کریں اور اس بات کا اہتمام کریں کہ وُہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

اولاد کی پرورش کے سلسلے میں جو دقتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اُن کے متعلق اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ وُہ آدمی کے اجر میں اضافے کا باعث بنتی ہیں اور اولاد پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ باعث اجر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

"جو تین لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں وہ قیامت کے روز میرے ساتھ یوں ہوگا، جیسے یہ دو اُنگلیاں"۔

۵۔ تعلیم و تربیت والدین کی بہت بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اولاد کی مناسب تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں۔ وہ اس بات کا اہتمام کریں کہ بچے بہترین مسلمان، بہترین انسان، ملک کے بہترین شہری اور معاشرے کے مفید ترین رُکن بن سکیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اس دنیا میں حلال اور باعزت طریقے سے اپنی ضروریات پوری کر سکیں اور آخرت میں عذاب سے بچ جائیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ۔ (تحریم)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اس آیت سے صاف طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اولاد کی ایسی تربیت کرنا ضروری ہے جس سے وہ دوزخ سے بچ سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"کوئی باپ اپنے بچے کو اچھی تعلیم سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا" پھر فرمایا:

"باپ کا اپنے بچے کو کوئی ادب سکھانا ایک صاع (تقریباً ۲½ سیر) غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے"۔

کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ قیامت کے روز آدمی کے ساتھ سب سے پہلے جھگڑنے والے اس کے اہل و عیال ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ اے اللہ! تو اس سے بچانے والا ہے۔ ہم ناواقف تھے۔ اس نے ہمیں حرام کھلایا اور جو تعلیم و تربیت اس کے ذمے تھی، وہ اس نے نہیں دی اور ہم جاہل رہ گئے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بہترین تربیت یافتہ تھی۔

۶۔ بچی کی طرف خاص توجہ

اسلام سے پہلے عرب لوگ اپنے ہاں لڑکی کی پیدائش کو باعثِ شرم سمجھتے تھے کہ وہ بڑی ہوگی تو لوگ کہیں گے کہ فلاں ان کا داماد ہے۔ وہ لڑکیوں کو زندہ درگور بھی کر دیتے تھے۔ اسلام نے اس غیر انسانی جاہلی جذبے اور غیر شریفانہ عمل کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور نہ صرف بیٹی کو باعثِ شرم نہ رہنے دیا بلکہ اس کے برعکس یہ احساس پیدا کیا کہ بیٹی کی پرورش، اس کی تربیت اور اس کی مناسب شادی کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

عرب بچی کو ایک مصیبت خیال کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے فرمایا "جو کوئی ان لڑکیوں میں سے کسی کی آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ اس کے ساتھ محبت و مہربانی کا سلوک کرے تو وہ دوزخ کے عذاب سے اسے بچائے گی۔ وہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائے گی"۔ (بخاری و مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے یہ بھی فرمایا :

جو دو لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو جنت میں وہ میرے ، دو انگلیاں اٹھا کر فرمایا کہ یوں قریب ہوگا ۔" (مسلم)

قبیلہ بنی تمیم کے رئیس قیس بن عاصم نے کہا :

یا رسول اللہ! میں نے اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کی ہیں"۔

فرمایا: "آٹھ غلام آزاد کرو۔

عرض کیا: "میرے پاس اونٹ ہیں"۔

فرمایا: "قیس! ہر لڑکی کے بدلے ایک اونٹ کی قربانی دو"۔

ان احادیث میں حضورؐ نے بچیوں کی پرورش اور تربیت کے خصوصی اجر بیان فرمائے ہیں تو ان سے پتہ چلتا ہے کہ بچیوں کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔

بات لمبی ہوتی جا رہی ہے لیکن بیٹی کی تربیت و پرورش کے اجر کے سلسلے میں مشہور تابعی مالک بن دینار کا واقعہ سنتے چلئے۔

یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب مالک بن دینار کی زندگی عیش و نشاط اور شراب و کباب سے عبارت تھی، آخرت کے احساس سے عاری تھی۔ وہ دن رات گناہوں میں ڈوبے رہتے تھے۔ ان کی ایک بچی تھی کوئی تین چار برس کی۔ مینا کی طرح پیاری پیاری باتیں کیا کرتی تھی۔ مالک کو اس بچی سے بے حد محبت تھی۔ ایک روز وہ بیمار پڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے انھیں داغ جدائی دے گئی۔ مالک کو سخت صدمہ ہوا۔ کئی روز تک وہ اس بچی کے غم میں رنجور و دلگیر رہے۔ ایک رات سوئے تو بڑا وحشتناک خواب دیکھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ قیامت ہو چکی ہے اور وہ ایک وسیع و عریض سنسان میدان میں کھڑے ہیں۔ اچانک ایک خوفناک اژدہا رو نما ہوا اور ان کی طرف لپکا۔ وہ اس سے بچنے کے لیے بھاگے۔ اژدہا بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگا۔ دور ایک نحیف و نزار بوڑھا کھڑا دکھائی دیا۔ یہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچے۔ "خدا کے لیے مجھے اس اژدہا سے بچاؤ"۔ وہ چلاتے۔ ان کی فریاد سن کر بیچارا بوڑھا رو دیا "میرے بھائی! میں ضعیف و ناتواں میں اتنی طاقت کہاں کہ تمہیں اس سے بچا سکوں۔ ہاں ادھر قبلہ رخ بھاگتے چلے جاؤ۔ شاید بچاؤ کی کوئی صورت نکل آئے"۔

مالک قبلہ رخ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اژدہا بھی منہ پھاڑے ان کے پیچھے پیچھے تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے آگ اُگل رہا ہو۔ بھاگتے بھاگتے آگے خندق آ گئی اور مالک رُک گئے۔ خوف کے مارے اُن کی بُری حالت تھی۔ اژدہا قریب تر آتا جا رہا تھا پھر خندق سے آواز آئی، "مالک پیچھے کی طرف بھاگو۔"

مالک پیچھے ہٹ کر ایک طرف بھاگے۔ سامنے ایک بوڑھا انھیں دکھائی دیا ہانپتے کانپتے اس کے پاس پہنچے "اے مردِ خدا! مجھے اس آفت سے بچاؤ۔" وہ چلّاتے۔ بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "میرے عزیز! مجھ کمزور و ناتواں میں اتنی طاقت کہاں؟ ہاں، وہ جو پہاڑ سامنے نظر آ رہا ہے اس پر چڑھ جاؤ، وہاں مسلمانوں کی امانتیں ہیں۔ تمھاری بھی کوئی امانت وہاں ہوئی تو وہ تمھیں اپنی حمایت میں لے کر شاید اس اژدہے سے بچا سکے۔"

مالک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ پہاڑ چاندی کا تھا جس میں ہر طرف نہریں رواں تھیں ایک چوٹی پر ایک عالی شان قلعہ تھا۔ مالک اس کے دروازے پر پہنچے تو کسی نے چلّا کر کہا:

"دروازہ کھول دو، شاید اس کی کوئی امانت یہاں ہو تو اسے دشمن سے بچا سکے۔"

دروازہ کھل گیا، مالک اندر داخل ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ اُن کی بچی جو انتقال کر گئی تھی، ایک سبزہ زار میں کھیل رہی ہے۔ وہ انھیں دیکھتے ہی "ابا جان! ابا جان!" کہہ کر ان سے لپٹ گئی۔ مالک کے چہرے پر بدستور ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ بیٹی نے پوچھا "ابا! خیر تو ہے، آپ بڑے خوف زدہ نظر آتے ہیں؟"

"بیٹی! وہ خونخوار اژدہا میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ سارے میدانِ حشر میں بھگاتا پھر رہا ہے کوئی بھی میری مدد نہیں کرتا۔ خدا کے لیے مجھے اس سے بچاؤ۔"

لڑکی نے اژدہے کی طرف دیکھا جو شعلے اگلتا آ رہا تھا۔ "اے اژدہے! تم میرے ماں باپ کو کیوں ستاتے ہو بخیر چاہتے ہو تو واپس چلے جاؤ، نہیں تو میں اپنے اللہ سے فریاد کروں گی اور پھر تمھیں میرے ابا کو ستانے کا مزہ آ جائیگا۔" لڑکی کا یہ کہنا تھا کہ اژدہا غائب ہو گیا۔

اب بچی نے مالک سے کہا "ابا جان! دنیا میں آپ کے مشاغل کیا ہیں! وہ نامراد شراب چھوٹی یا نہیں؟" پھر اس نے قرآن کریم کی آیت پڑھی:

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

"ابا جان! کیا آپ جانتے ہیں، یہ اژدہا کون تھا؟ یہ آپ کے بُرے اعمال تھے جو آپ کا پیچھا کر رہے تھے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور وہ بوڑھے کون تھے بیٹی؟" مالک نے پوچھا۔

"وہ آپ کی نیکیاں تھیں، ضعیف و ناتواں نیکیاں جن کے اندر آپ کو بُرے اعمال کے ہولناک انجام سے بچانے کی سکت نہ تھی۔"

معاً مالک بن دینار کی آنکھ کھل گئی۔ اُسی وقت اُٹھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ رو رو کر اپنے گناہوں سے توبہ کی اور پھر جو زندگی کے شب و روز بدلے تو عالم ہی اور تھا۔ آج مالک کا شمار اکابر تابعین اور اُمت کے بڑے بڑے زاہدوں اور عابدوں میں ہوتا ہے۔

(بحوالہ سالنامہ اردو ڈائجسٹ ماہ جنوری ۱۹۹۰ء زیر عنوان انسانیت کے روشن چراغ مرتبہ آباد شاہ پوری)

۷۔ عدل

بچوں میں سے کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کرنا مناسب نہیں۔ اس سے دوسرے بچوں میں احساسِ کمتری اور بعض اوقات حسد و بغض کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اس سے سختی سے منع فرمایا اور اسے ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے اپنے ایک لڑکے کو غلام ہبہ کیا اور حضورؐ کو اس پر گواہ بنانا چاہا۔ آپؐ نے پوچھا کہ دوسرے بچوں کو بھی تم نے ایک ایک غلام دیا ہے؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا، "تو میں ایسے ظالمانہ عطیے پر گواہ نہیں بنوں گا۔" (ابو داؤد)

بعض لوگ اپنی زندگی ہی میں جائداد لڑکوں کے نام منتقل کروا دیتے ہیں تاکہ لڑکیوں کو اس میں حصہ نہ ملے۔ یہ صریح ظلم ہے۔

۸۔ شادی

والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کی مناسب شادی کا اہتمام کریں۔ آنحضرتؐ نے اپنی تمام بیٹیوں کے مناسب رشتے کیے۔

۹۔ شادی میں رضامندی کا لحاظ

شادی شرعی طریقے کے مطابق ایک شریفانہ معاہدہ ہوتا ہے جس کے تحت ایک مرد اور ایک عورت کو پوری زندگی ایک ساتھ گزارنی ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے دُکھ سکھ، خوشی غمی اور کھلی اور چھپی ہوئی چیزوں کے رازداں و رازدار بنتے ہیں۔ زندگی کی یہ گاڑی ان دونوں کو کھینچنی ہوتی ہے جس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہوتا۔ اس لیے شریعت نے بالکل واشگاف الفاظ میں یہ بات کھول دی کہ ماں باپ کے بے پناہ حقوق کے باوجود انھیں یہ حق عطا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار ہرگز حاصل نہیں کہ وہ لڑکے یا لڑکی کی شادی کسی کے ساتھ ان کی مرضی کے خلاف کریں۔ اس میں لڑکے اور لڑکی کی کسی جبر واکراہ کے بغیر خوشدلی سے رضامندی لینا ضروری ہے اور یہ اولاد کا مسلم حق ہے۔

حضرت فاطمہؓ کے نکاح سے پہلے حضورؐ نے اُن سے باقاعدہ مشورہ کیا جس پر وہ کسی ڈر خوف کے بغیر خاموش رہیں اور یہی اُن کی طرف سے اظہارِ رضامندی تھا۔

ابو داؤد، ابن ماجہ، نسائی اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ ایک لڑکی نے حضورؐ سے شکایت کی کہ میرے ماں باپ نے میری مرضی کے بغیر میری شادی کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے ردّ و قبول کا اختیار ہے۔

نسائی میں خنساء کی روایت ہے کہ ان کے باپ نے ان کی شادی ان کی مرضی کے خلاف کر دی حضورؐ نے انھیں بھی ردّ و قبول کا اختیار دیا۔

دار قطنی میں روایت ہے کہ ایسے ہی مقدمے میں حضورؐ نے زوجین میں تفریق کرا دی جس میں نکاح لڑکی کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔ نسائی میں روایت ہے کہ ایک لڑکی نے حضورؐ سے شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اپنے بھتیجے سے نکاح کر دیا ہے۔ حضورؐ نے اسے اختیار دیا کہ چاہے تو قبول کرے اور چاہے تو رد کر دے۔ اس پر لڑکی نے یہ الفاظ کہے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي وَإِنَّمَا أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ إِلَى الْآبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔

(یا رسول اللہؐ! میرے باپ نے جو کچھ کیا میں نے اسے قبول کیا۔ میرا مقصد تو محض عورتوں کو یہ بتانا تھا کہ اُن کے باپ اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں رکھتے)

جب لڑکی کے بارے میں رضامندی کا یہ حال ہے تو لڑکے کا معاملہ تو اور بھی واضح ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ شادی کے لیے مناسب ترین صورت یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی اور والدین کی رضامندی اس میں شامل ہو۔ جس طرح والدین کو مجبور کرنے کا حق حاصل نہیں اسی طرح یہ بھی مناسب معقول اور شریفانہ رویہ نہیں کہ لڑکیاں اور لڑکے خود معاشقے لڑا کر اپنے لیے شریکِ زندگی تلاش کریں۔

۱۰۔ حق وراثت

اولاد والدین کی جائداد کی وارث ہوتی ہے اور اس میں لڑکی اور لڑکا بڑے اور چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وراثت کے احکام پر الگ کتب فقہ لکھی گئی ہیں۔

سوالات

۱۔ ماں باپ اور اولاد کے باہمی حقوق و فرائض پر اسلام کے نقطۂ نظر سے بحث کیجیے۔
(لاہور بورڈ ۱۹۶۲ء-۱۹۶۷ء)

۲۔ ماں باپ اور اولاد کے باہمی حقوق و فرائض کیا ہیں؟ تفصیل سے بتائیے کہ اولاد کی تربیت اور والدین کی خدمت کے باب میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ (لاہور بورڈ ۱۹۶۰ء)

۳۔ والدین کے حقوق و فرائض کیا ہیں؟ اپنے جواب کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں کیجیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۲ء)

۴۔ والدین کے احترام و فرمانبرداری اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی جو تعلیم قرآن و سنت میں درج ہے، اس کی وضاحت کریں۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۵ء)

۵۔ اسلام میں والدین کے حقوق و فرائض تفصیل سے بیان کیجیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۸ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۵

اسلامی معاشرے میں تعلیم کی نوعیت و اہمیت

اسلامی معاشرہ میں تعلیم کی نوعیت و اہمیت کو جاننے سے پہلے ایک طالب علم کو اسلامی معاشرہ کے قیام کی غرض و غایت اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اسلامی معاشرہ جس عظیم مقصد کے لیے قائم ہوتا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے تعلیم کا مناسب نظام قائم کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ مقصد واضح طور پر موجود ہوتا ہے۔ ہم پہلے اسلامی معاشرہ میں تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالیں گے اور پھر اس کی نوعیت اور مقاصد بیان کریں گے۔

اسلامی معاشرہ میں تعلیم کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی عرب جاہل تھے اور اس جاہلیت کا بنیادی خاصہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اوہام پرست، بداخلاق، گنوار اور وحشی بن جاتا ہے۔ اسلام کے سامنے چونکہ ایک ایسے معاشرہ کی تعمیر تھی جس کے افراد توحید پرست با اخلاق مہذب اور امن پسند ہوں، اس لیے ان کے اندر تعلیم پھیلائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ زور تعلیم پر دیا علم وتحقیق کو دینی و دنیاوی کامرانیوں کا وسیلہ قرار دیا۔ قرآن وسنت میں بے شمار مقامات پر تعلیم پر زور دیا گیا ہے۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

تعلیم کی اہمیت قرآن میں

۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی ہے۔ اس میں پہلا حکم ہی پڑھنے کا ہے۔ فرمایا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (سورہ علق)

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھو اور تیرا رب بہت زیادہ کریم ہے، جس نے قلم سے لکھنے کی تعلیم دی (اور) انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

ان آیات کی تفسیر میں، مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا بیان انسان کی تخلیق سے اور شان کریمانہ کو عَلَّمَ بِالْقَلَمِ سے ظاہر فرمایا ہے۔ تخلیق انسانیت کے بعد دوسرا

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم بات جس کا ذکر ہوا ہے۔ وہ لکھنے اور پڑھنے کی ہے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں پر جو فضیلت عطا فرمائی اس کا سبب یہ بتایا کہ ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں علم نہیں رکھتے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔

عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ — آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے ناموں کی تعلیم دے دی۔

اشیاء کی یہی معرفت اور اسمار کا علم انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا سبب بنا۔

۳۔ قرآن مجید میں ایک تیسری آیت ہے۔

هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ — کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں۔

جس طرح سفیدی اور سیاہی، دن اور رات، نور اور تاریکی، بینا اور اندھا کبھی برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح عالم اور جاہل بھی کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

۴۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر بڑی تنبیہ کی گئی ہے۔ فرمایا۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ — مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے۔

اس مقام کو سمجھنے کے لیے ذہن میں رہے کہ اشارہ ایسی دیہاتی آبادی کی طرف ہے جہاں عام طور پر تعلیم کی طرف بالکل ہی توجہ نہیں دی جاتی۔ اس لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر یہ سارے کے سارے لوگ تعلیم حاصل نہ کر سکتے ہوں تو کچھ جا کر ہی یہ فریضہ ادا کر دیں۔

۵۔ آخر میں وہ دعا دیکھیے جو اللہ تعالیٰ نے خود رسول اکرم کو سکھائی۔ فرمایا۔

قُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا۔ — آپ کہیے اے پروردگار! مجھے علم میں زیادتی نصیب فرما۔

تعلیم کی اہمیت احادیث میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار فرمان ہیں۔ جو تعلیم کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔ ان سب کا احاطہ مشکل ہے ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ (ابن ماجہ)
"علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔

۲۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ۔
گہوارے سے قبر تک علم حاصل کرتے رہو"

۳۔ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔
حضورؐ نے فرمایا۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔

۴۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔
میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

۵۔ "عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے۔ جیسے چودھویں کے چاند کو سب ستاروں پر"۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

۶۔ "جس نے علم کی طلب کی اور وہ کامیاب ہوا اسے دوگنا اجر ملے گا اور ناکام رہا تو اکہرا اجر ملے گا"۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

۷۔ "اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے۔ اسے دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے"۔ (بخاری کتاب العلم)

۸۔ مومن علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے"۔ (مشکوٰۃ)

۹۔ "جو آدمی علم کی تلاش میں نکلتا ہے۔ وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہوتا ہے"۔ (ریاض الصالحین)

۱۰۔ "علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے درہم و دینار کا نہیں بلکہ علم کا ورثہ چھوڑا ہے" (مشکوٰۃ)

۱۱۔ اگر طالب علم کو علم کی تلاش میں موت آجائے تو وہ شہید ہے"۔ (جامع بیان العلم)

۱۲۔ ایک بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو ان کا پھل کھاؤ۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ! جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا علم کی مجلسیں"۔ (الترغیب والترہیب کتاب العلم)

۱۳۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ ایک مجلس میں اللہ کا ذکر کیا جا رہا تھا۔ اور دوسری میں دین کا علم حاصل کیا جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا علم والے افضل ہیں۔ اور آپ اس مجلس میں شریک ہو گئے"۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔
رات کی ایک گھڑی علم سیکھنا، ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے"۔

۱۵۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔
علم دولت سے بہتر ہے۔ علم پاسبانی کرتا ہے اور دولت کی پاسبانی تمہیں کرنی پڑتی ہے علم حکمران ہوتا ہے اور دولت پر حکمرانی کی جاتی ہے۔ دولت خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے اور علم بڑھتا ہے"۔

۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔
"فقہ کی ایک مجلس میں شرکت ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔

مذکورہ آیات واحادیث سے یہ بات پوری طرح نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ اسلام میں تعلیم پر کتنی توجہ دی گئی ہے۔ خیال رہے کہ یہ صرف چند حوالے دیئے گئے ہیں، ورنہ اسلام تو سراسر نام ہی علم کا ہے۔ اس نے اپنے علم کے نور سے جہالت کی تمام تاریکیوں کو پیٹھ کے بل دیا ہے اسلامی معاشرہ میں علم کا اتنا چرچا ہوا اور اس کی اتنی زیادہ اہمیت بڑھی کہ ہر طرف علمی مجلسیں لگنے لگیں گھر گھر میں مدرسے کھل گئے بچے بوڑھے، عورتیں اور مرد بھی بلا تخصیص علم حاصل کرنے لگے قیدی بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر رہائی پانے لگے۔ عورتیں جی بھر کے تعلیم حاصل کرنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف علم کی روشنی نے پورے اسلامی معاشرہ کو منور کر دیا۔

اسلامی معاشرہ میں تعلیم کی نوعیت

اسلامی معاشرہ میں تعلیم کی اہمیت کی وضاحت کے بعد یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ اس تعلیم کی نوعیت کیا ہوگی؟ اسلامی معاشرہ میں تعلیم کا مفہوم کیا ہے؟ ان سوالوں کے بعد صحیح معنوں میں اسلامی تعلیم کے مقاصد ہمارے سامنے آسکیں گے۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید ہمیں جو رہنمائی دیتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ تعلیم ہے۔ جس کے ذریعے انسان بنیادی سوالات کے جوابات پاتا ہے، وہ خدا کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اس کو راضی کرنے کے طریقے جانتا ہے، خیر وشر کے بارے میں بصیرت حاصل کرتا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو معلوم کرتا ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد خداوندی ہے:۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

(سورۃ التوبہ آیت ۲۲)

ترجمہ :۔ اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا۔ کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

اس آیت میں جس تعلیم کے انتظام کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد عامۃ الناس کو محض خواندہ بنانا اور ان میں کتاب خوانی کی نوعیت کا علم پھیلانا نہ تھا۔ بلکہ واضح طور پر اس کا مقصد یہ متعین کیا گیا تھا کہ لوگوں میں دین کی سمجھ پیدا ہو اور ان کو اس حد تک ہوشیار و خبردار کر دیا جائے کہ وہ غیر مسلمانہ روشِ زندگی سے بچنے لگیں۔ یہ مسلمانوں کی تعلیم کا وہ مقصد ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرما دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام لوگوں میں نوشت و خواند، کتاب خوانی اور دنیوی علوم کی واقفیت پھیلانا نہیں چاہتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام لوگوں میں ایسی تعلیم پھیلانا چاہتا ہے جو مذکورہ مقصد کو پورا کرے۔ ورنہ ایک ایک شخص اگر اپنے وقت کا آئن سٹائن اور فرائڈ ہو جائے لیکن دین کے فہم سے عاری اور غیر مسلمانہ روش زندگی میں بھٹکا ہوا ہو تو اسلام ایسی تعلیم پر لعنت بھیجتا ہے۔

اس آیت میں تفقہ فی الدین کو تعلیم کا مقصود بتایا گیا ہے جس کے معنی ہیں۔ دین کو سمجھنا، اس کے نظام میں بصیرت پیدا کرنا۔ اس کے مزاج اور اس کی روح سے آشنا ہونا اور اس قابل ہو جانا کہ زندگی کا کونسا طرزِ عمل روحِ دین کے مطابق ہے۔

فریضۂ علم

اسلامی تعلیمات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ دین کا علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے اور یہ فرض کسی طرح بھی ساقط نہیں ہوتا۔ اسلامی تعلیمات پر کوئی مسلمان اس وقت تک عمل نہیں کر سکتا جب تک وہ ان کا علم نہ حاصل کرے۔

اس دینی تعلیم کو اگر تمام لوگ حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر نہ جا سکتے ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ کچھ لوگ ضرور باہر جائیں، اور دینی علوم سیکھ کر واپس آکر دوسرے لوگوں کو سکھائیں۔ اس طرح یہ فرض عین قرار پایا ہے۔ دین کے بنیادی عقائد کو جاننے کے بعد تفصیلی احکام اور تمام اسلامی علوم و فنون کے علاوہ دنیوی علوم کا حصول بھی ضروری ہے تاہم یہ سب پر فرض نہیں اگر کچھ لوگ ان میں پوری مہارت و کمال حاصل کرلیں تو کافی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی تعلیمات کی خصوصیات

۱۔ عمل پر زور

اسلامی تعلیم کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ محض نظری نہیں ہوتی بلکہ نہایت عملی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر حکم خداوندی ہے کہ تم ایسی باتوں کو زبان پر لاتے ہی کیوں ہو جن پر تمہارا عمل نہیں۔ خدا کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم ایسی باتیں کہو جن پر تم عمل نہیں کرتے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔

"عمل کے بغیر علم وبال ہے اور علم کے بغیر عمل گمراہی ہے۔"

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں۔

"دو آدمیوں نے میری کمر توڑ دی ہے۔ ایک جاہل عابد نے اور دوسرے بے عمل عالم نے۔"

حضرت حسن علیہ السلام سے منقول ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک علم تو وہ ہے جو زبان سے گزر کر دل میں گھر کر جاتا ہے یہی علم قیامت کے روز کام آئے گا۔ اور ایک علم وہ ہے جو صرف زبان کی حد تک ہوتا ہے اور اس کی رسائی دل تک نہیں ہو پاتی۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اس شخص کے خلاف حجت بنے گا۔

قرآن مجید بے عمل عالم کو ایسے گدھے سے تشبیہ دیتا ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لادی گئی ہوں۔

۲۔ حصول تقویٰ

اسلامی تعلیم کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس سے طالبعلم تقویٰ حاصل کرتا ہے اگر علم کا مقصد خدا ترسی اور خشیت نہ ہو تو یہ علم انسانیت کے لیے مضر ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ علم خوف خدا کا دوسرا نام ہے۔ تقویٰ کے ذریعہ ہی حقیقی انسان برائیوں سے بچ سکتا اور اسلامی معاشرہ کا بہترین فرد بن سکتا ہے۔ جو اسلامی تعلیم کا عین مقصود ہے۔ متقی انسان دنیا سے زیادہ آخرت پر نظر رکھتا ہے اور غرور اور ریا اس کے قریب نہیں آتے۔

۳۔ گمان سے پرہیز

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ علم میں گمان کی پیروی سے منع کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ
(بنی اسرائیل آیت ۳۶)

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ لوگ انفرادی و اجتماعی زندگی میں وہم و گمان کے بجائے علم کی پیروی کریں ۔ اسلامی معاشرے میں اس منشاکی ترجمانی وسیع پیمانے پر اخلاق میں ، قانون میں ، سیاست میں اور انتظام ملکی میں ، علوم و فنون اور نظام تعلیم میں غرض ہر شعبہ حیات میں کی گئی اور ان بے شمار خرابیوں سے فکر و عمل کو محفوظ کر دیا گیا ۔ جو علم کے بجائے گمان کی پیروی کرنے سے انسانی زندگی میں رونما ہوتی ہیں ۔" (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۲۱۶)

۴۔ علم نافع

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی علم نفع بخش ہوتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سے دعا کی کہ :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ ۔ اے اللہ! میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں ۔ جو مجھے نفع نہ دے ۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری دعا یہ ہے کہ :۔

" اے اللہ! تو نے مجھے جو علم دیا ہے اس سے مجھے فائدہ بخش اور مجھے وہ علم دے جو فائدہ بخش ہو ۔ اے رب میرا علم بڑھا دے ۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان ہے کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہو گا جس کے علم سے لوگوں کو نفع نہیں پہنچتا ۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم نے فرمایا ہے کہ :۔

" اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے اس خزانے کی مانند ہے جس میں سے راہ خدا میں کچھ خرچ نہ کیا جائے ۔"

۵۔ تعلیم کے ساتھ تربیت

پانچویں خصوصیت اس علم کی یہ ہے کہ تربیت کا انتظام اس کے ساتھ ہوتا ہے ۔ معلم اول نے خود ہی یہ مثال قائم کی کہ جہاں کتاب و حکمت کی تعلیم دی وہاں تزکیہ نفس کا کام بھی کرتے رہے ۔ ایسا علم بے کار ہوتا ہے جس سے تہذیب و تزکیہ انسانی نہ ہو سکے اور تربیت کا نظام اس کے ساتھ نہ ہو ۔

۶۔ مسجد سے تعلق

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ تعلیم کا تعلق مسجد سے رکھا گیا ۔ تعلیم کا دینی مزاج اس بات کا متقاضی تھا کہ دینی زندگی کے محور یعنی مسجد سے اس کو مربوط کیا جائے ۔ مسجد نبوی میں پہلی تعلیم گاہ کے قیام نے اس روایت کو قائم کر دیا ۔

ان خصوصیات کو اسلامی معاشرہ میں تعلیم کے ذریعہ حاصل کیا گیا اور ایک خاص رنگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی زندگی میں رچ بس گیا۔ اس تعلیم سے مسلمان معاشرہ کی ایمانی زندگی میں حسین نکھار پیدا ہو گیا اور اس معاشرہ کی تہذیبی و تمدنی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ جن کے بل بوتے پر آگے چل کر ملت اسلامیہ نے ہر میدان میں یونان اور روم کو علم کے میدان میں بہت پیچھے چھوڑ دیا اور اس طرح دنیا میں رہنمائی کے مقام پر فائز ہو گئی۔

سوالات

۱۔ اسلام میں تعلیم کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ یہاں کونسی تعلیم مراد ہے؟
(لاہور بورڈ ضمنی ۱۹۶۲)

۲۔ اسلام میں تعلیم کی نوعیت و اہمیت پر تفصیلاً بحث کیجئے (لاہور بورڈ ۱۹۸۳ء)

۳۔ حصول علم کا فائدہ کیا ہے؟ اس کو انسان کی معاشی (دنیوی) اور معادی (اخروی) زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ (لاہور بورڈ)
نوٹ:۔ اس کے جواب کی تیاری کے لئے اگلا باب "مکتب" بھی دیکھئے۔

۴۔ تعلیم کی اہمیت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک مفصل مضمون لکھیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۸۰ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۶

مکتب

مفہوم مکتب کا لفظ کتب سے ہے۔ جس کے معنی لکھنا ہیں۔ مکتب کے معنی لکھنے پڑھنے کی جگہ کے ہیں۔ مدرسہ اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ آج کی اصطلاح میں اسے سکول یا درس گاہ کہہ سکتے ہیں۔

اہمیت دنیا میں تمام زندہ قومیں، مکتب و مدرسہ کی اہمیت سے کبھی غافل نہیں رہیں مسلمان کی زندگی کا دار و مدار تو ہے ہی ایمان کے فہم پر، اگر اس ملت کے افراد ایمان اسلام کی تفصیلات سے جاہل و بے خبر ہوں گے تو ان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اس لیے اسلام نے علم کی ترویج پر بہت زور دیا اور اس کے لیے چھوٹے اور بڑے، عارضی اور مستقل قسم کے مدرسوں اور مکتبوں کی بنیاد رکھی۔

زندہ قومیں اپنے خاص کلچر اور تہذیب کو پروان چڑھانے کے لیے ہمیشہ درس گاہوں کا استعمال کرتی چلی آئی اور کرتی رہیں گی، تعلیم گاہ کے ذریعہ اپنے نوجوانوں میں علمی و فکری بلندی پیدا کرتی ہیں، تاکہ بڑے ہو کر جب وہ جنگ گاہ حیات میں عملاً شریک ہوں تو اس بنیادی اور اساسی تخیل کی خدمت کریں جس پر ان کے قومی تشخص کا دار و مدار ہے۔ اسلامی درس گاہوں سے مسلمان نوجوانوں نے ہمیشہ سوز یقین حاصل کیا اور عقل و علم کو چار چاند لگائے، تہذیب کے گیسو سنوارے اور تمدن کو اس کے آخری زینے تک پہنچایا۔ اسلامی تعلیم نے ان کے فکر و نگاہ کے زاویے بدلے، سوچنے اور سمجھنے کے انداز میں تبدیلی پیدا ہوئی اور کتاب و سنت ان کے لیے معیار خیر و شر قرار پایا۔ مکتب میں استاد اپنے علم اور اخلاق کے نمونے کے ذریعے بچوں کی بہترین تربیت اور ان کی سیرت سازی کا کام سرانجام دیتا ہے۔ بچے کے ذہن کی صاف تختی پر وہ بہترین اخلاقی، روحانی علمی نقوش ثبت کرتا ہے یہیں مستقبل کے قائد تیار ہوتے ہیں اور ملت کے مقدر کا فیصلہ ہوتا ہے۔

غرض و غایت اسلام میں مکتب کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ مسلمان طالب علم اللہ تعالیٰ کی معرفت اور خیر و شر کی بصیرت پیدا کرے اور اپنی زندگی کو شریعت کے سانچے میں ڈھالے گویا مکتب میں ایسا علم پڑھانا مقصود ہوتا ہے جس کے ذریعے طالب علم کو ایک بنیادی نقطہ نظر مل جائے جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اساسی تخیل توحید خداوندی ہے ۔ وہ تمام علوم جو خدا کی ذات سے قریب کریں ۔ یہاں پڑھائے جاتے ہیں اور اس تخیل کے ذریعہ طالب علم کی سیرت کو اسلامی رنگ میں ڈھالنا مقصود ہوتا ہے ۔

مکتب کا آغاز و ارتقاء

اسلام کی تاریخ میں مکتب کا آغاز رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہی سے ہو گیا تھا پہلی درس گاہ اور تربیت گاہ حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا ۔ جو مکہ مکرمہ کی گنجان آبادی سے ہٹ کر ایک پہاڑی پر تھا ۔ ایک درس گاہ کے لئے جس طرح کا پرسکون ماحول اور پاکیزہ مقام درکار ہوتا ہے ۔ وہ خصوصیات دار ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود تھیں ۔ اس کے صدر معلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تھے بڑے بڑے صحابہؓ اس درس گاہ کے طلباء تھے ۔ جو یہاں سے قلب و دماغ کو منور کر کے جہالت کی تاریکیوں کے خلاف اعلان کر دیتے ۔

مسجد ، مکتب کی حیثیت سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو خیر باد کہا اور مدینہ منورہ میں اپنی ایک ریاست قائم کر دی تو وہاں درس و تدریس کا باقاعدہ تعلق مسجد سے قائم کر دیا ۔ مسجد نبوی میں ایک چبوترہ بنایا گیا تھا ۔ جہاں پر طالب علم مقیم تھے اس چبوترہ کو صُفّہ اور اس کے طلبہ کو تاریخ اسلام میں اصحاب صُفّہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔

اصحابِ صُفّہ

مسجد نبوی کی درس گاہ کے یہ طالب علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے اور پھر مل کر بیٹھتے اور مسائل شرعیہ کو اذبر کرتے ۔ ان طالب علموں میں جو محنت و مزدوری کر سکتے وہ اس سے اپنی گزر بسر کرتے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو ان کا خیال رکھنے کا حکم دیتے تھے ۔ ان اہل صُفّہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض کو مختلف قبائل میں دین کی تعلیم دینے کے لیے بھی بھیج دیتے تھے ۔ بعض کو دوسرے مختلف کاموں پر مقرر کر دیا جاتا تھا ۔ اس انتظام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل کام یہ سمجھا گیا تھا کہ ایسے طالب علم تیار کئے جائیں جو اسلام کے داعی بن سکیں اور ان کی سیرت و کردار کی پوری تعمیر ہو سکے ۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی کی یہ درس گاہ طالب علموں کو باقاعدہ تربیت یافتہ استاد بنا کر نکال رہی تھی ۔ بیرونی قبائل کے نمائندے بھی یہاں پر کچھ عرصہ رہتے اور تربیت حاصل کر کے واپس اپنے قبائل کو اسلام کی تعلیمات جا کر سکھاتے تھے ۔ امام جلال الدین سیوطی کے نزدیک اصحاب صفہ کی تعداد ایک سو ایک تھی ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مرتبہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مدینہ سے واپس اپنے قبیلہ کی طرف جانے لگے تو حضورؐ نے فرمایا کہ۔

"تم اپنے خاندان کی طرف لوٹ رہے ہو، انہیں تعلیم دینا اور شریعت کے مسائل سکھانا اور اس طرح وہاں پر نماز پڑھنا جس طرح تم نے مجھے یہاں پر نماز پڑھتے دیکھا ہے" (صحیح بخاری)

ایک روایت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ۔

"عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتا تھا اور آپ سے دینی امور کے متعلق دریافت کرتا تھا اور دین میں سمجھ حاصل کرتا تھا" (سیرت النبیؐ)

خلافت راشدہ کے دور میں

خلفائے راشدین کے زمانہ میں دینی تعلیم اور دوسری زبانوں کے سیکھنے پر پوری توجہ دی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک ایسے شخص کو اپنے ہاں بلایا جو عبرانی زبان سے واقف تھا۔ آپ نے اس کی بڑی قدر کی۔ خلفائے راشدین نے بھی آپؐ کے طریق کار کے مطابق قرآن اور شریعت کے دوسرے مسائل سکھانے کے لیے باقاعدہ مکتب و مدارس قائم کیے جوں جوں اسلامی قلمرو میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی لحاظ سے مدرسے جاری ہوتے گئے۔ مولانا شبلی نعمانی نے الفاروق میں تحقیق سے یہ بات لکھی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معلموں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں اور ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا

"خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں ۱۵، ۱۵ درہم مقرر تھیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی۔ مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے" (الفاروق حصہ دوم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے پانچ مشہور حفاظ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابو ایوبؓ اور حضرت ابو درداءؓ تھے۔ ان میں حضرت ابی بن کعبؓ سید القراء تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں فلسطین و شام جانے کا حکم دیا تاکہ قرآن مجید کی تعلیم جاری کریں۔ اس وقت حضرت ابو ایوبؓ ضعیف اور ابی بن کعبؓ بیمار تھے۔ باقی تینوں حضرات بخوشی روانہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت فرمائی کہ پہلے حمص جائیں۔ وہاں کچھ دن قیام کریں، جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں، باقی دو صحابیوں میں سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ (الفاروق)

اس انتظام کا یہ اثر ہوا کہ کثیر تعداد میں لوگوں کی توجہ تعلیم کی طرف ہوئی حضرت ابو درداؓ کا حلقہ درس دمشق کی جامع مسجد میں قائم تھا۔ جہاں ایک دن سولہ سو طالب علم شریک تھے۔ قرآن مجید کے علاوہ عربی ادب، فقہ اور لغت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

اموی و عباسی دور

مکتب کی مزید ترقی اموی و عباسی دور میں ہوئی۔ امویوں کے زمانہ میں مختلف نئے علوم کا آغاز ہوا، اور پہلے علوم میں مزید ترقی ہوئی۔

امویوں کے دور میں قرآن حدیث اور فقہ کے علاوہ صرف و نحو کی تعلیم ہونے لگی۔ طب کی تعلیم کے لیئے مدرسے قائم ہوئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے انطاکیہ اور حران میں دو طبی مدرسے MEDICAL SCHOOL قائم کئے۔ مختلف علوم کے تراجم کا بھی آغاز اسی دور میں ہوا۔ اس زمانہ میں فوجی کاروائیوں میں مسلمانوں کا زیادہ وقت صرف ہوا۔ اس لیئے اس دور صرف ابتدائی کام ہو سکا۔ جسے بعد میں عباسیوں نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

عباسیوں نے باقاعدہ مدرسے کھولے اور ان میں وسیع پیمانے پر تعلیم کا انتظام کیا۔ بیت الحکمت قائم کر کے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا آغاز کیا گیا۔ دینی علوم، طب، فلسفہ، منطق، نجوم، ہئیت، ریاضی، جغرافیہ، علم الحیوانات، شعر و ادب اور تاریخ کی تدریس شروع ہوئی اور ان علوم کا خوب چرچا ہوا۔ ان دونوں ادوار میں مسلمانوں کی تعلیم گاہوں نے بڑے بڑے مفسر، محدث، فقیہ، حکیم، فلاسفر، ماہرین لسانیات، ادیب، محقق، ڈاکٹر اور مورخ پیدا کئے۔ اگر ہم ان کی گنتی کریں تو اس کے لیے علیحدہ ایک باب کی ضرورت ہوگی۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں اس دور کے جن علماء کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان کی تعداد پانچ لاکھ سے متجاوز ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے علم کا لوہا مانا جاتا تھا۔

دورِ جدید کا سب سے پہلا مدرسہ

سب سے پہلا مدرسہ نیشاپور میں تعمیر ہوا۔ جس کا نام مدرسہ بیہقیہ تھا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مدرسے میں تعلیم پائی تھی۔ اس کے مدرس اعظم ابو القاسم تھے۔ جن سے امام الحرمین نے فیض حاصل کیا۔ (الغزالی۔ از شبلی نعمانی)

مدرسہ بیہقیہ کے علاوہ وہاں اور بھی کئی دار العلوم قائم ہوئے۔ جن میں ایک مدرسہ نصریہ بہت مشہور ہوا جسے سلطان محمود غزنوی کے بھائی نصر بن سبکتگین گورنر نیشاپور نے قائم کیا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیگر مدارس

۱۔ مدرسہ غزنویہ نیشاپور کے علاوہ سلطان محمود غزنوی نے سنہ ۴۱۰ھ میں غزنی میں ایک مدرسہ قائم کیا، اس کی اپنی عمارت، سرکاری گرانٹ اور وقف املاک تھیں اسکا اپنا نصاب تعلیم بھی تھا۔

۲۔ مدرسہ نظامیہ بغداد سلجوقیوں کے زمانہ میں نظام الملک طوسی نے اپنے تیس سالہ دور وزارت میں ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں مدرسے قائم کیے۔ ان میں بغداد کا دار العلوم نظامیہ بہت مشہور رہا۔ اس کی تعمیر پر خطیر رقم صرف ہوئی اس کے ساتھ طلباء کی رہائش کے لیے ایک ہوسٹل بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ تمام طلباء کو وظائف دیئے جاتے تھے اس کا وائس چانسلر اپنے وقت کا جید عالم ہوتا تھا۔ اس منصب پر فائز ہونے کی آرزو میں بڑے بڑے علماء کرتے تھے۔ مگر انہیں موقع نہیں دیا جاتا تھا۔ اسی جامعہ کے وائس چانسلر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔

نظام الملک طوسی کے زمانہ میں مدارس کا سالانہ خرچ چھ لاکھ اشرفیاں تھیں[1] اس کے علاوہ اس نے اپنی کل جاگیروں کا دسواں حصہ تعلیم کے مصارف پر وقف کر دیا تھا۔ سلطنت سلجوقیہ کی اشرفی کم سے کم پچیس روپیہ کے برابر ہوتی تھی اس طرح نظام الملک کے خاص عطیہ کو چھوڑ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ کی سالانہ رقم شاہی خزانہ سے تعلیمات کے لیے مقرر تھی۔

۳۔ مدرسہ مستنصریہ یہ مدرسہ عباسی خلیفہ ابوجعفر مستنصر باللہ نے بغداد میں قائم کیا تھا۔ اس کی تعمیر ۶۲۵ھ میں شروع ہوئی اور ۶۳۱ھ میں اس کی عمارت مکمل ہوئی اس میں ایک لائبریری قائم کی گئی جس میں ایک سو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر نہایت نفیس اور نادر کتابیں رکھی گئیں۔ تمام علوم کے بڑے بڑے استاد مقرر کیے گئے۔ جن کے قیام و طعام وغیرہ کا انتظام مدرسہ کی طرف سے ہوتا تھا۔ بہت سے گاؤں اس مدرسہ کے لیے وقف تھے۔

۴۔ جامعہ قرطبہ مسلمانوں نے ہسپانیہ میں علوم کو اتنا چرچا کیا تھا اور ایسے دل نشین انداز

---

[1] آثار البلاد از علامہ قزوینی بحوالہ الغزالی۔

[2] تاریخ نظام تعلیم [illegible] نجیب آبادی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تعلیم دیتے تھے کہ بقول مصنف تمدن عرب عیسائی نوجوان والدین کے منع کرنے کے باوجود درس میں شریک ہوتے تھے۔ یوں تو بے شمار مدارس قائم تھے۔ لیکن قرطبہ کی یونیورسٹی بہت مشہور تھی جس کے ساتھ ایک عظیم شاہی کتب خانہ تھا۔ بقول سید امیر علی اس لائبریری میں کوئی چار لاکھ کتابیں موجود تھیں۔

۵۔ جامعہ ازہر دنیائے اسلام کی یہ یونیورسٹی بہت قدیم ہے۔ آج کے دور کی ان اہم تعلیم گاہوں میں سے ہے جو اب تک موجود ہیں اور اپنا مخصوص مقام رکھتی ہیں۔ ان میں جامع زیتون (تیونس) اور جامع ازہر مصر بہت مشہور ہیں۔

برصغیر ہندوپاک کے مدارس

۱۔ دارالعلوم دیوبند یوں تو اسلامی دنیا کے اس حصے میں ہمیشہ بے شمار مدارس قائم ہوتے اور ہو رہے ہیں۔ مگر دارالعلوم دیوبند کو ایک خاص مقام حاصل ہے اس مدرسہ کی بنیاد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے رکھی تھی۔ اور اس کے پہلے طالب علم شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ مولانا قاسم اور مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ جو ایک طرف شاہ ولی اللہ کے تعلیمی مکتب فکر کے تربیت یافتہ تھے اور دوسری طرف سید احمد شہید کی تحریک کے باقی ماندہ لوگوں میں سے تھے۔

۲۔ علی گڑھ یونیورسٹی اس کے بانی سر سید احمد خانؒ تھے۔ جنہوں نے مذہبی تعلیم کے ساتھ جدید تعلیم پر بہت زور دیا۔ تاکہ مسلمان انگریزی دور حکومت میں ملازمت حاصل کر سکیں اور دوسری قوموں کے دوش بدوش ترقی کر سکیں۔

۳۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ ندوہ کے بانیوں میں علامہ شبلی نعمانیؒ، مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی اور مولانا بزرگ علی جو شاہ عبدالعزیزؒ کے مدرسہ فکر سے متعلق تھے شامل تھے انہوں نے جدید و قدیم امتزاج سے ایک نظام تعلیم اس میں رائج کیا۔

۴۔ جامعہ ملیہ دہلی پہلے جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ میں ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی کی سرکردگی میں قائم ہوا۔ جس کا سنگ بنیاد مولانا محمود الحسنؒ نے رکھا۔ ۱۹۲۵ء میں اسے دہلی منتقل کیا گیا۔ اس کی بنیاد بھی اس تصور پر رکھی گئی کہ اس میں علوم جدیدہ اور دین کا جامع نظام تعلیم پڑھایا جائے۔ ہندوستان کے سابق صدر ڈاکٹر ذاکر حسین اسی ادارے کے سربراہ رہے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی مدارس کی خصوصیات

و ۔ اسلامی مدارس میں علم کو ایک عبادت سمجھا جاتا تھا اور اہل علم تدریس کو اپنا ایک دینی فرض سمجھتے تھے ۔

ب ۔ مدارس کے لیے صرف مسجدیں یا دوسری عمارتیں ہی وقف نہ تھیں ۔ بلکہ علماء کے گھروں پر بھی درس کے حلقے قائم تھے ۔

ج ۔ تعلیم عام اور مفت تھی ۔ اساتذہ کا مقام بہت بلند ہوتا تھا ۔ حکومت یا بادشاہ کبھی مداخلت نہ کرتے تھے ۔

د ۔ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے تزکیہ اور اصلاح باطن کی فکر کی جاتی تھی ۔ استاد صرف معلم ہی نہیں مربی بھی ہوتا تھا ۔

مکتب کے مقاصد و فوائد

مکتب کی ذمہ داریاں اور اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں ہم مختصراً اس کے ان مقاصد کا ذکر کرتے ہیں جن کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے ۔ یہی وہ فوائد ہیں جو مکتب سے اسلامی معاشرہ کو حاصل ہوتے ہیں ۔

۱ ۔ اشاعتِ تعلیم

مکتب کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تعلیم کی اشاعت کرے اگر تعلیم کی اشاعت کا مقصد اس سے پورا نہ ہو رہا ہو تو مکتب کا وجود بے کار ہے ۔ مکتب کی عمارت جہالت کے اندھیاروں میں نور کا ایک مینار ہوتی ہے ۔ جس سے علم کی روشنی پھیلتی اور انسان کو مہذب روشن خیال اور باکردار انسان بنا دیتی ہے ۔

۲ ۔ اصلاح عادات

مکتب کے ذریعے طلباء کے اخلاق و کردار کی تربیت اور اس کے تزکیہ و اصلاح کا کام کیا جاتا ہے ۔ اگر کہیں صرف تعلیم دی جا رہی ہو اور تزکیہ و اصلاح کے کام سے غفلت برتی جا رہی ہو ۔ تو مکتب کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا کیونکہ طلباء کی اصلاح اور ان کی تعمیرِ اخلاق اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہوتا ہے ۔

۳ ۔ نظم و ضبط

طلباء کو اس کے ذریعہ نظم و ضبط کی اہمیت اور اس کی پابندی کا شعور دیا جاتا ہے ۔ زندگی میں کامرانی و کامیابی نظم و ضبط کے بغیر ممکن ہوتی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت پر کام کرنا اور ایک نظام الاوقات کے تحت زندگی گزارنے سے طالب علم کی زندگی میں بھی سنوار پیدا ہو جاتا ہے۔ صلاحیتیں ضائع ہونے سے بچ جاتی ہیں۔ ایسے طالب علم اپنی ذات، قوم اور ملک کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں۔

۴۔ ادب واحترام

مکتب کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ طلباء کو ادب و احترام سکھائے۔ کسی انسانی سوسائٹی میں اگر ادب و احترام موجود نہ ہو۔ چھوٹوں سے پیار اور بڑوں کی عزت نہ کی جاتی ہو تو وہاں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ درس گاہ میں طلبہ کو یہ تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

۵۔ اخوت ومساوات

مکتب کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ طلباء میں اخوت و مساوات کے جذبات پروان چڑھائے جاتے ہیں۔

تمام طلباء ایک جگہ ایک اُستاد سے ایک ہی قسم کے خیالات و افکار سیکھتے ہیں۔ اس سے ان کے اندر ہمدردی، بھائی چارہ اور مساوات کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کا حیثیت مکتب میں برابر ہوتی ہے۔ اُستاد کی نظروں میں وہی لڑکا قدر کا مستحق ہوتا ہے۔ جو شوق اور محنت سے کام کرتا ہے نہ کہ وہ لڑکا جو امیر ہو یا کسی اونچی نسل سے وابستہ ہو۔

۶۔ صحت وتندرستی

مکتب میں باقاعدگی کے ساتھ کھیلیں ہوتی ہیں۔ صحت مند مشاغل اور کھیلوں کے ذریعہ جسمانی طور پر طلباء تندرست رہتے ہیں اور جو افراد جسمانی طور پر صحت مند ہوں وہی ذہنی طور پر صحت مند ہوتے ہیں۔

۷۔ اقامت گاہ

عام طور پر مکتب کے ساتھ اقامت گاہ ہوتی ہے جہاں طلباء قیام کرتے ہیں۔ اس میں روکر طلباء کے شب و روز نگران کے سامنے ہوتے ہیں۔ نگران کو موقع ملتا ہے کہ وہ لڑکے کی کمزوریوں کو دور کرے اور اسے گھریلو زندگی کی تربیت دے اس کی نفسیاتی کمزوریوں کو دور کر کے اُسے ایک اچھا شہری بننے میں مدد دے۔ گھروں میں بچوں کو بعض اوقات، بہت زیادہ لاڈ پیار کیا جاتا ہے۔ جس سے بچے بگڑ جاتے ہیں۔ اُن کی اصلاح کے لیئے ہوسٹل کی زندگی بہت ضروری ہے اور یہ ایک ایسا فائدہ ہے جو کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

اُوپر کی سطور میں ہم نے مکتب کے جو مقاصد بیان کئے ہیں یہی مقاصد تعلیم کے بھی ہیں اور یہی وہ فوائد ہیں جو مکتب سے حاصل ہوتے ہیں۔ نیز انہی کو ہم مکتب کی ذمہ داریاں بھی کہہ سکتے ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم سوالات

۱۔ اسلامی معاشرے میں مکتب کی اہمیت اور افادیت پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔
(سرگودھا بورڈ ۱۹۹۱ء، لاہور بورڈ ۱۹۹۲ء)

۲۔ مکتب کے مقاصد و فوائد بیان کیجیے۔

۳۔ مکتب کی تاریخ بیان کیجیے نیز چند مشہور مدارس کا حال بھی بتائیے۔

۴۔ اسلامی معاشرے میں تعلیم کی نوعیت و اہمیت پر تفصیلاً بحث کیجیے (لاہور بورڈ ۱۹۸۳ء)

۵۔ تعلیم کی اہمیت کا تفصیلی جائزہ قرآن و سنت کی روشنی میں لیجیے۔ نیز مقاصد تعلیم واضح کیجیے۔
(لاہور بورڈ ۱۹۸۰ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۷

استاد اور شاگرد کے حقوق و فرائض

اسلامی نقطۂ نظر سے اُستاد اور شاگرد کے حقوق و فرائض کی تفصیلات بہت ہیں، ہم مختصراً ان کے حقوق و فرائض اور اوصاف و ذمہ داریاں بیان کرتے ہیں۔

اُستاد کے حقوق

۱۔ احترام اسلامی معاشرہ میں اُستاد کا پہلا حق یہ ہے کہ اُسے عزت و احترام کا بلند مقام ملنا چاہیئے۔ دنیا کے عظیم معلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا اگر اُستاد کا وقار مجروح ہو اور اُسے معاشرہ میں احترام و عزت نصیب نہ ہو تو شاگرد اس سے استفادہ نہیں کر سکے گا۔

۲۔ ضروری سہولتوں کا انتظام اُستاد کا یہ حق ہے کہ اس کے کام اور منصب کے پیش نظر اسے بنیادی انسانی ضرورتیں اور سہولتیں فراہم کی جائیں تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے سکے۔ ان میں رہائش، علاج اور خوراک کی تمام ضرورتیں شامل ہیں۔

۳۔ اطاعت فی المعروف اُستاد کا یہ حق ہے کہ طلباء اس کی اطاعت فی المعروف کریں۔ جب تک طلبہ اُستاد کی بات نہیں مانیں گے۔ نہ تو وہ علم حاصل کر سکیں گے اور نہ ان کی تربیت ہو سکے گی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

عَبْدُ مَنْ عَلَّمَنِي حَرْفًا (جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھایا میں اس کا غلام ہوں)۔

۴۔ حق وفاداری اُستاد کا یہ حق ہے کہ طلباء اس کے وفادار رہیں اور جس طرح ایک بیٹا اپنے باپ کی بے عزتی، بے آبروئی اور بے وفائی برداشت نہیں کر سکتا اسی طرح اُسے اُستاد کے ساتھ تعلق وفا رکھنا چاہیئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵- والدکی طرح سمجھنا اُستاد کا یہ حق ہے کہ اُسے والد کی طرح خیر خواہ سمجھا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ والدین ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس کی اولاد ہوتی ہے۔ ایک وہ جو بیٹی کا نکاح کر کے دیتا ہے اور تیسرا وہ جو معلم ہے۔

اُستاد کے فرائض اور شاگرد کے حقوق!

ہم مختصر طور پر نیچے اُستاد کے فرائض واوصاف بیان کرتے ہیں۔ جو ایک لحاظ سے شاگرد کے حقوق بھی ہیں۔

۱- شفقت اُستاد کا فرض یہ ہے کہ وہ طالب علم سے شفقت، پیار اور محبت کا سلوک کرے اور یہ شاگرد کا حق ہے کہ اس کے ساتھ شفقت برتی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

"میں تمہارے لیے ویسا ہی ہوں، جیسے باپ اپنے بیٹے کے لیے"

۲- بلا اُجرت تعلیم اُستاد تعلیم مفت اور بغیر کسی اُجرت کے دے۔

ایک طرف اگر اُستاد کا طالب علم پر احسان ہوتا ہے کہ وہ اسے علم وایمان اور اخلاق کی دولت دیتا ہے تو دوسری طرف طالبعلم کا احسان یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اُستاد کو خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ طالب علم کا یہ حق ہے کہ اُسے تعلیم بلا اُجرت دی جائے۔

۳- مکمل تعلیم اُستاد کا فرض ہے کہ وہ ناقص یا ادھوری یا غلط تعلیم اپنے شاگرد کو نہ دے اسی طرح شاگرد کا یہ حق ہے کہ اُسے پوری اور صحیح تعلیم ملے۔

۴- بہترین تربیت اُستاد اپنے طالب علم کی اس طرح تربیت کرے کہ اُس کے اندر بغاوت پیدا نہ ہو بلکہ نہایت اچھے طریقے سے اس کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے اسے با اخلاق اور مہذب بنایا جائے۔ یہ شاگرد کا حق ہے کہ اُستاد اس کی اصلاح کرے۔

۵- مہارت مضمون اُستاد اپنے مطالعہ کو ہمہ وقت وسیع سے وسیع تر کرتا رہے۔ علوم میں جو نئے نئے اضافے ہوتے رہتے ہیں، اُن سے پوری طرح واقفیت حاصل کرے تاکہ شاگرد کے سوالوں کا اطمینان بخش جواب دے سکے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ اخلاص استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ پیشے کے ساتھ نہایت [illegible] اس کے اندر طلباء کے لیے خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔ اس کی یہ خواہش ہو۔ کہ طلباء کی ہر طرح سے اصلاح ہو سکے۔

۸۔ وسعتِ نظر استاد تنگ نظر نہ ہو۔ اس کا ذہنی افق بہت وسیع ہو۔

۹۔ تقویٰ استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ متقی ہو کیونکہ تقویٰ کے بغیر طلباء میں اسلامی روح پیدا نہیں کی جا سکتی اور ان کی روحانی نشوونما کا پوری طرح انتظام نہیں کیا جا سکتا۔

۱۰۔ کردار کی عظمت استاد کا کردار بہت عظیم ہو۔ کردار ہی سے طلباء متاثر ہوں گے اور ان کے اندر اخلاقی اوصاف پیدا کئے جا سکیں گے۔

۱۱۔ وقار و متانت استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ صاحبِ وقار ہو۔ چھچھورا پن طلبہ پر بہت برا اثر ڈال سکتا ہے۔ تعلیم ایک مبارک فعل ہے۔ اس کے لیے متانت و شائستگی کی بہت ضرورت ہے۔

۱۲۔ قربانی استاد ایثار و قربانی کی جیتی جاگتی تصویر ہو۔ تعلیم دین کے لیے ہمارے اسلاف نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔

۱۳۔ موقف پر یقین استاد کو اپنے موقف کا پورا یقین ہونا چاہیئے۔ اور کوئی لالچ یا دھمکی ان کو اس موقف سے ہٹا نہ سکے تکلیف برداشت کر لیں لیکن انہیں اپنے مقام سے پیچھے نہیں آنا چاہیئے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس راہ میں بڑی تکالیف برداشت کیں اور اساتذہ کے لیے ایک بلند معیار قائم کر دیا۔

۱۴۔ سادگی استاد کی زندگی سادہ لیکن پاکیزہ ہونی چاہیئے۔ زندگی کا جو انداز استاد کا ہوتا ہے۔ وہی طالب علم کا ہوتا ہے۔ تصنع اور تکلف سے استاد کو بہت دور رہنا چاہیئے۔

۱۵۔ شریعت کی پابندی استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ شریعت کا پوری طرح پابند ہو۔ اگر اس کی زندگی میں کہیں بھی خلا ہو تو وہ طلباء پر اثر انداز ہو گا۔ استاد کے کسی ایک عقیدے کی خرابی سے پوری نئی پود گمراہ ہو سکتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۶۔ نظم وضبط استاد کو نظم وضبط کا بہت زیادہ پابند ہونا چاہیئے۔ وقت کی پابندی کا استاد کو خاص خیال رکھنا چاہیئے ورنہ طلباء کے اندر بھی سستی آجائیگی

۱۷۔ جسمانی صحت اُستاد کی جسمانی صحت اچھی اور اس کی شخصیت پرکشش ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ تو طلباء کو متاثر کیا جاسکتا ہے اور نہ محنت سے کام ہی ہوسکتا ہے۔

شاگرد کے فرائض

شاگرد کے فرائض جن کی طرف اسے خصوصی توجہ دینی چاہیئے، درج ذیل ہیں۔

۱۔ علم کی تڑپ طالب علم کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اندر علم صحیح کے حصول کی تڑپ پیدا کرے۔ اگر وہ تشنگی پیدا نہیں کرے گا تو سیراب نہ ہو سکے گا۔

۲۔ خلوص نیت شاگرد اپنی نیت کو خالص کر کے تعلیم کی طرف آئے۔ وہ تعلیم خدا کی رضا کے لیے حاصل کرے۔

۳۔ اُستاد سے محبت شاگرد کا یہ فرض ہے کہ اُستاد سے محبت کرے۔

۴۔ اُستاد پر اعتماد شاگرد کو اگر اُستاد پر اعتماد اور یقین نہ ہو گا تو وہ کوئی بات بھی حاصل نہ کر سکے گا۔

۵۔ تقویٰ طالب علم کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ خدا سے ڈرے اور اپنے اندر تقویٰ پیدا کرے۔

۶۔ دین وملت سے محبت شاگرد کا یہ فرض ہے کہ وہ شریعت کی پابندی کرے اور اپنے ملک اور قوم سے محبت کرے۔

۷۔ تہذیب کا شعور طالب علم اپنی قومی تہذیب کا گہرا شعور حاصل کرے کیونکہ اس کے بغیر وہ قوم کی صحیح خدمت نہ کر سکے گا اور ملک کا ایک امن پسند شہری نہیں بن سکے گا۔

۸۔ اچھے عادات واخلاق طالب علم اپنی عادات اور اخلاق کو سنوارے حقیقتاً علم ایک نور ہے جو قلب کو منور کرتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ بُری مجلس سے گریز طالب علم کو زمانہ طالب علمی میں اپنے تعلقات کو مختصر کر دینا چاہیئے۔ گھر سے دور رہنا پڑے تو بھی حصول علم کے لیے اس کی پرواہ نہ کرے۔ اور بُرے ساتھیوں کی مجلس سے لازماً اجتناب کرے کیونکہ ایسی مجلس اخلاق تباہ، وقت ضائع کرنے اور ذہن منتشر کرنے کا سبب بنتی ہے۔

۱۰۔ تکبّر سے پرہیز علم عجز و انکساری سے حاصل ہوتا ہے۔ شاگرد کو چاہیئے کہ اُستاد کے سامنے عجز سے جھکا رہے۔

۱۱۔ علوم محمودہ کی تحصیل مفید اور قابل تعریف علوم حاصل کرنے کی کوشش کرے تاکہ ان کے ذریعے وہ خلق خدا کو نفع پہنچا سکے۔ غیر نفع بخش اور نقصان دہ علوم سے پرہیز لازم ہے۔

۱۲۔ اہل علم کی صحبت شاگرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اہل علم کی مجالس میں بیٹھا کرے تاکہ وہ اچھی اچھی باتیں سیکھ سکے۔ اہل علم کی مجالس میں چند گھڑیاں گزارنے سے آدمی وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے جو مہینوں موٹی موٹی کتابیں پڑھنے سے اسے حاصل نہیں ہوپاتا۔

۱۳۔ باطن کی اصلاح طالب علم کا علم سے یہ مقصود ہونا چاہیئے کہ وہ اس سے اپنے باطن کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ ایسا علم چاہتا ہے جو اُسے خداوند تعالیٰ تک پہنچا دے۔ دنیاوی عہدے اور مال و دولت کو طلب علم کا مقصد نہ قرار دے۔ وہ قرآن و حدیث کے علاوہ سائنسی علوم (کیمسٹری، فزکس، ریاضی، حیاتیات وغیرہ) معاشیات، سیاسیات، معاشرتی علوم اور مختلف زبانوں کا علم حاصل کرے لیکن ان سب کا مقصود انسانوں کی خدمت اور دین کی سربلندی کی جدوجہد کے ذریعے اللہ کی رضا کا حصول ہو۔

سوالات

۱۔ اُستاد کے فرائض تفصیل سے لکھیئے نیز اسلامی معاشرے میں استاد کے مقام کی وضاحت کیجیئے؟ (سرگودھا بورڈ ۱۹۷۹ء)

۲۔ شاگرد کے اوصاف کیا ہیں؟

۳۔ شاگرد کے حقوق و فرائض تفصیل سے لکھیئے! (لاہور بورڈ ۱۹۸۱ء)

۴۔ اُستاد کے اوصاف کیا ہیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۸

مسجد

مفہوم مسجد عربی میں سجدہ کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اسلام میں انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت قرار دیا گیا ہے اور اس عبادت میں نماز کو اولیت حاصل ہے۔ نماز کی ادائیگی کے لئے اگرچہ مسجد کی عمارت لازم نہیں، لیکن محلوں اور آبادیوں میں اقامت نماز جماعت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس لئے مسجدوں کی تعمیر اسلامی آبادی میں ناگزیر ہے۔

اہمیت اسلام میں مسجد کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے جو گھر بنایا گیا وہ مسجد تھی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۔

ترجمہ:۔ بے شک (دنیا میں) انسانوں کے لیے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا ہے۔ وہ وہی برکت والا ہے۔ جو مکہ میں ہے اور تمام جہانوں کا رہنما ہے۔

حدیث نبوی میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ دنیا میں سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر ہوئی۔ آپ نے فرمایا، مسجد حرام،، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد مدینہ سے باہر کی آبادی میں مسجد قبا اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر سب سے پہلے کی۔

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے لیے ساری زمین مسجد بنا دی گئی ہے۔ لیکن اس مقصد کے لئے اسلامی دنیا میں بے شمار مسجدیں تعمیر ہوئیں، نماز با جماعت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی تاکید فرمائی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو جلا دینے کی خواہش فرمائی۔ جو گھروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ آپ کا فرمان آتا ہے۔ کہ منافق کی پہچان یہ ہے کہ وہ مسجد میں جماعت کے ساتھ باقاعدہ نماز کے اہتمام میں سستی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ۔

إِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ ....

جب وہ (منافقین) نماز کے لئے جاتے ہیں تو سست سست جاتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عظمت مسجد کی عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (سورہ جن) بے شک مسجدیں اللہ کے لئے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت اپنے ساتھ کی ہے۔

ایک دوسری جگہ مساجد کو اللہ کے گھر قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (سورۂ نور) انہی گھروں میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم کہ ان کی عظمت کی جائے۔

بے شمار احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی عظمت و رفعت کا ذکر فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا "مسجدیں جنت کے باغ ہیں"

"بہترین جگہیں تمہاری آبادیوں کی مسجدیں ہیں"

"مسجدیں اللہ تعالیٰ کو بے حد پیاری ہیں"

"جو اللہ کا گھر اس دنیا میں بناتا ہے۔ اللہ اس کا گھر جنت میں تعمیر کرتا ہے"

آداب مسجد کی عظمت و احترام کو ملحوظ رکھنے کے لیے اسلامی فقہ میں باقاعدہ اس کے لئے آداب مقرر ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

۱۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف)

(اے بنی آدم! مسجد میں زینت سے جایا کرو)

۲۔ مسجد میں عبادت کی نیت سے اور باوضو داخل ہونا چاہیئے۔

۳۔ ناپاک جسم کے ساتھ مسجد میں داخل نہیں ہونا چاہیئے۔

۴۔ مسجد میں دنیا کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

۵۔ مسجد کی صفائی، ستھرائی کا بے حد خیال رکھنا چاہیئے۔ آنحضرتؐ اگر مسجد نبوی میں کہیں تھوک وغیرہ دیکھتے تو خود دست مبارک سے اُسے کھرچ ڈالتے۔

۶۔ مسجد میں ایسی حالت میں نہ جایا جائے کہ منہ سے کچے پیاز یا لہسن کی بو آرہی ہو۔

۷۔ مسجدیں امن کی جگہیں ہیں۔ ان میں لڑائی جھگڑا اور خونریزی نہیں ہونی چاہیئے۔

۸۔ جمعہ کے دن خاص طور پر نہا دھو کر، صاف کپڑے پہن کر جانا چاہیئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاکہ بڑے اجتماع کی وجہ سے کسی طرح کی بو نہ پھیلے۔

۹- مسجد میں آوازیں بلند کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

۱۰- مسجد کی طرف بھاگ کر نہیں جانا چاہیئے۔ خواہ جماعت ہی کیوں نہ ضائع ہونے کا خدشہ ہو کیونکہ یہ اس کے وقار و احترام کے منافی بات ہے۔

۱۱- مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت دعائیں پڑھنی چاہئیں۔

مشہور مسجدیں

۱- مسجد حرام مکہ مکرمہ کی اس مسجد کی طرف دنیا بھر کے مسلمان رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اس میں عام مسجدوں کے مقابلہ میں نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے تعمیر کیا تھا۔ بعد میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مل کر اس کو از سر نو تعمیر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی استطاعت مسلمان پر اس مقام کے طواف کو فرض قرار دیا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے لاکھوں مسلمان دنیا بھر سے ہر سال اس جگہ جمع ہوتے ہیں۔

۲- مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آنے کے بعد اس مسجد کی تعمیر کی۔ آپؐ نے خود اس کی تعمیر کے وقت مزدوروں کی طرح اپنے ہاتھ سے کام کیا۔ شروع میں یہ کھجور کے پتوں اور کھونٹوں سے تعمیر ہوئی۔ بعد میں وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس میں نماز پڑھنے کا ثواب آپ نے ایک ہزار نماز کے برابر قرار دیا ہے۔

۳- مسجد اقصیٰ اس مسجد کا ذکر قرآن مجید میں حضورؐ کے واقعۂ معراج کے ضمن میں آتا ہے۔ مسلمانوں کا پہلا قبلہ بیت المقدس تھا۔ جس میں مسجد اقصیٰ بھی شامل ہے۔ اس مسجد میں معراج کے موقع پر حضورؐ نے تمام نبیوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور عمارت کے لئے ثواب کی نیت سے تیاریٔ سفر کی ممانعت ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ۔ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا۔

تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف اپنے سفر کی سواری کو تیار نہ کرو، مسجد حرام و مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبویؐ)

۴- مسجد اموی [illegible] مسجد کا نام ہے جو ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ حکومت میں بنائی اور اس پر بہت زیادہ دولت خرچ کی۔ اس کی ....

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیب و زینت، شکوہ و ہیبت کا یہ اثر تھا کہ ایک مرتبہ ایک عیسائی زائر اسے دیکھ کر بے ہوش ہوگیا۔

۵۔ جامع قرطبہ ہسپانیہ کے اسلامی دورِ حکومت میں یہ عظیم مسجد تعمیر کی گئی۔ یہ عمارت نادرۂ روزگار ہے۔ سینکڑوں سال گزرنے کے بعد آج بھی اصلی شان و شوکت بدستور قائم ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کئی سو سال کے بعد اس میں اذان دی اور اس پر اپنی ایک مشہور نظم مسجد قرطبہ لکھی۔ اس وقت یہ مسجد ویران پڑی تھی۔

۶۔ بادشاہی مسجد دنیا کی عظیم اسلامی سلطنت، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قلب لاہور میں یہ مسجد ہے۔ اس کی تعمیر مغل فرمانروا اورنگ زیب نے کرائی۔ بادشاہی مسجد لاہور اپنی وسعت، سادگی اور حسن و مضبوطی کے لحاظ ممتاز ہے۔

۷۔ جامع مسجد استنبول ترکی میں یوں تو بے شمار مسجدیں ہیں۔ لیکن اپنی خوبصورتی اور خاص طرزِ تعمیر کے لحاظ سے استنبول کی اس مسجد کو بڑی شہرت حاصل ہے۔

مسجد کے لوازمات شروع شروع میں مسجد کے ساتھ میضاۃ (وضو کی جگہ) وغیرہ نہ تھی اور نہ ہی مینار تھے۔ البتہ امام کے لیے جگہ اور خطبہ کے لیے منبر موجود تھا۔ آہستہ آہستہ محراب و منبر کے ساتھ بغلی حجرہ، وضو کی جگہ اور بلند میناروں کے ساتھ گنبد نما چھتیں ابھریں۔ سادگی کی جگہ، آرائش و زیبائش آئی اور کچے گارے کی جگہ سنگ مرمر نے لے لی۔ ان پر قرآن مجید کی آیات مختلف خطوں میں لکھی جانے لگیں۔ ان آیات کی خوبصورتی و دلفریبی اس حد تک تھی کہ عیسائی اپنے گرجوں میں ان آیات کو کندہ کرواتے تھے۔

مسجد ایک دینی شعار شعار کسی قوم کے اس مخصوص نشان کو کہا جاتا ہے جس سے وہ قوم پہچانی جاتی ہے۔ دنیا کی تمام قوموں کے اپنے مخصوص شعار ہیں۔ مثلاً عیسائیوں کا شعار صلیب ہے۔ سکھوں کا شعار کرپان، کڑا اور کیس وغیرہ ہیں۔ ان مظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کس قوم کا شعار ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کے بھی چند شعار ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز مسجد ہے۔ جس آبادی میں مسجد ہوگی، اسے مسلمان آبادی سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جب کسی جگہ اپنی بستی بساتے تھے تو سب سے پہلے مسجد کی جگہ منتخب کرتے تھے اور اس کی تعمیر کرنے کے بعد اپنے گھر بناتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کیا اور آپؐ کے بعد صحابہؓ نے بھی اس پر عمل کیا۔ مسجد سے محبت ایمان کی علامت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجد کے مقاصد

ہر زمانے میں مسجد کی بے حد افادیت رہی ہے۔ لیکن آج اس روحانی افلاس اور قلبی بے چینی کے دور میں اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مسجد کے ساتھ نئی نسل کا تعلق جتنا گہرا ہوگا۔ اس کے اندر نئی زندگی اور نئی جوانی پیدا ہوگی۔ ہم مختصر طور پر مسجد کے وہ فوائد گنواتے ہیں جو اس سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ انہی عظیم مقاصد کے حصول کے لئے مساجد کی تعمیر کی جاتی ہے۔

۱۔ ذکر اللہ

مسجد کی تعمیر کا اولین مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ اور اس کیساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پنجگانہ کو خداوند تعالیٰ کا بہترین ذکر قرار دیا ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق جتنا گہرا ہوگا اتنی ہی زیادہ اصلاح نفس ہوگی۔ اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان نصیب ہوگا۔ فرمایا:۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔

جان لو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔

۲۔ عبادت گزاری

مسجد کا دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ اس میں تمام مسلمان مل کر خدا کی عبادت کریں۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ۔

رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ

اس اجتماعی عبادت سے بے شمار روحانی و دنیاوی فوائد وابستہ ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص گھر میں نماز پڑھتا ہے۔ اُسے ایک نماز کا ثواب اور جو محلّے کی مسجد میں پڑھتا ہے اسے پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

۳۔ تزکیۂ نفس

مسجد کے ذریعہ تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔ تزکیۂ نفس کی اصل جان ایمان ہے۔ بندگی کا تصور اور ایمان کا شعور جتنا مسجد میں جا کر انسان کو ہوتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں ہو سکتا۔ تربیت اور تزکیہ کے لئے دوسری جو بات ضروری ہوتی ہے وہ اچھا ماحول ہے۔ مسجد میں سارے لوگ ایک ہی مقصد کے تحت جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے وہاں روحانی اور اخلاقی تربیت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ اشاعت تعلیم

دین کے تمام علوم کی اشاعت کا بہترین مرکز مسجد ہے۔ ایک لمبے عرصے تک ... آج بھی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا تعلق مسجد سے قائم و وابستہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ اسلام پڑھا کر اسلام کے ساتھ ملت کا رشتہ گہرا کیا جا سکتا ہے۔ بچوں کی اجتماعی تعلیم کا بہترین بندوبست ہو سکتا ہے۔

۵۔ وعظ و تذکیر مسجد میں وقتاً فوقتاً وعظ و تذکیر کی محفلیں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ ان محفلوں میں بڑے بڑے علماء وعظ و تذکیر کرتے ہیں۔ یوں تو صبح شام قرآن مجید کا درس اور حدیث کی تعلیم کا انتظام ہو سکتا ہے۔ مگر جمعہ کا روز اس مقصد کے لئے مخصوص ہے۔ خطبہ جمعہ میں بالعموم مفید تقاریر ہوتی ہیں۔ جن کا اثر حاضرین پر پڑتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے مختصر لیکن جامع اور دلنشین خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح مسجد ایک ہمہ وقتی تربیت گاہ کا روپ دھار لیتی ہے۔

۶۔ درس مساوات اسلامی معاشرہ میں مسجد ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں آکر گورے، کالے، امیر غریب، شاہ و گدا، حکمران و رعایا اور محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں آکر عملاً ان کو دن میں پانچ وقت یہ احساس بخشا جاتا ہے کہ تم سب خدا کی نگاہ میں برابر ہو۔ تم میں عزت والا وہی ہے جو اخلاق کریمانہ رکھتا ہو۔ حسب و نسب، جاہ و دولت اور عہدہ اختیارات خدا کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتے اور اس آیت کریمہ کی منہ بولتی تصویر بن جاتے ہیں کہ

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ۔ (سورۂ حجرات) ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔

جب یہ وحدتِ انسانیت اور مساوات کا تصور راسخ ہو جاتا ہے تو تمام امتیازات رنگ و نسل ختم ہو کر مسلمان ایک ایسی بنیان مرصوص ہو جاتے ہیں کہ ان کے سامنے پھر کوئی قوم ٹھہر نہیں سکتی۔

۷۔ ہمدردی و اخوت مسجد کے ذریعہ تمام مسلمانوں میں ہمدردی اور بھائی چارہ بڑھتا ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ ایک دوسرے کے حال سے واقفیت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ اگر کوئی بیمار ہو جائے تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی ہر وقت تیمارداری اور مدد کی جا سکتی ہے اسی طرح اگر کسی مسلمان کو کوئی ضرورت لاحق ہو جائے تو وہ ضرورت تمام مسلمان مل جل کر پوری کر دیتے ہیں۔ نیز اس طرح ہمدردی و اخوت کے جذبات پروان چڑھتے رہتے ہیں اور الفت و محبت پیدا ہوتی ہے۔

۸۔ پابندیٔ اوقات مسجد میں تمام مسلمان مقررہ اوقات میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ نماز کے لیے اسلام نے وقت کی پابندی بھی ایک شرط قرار دی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی شخص وقت پر نماز ادا نہیں کرتا تو اس کی نماز ادا نہیں ہوتی۔ تعین اوقات کا فلسفہ یہ ہے کہ مسلمان وقت کی قدر سیکھیں اور اپنی زندگی میں تمام کام وقت پر کرنے کی کوشش کریں۔ مسجد کے ذریعے مسلمانوں کے اندر اس عادت کو پختہ سے پختہ تر کیا جاتا ہے۔ مسلمان اصل میں وقت کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ وہ ایک دو دھاری تلوار ہے۔ جسے اگر انسان خود اپنے حق میں استعمال نہ کرے تو یہ اس کے خلاف لازماً استعمال ہوتی ہے۔ ایک اور لحاظ سے بھی نماز کے اوقات کے تعین کے فلسفہ پر نظر ڈالیے۔

"انسان کی نفسیاتی خصوصیت یہ ہے کہ جو کام مداومت کے ساتھ اس کو کرنا ہوتا ہے۔ جب تک وہ اس کے اوقات نہ مقرر کرے۔ کبھی وہ اس کو مستعدی کے ساتھ بلاناغہ انجام نہیں دے سکتا، اسی لیے ہر منظم، باقاعدہ عمل کے لئے اوقات کا تعین ضروری ہے اور یہی طریقہ تمام دنیا نے اپنے باقاعدہ اور منظم کاموں کے لیے اختیار کیا ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کسی کام کے کرنے کے لیے ۲۴ گھنٹوں کی مہلت ہے۔ تو وہ ہمیشہ سستی اور کاہلی سے اس کام کو ایک وقت سے دوسرے وقت پر ٹالتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دن تمام ہو جاتا ہے اور آخری گھڑی بھی گزر جاتی ہے اور وہ اس کام کو انجام نہیں دیتا، لیکن جب کاموں کے لیے اوقات معین ہو جاتے ہیں، ہر مقررہ وقت کی آمد انسان کو اس وقت کا کام یاد دلاتی ہے اور وہ وقت گزرنے نہیں پاتا کہ دوسرے کام کا وقت آجاتا ہے۔ اس طرح وقت کا فرشتہ ہر وقت انسان کے فرائض کو یاد دلاتا رہتا ہے اور تمام کام پابندی سے بلاناغہ انجام پاتے ہیں۔"[1]

۹۔ اخلاص مسجد میں مسلمان جب جاتے ہیں اور نمازیں ادا کرتے ہیں۔ تو ان میں اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔

"اور تم ہر نماز کے وقت اپنے رخ کو ٹھیک رکھو اور خدا کو اخلاص کے ساتھ پکارو۔"

۱۰۔ ستر پوشی نماز کی شرائط میں ستر پوشی بھی داخل ہے۔ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے لباس کو درست کریں۔ اس سے شرم و حیا پیدا ہوتی ہے۔

۱۱۔ طہارت و پاکیزگی مسجد میں جانے کے لیے اور نماز پڑھنے سے پہلے جسم، جگہ اور کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ گویا جہاں مسجد کی جگہ پاک ہوتی ہے وہاں ساتھ ہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کے لباس اور اُن کے جسم بھی پاک ہونے چاہئیں۔ یہ جذبۂ طہارت پوری ملت اسلامیہ میں پیدا کیا جاتا ہے۔

مسجد میں نماز سے پہلے وضو کیا جاتا ہے۔ اس طرح ناک، کان، منہ اور ہاتھ پاؤں دھو کر خوب اچھی طرح صفائی کی جاتی ہے۔ صفائی اور پاکیزگی ملت اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔

۱۲۔ سحر خیزی نماز فجر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے ہر مسلمان کو لازماً صبح سویرے اٹھنا پڑتا ہے۔ طب اور حفظانِ صحت کے نقطۂ نظر سے رات کو جلدی سونا اور صبح سویرے اٹھنا انسانی صحت کے لئے بہت ضروری ہے۔ مسجد کے ذریعہ یہ عادت ہر مسلمان کے اندر پختہ ہو جاتی ہے۔

۱۳۔ اجتماعیت انسان کی ایک فطری ضرورت اجتماعیت ہے۔ یہ ضرورت مسجد سے بدرجہ اولیٰ پیدا ہوتی ہے۔ نیک مقاصد کے لیے اجتماعیت کئی فائدوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

۱۴۔ نظم جماعت کسی قوم کی زندگی اس کے نظم جماعت کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ یہی گرہ جب کھل جاتی ہے تو قوم کا شیرازہ منتشر و پراگندہ ہو جاتا ہے۔ اسلام میں نماز باجماعت، مسجد میں اجتماع، صف بہ صف کھڑے ہونا، شانہ سے شانہ ملانا، یکساں حرکت و جنبش کرنا، مسلمانوں کی قومی زندگی کی مضبوط و مستحکم دیوار کا مسالہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کی درستی اور امام کی تقلید پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے:-

"جب تک تم خوب مل کر کھڑے نہ ہو گے۔ تمہارے دل بھی آپس میں نہ ملیں گے۔"[1]

مسجد نظم جماعت کے ساتھ نظم و ضبط پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

۱۵۔ اصلاح معاشرہ مسجد کے ذریعہ اصلاح معاشرہ میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ کیونکہ مسجد نیکیوں کو پروان چڑھاتے اور بدی سے دائمی نفرت پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ نماز کا قرآن مجید میں یہ فائدہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ نماز برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے۔

۱۶۔ ضبط نفس مسجد کے ذریعہ مسلمان کے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے انسان اپنے اوپر ضبط کرنا سیکھتا ہے۔ جذبات و میلانات پر قابو حاصل ہو

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ و ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کو قابو میں لا کر صلاحیتوں کو نیک مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۱۷۔ ملی شکوہ مسجد میں جب مسلمانوں کے عظیم اجتماع ہوتے ہیں تو اس سے ملت اسلامیہ کا دشمنوں پر رعب پڑتا ہے اور اہل اسلام کے ملی شکوہ کا ثبوت فراہم ہو جاتا ہے۔

۱۸۔ فیصلِ مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد صرف عبادت کے لئے استعمال ہوتی تھی بلکہ مختلف مقدمات کی سماعت بھی آپ وہیں کرتے تھے۔ سماعت کے بعد آپ اُن کے فیصلے بھی وہیں سناتے تھے۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا۔ مسجد کو عدالت کے طور پر استعمال کرنے میں یہ حکمت تھی کہ وہاں پر مدعی اور مدعا علیہ مسجد کا احترام کرتے اور کوئی جھوٹی بات بیان نہ کرتے۔ دوسری طرف قاضی بھی عدل و انصاف کا خاص خیال رکھتے۔

اہم سوالات

۱۔ مسجد کے مفہوم، اہمیت، آداب اور عظمت پر قرآن و حدیث کی رو سے روشنی ڈالئے۔

۲۔ چند مشہور مسجدوں کے حالات بیان کیجئے۔

۳۔ اسلام میں مسجد کے احکام کیا ہیں؟ ایک اسلامی معاشرہ میں مسجد کن مقاصد کو پورا کرتی ہے؟
(لاہور بورڈ ۱۹۷۳ء)

۴۔ مسجد شعائر اسلام میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اس کی عظمت اور افادیت پر بحث کیجئے اور مثالیں دیجئے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۷۴ء)

۵۔ مسلم معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں مسجد اہم کردار ادا کرتی ہے۔ دلائل سے ثابت کیجئے۔
(سرگودھا بورڈ ۱۹۷۹ء)

۶۔ مسجد سے کیا مراد ہے؟ اسلامی معاشرہ میں مسجد سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔
(لاہور بورڈ ۱۹۷۹ء)

۷۔ اسلامی معاشرہ میں مسجد کی کیا اہمیت ہے۔ وضاحت سے روشنی ڈالیے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۷۷ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی معاشرہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۹

اسلامی معاشرہ

معاشرہ کا مفہوم معاشرہ کا لفظ عشرۃ سے نکلا ہے۔ جس کے معنی زندگی بسر کرنے کے ہیں۔ گویا معاشرہ کے مفہوم میں باہم زندگی بسر کرنا اور آخر میں مل جل کر رہنا شامل ہے۔ جہاں افراد انسانی مل جل کر رہتے ہوں اُسے معاشرہ کہا جاتا ہے اور جس معاشرہ کے افراد مسلمان ہوں اور وہاں پر اسلام کارفرما ہو تو اسے اسلامی معاشرہ کہا جائے گا۔

معاشرہ کی اہمیت

۱۔ علماء کا خیال تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان فطری طور پر تمدن پسند واقع ہوا ہے۔ ابن خلدون اپنی مشہور کتاب مقدمہ تاریخ کے آغاز میں کہتا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ ارسطو کا ایک قول ہے کہ MAN IS A SOCIAL ANIMAL انسان ایک سماجی حیوان ہے۔ گویا معاشرتی زندگی انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اس کی فطرت کا مظہر معاشرہ ہے۔

۲۔ عام معاملات زندگی کے نقطۂ نظر سے انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کی بے شمار ضروریات ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ غیر ترقی یافتہ دور میں ممکن ہے کوئی انسان کسی طرح سے بھی کسی دوسرے انسان کا محتاج نہ رہا ہو۔ مگر انسان بیک وقت اپنے لئے سب کچھ تیار نہیں کر سکتا۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہی ضروریات پوری کی جا سکتی ہیں اس لئے اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان ایک معاشرہ قائم کریں اور مختلف پیشے اختیار کر کے ایک دوسرے کے کام آئیں۔

۳۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اسلامی نقطہ نظر سے معاشرہ کا قیام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام کا مزاج سمجھنے کے لیے اس کے تصورات و عبادات پر ایک نظر ڈالئے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اسلام کے نزدیک معاشرے کا قیام کتنا ضروری اور اہم ہے۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام میں اللہ صرف مطلوب حقیقی ہی نہیں بلکہ فرمانروا اور قانون ساز بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان ان قوانین اور احکام کی اطاعت و پیروی کرے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان ایک معاشرہ قائم کریں اس میں [illegible] پابندی کر کے اس پر رعیت ہونے کا ثبوت دیں۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی تعمیر جن پانچ ستونوں پر ہوئی ہے ان میں سے اکثر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کے لئے کسی نہ کسی قسم کی اجتماعیت اشد ضروری ہے۔ گویا اسلام کی عملی بنیادیں ہی معاشرہ کے بغیر ٹھیک طرح سے نہیں اٹھائی جا سکتیں اور اگر پورا اسلام قائم کرنا ہو تو معاشرہ کی اہمیت کتنی زیادہ ہو جائے گی۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ اسلام کی بہت سی عبادات سے اجتماعی تمدنی اور ملی مصلحتیں وابستہ ہیں۔ اگر بفرض محال ان عبادات کو فرداً فرداً تنہائی میں ادا کر بھی لیا جائے تب بھی ان سے وہ مصلحتیں پوری نہ ہوں گی جو اسلام کا مطلوب ہیں۔ معاشرہ سے کٹ کر یہ دین اپنا صحیح مزاج برقرار ہی نہیں رکھ سکتا۔

۴- چوتھی بات یہ ہے کہ اسلام نے جہاں حقوق اللہ پر بے حد زور دیا ہے، وہاں حقوق العباد ادا کرنے پر بھی اتنے ہی اجر کی بشارت ہے۔ ایک حدیث دیکھئے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غریبوں اور بیواؤں کی خدمت کرنے والا وہی درجہ رکھتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا، یا رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا ہے۔" (مسلم، بخاری، ترمذی)

۵- پانچویں بات یہ ہے کہ اسلام نے واضح طور پر حکم دے دیا ہے کہ ترک دنیا جائز نہیں۔ لا رہبانیۃ فی الاسلام۔ اسلام میں رہبانیت جائز نہیں اور قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔ اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش نہ کر۔

(القصص: ۷۷)

حضورؐ کے اصحابؓ نے اس پر اس طرح عمل کیا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ تقشف اور عبادت و ریاضت میں گھٹ جانے کا اظہار کر رہا تھا۔ آپؓ نے اسے ایک دُرّہ رسید کیا اور فرمایا: "اللہ تیرا برا کرے، اپنے دین کو مردہ بنا کر پیش نہ کر۔"[1]

---

[1] اسلام کا نظام عدل از استاد سید قطبؒ ص ۳۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشرہ کے اجزائے ترکیبی

۱- افراد: ہر معاشرۂ انسانی میں افراد بستے ہیں اور اُن کے مل کر رہنے سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ یہی افراد معاشرے کے شہری ہوتے ہیں۔

۲- خاندان: افراد مل کر خاندان بناتے ہیں اور مختلف خاندان مل کر معاشرہ کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں۔

۳- رشتہ دار: معاشرہ کے قیام میں رشتہ داروں کو بھی دخل ہے اس لئے کہ رشتہ داریوں سے خاندان باہم پیوست ہوتے ہیں اور ان کا ایک جگہ قیام ہوتا ہے۔

۴- ہمسایہ: ایک جگہ رہتے ہوئے جو بھی گھرانے آباد ہوتے ہیں ان میں رشتہ دار بھی ہو سکتے ہیں اور غیر رشتہ دار بھی۔ ساتھ کے یہ ہمسائے پڑوسی ہوتے ہیں جو سوسائٹی بناتے ہیں۔

فرد اور معاشرہ کا باہمی تعلق

بعض تہذیبوں نے فرد کو اتنی زیادہ آزادی دے رکھی ہے کہ وہ اگر اپنے مفاد کی خاطر پوری قوم اور سارے معاشرے کے ساتھ کوئی دھوکہ بازی کرے تو جائز و روا ہے نظام سرمایہ داری میں فرد کو اسی طرح کی آزادی حاصل ہے۔ اسلام نے فرد پر کچھ جائز قسم کی پابندیاں لگا رکھی ہیں تاکہ معاشرہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اس طرح وہ فرد بھی شر سے محفوظ ہو جائے جو اس معاشرہ کا ایک رکن ہے۔

کچھ لوگوں نے معاشرہ اور سماج کو اتنا اختیار بخش دیا ہے کہ ایک فرد کے تمام اختیارات حقوق اور آزادیوں کو سلب کر لیا گیا ہے۔ اشتراکیت کے نظریہ میں فرد سوسائٹی و سٹیٹ کا محض غلام بے دام ہے۔ اسلام کا نظریہ ان غیر اسلامی نظریات کے بین بین ہے۔ وہ فرد کو نہ کھلی آزادی دیتا ہے اور نہ مکمل پابندی لگاتا ہے۔ اُسے اجازت ہے کہ جائز ذریعوں سے کمائے اور آزاد مرضی کے مطابق زندگی گزارے۔ لیکن کوئی ایسا فعل نہ کر گزرے جس سے معاشرہ کی سالمیت کو خطرہ ہو۔

اسلامی معاشرہ کی امتیازی خصوصیات

قرآن و سنت میں اسلام کی جو تصویر ہمیں ملتی ہے اسلامی معاشرہ میں اس کا پرتو جمال پوری طرح جلوہ فگن ہوتا ہے۔ اگرچہ اس تصویر کا ہر رُخ دامنِ دل کو کھینچتا ہے، مگر ہم مختصر طور پر چند امتیازی خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ خدا پرستی اس معاشرہ کی بنیاد اسلام ہے اور اسلام کی بنیادی تعلیم توحید ہے۔ جو افراد توحید کے قائل ہوں وہ اس کے شہری ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی معاشرہ کی سب سے نمایاں خصوصیت خدا پرستی ہے۔ اس معاشرے میں ہر انسان کی زندگی کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ خدا کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کرے۔ اس لئے جگہ جگہ خدا پرستی کے مظاہر نظر آئیں گے۔ یہ خدا پرستی بہت بڑی علامت ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ معاشرہ اسلامی ہے۔

۲۔ ذکرِ الٰہی اسلامی معاشرہ میں ہر وقت خدا کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ سوتے جاگتے، کھاتے پیتے اور دنیا کے تمام کام کرتے ہوئے چند کلمات مسلمان کی زبان پر ہوتے ہیں۔ کبھی وہ بسم اللہ پڑھ رہا ہوتا ہے کبھی وہ الحمدللہ کہہ رہا ہوتا ہے۔ کسی لمحہ وہ سبحان اللہ پکارتا ہے۔ کہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا نظر آتا ہے اور کسی وقت اللہ اکبر کے مستانہ نعرے لگاتا ہے۔ اس پر تفصیل سے بحث ذکر کے باب میں ملاحظہ کیجئے۔

۳۔ عدل واحسان اسلامی معاشرہ میں عدل واحسان کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ معاشرہ جہاں عدل واحسان کو فراموش کر دیا جاتا ہے کبھی بھی مثالی معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔ اس کی تفصیل اسی کتاب میں عدل اور احسان کے ابواب میں گزر چکی ہے وہاں مطالعہ فرمائیے۔

۴۔ ہمدردی واخوت حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ:

مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ اَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهٖ۔	جو شخص اپنے کسی بھائی کی کوئی ضرورت پوری کر رہا ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی ضرورت پوری کر دیتا ہے۔

اسلامی معاشرہ کی یہ خصوصیت بہت نمایاں ہے کہ اس میں ہر فرد ہمدردی اور اخوت کا مجسمہ ہوتا ہے اور معاشرہ کا کوئی فرد کسی مصیبت کا شکار ہوتا ہے تو تمام معاشرہ اس کی تکلیف دُور کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی اس خصوصیت کا ذکر حضورؐ کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہے کہ "مومن ایک جسدِ واحد کی مانند ہیں۔ جب کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ پرہیز گاری

اسلامی معاشرہ میں عزت وتکریم کا معیار رنگ، نسل یا دولت نہیں ہوتی بلکہ اس میں سب سے زیادہ عزت وتکریم کا مستحق وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا نیکوکار اور متقی و پرہیز گار ہوتا ہے۔ کوئی نسل طبقات نہیں ہوتے بلکہ سب لوگ برابر سمجھے جاتے ہیں اور نیک لوگوں کو وہاں بلند مقام حاصل ہوتا ہے۔ اسطرح اسلامی معاشرہ تقویٰ کی نشوونما کے لئے ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

۶۔ نیکی کا پرچار

قرآن مجید میں امت اسلامیہ کی ذمہ داری یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ نیکی کا حکم کرے بلکہ معروف کو قائم کرے۔ اسلامی معاشرہ میں ہر وقت نیکی کی تلقین جاری رہتی ہے اور امر بالمعروف کا فریضہ سرانجام پاتا رہتا ہے۔ اس طرح اصلاح و تربیت کا کام ہر وقت جاری رہتا ہے اور ایسا ماحول بن جاتا ہے کہ اس میں انسان نیکی پر بآسانی عمل کر سکتا ہے۔

۷۔ بدی پر پابندی

کسی سوسائٹی میں اگر محض نیکی کی تبلیغ ہی جاری رہے اور برائیوں کو پھلنے پھولنے کے مواقع ملتے رہیں تو عملاً تبلیغ بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایک طرف اسلامی معاشرہ اگر تبلیغ کے فرض سے غافل نہیں رہتا تو دوسری طرف برائیوں کے سرچشمے بند کرتا اور ان پر سخت پابندیاں لگا دیتا ہے۔ اگر قوت سے برائی کو مٹانے کا موقع ملے تو بہتر و گرنہ زبانی مذمت جاری رکھتا ہے اور اس طرح برائیوں کا پھیلنا ناممکن بنا دیا جاتا ہے۔

۸۔ عفت وحیا

اسلامی معاشرہ ایک عفیف و پاکیزہ معاشرہ ہوتا ہے۔ اس میں عفت وحیا پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ وہ نازک پودا ہے کہ اگر اجڑ جائے تو زندگی کے پورے باغ پر خزاں ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ بہاریں دُور اور بہت دُور ہو جاتی ہیں۔ بے حیائی، بدمعاشی اور فحاشی کے خاردار جنگل اُگ آتے ہیں۔ شرافت اور نجابت و غیرت رخصت ہو جاتے ہیں اور دنیا کا کوئی معاشرہ بھی زیادہ دیر تک حیا و عفت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اسلامی معاشرہ کی بنیاد عفت وحیا ہے۔ پاکدامنی اور پاکیزگی کا احیاء اس کا اصل مقصود ہے۔ اس لئے زنا کی سزا سنگساری ہے اور عورت کو سختی سے پردے کے اندر رہنے کا حکم ہے۔

۹۔ عریانی وفحاشی کی روک تھام

اسلامی معاشرہ میں عریانی و فحاشی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ عورت کو پردے کا حکم ہے۔ مخلوط مجالس سجانے سے روک دیا گیا ہے۔ باریک اور عریاں لباس پہننے پر پابندی لگا دی ہے۔ بے حیائی اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدکاری کے تذکروں کو ممنوع ٹھہرایا ہے اور اس معاشرہ میں حیاداری، ادب، لحاظ اور شرم و عفت کا بہت بلند مقام ہوتا ہے۔

۱۰۔ سامانِ تعیش پر پابندی

اسلامی معاشرہ صفائی اور سادگی کا بہترین نمونہ ہوتا ہے۔ سامانِ تعیش جس سے آرام طلبی، فضول خرچی اور عیش و عشرت کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہو اس سے اسلامی معاشرہ سختی سے اجتناب کرتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"ناز و نعمت اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔"

آپ کا ایک اور فرمان یہ ہے کہ:

"کھاؤ پیو، پہنو اور صدقہ دو لیکن اس میں نہ فضول خرچی ہو اور نہ ہی تکبر۔"

۱۱۔ اتحاد و اتفاق

اسلامی معاشرہ کی بنیاد اتحاد و اتفاق پر ہے۔ اس معاشرہ میں انتشار و افتراق کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ ایک عمارت میں جس طرح اینٹیں جڑی ہوئی ہوتی ہیں اسی طرح مسلمانوں کے درمیان اتحاد ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کے تمام افراد خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوتے ہیں۔ اُن کے مقاصد اور عزائم میں ہم آہنگی ہوتی ہے۔ ان کے دینی افکار و شعار ایک ہیں۔ اُن کا خدا ایک، نبی ایک، کتاب ایک اور قبلہ ایک ہے۔ اس طرح سے ان کے اندر اتحاد کی عظیم سپرٹ موجود ہوتی ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ قرآن مجید میں تفرقہ ڈالنے سے واضح طور پر منع کر دیا گیا ہے۔ فرمایا: "وَلَا تَفَرَّقُوا" اور تم ایک دوسرے سے الگ نہ رہو۔ اور تفرقہ پیدا نہ کرو۔"

۱۲۔ عالمگیر برادری

اسلامی معاشرہ ایک عالمگیر برادری کا نام ہے جو اپنے مزاج کے اعتبار سے رنگ، نسل، زبان اور ملک و وطن کی حدود کا پابند نہیں جس طرح ہر وہ شخص مسلمان ہے جو دل سے اسلام کو قبول کر لیتا ہے اسی طرح ہر وہ شخص اسلامی معاشرے کا رکن ہے جو مسلمان ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوالات

۱- کیا ہم موجودہ معاشرہ کو اسلامی معاشرہ کہہ سکتے ہیں۔ دلائل سے واضح کیجئے۔

۲- اسلامی معاشرہ سے کیا مراد ہے نیز فرد اور معاشرہ کا تعلق واضح کریں۔

۳- اسلامی معاشرے کی بڑی بڑی خصوصیات کیا ہیں۔ معاشرے سے برائیوں کو دور کرنے کے لئے اسلام کیا تدابیر اختیار کرتا ہے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۷۶ء)

۴- معاشرہ کی اہمیت پر مضمون لکھئے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۷

رشتہ دار

رشتہ داری کا مفہوم

اسلامی معاشرہ جن عناصر سے مرکب ہوتا ہے ان میں رشتہ داروں کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن مجید میں رشتہ داروں کو ذوی القربیٰ کہا گیا ہے جس کے معنی قریبی رشتہ داروں کے ہیں۔ والدین اور اولاد کے علاوہ جتنے بھی قریبی رشتہ دار ہیں وہ ذوی القربیٰ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں قرابت داری کا حکم

قرآن مجید میں بقول مولانا سید سلیمان ندوی کم سے کم بارہ آیتوں میں صریح طور پر قرابت داری کا حکم دیا گیا ہے عربوں کے محاورہ میں اسی کا نام صلۂ رحمی بھی ہے۔ عربی زبان میں قرابت کا حق ادا کرنے کو وصل رحم بھی کہا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رحم مادری ہی تمام قرابت کے تعلقات کی جڑ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ فَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ۔ (روم)	تو قرابت دار کو اس کا حق ادا کر۔
۲۔ وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (بنی اسرائیل)	اور قرابت والے کو اس کا حق ادا کر۔
۳۔ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى (بقرہ)	اور اصل نیکی اس کی ہے جس نے مال اس کی محبت کے باوجود قرابت مندوں کو دیا۔
۴۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى۔ (بقرہ)	اور ماں باپ کے ساتھ احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرو۔
۵۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى۔ (نحل:۹۰)	بیشک اللہ انصاف، احسان اور قرابت دار کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

ان تمام آیات میں واضح طور پر اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرو۔

صلۂ رحمی کی اہمیت

اسلام جس قسم کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے وہ اخوت اور محبت ہی کی بنیاد پر قائم ہو سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دے کر اسلام ان کے کچھ حقوق متعین کرتا ہے۔ پھر اس برادری کو مزید خانوں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقسیم کرکے قبیلوں اور کنبوں کے ذریعہ رشتۂ اخوت و قربت کو اور گہرا کر دیتا ہے۔ اس کے بعد قبیلہ میں ہر خاندان ایک اکائی کی حیثیت سے جہاں اپنی حفاظت اور کفالت کرتا ہے، وہاں دُور و قریب کے قرابت داروں کی خدمت، معاونت اور دستگیری بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ صلۂ رحمی کے ذریعے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا مقصود ہوتا ہے اور گرے ہوئے رشتہ داروں کو اٹھانا مطلوب ہوتا ہے تاکہ زندگی کی دوڑ میں وہ پیچھے نہ رہ جائیں۔ قرآن مجید نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا تاکیداً حکم دیا اور حضورؐ نے اپنے ارشادات گرامی میں کئی جگہ اس کی ضرورت واضح فرمائی۔

ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ رحم رحمان سے مشتق ہے۔ اس لیے محبت والے خدا نے رحم کو خطاب کر کے فرمایا کہ "جس نے تجھ کو ملایا اس کو میں نے ملایا۔ اور جس نے تجھ کو کاٹا اس کو میں نے کاٹا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ رحم انسانی عرشِ الٰہی کو پکڑ کر کہتا ہے: "جو مجھے ملائے اس کو خدا ملائے اور جو مجھے کاٹے اس کو خدا کاٹے"۔

ان ارشادات سے صلۂ رحمی کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق اور قرابت داری کے فوائد

یُوں تو رشتہ داروں کے بہت سے حقوق ہیں جن کی تفصیل اسلامی تعلیمات میں موجود ہے مگر درج ذیل حقوق بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ حقوق بھی ہیں اور حقیقتاً وہ فوائد بھی جو قرابت داری سے حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ مالی اعانت

قرآن مجید میں رشتہ داروں کا یہ حق بتایا گیا ہے کہ اُن کی مدد کی جائے۔ اس سلسلہ میں غریب و مفلس رشتہ داروں کی ہر ممکن مالی اعانت امیر رشتہ داروں پر واجب ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: "لوگ تم سے پُوچھتے ہیں۔ کیا ہم خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو، اپنے والدین پر، رشتہ داروں پر، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔" (البقرہ)

ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور جو شخص عام غرباء کو صدقہ دے گا اُسے ایک درجہ ثواب ملے گا اور جو شخص اہلِ قرابت کی مالی مدد کرے گا اُسے دوگنا ثواب ملے گا۔"

۲۔ احسان رشتہ داروں کا دوسرا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا رویّہ اختیار کیا جائے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ اقرباء کے ساتھ ہر ممکن نیکی اور حسنِ سلوک کیا جائے۔ حکم خداوندی ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ۔ (النساء: ۳۶) — والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

ارشادِ نبویؐ ہے کہ:

"نیکی کا آغاز اپنے اہل و عیال سے کرو۔"

ویسے تو احسان ہر انسان کے ساتھ کرنا چاہیئے مگر سب سے زیادہ اس کے مستحق رشتہ دار ہیں۔ احسان معاشرہ میں خوشگواریوں اور شیرینیوں کا اضافہ کرتا اور تلخیاں مٹا دیتا ہے۔

۳۔ معاف کر دینا اکثر دیکھا گیا ہے کہ رشتہ داروں سے جب کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو پھر اسے مستقل طور پر گرہ دے لی جاتی ہے اور یوں تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں۔ دُنیا میں کون سا انسان ہے جس سے کبھی کوئی غلطی نہ ہوتی ہو۔ اس لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ رشتہ داروں کی غلطیوں کو معاف کر دیا کرو۔

۴۔ کفالت کرنا صاحبِ مال رشتہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے غریب رشتہ داروں کی ہر ممکن کفالت کریں۔ شریعتِ الٰہی ہر خاندان کے خوشحال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔ اسلام کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ اس کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اس کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کے محتاج ہوں۔ ہر خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے خاندان کے خوشحال افراد پر ہے۔ بعد میں دوسرے لوگوں پر اُن کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

"آدمی کے اوّلین حقدار اس کے والدین، اس کے بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں اور پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی اصول کی بنا پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یتیم بچے کے چچا زاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں۔

۵۔ دستگیری کرنا

زندگی میں انسان کو کئی حادثات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ناگہانی مصیبت اور اچانک رنج و غم کے موقعہ پر ہر رشتہ دار کا فرض ہے کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائی کی مصیبت میں شریک ہو اور اس کی ہر ممکن دستگیری کرے۔

۶۔ فرق مدارج کا خیال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر فرمایا ہے کہ آدمی کے اولین حقدار اس کے والدین ہیں اور پھر اس کے قریبی عزیز۔ پھر ان کے بعد جو قریب تر ہوں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اقرباء کے ساتھ حسن سلوک میں قربت کے فرق کا خیال رکھنا چاہئے۔

۷۔ صلہ رحمی

اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب عمل صلہ رحمی ہے۔ حدیث میں ہے:

"اللہ کے نزدیک توحید کے بعد محبوب ترین عمل رشتہ قرابت کا پیوستہ کرنا ہے"

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

"جسے یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اُسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے"

۸۔ قطع رحم کی ممانعت

رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات کاٹ لینا اسلام کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ فعل ہے۔ قطع رحم کرنے والے کے لئے بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

صلہ رحمی کے حق کو مارنے والے کی اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہوگی اور اس سے بڑی سزا اسے کیا ملے گی کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

"جو صلہ رحمی یعنی قرابت کا حق ادا نہیں کرتا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا"

(بخاری، مسلم، عن جبیر بن مطعمؓ)

قرآن مجید ایسے لوگوں کو فاسق قرار دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"وہ انہی کو گمراہ کرتا ہے جو حکم نہیں مانتے، جو خدا کا عہد باندھ کر توڑتے ہیں اور خدا نے جس کے جوڑنے کو کہا، اس کو کاٹتے ہیں" (البقرہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قطع رحم کرنے والے کے ساتھ جہاں آخروی سزاؤں میں گمراہوں اور دوزخیوں کا سا سلوک کیا جائے گا وہاں دنیا میں اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی روزی میں بے برکتی پیدا کر دی جاتی ہے۔

۹۔ بدخواہ رشتہ داروں سے سلوک

یہ تو عام بات ہے کہ جو رشتہ دار احسانات کرتے ہیں ان کے ساتھ تو احسان کا سلوک ہی کیا جاتا ہے مگر شریعت اسلامیہ ان رشتہ داروں کے ساتھ بھی حتی الامکان نیک سلوک کی تلقین کرتی ہے جو بدخواہی بھی کرتے ہوں۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صلۂ رحمی کرنے والا وُہ نہیں ہے جس کے ساتھ صلۂ رحمی کی جاتی ہے بلکہ اصل صلۂ رحمی کرنے والا تو وُہ ہے کہ جو اس سے قطع رحمی کرے۔ وہ اس کے ساتھ صلۂ رحمی کرے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں اُن کے ساتھ صلۂ رحمی کرتا ہوں مگر وُہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ نیکی کرتا ہوں لیکن وُہ میرے ساتھ بُرائی کرتے ہیں۔ میں اُن کے ساتھ حلم و بُردباری سے کام لیتا ہوں مگر وُہ میرے ساتھ جہالت برتتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر ایسا ہی ہے تو تُو اُن کے چہرے پر سیاہی پھیر رہا ہے۔ جب تک تُو اس حالت پر قائم ہے اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں ہمیشہ تیرا مددگار رہے گا۔

رشتہ داریوں کا معاشرہ میں کردار

معاشرہ میں خاندان کو ایک اہم ترکیبی عنصر کی حیثیت حاصل ہے کوئی اچھا معاشرہ اسوقت تک وجود پذیر نہیں ہوتا جب تک اس میں موجود تمام افراد خوش حال، فارغ البال اور مطمئن نہ ہوں۔ ویسے یہ تو اسلامی ریاست کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کی بنیادی ضرورتوں کا بندوبست کرے۔ مگر اسلام، افراد کو محض ریاست کے رحم و کرم پر ہی نہیں چھوڑتا بلکہ قریبی لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے خاندان میں کم سے کم ایسے لوگوں کی ہر ممکن مالی اعانت اور کفالت کریں جو کسی نہ کسی وجہ سے معاشرہ میں غربت و افلاس کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس لحاظ سے جب ہم خاندان کے فرائض پر نظر ڈالتے ہیں تو یُوں احساس ہوتا ہے جیسے رشتہ داری اور قرابت داری کے ہمدلانہ جذبہ کو بیدار کر کے اسلام، معاشرہ کے پسماندہ، تنگ دست، مصیبت زدہ اور گرے ہوئے لوگوں میں ایک نئی زندگی، نئی امیدیں اور نئی آرزوئیں پیدا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیتا ہے تاکہ وہ عزت کی زندگی بسر کریں۔ رشتہ دار جس انداز سے ان کی مدد کرتے ہیں اس سے اس کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس کے ذریعے معاشرہ میں فارغ البالی پیدا ہوتی ہے اور ریاست کی فلاحی حیثیت زیادہ ابھرتی ہے۔

ایک اور زاویہ سے اس پر نظر ڈالئے۔ خاندان یا قبیلے کے لوگ ہی صحیح معنوں میں اپنے رشتہ داروں کے اصل حالات سے واقف ہو سکتے ہیں۔ باہر سے کسی دوسرے غیر یا نیک دل انسان کو کیا معلوم ہے کہ اچھے بھلے فرد کے گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں۔ شریعت اسلامیہ نے اسی لئے رشتہ داروں کو یہ فرض سب سے پہلے سونپا کہ وہ خود اپنے بھائیوں کی مدد کریں اور قبل اس کے کہ وہ دست سوال دراز کریں، ان کی مدد کو پہنچ جائیں۔

ایسا معاشرہ جس میں ہر رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کی مدد پر ہر وقت آمادہ ہو، ہر شخص ایثار کا نمونہ ہو۔ دراصل ایسے معاشرے ہی میں اطمینان وسکون کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

معاشرہ میں رشتہ داروں کے کردار کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ بہرحال ایک محبت آپس میں رشتہ داروں کو ہوتی ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرنے کا ایک بہت بڑا محرک بن جاتی ہے۔ اسے خاندانی تعصب بھی کہا جا سکتا ہے لیکن اس تعصب کی بنیاد دوسروں سے نفرت پر قائم نہیں ہوتی بلکہ اپنے خاندان والوں سے محبت پر استوار ہوتی ہے۔ ان بے شمار پہلوؤں سے رشتہ داروں کا معاشرہ میں بڑا اہم کردار ہے اور اسلامی معاشرہ میں ان سے وہ تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کا ذکر مضمون کے آغاز میں کیا جا چکا ہے۔

اقربا پروری

اسلام نے جہاں اتنے سارے حقوق رشتہ داروں کے مقرر کئے ہیں وہاں صاحب اقتدار اور اہل اختیار حکام کو سختی سے حکم دیا ہے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کی ناجائز طرف داری نہ کریں، انہیں غلط طور پر سہولتیں، منافع اور مالی مفادات بہم پہنچانے کی کوشش نہ کریں اور ان سے اگر کوئی جرم بھی ہو جائے تو قانون کی سزا سے انہیں بچانے کے لئے سفارشیں نہ کریں اسلامی معاشرہ میں سرکاری ملازموں اور حکمرانوں پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے تاکہ وہ رشتہ داروں کی ناجائز حمایت نہ کر سکیں بلکہ حکمرانوں کو منع کر دیا گیا کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بڑے بڑے مناصب دینے سے گریز کریں کیونکہ اس سے معاشرہ میں بے شمار خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حقداروں اور اہل تر افراد کے اندر مایوسی پیدا ہو جاتی ہے [illegible] منظم ہونے کی بجائے انتشار کا شکار ہو جاتا ہے اور لوگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناجائز ہتھکنڈوں اور سفارشوں کے چکر میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

سوالات

۱۔ رشتہ داریاں معاشرے میں کیا کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کے فوائد کیا ہیں؟ قرابت ختم کرنے کی سزا کیا ہے اور بدخواہ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا کیسا ہے؟ (لاہور بورڈ ۱۹۷۳ء)

۲۔ قرآن و سنت کی روشنی میں صلۂ رحمی پر ایک مضمون لکھیے۔

۳۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم میں "صلۂ رحمی" کو کیا مقام حاصل ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے جواب کی وضاحت کیجئے۔

۴۔ صلۂ رحمی سے کیا مراد ہے؟ رشتہ داروں کے حقوق و فرائض پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جامع شذرہ تحریر کیجئے۔ (سرگودھا بورڈ۔ سالانہ ۱۹۸۱ء)

۵۔ رشتہ داروں کے حقوق قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت سے تحریر کیجئے۔
(لاہور بورڈ سنہ ۱۹۸۰ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۲

ہمسایہ

ہمسایہ کا مفہوم

عربی میں ہمسایہ کو جار کہتے ہیں۔ جس کی جمع جیران ہے۔ سید سلیمان ندوی نے اس کا مفہوم اس طرح واضح کیا ہے۔

"ہمسایہ اور پڑوسی وہ دو آدمی ہیں جو ایک دوسرے کے قریب رہتے اور بستے ہیں[1]" ہمسائیگی کا دائرہ محدود نہیں ہوتا بلکہ "ہمسائیگی کی حد اپنے مکان سے چاروں طرف چالیس گھروں تک ہے" اس میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ضروری نہیں کہ ہمسایہ مسلمان ہی ہو وہ دوسری قوم اور دوسرے مذہب کا بھی ہو سکتا ہے۔

ہمسایہ کی تین اقسام

قرآن مجید میں ہمسایہ کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ۔

(خداوند تعالیٰ نے رشتہ دار پڑوسی سے، اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے نیکی کا حکم دیا ہے)

پہلی قسم کا پڑوسی وہ ہے جو رشتہ دار ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کافر ہمسایہ کا ایک حق ہوتا ہے، مسلمان پڑوسی کے دو اور قرابت دار پڑوسی کے تین حقوق ہوتے ہیں۔ اگر یہ تعلق نہ ہو تو پھر جس ہمسایہ کا گھر زیادہ قریب ہو اس کا زیادہ حق ہوگا۔

دوسری قسم کا پڑوسی وہ ہے جو اجنبی ہو یعنی رشتہ دار نہ ہو۔ اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے اور یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ یہ تو رشتہ دار نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ کیا نیکی کی جائے۔

تیسری قسم کا پڑوسی وہ ہے جسے قرآن کریم نے "صاحب بالجنب" کہا ہے یعنی وہ پہلو کا ساتھی، جس سے ہر وقت انسان کا واسطہ پڑتا ہے۔ زندگی کے بے شمار پروگراموں، کاموں اور مشغولیتوں میں انسان کے آگے پیچھے، دائیں بائیں کوئی نہ کوئی انسان موجود ہوتا ہے سفر

---

[1] سیرت النبی جلد ششم صفحہ ۲۰۹

www.KitaboSunnat.com

میں ہو یا حضر میں، بازار میں ہو یا دفتر میں، کھیل کا میدان ہو یا تعلیم گاہ، ہر جگہ کوئی نہ کوئی ساتھی ہوگا۔ جو ہمنشین وہمراہی ہو، اس کے ساتھ شریفانہ اور نیک برتاؤ کرنا چاہیئے اور کسی قسم کی ایذا اور تکلیف نہ پہنچانی چاہیئے، بلکہ اس کے لیے ہر ممکن سہولت کا خیال رکھنا چاہیئے

ہمسایہ کی اہمیت معاشرہ جن بنیادوں پر استوار ہوتا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں کا آپس میں اشتراک عمل ہو۔ کوئی بھی انسانی معاشرہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ لوگ ایک دوسرے کے ضرورت مند نہ ہوں۔ ہر انسان کو دوسرے انسان سے واسطہ اور کام پڑتا ہے۔ اور سب سے زیادہ جو لوگ ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں۔ وہ پڑوسی یا قریبی ساتھی ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام نے اپنے اخلاقی نظام کی بنیاد ہی باہمی بھائی چارے اور ہمدردی پر اٹھائی ہے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد کے درمیان محبت اور یگانگت دیکھتی پیدا ہو سکے۔ تیسری بات یہ ہے کہ انسان کو فوری طور پر اس انسان سے ہی تکلیف درنج پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جو اس کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں اسلام نے ہمسایوں کے باقاعدہ حقوق وفرائض متعین کر دیئے ہیں۔ تاکہ وہ ایک دوسرے کے لیے مفید اور باعث اطمینان بن سکیں اور اگر ایک شخص کو اچانک یا عام حالات میں اپنے گھر سے کسی کام کی خاطر نکلنا پڑے تو وہ اپنے پڑوسی پر پورا بھروسہ اور اعتماد کر کے گھر سے چلا جائے۔ اسی طرح ایک ساتھ کام کرنے والے اور تھوڑی دیر جمع ہونے والے بھی ایک دوسرے پر بھروسہ کر سکیں۔

پڑوسیوں کے حقوق وفرائض

پڑوسیوں کی معاشرہ میں جو اہمیت ہے۔ اس کے پیش نظر قرآن وسنت نے ان کے درج ذیل حقوق وفرائض متعین فرمائے ہیں۔

۱۔ حقوق ہمسائیگی کا خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو شخص چاہتا ہے کہ خدا اور اس کا رسول اس سے محبت کرے یا جسے خدا اور اس کے رسول کی محبت کا دعویٰ ہو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے"

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی تعلیم کی غرض سے اُن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جبرئیل امینؑ نے مجھے پڑوسی کے حقوق کی اتنی تاکید کی کہ میں سمجھا کہیں ان کو وراثت کا حق نہ دلا دیں۔"[1]

آپؐ کا ایک اور ارشاد ہے:۔

"اس رب کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ہمسایہ کے حقوق ادا کرنے کی توفیق اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کے شاملِ حال اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔"[2]

ان فرمودات کی روشنی میں غور کیجئے کہ اسلام نے ہمسایوں کے حقوق کو کتنی اہمیت دی اور ان کی کتنی تاکید کی ہے۔

۲۔ پڑوسی کی حفاظت جان

پڑوسیوں کے حقوق و فرائض میں سب سے پہلے یہ بات داخل ہے کہ ہر شخص اپنے ہمسایہ کی جان کی اسی طرح حفاظت کرے۔ جس طرح وہ اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا واضح فرمان ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"تم میں کوئی مومن نہ ہوگا۔ جب تک وہ اپنے پڑوسی کے لئے وہی پیار نہ رکھے۔ جو خود اپنی جان کے لئے پیار رکھتا ہے۔" (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان)

حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو قتل کریں گے۔ (الادب المفرد امام بخاریؒ)

۳۔ عصمت کی حفاظت

اسلام نے ویسے ہی عصمت دری کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اس پر بڑی سخت سزا تجویز کی ہے۔ لیکن جب کوئی شخص پڑوسی کی بیوی یا بیٹی کی عصمت لوٹے تو یہ جرم بڑا بھیانک قرار دیا اور عام زنا سے اس کو دس گنا بڑا گناہ قرار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔

"زنا حرام ہے۔ خدا اور رسولؐ نے اس کو حرام کیا ہے۔ لیکن دس بدکاریوں سے بڑھ کر بدکاری یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔" (الادب المفرد)

اس حدیث کی روشنی میں ہر پڑوسی پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کی عصمت کی حفاظت کرے۔

---

[1] صحیح بخاری و کتاب الادب [2] صحیح بخاری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ مال کی حفاظت اکثر و بیشتر پڑوسی اپنے گھر محلے چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے اِدھر اُدھر کسی کام کو چلے جاتے ہیں۔ ان کو اس وقت جلدی میں اتنا خیال نہیں آتا کہ وہ تالا لگا دیں۔ پھر یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ ساتھ کا ہمسایہ خیال رکھے گا۔ اور جلدی واپسی ہوگی۔ یہ سب کچھ اعتماد کی بنا پر ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی پڑوسی اس اعتماد کو مجروح کرے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"چوری حرام ہے، خدا اور رسولؐ نے اس کو حرام کیا ہے۔ لیکن دس گھروں سے چوری کرنے سے بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرالے" (الادب المفرد)

۵۔ آزادی کی حفاظت پڑوسی کی آزادی حفاظت کا فرض بھی ہر شخص پر عائد ہوتا ہے اگر کوئی پڑوسی ناجائز و بلا قصور گرفتار ہو جائے تو اس کی رہائی کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ ابو داؤد میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ شبہ کی بنا پر گرفتار کئے گئے تھے۔ ایک صحابیؓ نے عین خطبہ کے دوران اُٹھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے ہمسایوں کو کس قصور میں پکڑا گیا ہے۔ نبی کریمؐ نے دو مرتبہ ان کے سوال کو سن کر سکوت فرمایا تاکہ کوتوال شہر ان کی گرفتاری کے لیے کوئی معقول وجہ رکھتا ہو تو اٹھ کر بیان کرے۔ لیکن جب تیسری مرتبہ ان صحابیؓ نے اپنے سوال کا اعادہ کیا اور کوتوال نے کوئی وجہ بیان نہ کی تو آپؐ نے حکم صادر فرمایا کہ خَلُّوا لَهُ جِيرَانَهُ اس کے ہمسایوں کو رہا کر دو۔ (ابو داؤد)

اس سلسلے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ واقعہ بھی ملاحظہ ہو کہ اُن کے پڑوس میں ایک نوجوان رہتا تھا۔ جسے شراب پینے کی بُری عادت تھی۔ شراب پی کر وہ یہ مصرعہ اکثر گنگنایا کرتا تھا۔ ع اضاعوني وأيّ فتىً اضاعوا لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا اور دیکھو کیسے جوانِ رعنا کو ضائع کر دیا۔

امام اعظمؒ کو ایک دن اپنے اس پڑوسی کی مانوس آواز سنائی نہ دی۔ آپ نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ کوتوال شہر اسے گرفتار کر کے لے گیا ہے۔ آپ کو اپنے پڑوسی کی گرفتاری کا افسوس ہوا۔ اور حقوقِ ہمسائیگی کا خیال فرماتے ہوئے اس کا حال پوچھنے کے لئے چلے گئے۔ کوتوال نے آپ کی آمد کی وجہ پوچھی تو آپ نے اپنے اس پڑوسی کا حال دریافت کیا اور اس کی رہائی کی

---

[1] ابو داؤد کتاب القضاء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سفارش کی۔ کوتوال نے آپ کے پڑوسی کو رہا کر دیا۔ راستے میں آپ نے اس سے کہا کہ اب بتاؤ تم کہتے تھے کہ مجھے لوگوں نے ضائع کر دیا ہے۔ ہم نے تمہیں کہاں ضائع کیا؟ امام کے اس حسین سلوک اور نصیحت سے یہ شخص اتنا متاثر ہوا کہ شراب نوشی سے فوراً توبہ کر لی اور ایک نیکو کار کی زندگی بسر کرنے لگا۔

۶۔ اذیت سے پرہیز

پڑوسیوں کا ایک دوسرے پر حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اذیت نہ دیں۔

ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے کہ ایک خاص دلنشین انداز سے فرمانے لگے: "خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا، خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا" جاں نثار صحابہؓ نے پوچھا۔ کون یا رسول اللہ؟ تو فرمایا۔

"وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں" (صحیح بخاری۔ کتاب الادب)

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا، "جو شخص خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے" نبی کریمؐ نے ہمیشہ اس شخص کو بہتر پڑوسی اور نیک انسان قرار دیا۔ جس نے اپنے پڑوسی کو آرام پہنچایا اور اذیت نہ دی، درج ذیل واقعہ سے اس کا اندازہ کیجئے۔

دو عورتیں تھیں جن میں سے ایک رات بھر نمازیں پڑھا کرتی، دن کو روزے رکھتی، صدقہ خیرات بھی کرتی، مگر زبان کی تیز تھیں، زبان سے پڑوسیوں کو ستاتی تھیں۔ لوگوں نے اُن کا حال حضورؐ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: "ان میں کوئی نیکی نہیں۔ ان کو دوزخ کی سزا ملے گی" پھر صحابہؓ نے دوسری خاتون کا حال سنایا جو صرف فرض نماز ادا کرتیں اور معمولی صدقہ دے دیتیں مگر ستاتی نہ تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا: "یہ خاتون جنت میں جائے گی۔" (الادب المفرد)

ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ پڑوسیوں کی چھوٹی چھوٹی تکالیف کا خیال رکھا جاتا تھا۔ ایک نیکو کار انسان کے گھر چوہے تھے۔ کسی نے انہیں بلی لانے کا مشورہ دیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اگر اپنے گھر میں بلی لے آؤں گا تو ممکن ہے چوہے اس کے ڈر سے میرے پڑوسی کے گھر چلے جائیں، جو مجھے منظور نہیں۔

۷۔ پڑوسی کی اذیت پر صبر

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر پڑوسی سے ذرا سی تکلیف پہنچ جائے تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔ اور لڑائی جھگڑے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی بے صبری، تنگ دلی اور تنگ نظری

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اسلام نے منع کیا ہے۔ تیز مزاجی اور ترش روئی سے مسائل کو الجھایا جا سکتا ہے۔ اُنکا سلجھنا بہت مشکل ہوتا ہے کسی نے ذرا سا دکھ پہنچایا اور آپ اس کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ جائیں تو یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ معاشرہ وہی فلاح پا سکتا ہے۔ جس میں اگر ایک غلطی کرے زیادتی کرے اور اذیت دے تو دوسرا اس کے ضمیر کو بیدار ہونے کا موقع اور اسے غلطی پر نظر ثانی کی مہلت دے۔ اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ اس کو معاف کر دے اور چشم پوشی کرے۔

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے شکایت کی کہ مجھے میرا پڑوسی بہت ستاتا ہے۔ آپ نے اُسے صبر کی تلقین کی اور واپس کر دیا۔ دو تین بار اس نے بعد میں بھی یہی شکایت دہرائی۔ آخر کار حضورؐ نے فرمایا کہ تم اپنا سامان اس کی راہ میں ڈال دو۔ جب لوگوں نے ماجرا پوچھا تو اس نے لوگوں کو بتایا کہ میں اپنے پڑوسی سے تنگ آکر یہ مکان چھوڑ رہا ہوں۔ لوگوں نے اس کے پڑوسی کو ملامت کی۔ اس نے آکر معافی مانگ لی اور آئندہ کے لیئے اچھے برتاؤ کا وعدہ کیا۔

۸۔ حُسنِ سلوک

حُسنِ سلوک اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اس کی تفصیل آپ احسان اور خدمت خلق کے ابواب میں پڑھ چکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہے :-

"پڑوسی اگر (۱) مدد طلب کرے تو اُسے مدد دیجئے۔

(۲) اُدھار مانگے تو اُدھار دیجئے۔

(۳) محتاج ہو تو اس کی دستگیری کیجئے۔

(۴) بیمار پڑے تو اس کی عیادت کیجئے۔

(۵) اُسے خوشی کے موقع پر مبارک باد کہئے۔

(۶) اُس پر مصیبت آئے تو دلجوئی کیجئے۔

(۷) انتقال کر جائے تو جنازہ کے ہمراہ جائیے۔

(۸) اس کی اجازت کے بغیر اپنی عمارت اتنی بلند نہ اٹھائیے کہ اس کے لیے ہوا میں رکاوٹ ہو۔

(۹) اُسے اپنی ہنڈیا کی خوشبو کی تکلیف نہ دیجئے۔ اِلّا یہ کہ اُسے بھی سالن بھیجئے۔

(۱۰) پھل خرید کر لائیے تو اُسے بھی دیجئے۔ ورنہ گھر میں اُسے چھپا کر لائیے اور تمہارے بچے انہیں لے کر باہر نہ نکلیں تاکہ اس کے بچے نہ مچل جائیں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ تحائف کا بھیجنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کو تحفے تحائف بھیجنے کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ اس سے محبت اور مودت کے جذبات زیادہ گہرے ہوتے ہیں۔ اور دل کی کدورتیں دُھل جاتی ہیں۔ آپؐ کا فرمان ہے:۔

"اے مسلمانوں کی بیبیو! تم میں سے کوئی اپنی پڑوسن کو ہدیہ دینے کو حقیر نہ سمجھے۔ اگرچہ وہ بکری کا ایک کُھر ہی کیوں نہ ہو"

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ میں اُن میں سے کس کے ہاں ہدیہ بھیجوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس پڑوسی کے گھر جو تیرے گھر سے زیادہ قریب ہے" (صحیح بخاری)

۱۰۔ دین کی تعلیم پڑوسیوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام سکھائے جائیں اور اُن کو دینی تعلیم پر عمل کی ترغیب دلائی جائے۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ کہ لوگ اپنے پڑوسیوں میں دینی سمجھ پیدا نہیں کرتے۔ ایسا کیوں ہے؟ پھر دوبارہ فرمایا کہ ایسا کیوں ہے۔ کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین نہیں سیکھتے؟ اور اس کے بعد حکم دیا کہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً تعلیم دیں۔ حضورؐ کے اس خطبہ کی خبر جب قبیلۂ اشعر کے لوگوں کو ہوئی تو آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم دوسرے لوگوں میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں؟ اُن کے خیال میں یہ اُن پر فرض نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں یہ بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔ پھر اُن لوگوں نے حضورؐ سے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ایک سال کی مہلت مانگی۔

ہمسایہ کے حقوق امام غزالی کی رائے میں

۱۔ جب ہمسایہ سے ملے تو اسے پہلے سلام کرے۔

۲۔ اس کے ساتھ طویل گفتگو سے پرہیز کرے۔

۳۔ اس کی بیمار پُرسی کرے اور مصیبت کے وقت اسے تسلی دے۔

۴۔ رنج و الم میں اس کا ساتھ نہ چھوڑے۔

۵۔ خوشی کے موقع پر مبارک باد دے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ چھت پر سے اس کے گھر نہ جھانکے۔

۸۔ دیوار پر شہتیر رکھنے اور پرنالہ لگانے سے نہ روکے۔

۹۔ اس کے گھر میں جانے کا راستہ تنگ نہ کرے۔

۱۰۔ ہمسایہ جو کچھ اپنے گھر میں لے جائے اسے نہ تاکے۔

۱۱۔ اس کے عیب کو چھپائے۔

۱۲۔ حادثہ میں اس کی مدد کرے۔

۱۳۔ جب وہ گھر میں موجود نہ ہو۔ تو اس کے مکان کی نگرانی کرے۔

۱۴۔ کسی سے اس کی برائی نہ سنے۔

۱۵۔ اس کے اہل خانہ سے نگاہ نیچی رکھے۔

۱۶۔ اس کے بچوں سے گفتگو میں نرمی برتے۔

۱۷۔ دین و دنیا کی جو بات اسے معلوم نہ ہو اس کو ٹھیک ٹھیک بتا دے۔

(احیاء علوم الدین)

معاشرہ پر ان کے اثرات ذرا غور کیجئے ان حقوق و فرائض کے ادا کرنے والے افراد مل کر جو بہترین معاشرہ تشکیل دیں گے کیا اس کی نظیر کہیں اور مل سکتی ہے۔

اسلامی معاشرہ میں پڑوسیوں کے ان حقوق و فرائض سے تمام آبادی مسرت و شادمانی سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔ خدمت گذاری اور محبت و اعتماد کے بل بوتے پر ایک ایسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ جس میں ہر طرف الفت و پیار کی خوشبو رچ بس جاتی ہے اور سب لوگ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کے لیئے بے غرض ہو کر ایک دوسرے کے کام آتے رہتے ہیں۔ اور یہی اسلام کا مطلوب ہے۔

سوالات

۱۔ قرآن وسنت و دیگر تعلیمات کی روشنی میں ہمسایوں کے حقوق و فرائض بیان کیجئے۔

(لاہور بورڈ ۱۹۶۵ء)

۲۔ ہمسایہ کے متعلق اسلامی تعلیمات کیا ہیں۔ ان کا معاشرہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

(لاہور بورڈ ۱۹۶۲ء)

۳۔ اسلامی معاشرہ میں ہمسایوں کے حقوق بالوضاحت لکھئے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۸۲ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۲

شہری

شہری کی تعریف کسی ریاست میں باقاعدہ بسنے والے ہر انسان کو اس کا شہری کہا جاتا ہے۔ خواہ اس کا مذہب ریاست کے سرکاری مذہب سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ انگریزی میں اسی کو CITIZEN کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان شہریوں کے درمیان نسلی، لسانی اور طبقاتی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ بلکہ سبھی لوگ اس ریاست کے شہری کہلاتے ہیں۔

تصور شہریت قرآن مجید میں سورۂ انفال میں آتا ہے۔

"جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لائے مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام) میں آنہیں گئے۔ تو اُن سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں ہاں اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے۔ لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں۔ جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھتا ہے"

اس آیت میں لفظ ولایت استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں حمایت، نصرت، پشتیبانی، دوستی، قرابت، سرپرستی اور اس سے ملتے جلتے مفہومات کے لئے بولا جاتا ہے اور اس آیت کے سیاق وسباق میں صریح طور پر اس سے مراد وہ رشتہ ہے جو ایک ریاست کا اپنے شہریوں سے اور شہریوں کا اپنی ریاست سے اور خود شہریوں کا آپس میں ہوتا ہے[1]۔

اس آیت سے صراحت ہوتی ہے کہ جو لوگ اسلامی ریاست کے شہری ہیں ریاست ہر طرح سے اُن کی ذمہ دار ہوگی اور دوسری ریاست کے مسلمان شہریوں کی کوئی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی۔ البتہ دینی اخوت کے جو بھی تقاضے ہوں گے وہ پورے کیئے جائیں۔ اور اگر کسی قوم سے اسلامی حکومت کوئی معاہدہ کرے گی تو اس معاہدہ کی ذمہ داری ان مسلمانوں

---

[1] تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۱۶۱-۱۶۲ و اسلامی ریاست از مولانا مودودی ص۹۲ تا ۹۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر نہ ہوگی۔ جو اسلامی ریاست کے شہری نہیں ہوں گے۔ جس طرح معاہدہ حدیبیہ کی کوئی پابندی حضرت ابو بصیر اور حضرت ابو جندل پر نہیں تھی۔

اس کا بھی خیال رہے کہ اسلامی ریاست میں رعایا اور شہری مسلمان بھی ہوتے ہیں۔ اور ذمی بھی۔ ان تمام شہریوں کے قانونی حقوق میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔

شہری کی دو قسمیں اسلام چونکہ ایک نظام فکر و عمل ہے اور اسی نظام کی بنیاد پر وہ ایک ریاست قائم کرتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی ریاست میں شہری کی دو قسمیں قرار دیتا ہے۔

ایک، مسلم دوسرے، ذمی

مسلمان شہریوں پر اسلام پورے نظام کے اٹھانے کی ذمہ داری ڈالتا اور ان کو تمام قسم کے احکام کا پابند کرتا ہے۔ ریاست کے لیے ہر قسم کی قربانی کا انہی سے مطالبہ کرتا ہے۔ اس لئے انہی کو پورے سیاسی حقوق بھی دیتا ہے۔ ذمی شہریوں سے مراد وہ تمام غیر مسلم ہیں۔ جو اسلامی ریاست کے حدود میں رہ کر اس کی اطاعت و وفاداری کا اقرار کریں۔ اس طرح کے شہریوں کو ملکی قوانین اور شہری آزادیوں میں مسلم شہریوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ صرف کلیدی مناصب پر یہ لوگ فائز نہیں ہو سکتے۔

حقوق و فرائض اسلام کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانوں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں تک کے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ یہ فرائض ان کے حقوق ہیں، جن کی ادائیگی و حفاظت ہونی چاہیئے۔ حق دراصل اس ذمہ داری کا نام ہے، جو کسی شے کے صحیح مصرف اور اس کی ترقی و تحفظ کے سلسلے میں عائد ہوتی ہے۔ یوں یہ لفظ اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ انسان کا تعلق کائنات ارضی کی ایک ایک چیز سے ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری بھی ہر چیز سے متعلق ہوگی۔ ریاست میں ایک شہری کے تمام حقوق کی سب سے بڑی ذمہ داری بھی اس پر عائد ہوتی ہے۔ ریاست کا فرض اتنا ہی فرض نہیں کہ وہ ان حقوق کا تحفظ کرے۔ بلکہ اس کے ذمہ یہ بھی ہے کہ وہ ایسی فضا تیار کرے جس میں شہریوں کو ان کے حقوق کے حصول میں سہولت میسر ہو۔ ایک طرف اگر شہریوں کو حقوق حاصل ہیں تو دوسری طرف ان پر ریاست کی طرف سے کچھ ذمہ داریاں بھی آتی ہیں۔ جنہیں ہم فرائض کہتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی حقوق کا امتیاز

۱۔ مطالبے کے بغیر حقوق کا حصول

دنیا کے تمام سیاسی اداروں، تحریکوں، ریاستوں اور تنظیموں کے حاصل کردہ اور تجویز کردہ تمام حقوق یا تو اس صورت میں معرض وجود میں آئے کہ انسانوں کو اس کے لیے طویل جدوجہد اور سخت کشمکش کرنا پڑی یا کسی اقتدار کی لوگوں نے مخالفت کی اور ان کے سامنے مطالبات رکھے اور اس کے جواب میں ان کو کچھ ادھورے قسم کے حقوق عطا کر دیئے گئے۔ لیکن اسلام کا طرۂ امتیاز یہی ہے کہ اس کے تمام قوانین کسی مطالبے کے بغیر عطا کئے گئے ہیں اور یہ قوانین حقوق وہی ہیں جن کو دوسری قومیں بڑی تکلیفوں اور قربانیوں کے بعد حاصل کر رہی ہیں۔

۲۔ قدرت کے تفویض کردہ

اسلامی حقوق کا ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ یہ قدرت کے تفویض کردہ ہیں۔ خالق کائنات نے انہیں خود متعین فرمایا ہے۔ کوئی ریاست اسے تسلیم کرے یا نہ کرے یہ حقوق عوام سے چھینے نہیں جا سکتے۔

۳۔ انسانی فطرت سے مطابقت

اسلامی حقوق کا نمایاں امتیاز یہ بھی ہے۔ کہ اگرچہ یہ عوامی مطالبے کے بعد نہیں عطا کئے گئے۔ ان کے حصول کے لیے کوئی تحریکیں نہیں چلانا پڑیں۔ کوئی جنگ نہیں کرنی پڑی۔ کسی تکلیف یا مصیبت کے علاج کے طور پر جواباً نہیں عطا کئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا کوئی حق انسانی فطرت سے ٹکراتا نہیں۔ انسانیت نے ہمیشہ بحیثیت مجموعی جن اوصاف کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ وہی ان کے جائز حقوق قرار دیئے گئے ہیں۔

۴۔ ترمیم سے مبّرا

اسلامی حقوق کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ کسی حاکم کو اپنے مفادات کے لئے اس میں ترمیم کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی اسلامی قانون کو مسترد کر دیا جائے یا اس کی روح کو بدل دیا جائے۔ شہری کو اظہار رائے کا حق بہر حال ملا رہے گا۔ خواہ وہ حکومت پر تنقید کرے، رشوت خور کو یہ قوانین ضرور پکڑیں گے۔ خواہ وہ صدر مملکت ہو اور مقتول کا قصاص لیا جائے گا۔ قاتل خواہ وزیر اعظم ہی کیوں نہ ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہریوں کے حقوق

ہم تفصیل سے قرآن وسنّت کی روشنی میں شہریوں کے حقوق بیان کرتے ہیں ان میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق تقریباً سارے حقوق سمٹ آتے ہیں۔

۱۔ زندہ رہنے کا حق

اسلام نے یہ سکھایا ہے کہ ہر انسان جینے کا حق رکھتا ہے۔ قرآن میں ارشادِ خداوندی ہے۔

"جس نے کسی متنفس کو، بغیر اس کے کہ اس نے قتل نفس کا ارتکاب کیا ہو۔ یا زمین میں فساد انگیزی کی ہو، قتل کر دیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے اُسے زندہ رکھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا"

خیال رہے کہ قرآن مجید میں لفظ احیا، استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی ہیں "زندہ کرنا" دوسرے الفاظ میں اگر کسی شخص نے انسانی زندگی کو بچانے کی کوشش کی تو اس نے انسان کو زندہ کرنے کا کام کیا۔ ایک صحیح ریاست کا یہ پہلا فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی جان کی حفاظت کرے۔

۲۔ عزت وآبرو کا تحفظ

ہر شہری کا یہ حق ہے کہ اس کی عزت وآبرو محفوظ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکریم مسلم پر بڑا زور دیا ہے۔ ہمسائیگی کے باقاعدہ حقوق متعین فرمائے۔ فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں جو اپنے بھائی کو گالی دے۔ اسی طرح آبرو کی حفاظت کے بھی احکام دیئے۔ جھوٹی تہمتیں لگانے والوں کے لئے شریعت نے اسی (۸۰) دروں کی سزا مقرر کی جسے قذف کہا جاتا ہے۔ ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر شہری کی عزت وآبرو کا تحفظ کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَموالَكم واعراضكم حَرَامٌ كحرمة يومكم هذا۔	تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں۔ جیسی حج کے اس دن کی حرمت ہے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ واضح ارشاد ہے:۔

۱۔ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ	تم میں سے کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کا مذاق نہ اُڑائے اور تم ایک دوسرے کو بُرے القاب نہ پکارو۔
۲۔ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ	

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جتنی شکلیں بھی انسان کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے کی ہو سکتی ہیں۔ ان سے منع کر دیا گیا ہے۔

۳۔ ملکیت کے حقوق اسلامی ریاست میں ایک شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے جائیداد بنانے اور مال حاصل کرے بلکہ اگر کوئی اس سے مال و جائیداد چھیننے کی کوشش کرے اور وہ اس کے دفاع میں مارا جائے تو وہ شہید ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ — جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ وہ شہید ہے[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان ہے۔

مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ — جو کسی دوسرے کی زمین کا تھوڑا سا حصہ بھی غصب کریگا۔ زمین کے ساتویں طبق سے اتنا حصہ نکال کر اس کے گلے کا طوق بنایا جائیگا۔[2]

اسی طرح ایک اور فرمان نبوی ہے۔

"جو شخص کسی مسلمان کا مال بلا استحقاق دبا بیٹھے وہ اللہ کے حضور اس حال میں جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بہت غضب ناک ہوں گے۔"[3]

۴۔ معاہدہ کا حق ہر مسلمان شہری کو معاہدہ کرنے کا حق حاصل ہے، وہ دوسرے افراد سے ہر قسم کے ذاتی و انفرادی معاہدے کر سکتا ہے البتہ اسلام کے خلاف اس میں کوئی شرط نہ ہونی چاہیئے۔ ریاست کا یہ فرض ہے کہ شہریوں کے باہمی معاہدوں میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالے اور ان کو اہمیت دے۔ اس سلسلے میں روزانہ کے لین دین، خرید و فروخت وغیرہ کی ساری تحریریں داخل ہیں۔

۵۔ مساوات کا حق اسلام نے حقوق و فرائض میں قانون کے سامنے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا اور بتایا کہ عمل صالح کے سوا فضیلت و امتیاز کا کوئی اور معیار نہیں۔ عزت و شرف اگر ہے تو ان کے لئے جو زیادہ متقی، پاک باز ہوں۔ نسلوں کا غرور فضول ہے۔ قبیلوں اور خاندانوں کو صرف تعارف کا ایک ذریعہ سمجھو۔

---

[1] بخاری و مسلم

[2] بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ [3] مسند امام احمد بحوالہ "اسلام کا نظام عدل" از سید قطب شہید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں اس لئے بانٹا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہیں جو متقی ہیں۔"

حضور پاکؐ نے فرمایا:۔

"نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر۔ نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر۔ ماسوا تقویٰ کے۔ اور نسبی بنیادوں پر کوئی فضیلت نہیں۔"

۶۔ ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق

اسلام نے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[1] کا اصول انسانیت کو دیا۔ اس کے تحت ہر شخص کو آزادی ہے اس قیمتی حق کو حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں نے تیرہ سال تک مکہ میں تکلیفیں برداشت کیں۔ ضمیر و اعتقاد کو تمام بندھنوں سے آزاد کرانے کی کوشش کی اور صرف ایک رب کے ماننے کی دعوت دی تاکہ ضمیر تمام غلامیوں سے آزاد ہو سکے اور باوجود اس کے کہ توحید انسانی زندگی کی سب سے عظیم حقیقت ہے اسلام نے اسے ماننے کے لئے بھی آزادی دے دی۔ اگر کسی کا ضمیر اتنا ہی مردہ ہے کہ وہ اس عظیم حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں تو پھر اس پر کوئی پابندی نہیں۔

۷۔ مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق

اسلام نے ہر شہری کو اس بات کا بھی حق دیا ہے کہ اس کے مذہبی معتقدات اور پیشواؤں کا احترام کیا جائے گا۔ اور ایک دوسرے کے خلاف دریدہ دہنی کی اجازت نہ ہوگی۔

چنانچہ فرمایا:۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

"ان کو برا بھلا نہ کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے ماسوا معبود بنا کر پکارتے ہیں۔"

۸۔ اظہار رائے کی آزادی کا حق

اسلام نے ہر شہری کو مکمل آزادی رائے کا حق دیا ہے (FREEDOM OF EXPRESSION) آزادی اظہار رائے کی جو اعلیٰ مثالیں اور عمدہ نمونے اسلامی زمانہ خلافت میں موجود ہیں اس طرح کی کوئی ایک مثال دنیا کا کوئی معاشرہ پیش نہیں کر سکتا۔

---

[1] دین میں کوئی جبر نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف مسلمانوں کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ معاشرے کو برائیوں سے محفوظ کرنے کی پوری کوشش کریں۔ اس کے لئے آزادیٔ رائے کے اظہار کا حق شہریوں کو حاصل ہے تاکہ وہ اسلامی معاشرے کو پاکیزہ رکھ سکیں اور برائیوں کا قلع قمع کر سکیں۔ بھلائی کو فروغ دے سکیں اور بدی کی ہر صورت کے خلاف غم و غصہ اور نفرت و بیزاری کا اظہار کر سکیں۔

۹۔ معاشی تحفظ شہری کا ایک بنیادی حق یہ ہے کہ اگر وہ بے کار ہو تو ریاست اس کو روزگار مہیا کرے، اگر بھوکا ہو تو اسے روٹی مہیا کرے اگر بیمار ہو تو اس کے علاج کی سہولت فراہم کی جائے۔ اس سلسلہ میں حدیث ملاحظہ ہو۔ حضور نے فرمایا۔

"جس بستی میں کوئی شخص صبح کو اس حال میں اٹھے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ پر اس بستی کے بقا اور تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی۔

ایک دوسری روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بیوہ و مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند اور اس شخص کی طرح ہے۔ جو دن بھر روزے رکھتا ہو اور رات بھر نمازیں پڑھتا ہو۔[1]

۱۰۔ نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون کا حق قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں۔ ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

اس آیت میں اگرچہ حکم ہے۔ لیکن یہ ایک حق ہے شہری کا کہ وہ نیکی میں لوگوں کیساتھ تعاون کرے گا اور برائی و ظلم کے معاملہ میں کوئی اس کو ساتھ ملانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

۱۱۔ حق انصاف ہر شہری کا یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ عادلانہ طرز عمل اختیار کیا جائے اور اس پر کوئی ظلم نہ ہو۔

اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔

عدل کرو۔ یہ خدا ترسی کے زیادہ قریب ہے۔

اور ایک دوسری آیت میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔

اللہ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

[1] مسلم، بخاری، ترمذی، نسائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس اصول کا اطلاق اسلام صرف اپنے شہریوں پر ہی نہیں کرتا بلکہ دشمن قوم کے افراد کا بھی یہ حق سمجھتا ہے کہ ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا جائے۔

۱۲۔ معصیت سے اجتناب کا حق

کسی شخص کو معصیت کا حکم نہیں دیا جا سکتا اور نہ کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کو اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو وہ اطاعت کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ — خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو کسی مخلوق کا حکم نہ مانا جائے۔

۱۳۔ ظالم کی اطاعت سے انکار کا حق

ہر شہری کو اسلام یہ حق دیتا ہے کہ اگر حکمران ظالم ہوں تو ان کی اطاعت سے انکار کر دیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ سے دعا کی تھی کہ میری اولاد کو بھی امامت کا شرف بخشا جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا وعدہ ظالموں کے لیئے نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا ہے کہ ظالموں کو اللہ کی طرف سے کوئی ایسا پروانہ امر نہیں کہ وہ دوسرے سے اطاعت کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کوئی ظالم اس امر کا مستحق نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کا امام ہو اور اگر ایسا امام بن جائے تو اس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ اُسے برداشت کیا جائے گا۔[1]

۱۴۔ آزادی کا تحفظ

ہر شہری کو یہ حق ہے کہ اس کی آزادی سلب نہ کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

لا یوسر رجل فی الاسلام الا بحق۔ — اسلام میں کسی آدمی کو سوائے حق کے قید نہیں کیا جائے گا۔

اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ صفائی کا موقع دیئے بغیر کسی شخص کی آزادی کو سلب کر کے اسے حوالۂ زندان کر دیا جائے۔

۱۵۔ نجی زندگی کا تحفظ

ہر شہری کا یہ حق ہے کہ اس کی پرائیویٹ زندگی کو محفوظ رہنے دیا جائے۔ قرآن مجید میں سورہ نور میں حکم ہے: اپنے گھروں

[1] تفہیمات جلد سوم از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صفحہ ۲۵۹۔۲۶۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ ان سے اجازت نہ لے لو۔ سورہ حجرات میں حکم ہے۔ "وَلَا تَجَسَّسُوْا" اور تجسس نہ کرو۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:۔

"کہ ایک آدمی کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے گھر سے دوسرے آدمی کے گھر میں جھانکے"۔

۱۶۔ ظلم کے خلاف احتجاج کا حق اسلام نے ہر شہری کو یہ حق دیا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف احتجاج کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے۔ الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو"

(سورۃ النساء)

۱۷۔ شبہات پر کارروائی نہیں کی جائے گی ہر شہری کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ اس کے خلاف بغیر تحقیق کے کوئی کارروائی عمل میں نہ لائی جائے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی واضح ہدایت ہے کہ "کسی کے خلاف اطلاع ملنے پر تحقیقات کر لو تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی گروہ کے خلاف لاعلمی میں کوئی کارروائی کر بیٹھو" ایک اور آیت میں ہے "بدگمانی سے اکثر بچا کرو۔"

۱۸۔ حکومت میں شرکت کا حق ہر مسلمان شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ خلافت و حکومت کے معاملے میں اس سے مشورہ کیا جائے اور اگر عام مسلمان کسی شخص کی حکومت سے راضی نہ ہوں تو وہ ان پر حکومت نہ کرے۔ مسلمان راضی ہوں تو ان پر حکومت کرنے کا اسے حق ہے۔ "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" (اور اہل ایمان اپنے معاملات باہمی مشوروں سے طے کرتے ہیں) اور فرمایا "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" اور اپنے کاموں میں ان لوگوں سے مشورہ کیا کرو۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ حکومت کے معاملات میں شہریوں کی شرکت ضروری ہے اور یہ ان کا حق ہے کہ وہ اس میں مشورہ دیں۔

۱۹۔ آزادیٔ اجتماع کا حق شہریوں کو اسلام نے اجازت دی ہے کہ وہ اکٹھے ہوں، اجتماعات کریں۔ تنظیمیں بنائیں اور اس پر کوئی پابندی نہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ضرور ہونا چاہیئے۔ جو بھلائی کی طرف بلائے معروف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا حکم دے اور منکر سے روکے "

اس آزادی اجتماع کا یہاں تک حق تسلیم کیا گیا کہ حضرت علیؓ نے خوارج کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ سمجھا اور ان کو کہلا بھیجا "جب تک تم تلوار اٹھا کر زبردستی اپنا نظریہ دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کرو گے۔ تمہیں پوری آزادی حاصل رہے گی"

۲۰۔ تنقید و محاسبہ کا حق ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حکومت کرنے والے افراد پر تنقید کریں اور ان سے بازپرس کر سکیں۔ خلافت راشدہ میں اس اصول پر اتنا عمل ہوتا تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے خلیفہ سے صاف طور پر لوگ پوچھ لیتے تھے کہ یہ چیز آپؓ نے کہاں سے حاصل کی۔ ایک مرتبہ جہاد کے لیے آپؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا :۔ لَا سَمْعاً وَلَا طَاعَةَ يَا عُمَرُ "عمرؓ ہم تیری بات نہ سنتے ہیں۔ نہ مانیں گے۔ آپؓ نے پوچھا۔ کیوں؟ اس نے کہا جو یمنی چادریں آئی تھیں ان میں سے ہر مسلمان کو ایک ایک چادر ملی تھی اور آپ کو بھی ایک ہی ملنی چاہیئے تھی لیکن یہ جو کرتہ آپ نے پہن رکھا ہے یہ اسی کپڑے کا ہے۔ اور آپ کا کرتہ ایک چادر سے نہیں بن سکتا۔ دوسری چادر آپ نے کہاں سے لی؟ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے جواب دینے کو کہا۔ حضرت عبداللہؓ نے بتایا کہ جو چادر انہیں بیت المال سے ملی تھی وہ انہوں نے اپنے والد کو قمیض بنوانے کے لیے دے دی۔ تب اس آدمی نے اٹھ کر کہا :۔

الْآنَ سَمْعاً وَطَاعَةً يَا عُمَرُ ۔

" عمرؓ! اب ہم آپ کی بات سنتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں "

یہ بھی دیکھئے کہ وہ وقت EMERGENCY ، ہنگامی حالات کا تھا لیکن عمر فاروق رضؓ شہریوں کے اس حق سے واقف تھے چنانچہ ان کو جواب دیا۔ مطمئن کیا اور اس طرح حکومت چلانے والوں کے لیے ایک عظیم الشان مثال قائم کر دی۔

غیر مسلم رعایا کے حقوق

غیر مسلم رعایا کو ذمی کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کا ذمہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے لیا ہے۔ ان کے حقوق یہ ہیں :۔

۱۔ ذمیوں کے معاہدوں کی حفاظت :۔ غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو بھی معاہدے کئے جائیں گے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی پوری حفاظت کی جائے گی۔

۲- ان کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت اس طرح سے کی جائے گی۔ جس طرح عام مسلمان شہری کی کی جاتی ہے۔

۳- تعزیرات میں مسلمان اور ذمی کو برابر سمجھا جائے گا۔ جرائم کی سزا دونوں کو برابر ملے گی۔

۴- تجارت کے جو حقوق مسلمانوں کے ہوں گے وہی ذمیوں کے بھی ہوں گے البتہ تجارتی ٹیکس پانچ فی صد لیا جائے گا۔ جب کہ مسلمانوں سے زکوۃ اڑھائی فی صد لی جاتی ہے۔

۵- ذمیوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ حتی کہ ان سے جزیہ لیتے وقت بھی نرمی دکھائی جائے گی۔

۶- شخصی معاملات میں ان کے ذاتی قوانین کے مطابق فیصلے ہوں گے۔

۷- مذہبی مراسم کی ادائیگی میں ان کو اپنی آبادیوں میں پوری آزادی ہوگی۔

۸- ان کی عبادت گاہوں کی پوری حفاظت کی جائے گی۔

۹- ان لوگوں سے جزیہ نہ لیا جائے گا جو بوڑھے ہو جائیں یا فقیر و محتاج ہو جائیں۔

۱۰- غریب ذمیوں کی بھی عام رعایا کی طرح بیت المال سے کفالت کی جائے گی۔

۱۱- فوجی خدمات سے ان کو مستثنیٰ رکھا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اپنی مرضی سے شریک ہونا چاہیں تو ان سے جزیہ کی رقم نہ لی جائے گی۔

۱۲- جزیہ کی رقم اس وقت تک لی جا سکتی ہے۔ جب تک ان کی حفاظت کی جا سکے اگر حفاظت نہ ہو سکے تو جزیہ کی رقم واپس کر دی جائے گی۔

۱۳- ان کو تحریر و تقریر اور اجتماع کی اسی طرح آزادی ہوگی۔ جس طرح عام مسلمان رعایا کو ہوتی ہے۔

۱۴- تعلیم حاصل کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔ اپنی مذہبی تعلیم وہ اپنی درس گاہوں میں حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۵- کلیدی مناصب کو چھوڑ کر تمام ملازمتوں کے دروازے ان پر کھلے ہوں گے۔

۱۶- صنعت و حرفت، زراعت اور دوسرے تمام پیشوں کے دروازے ان پر کھلے ہوں گے۔

شہری کے فرائض ہم مختصر طور پر وہ فرائض بتاتے ہیں جو ایک شہری پر عائد ہوتے ہیں۔ یہ دوسری طرف ریاست کے حقوق بھی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ ریاست کا پہلا حق اطاعت کا ہے۔ جس کے لئے اسلام نے سمع و طاعت کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔

"سننا اور ماننا پڑے گا، تنگی اور فراخی۔ خوشگواری اور ناخوشگواری میں۔"

۲۔ ریاست کا دوسرا حق یہ ہے کہ شہری اس کے وفادار اور خیر خواہ رہیں۔ قرآن وحدیث میں اس کے لئے نصح کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ ایک آدمی سچے دل سے اپنی حکومت کی بھلائی چاہے اس کو نقصان پہنچانے والی کسی چیز کو گوارا نہ کرے اور اس کی فلاح و بہبود سے قلبی وابستگی رکھے۔

۳۔ حکومت کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے اور اس کے لئے کسی جانی یا مالی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔ تاکہ ریاست کا پوری طرح سے دفاع کیا جا سکے۔

۴۔ شہری کا فرض ہے کہ وہ وطن سے محبت کرے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ وطن سے محبت جزوایمان ہے اور اس کے لیے جان قربان کرنا شہادت ہے۔

۵۔ شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ قانون کا احترام کرے اور کسی حال میں بھی قانون کو توڑنے کی کوشش نہ کرے تاکہ امن و امان بحال رہ سکے۔

۶۔ حکومت کے رفاہ عامہ کے جاری کردہ پروگراموں میں بھرپور حصہ لے تاکہ عوام کی حالت بہتر ہو سکے۔

جو شہری ان فرائض کو ادا کرے وہ بہترین شہری کہلا سکتا ہے۔

سوالات

۱۔ مسلمان شہری کے حقوق و فرائض اسلامی تعلیمات کی رو سے قلمبند کیجئے۔
(لاہور بورڈ ۱۹۷۶ء)

۲۔ حقوق کا تصور بتائیے نیز مسلمان اور ذمی شہریوں کے حقوق و فرائض قرآن و سنت کی رو سے بیان کیجئے۔

۳۔ اسلامی حقوق کا نمایاں امتیاز کیا ہے؟ مسلمان شہری کے حقوق تفصیل سے لکھیے۔

۴۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کے حقوق و فرائض بیان کیجئے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۳ء)

۵۔ مسلمان شہری کے حقوق و فرائض بیان کیجئے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۴ء)

۶۔ شہری کا مطلب واضح کیجئے۔ شہری کے حقوق پر تفصیل نوٹ لکھیے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۸۱ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب

ریاست

ریاست کا مفہوم

علم السیاست میں ریاست چار عناصر کے مرکب کا نام ہے

(۱) علاقہ TERRITORY (۲) آبادی POPULATION

(۳) اقتدار اعلیٰ SOVEREIGNTY (۴) حکومت GOVERNMENT

گویا ریاست اس خطہ زمین کا نام ہے جہاں پر آبادی ہو، اُن کی باقاعدہ حکومت قائم ہو اور وہ کسی اعلیٰ اقتدار کو تسلیم کرتے ہوں۔ اسلامی ریاست اُسے کہیں گے جہاں پر اسلام کے عین مطابق حکومت قائم ہو۔ ریاست اور حکومت کا فرق یہ ہے کہ ریاست مملکت کا نام ہوتا ہے۔ اور حکومت GOVERNMENT اس ادارہ کا نام ہوتا ہے، جو ریاست کے نظم ونسق کو چلاتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے ریاست کی ضرورت

ریاست کی ضرورت واہمیت اسلامی نقطہ نظر سے بہت زیادہ ہے۔ اسلام ایک ایسا مکمل ضابطہ ہے جس پر پوری طرح سے عمل اسی وقت ممکن ہے جب اسلام کے دائرہ اختیار میں ایک ریاست ہو۔ اسلام کے سیاسی، فوجداری، تعزیراتی، معاشرتی معاشی اور اخلاقی قوانین کا صحیح نفاذ تبھی ہو سکتا ہے۔ جب کوئی ریاست اس کے قبضہ میں ہو۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے مکہ کو خیرباد کہا اور مدینہ میں ایک CITYSTATE کی بنیاد رکھی۔

۲۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ ریاست کے بغیر کوئی حکومت نہیں ہو سکتی۔ اور حکومت کے بغیر کوئی نظام قائم نہیں ہو سکتا اس لئے اسلامی نظام کے قیام کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی ایک ریاست ہو۔

۳۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ افرادِ انسانی کے حقوق کا تحفظ بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ریاست کا پورا اقتدار اس کی حفاظت نہ کرے۔

۴۔ چوتھی ضرورت یہ ہے کہ جب تک ریاست قائم نہ ہو اس وقت تک وہ قانون عدل قائم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہو سکتا۔ جس کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے فرمایا:۔

" اور دعا کرو کہ اے پروردگار! مجھ کو جہاں بھی لے جا، سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔" سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت کی مشہور تفسیر یہ ہے کہ یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے تاکہ اس کی طاقت سے میں دنیا کے اس بگاڑ کو درست کر سکوں۔ فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کر سکوں۔

۵۔ پانچویں ضرورت ریاست کی اس لئے بھی ہے کہ اس کے ذریعے امن و امان قائم ہو سکتا ہے اور فتنہ و فساد پھیلانے والوں کی بیخ کنی کی جا سکتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے۔ جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا۔ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے۔ وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی۔ اس کو عمل میں لانے کے لئے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔[1]

۶۔ اسلامی ریاست کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ حکومت مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور وہ نماز کا اہتمام کریں اور دوسری اسلامی تعلیمات پر عمل کر سکیں نیز نیکی کا حکم کریں اور بدی کی تمام صورتوں کو مٹا ڈالیں۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔	یہ مسلمان وہ لوگ ہیں کہ اگر زمین پر ہم انہیں اقتدار دیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیا کریں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

اسلامی ریاست کی خصوصیات

۱-۱ اقتدار اعلیٰ کا تصور

علم سیاست میں اقتدار اعلیٰ سے مراد کوئی ایسا شخص یا مجموعہ افراد یا ادارہ ہوتا ہے۔ جس کا حکم حتمی و آخری ہو اور اس کی اطاعت شہریوں کے لئے ناگزیر ہو۔ دنیاوی ریاستوں میں یہ حق بادشاہ آمر یا پبلک کے چند نمائندوں کے پاس ہوتا ہے۔ لیکن اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ خدا کی ذات ہے۔ خدا ہی حاکم مطلق ہے

[1] تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۶۲۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور صرف اسی کا حکم قطعی آخری، ناقابل تغیر و ترمیم ہے اور اس کا ماننا فرض ہے اور اس سے انکار کفر ہے۔

۲۔ رسالت کا مقام اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے نمائندے نبی ہیں۔ جن کے ذریعے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حاکم اعلیٰ کا ہمارے لیے حکم کیا ہے اسلامی ریاست میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی بے چون وچرا اطاعت کی جائے گی۔

۳۔ خلافت جمہور قرآن مجید کا یہ فیصلہ ہے کہ اسلامی ریاست میں اللہ کی نیابت کا حق کسی خاص گروہ یا فرد کو حاصل نہیں، بلکہ تمام وہ لوگ خدا کے خلیفہ ہیں۔ جو ایمان لے آئے ہیں۔ چنانچہ سورۂ نور میں فرمایا۔

" اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم میں سے ایمان قبول کیا اور عمل صالح کیا کہ وہ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔ جس طرح تم سے پہلے خلیفے بنائے " گویا اسلام کے نزدیک ریاست کا نظام چلانے کا حق صرف جمہور کو حاصل ہے۔ اس کو جمہوریت بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہ مغربی جمہوریت سے مختلف ہوگی کیونکہ مغربی جمہوریت مختار کل یا حاکم اعلیٰ ہونے کی دعویدار ہے۔

۴۔ شورائی نظام اسلامی ریاست میں خلافت جمہور قائم ہوگی تو اس کے لئے قرار دیا کہ ریاست کے لئے لازماً اہل حل وعقد سے مشورہ ہو۔

قرآن مجید نے مشورہ کا واضح حکم دیا ہے تاکہ حکمران من مانی نہ کرسکے۔

۵۔ ملوکیت کے لئے کوئی جگہ نہیں اسلامی ریاست میں مندرجہ چاروں خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھئے کہ اس میں ملوکیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ بادشاہت کا یہ تصور کہ KING CAN DO NO WRONG بادشاہ سلامت سے غلطی نہیں ہوسکتی۔ اسلامی تعلیمات کی ضد ہے اللہ تعالیٰ اور رسول کا یہ مقام ہے کہ وہ غلطیوں سے پاک ہیں۔ ان کا کوئی حکم غلط نہیں ہوسکتا۔ نیز اسلامی ریاست کا سربراہ لوگوں کا منتخب کردہ ہوتا ہے۔ وہ پیدائشی بادشاہ نہیں ہوتا ہے۔

حاکم کے اوصاف

قرآن وسنت ... اسلامی ریاست کے با اختیار حاکم کے اندر درج ذیل اوصاف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے ضروری ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

۱۔ مسلمان ہو ،، اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں،، (النساء۔ ۵۹)

۲۔ مرد ہو قرآن مجید میں ہے :۔
،، مرد عورتوں پر قوام ہیں،، (النساء۔ ۳۴)

آنحضرتؐ کا ایک ارشاد ہے۔
،، وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی، جس نے اپنی زمام کار عورت کے سپرد کی ہو،، (بخاری)

۳۔ عاقل و بالغ ہو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔
،، اور اپنے مال، جنہیں اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سہارا بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔ (النساء۔ ۵)

۴۔ اسلامی ریاست کا باشندہ ہو ارشاد ربانی ہے :۔
،، اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کر کے (دارالاسلام) نہیں آگئے۔ تمہارا ان کی ولایت میں کوئی حصہ نہیں، جب تک کہ ہجرت نہ کریں،، (انفال۔ ۷۲)

۵۔ منصب کا اہل ہو ارشاد ہوتا ہے :۔
،، اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرو،، (النساء)

۶۔ متقی ہو ارشاد ہے :۔
،، تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو،،

۷۔ منصب کا حریص نہ ہو حضورؐ نے فرمایا ہے :۔
،، ہم منصب پر اس کو مقرر نہیں کرتے۔ جس نے اس کی درخواست کی ہو یا اس کا حریص ہو،، (بخاری)

۸۔ علمی اور جسمانی تفوق سورہ بقرہ میں ہے :۔
،، نبی نے کہا کہ اللہ نے حکمرانی کے لیے اس کو دیعنی طالوت کو تم پر ترجیح دی ہے۔ اور اس کو علم اور جسم میں فراوانی عطا کی ہے،،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست وحکومت کے فرائض

اسلامی ریاست کے فرائض میں بہت وسعت ہے۔ شہری کے باب میں ہم نے تفصیل سے شہریوں کے جو حقوق گنائے ہیں وہ سب ریاست اور حکومت کے فرائض ہیں۔ جو اُسے ادا کرنے چاہئیں اور ان کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ مختصر طور پر چند ایک دوسرے فرائض بھی حکومت پر عائد ہوتے ہیں۔

۱۔ دین اسلام کا قیام

یوں تو دین اسلام کے احکام میں بڑی وسعت ہے قرآن مجید میں چند ایک کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ جب مسلمان برسر اقتدار آتے ہیں۔ تو وہ دین اسلام کی تعلیمات کو نافذ کرتے ہیں اور اس کا پورا نظام قائم کرتے ہیں۔ فرمایا اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

۲۔ اجتماعی عدل کا قیام

اجتماعی عدل سے مراد ایک ہمہ گیر، جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ وہ فکر، عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے[1]۔ سماج میں عدل و انصاف اور توازن و ہم آہنگی پیدا کرنا اسلامی ریاست کا اہم فرض ہے۔ اور اس کو اجتماعی عدل کے قیام کا نام دیا جا سکتا ہے۔ فرمان نبوی ہے "قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ مقام پانے والا شخص امام عادل ہو گا۔ اور سب سے زیادہ مبغوض اور شدید ترین عذاب کا مستحق ظالم حکمران ہو گا۔" (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی)

۳۔ مشورہ

حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ریاست کے تمام اہم معاملات میں مشورہ کرے۔ اس کے لئے باقاعدہ مجلسیں قائم ہوں اور آزادانہ بحث و گفتگو کے بعد فیصلے کئے جائیں۔ فرمایا۔ وامرھم شوریٰ بینھم اور اُن کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وشاورھم فی الامر اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد چند لوگوں نے حضرت علیؓ سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔

---

[1] اسلام کا نظام عدل از استاذ سید قطب شہید۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

— "یہ معاملہ تمہارے فیصلہ کرنے کا نہیں ہے۔ یہ تو اہل شوریٰ اور اہل بدر کا کام ہے۔ جس کو اہل شوریٰ اور اہل بدر پسند کریں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ پس ہم جمع ہوں گے۔ اور اس معاملے پر غور کریں گے۔[1]

یہ حضرت علیؓ کا فرمان ہے۔ تمام خلفاء نے مشورہ کے اصول کو ہمیشہ اہمیت دی اور ہر معاملے میں اس قرآنی ہدایت پر عمل کرتے رہے۔

۴۔ معروف کا قیام اور بدی کی روک تھام

اسلامی ریاست میں حکومت کا یہ ایک اہم فرض ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کا پرچار کرے اسے پھیلانے اور اشاعت و فروغ کے تمام ذرائع و وسائل استعمال کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ بدی کو ختم کرنے کی تمام تدابیر اختیار کرے۔

۵۔ رعایا سے حسن سلوک

ہر اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ رعایا کی فلاح و بہبو کا خاص خیال رکھے اور ان کے ساتھ حُسن سلوک کرے۔

۶۔ ملک کا دفاع اور سرحدوں کی حفاظت

حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک کا پوری طرح دفاع کرے اور حملے کے وقت مستعدی سے دشمن کے تمام ارادے خاک میں ملا دے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمہ وقت فوجی تربیت اور جنگی تیاریوں پر خاص توجہ دی جاتی رہے۔ اسی طرح حکومت کو سرحدوں کی بھی پوری پوری حفاظت کرنا چاہئے تاکہ ناجائز آمدورفت اور خرید و فروخت نہ ہو سکے۔

۷۔ نیک حکّام کا تقرر

اسلامی حکومت میں ضروری ہے کہ اس کے اضلاع اور صوبوں کے تمام حکام نہایت نیک اور متقی ہوں۔ دیانت و امانت میں مشہور ہوں اور اچھے منتظم اور باصلاحیت افراد ہوں۔ ان کی سیرت و اخلاق بے داغ ہو۔

۸۔ بیت المال کی حفاظت

اسلامی ریاست کا یہ نہایت اہم فرض ہے کہ وہ بیت المال کو حکمرانوں کا ذاتی خزانہ نہ بنا دے۔ بیت المال ایک قومی ملکیت ہے۔ اس میں کوئی ناجائز تصرف نہ ہونا چاہئے۔ حکومت کا یہ فرض ہے کہ اس پر نگاہ رکھے اور اس میں سے ٹھیک ٹھیک ان مدوں پر خرچ کرے جن کی شریعت اسلامیہ نے اجازت

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ص۲۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی ہے۔

ریاست کے حقوق

گزشتہ باب میں شہری کے جو فرائض ہم نے لکھے ہیں۔ وہی ایک ریاست کے حقوق ہیں۔ شہری کا فرض ہے کہ وہ اولوالامر کی اطاعت کرے، جب تک وہ شریعت کی پیروی کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اگر تم پر ایک نکٹا حبشی بھی حکمران بنایا جائے تو اس کی بھی اطاعت کرو۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم — اطاعت کرو اللہ کی، اس کے رسول کی اور اپنے صاحب امر کی۔

آنحضرتؐ کا ایک دوسرا ارشاد ہے:-

"مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ اُسے پسند کیا ناپسند، تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر اُسے نہ کچھ سننا چاہیئے نہ ماننا چاہیئے۔" (بخاری ومسلم)

سوالات

۱۔ اسلامی ریاست کی تعریف کیجئے اور بتایئے کہ ریاست کی طرف سے رعایا کے ذمہ کیا فرائض ہیں اور رعایا کے ریاست پر کیا حقوق ہیں؟ (لاہور بورڈ ۶۳ء ۱۹)

۲۔ اسلامی ریاست کے حقوق وفرائض، قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیجئے۔
(لاہور بورڈ ۶۶ء ۱۹)

۳۔ اسلامی نظریۂ خلافت پر تبصرہ کیجئے اور اسلامی ریاست کی خصوصیات تحریر کیجئے۔
(سرگودھا بورڈ ۷۹ء ۱۹)

نوٹ:- مندرجہ بالا تینوں سوالوں کی تیاری کے لیے شہری اور ریاست کے دونوں ابواب سامنے رکھئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۶

اُمّت

اُمت کے معنی

اُمت کے لغوی معنی جماعت، گروہ، خاندان، نسل اور طریقہ ہیں۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ عام طور پر مذکورہ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ معروف و مشہور معنوں میں اُمت سے اُمت محمدیہ مراد لی جاتی ہے۔ اس اُمت کے دوسرے نام اُمت مسلمہ اور امت وسط بھی ہیں۔

لفظ اُمت اپنے اندر ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس کی وسعت کا عالم یہ ہے کہ اس میں کئی قومیں اور کئی زمانے سما سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں مختلف زمانوں میں اور مختلف قوموں میں آنے والے نبیوں کو ایک ہی امت قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔ (انبیاء ۱۰۲) یہ تمہاری اُمت حقیقت میں ایک ہی امت ہے۔

اس آیت میں امت کا لفظ جس طرح استعمال ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "امت" کا لفظ افراد کے اس مجموعہ پر بولا جاتا ہے جو کسی مشترک اصل پر جمع ہو۔ چونکہ تمام نبی وقت اور زمانہ کے اختلاف کے باوجود ایک عقیدہ ایک دین اور ایک دعوت پر جمع تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اُمت قرار دیا۔

اس اُمت کا آخری سرا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں سے آجڑتا ہے۔ اس لئے اب حضورؐ کو اس امت کا داعی اور پیروکاروں کو ملت اسلامیہ کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اسے ملت ابراہیمی کہہ کر بھی پکارا گیا ہے۔

ملت اسلامیہ کی بنیادیں

التوحید

قرآن مجید میں ایک مقام پر آتا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۔ "یہ تمہاری اُمت حقیقت میں ایک ہی ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس تم میری عبادت کرو۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس آیت کے علاوہ اور بھی کئی آیات میں اس مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی بنیاد توحید خداوندی ہے۔ وہ تمام لوگ جو اللہ رب العزت کو ایک خدا مانتے آئے ہیں، اس کا پرچار کرتے رہے ہیں۔ اور اس پر ثابت قدم رہے ہیں۔ ایک ہی امت کے افراد تھے۔ خواہ ان کا زمانہ کوئی ہو ان کا علاقہ دوسرا ہو اور ان کے خاندان مختلف ہوں۔

ب۔ عبادت کئی مقامات قرآنیہ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ "امت" کے افراد توحید کے اقرار کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے حکموں کو بجا لاتے ہیں۔

ج۔ رسالت محولہ بالا آیت میں عبادت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو زندگی و پرستش اور اطاعت احکام الٰہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریقہ وقت کا نبی بیان کرتا ہے۔ اس لئے نبی پر ایمان لانا بھی ملت اسلامیہ میں داخلے کے لیے ضروری ہے۔ گویا ملت اسلامیہ کی تین بنیادیں ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا۔

۲۔ رسولوں پر ایمان لانا۔

۳۔ الرسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت کرنا۔

انہی بنیادوں کو کلمۂ شہادت میں بڑی خوبصورتی سے سمو دیا گیا ہے اور جو شخص یہ کلمہ زبان سے ادا کر دیتا ہے اُسے مسلمان کہا جاتا ہے اور ایسے افراد کے مجموعے کا نام اُمت مسلمہ ہے۔

دو ملتیں اُمت کی اسلامی بنیادوں پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا میں صرف دو ہی ملتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک ملت اسلام اور دوسری ملت کفر۔ ملت اسلام میں وہ سارے لوگ شامل ہیں۔ جو خدا اور رسولؐ کو مانتے ہیں اور ملت کفر میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جنہوں نے اسلام کو ماننے سے انکار کر دیا۔ پہلے گروہ کو قرآن کریم حزب اللہ کا نام دیتا ہے اور دوسرے گروہ کو حزب الشیطان کہہ کر پکارتا ہے۔

اُمت اور قوم میں فرق اوپر کی تشریح سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اُمت کا لفظ اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا اور اس کی بنیاد عقیدے پر ہے۔ اس کے برعکس قوم کا لفظ عام طور پر محدود معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور قوم کی بنیاد رنگ،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسل، زبان یا جغرافیائی حدود پر ہوتی ہیں۔ اسلام سے انکار کرنے والے بہت سی قومیں ہو جاتے ہیں۔ مگر اس ملت میں کئی قومیں ہیں اور ان کے درمیان باہم نفرت و عداوت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی ایک ہی ملت ہے اور اس کے افراد بنیان مرصوص کی مانند ہوتے ہیں۔

اُمت دعوت اور اجابت اُمت دعوت اور امت اجابت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ وہ لوگ اور افراد جن کے سامنے ایک نبیؐ اپنی دعوت پیش کرتا ہے۔ اس جماعت کو امت دعوت کہا جاتا ہے۔ اور وہ تمام لوگ جو اس نبی کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں۔ ان کو اُمتِ اجابت کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اُمت دعوت میں سے ہی اُمتِ اجابت وجود پذیر ہوتی ہے جسے معروف اصطلاح میں اُمتِ مسلمہ کہا جاتا ہے۔

اُمتِ اسلامیہ کا عظیم منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اُمت کی تاسیس فرمائی اس کو اللہ تعالیٰ نے بہترین اُمت کے خطاب سے نوازا۔ کیونکہ عالمی قیادت و رہنمائی کا کام اس امت کے سپرد فرمادیا تھا۔ اسی کو مقام امامت کہا جا سکتا ہے۔ اُمت محمدیہ سے پہلے یہ مقام بنی اسرائیل کو حاصل تھا۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ۔

"میں نے تمہیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی"

جب بنی اسرائیل نے اللہ کا دیا ہوا علم گم کر دیا اور اقوام عالم کی امامت و رہنمائی کے فرض سے غافل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لیے ایک دوسری جماعت کو منتخب فرمایا۔ قرآن کریم میں آتا ہے:۔

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ۔ اس نے تمہیں منتخب کیا ہے۔

عربی میں اجتبٰء اور اصطفاء ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جس کا مطلب ہے بہتر شے کا انتخاب۔ قرآن مجید میں انبیاء کے لئے یہ الفاظ عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ایک ایسا لفظ جو عموماً منصب رسالت و نبوت کی خاطر کئے جانے والے انتخاب کے لئے بولا گیا ہو۔ اسے اگر ایک اُمت کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے تو یہ اس کی "پیغمبرانہ شان" کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

شعائر اُمت ہر وہ چیز جو کسی ملک یا عقیدے یا طرز فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ شعار کہلائے گی۔ کیونکہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، ٹکٹ، نوٹ اور اسٹامپ حکومت کے شعائر ہیں گرجا، قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی، زنار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس، کڑا، کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے اور ہتھوڑا، درانتی اشتراکیت کے شعائر میں داخل ہیں۔

اُمتِ اسلامیہ کے شعائر سے مراد وہ تمام علامات یا نشانات ہیں جو شرک و کفر کے بالمقابل خالص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں۔ کعبۃ اللہ کا احترام، مساجد، نماز، اذان، رمضان المبارک کی آمد، روزہ کا اہتمام، حج کے مناسک، قربانی، عقائد، السلام علیکم کہنا، خواتین کا پردہ، لباس میں ستر پوشی، عید گاہیں، قبرستان وغیرہ وہ چیزیں ہیں۔ جن سے اُمتِ اسلامیہ پہچانی جاتی ہے۔

خصوصی امتیازات

اُمتِ اسلامیہ کے خصوصی امتیازات درج ذیل ہیں۔

۱۔ وحدتِ انسانیت اُمتِ اسلامیہ میں تمام انسانوں کو ایک انسانی جوڑے کی اولاد سمجھا جاتا ہے۔ ان کے درمیان نسلی تفریق کا کوئی مقام نہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى (الحجرات) بے شک ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔

۲۔ وحدتِ فکر اُمتِ اسلامیہ میں افراد کے اندر فکری اتحاد پایا جاتا ہے۔ وہ ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول، ایک مرکز (بیت اللہ) کو مانتے ہیں۔

۳۔ وحدتِ عبادت تمام اُمتِ اسلامیہ کے افراد ایک ہی زبان میں خدا کی بندگی میں لگے رہتے ہیں۔ جس سے اُن کے اندر خدا کی عظمت اور خدا کی مخلوق سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

۴۔ عالمی اخوت قرآن مجید میں آتا ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے:۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

"مومن ایک جسم کی مانند ہیں، جب ایک عضو کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم اس کے لئے بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے" عالمگیر بھائی چارہ اس امت کا ایک اہم امتیاز ہے۔

اُمتِ مسلمہ کی مخصوص ذمہ داریاں

اُمت مسلمہ کے جس مقام و منصب کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔

اور اس طرح ہم نے تم (مسلمانوں) کو ایک بہتر اُمت بنایا ہے۔ تاکہ تم دوسرے تمام لوگوں کے لیے (ہمارے نازل کیے ہوئے دین کے) شاہد ہو۔ اور ہمارا رسول تمہارے لیے شاہد ہے۔

ایک دوسرے مقام پر آتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ... الخ[1]

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔

ایک اور آیت میں فرمایا ہے:۔

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام "مسلم" رکھا تھا۔ اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسولؐ تم پر شاہد ہو اور تم لوگوں پر شاہد ہو۔

اصلی غرض و غایت

ان ساری آیتوں سے پوری طرح آشکارا ہو چکا ہے کہ اس اُمت کی غرض و غایت "دین حق کی شہادت" ہے۔ خدا کے حضور جہاں ایک ایک فرد کو اس کے سلسلہ میں اپنی انفرادی ذمہ داری کے بارے میں جواب دہی کرنی ہو گی۔ وہاں پوری اُمت کو ایک اُمت کی حیثیت سے اپنی اجتماعی جواب دہی بھی کرنی ہو گی۔

شہادت حق کے طریقے

شہادت یا گواہی عرف عام میں اس بات کو کہتے ہیں کہ آدمی کسی واقعہ یا کسی چیز کے بارے میں جو کچھ یقین کے ساتھ جانتا ہے۔

---

[1] سورہ آل عمران ۱۰۰۔

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کو ٹھیک ٹھیک بتا دے۔ دینِ حق کی شہادت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں پر اسلام کو جیسا کچھ وہ ہے۔ پوری طرح واضح کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں شہادت حق کے ہمیں درج ذیل پہلو سامنے رکھنے ہوں گے۔

۱۔ قولی شہادت قولی شہادت یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد سے لے کر اس کے تفصیلی احکام تک کو غیر مسلموں کے سامنے موزوں ترین الفاظ اور عبارتوں میں پیش کیا جائے۔ یہاں تک کہ یہ دین اُن کے لئے کھلی کتاب بن جائے اور اُن کے لئے اپنے مسلک کی غلطی اور اسلام کی صداقت پالینے میں کوئی معقول رکاوٹ باقی نہ رہ جائے۔

قولی شہادت کے طریقے ۱۔ اسلام کے بنیادی عقائد پر علم وعقل کی ایسی دلیلیں اور فطرت وجدان کی ایسی شہادتیں مہیا کی جائیں جن سے ان کی سچائی بالکل آشکارا ہو جائے۔

۲۔ غیر اسلام پر سنجیدہ اور مدلل تنقید کی جائے۔ غیر اسلامی نظریات و افکار سے واقفیت حاصل کر کے ان کی مدلل تردید شہادت اسلام کی راہ کا ایک ناگزیر مرحلہ ہے۔ غلط عقائد و خیالات کو ذہنوں سے کھرچ کر اسلام کی جڑوں کو اتارا جائے اس کو قرآن مجید نے قد تبین الرشد من الغی (صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔) کہہ کر پکارا ہے۔

۳۔ اسلام کو حق اور غیر اسلام کو باطل ثابت کرنے کا کام دلنشیں اور جدید ترین انداز کا ہو۔ اس زبان میں ہو جس سے وقت کا انسان مانوس ہو، اس طرز کا ہو جو وقت کے ذہنوں کو اپیل کر سکتا ہو، اس طریقے کا ہو جسے سائنٹیفک کہا جاتا ہے۔ بہترین اسلوب ہو اور وقت کی معیاری و فصیح زبان میں کہا جائے۔ قرآن کریم میں ہے۔

لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ۔ تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو خدا کی طرف سے خلقِ خدا کو متنبہ کرنے والے ہیں صاف صاف عربی زبان میں۔

۴۔ اس قولی شہادت کے پیچھے اخلاص وللہیت کا جذبہ کارفرما ہو اور کوئی غرض یا مناظرانہ ذوق کام نہ کرتا ہو۔ جو کچھ زبان وقلب سے نکلے۔ بنی آدم کی محبت اور خیر خواہی کے تقاضے سے نکلے۔

۱؎ البقرہ ۲۵۶ ۲؎ الشعراء ۱۹۴-۱۹۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عملی شہادت عملی شہادت یہ ہے کہ اسلام کی جو تصویر الفاظ میں پیش کی جائے۔ وہ پیش کرنے والے کی اپنی زندگی میں بھی ہونی چاہیئے۔ اس کا اخلاق، کردار، اور زندگی کے تمام پہلو اسلام کی تصویر کے مکمل نمونے ہوں۔

اس عملی شہادت میں دو باتیں شامل ہیں۔

(ا) انفرادی حیثیت سے ایک فرد کو اسلام کی زندہ گواہی دینی چاہیئے۔ اور اس کی ایک ایک ادا سے اسلام ٹپکنا چاہیئے۔

(ب) اجتماعی طور پر پوری ملت اسلامیہ کو اسلام کا نمونہ پیش کرنا چاہیئے۔ پوری ملت کا نظام معاشرت و معیشت اور سیاست و تمدن غرض پورا نظام زندگی اس نقشے کے مطابق تعمیر ہو جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے بنا کر دے دیا ہے۔

قیام دین حق اُمت مسلمہ کی ایک بڑی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ خدا کے برحق دین اسلام کو پوری دنیا میں قائم کرنے کی سعی بلیغ کرے۔ اس کے لئے جہاں قولی اور عملی شہادت سے کام لیا جائے، وہاں جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے نیکیوں کو پھیلایا جائے اور بدیوں کو مٹایا جائے اور اس حد تک جد وجہد کی جائے کہ بالآخر نظام حق دنیا میں قائم ہو جائے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اپنے خون کا آخری قطرہ تک اس راہ میں بہا دیا جائے اور سب کچھ دین حق کے لئے قربان کر کے شہادت کا وہ مقام حاصل کیا جائے جو قرآن میں اصل زندگی قرار دیا گیا ہے۔

اہم سوالات

۱۔ اسلام کے تصورات پر بحث کرتے ہوئے بتلایئے کہ اُمت دعوت اور اُمت اجابت میں کیا فرق ہے؟ اور دونوں کے احکام میں کیا اختلاف ہے؟ (لاہور بورڈ ۱۹۶۳ء)

۲۔ قوم اور اُمت میں کیا فرق ہے۔ پھر اُمت دعوت و اُمت اجابت میں کیا فرق ہے؟ نیز بتایئے کہ قومی زندگی کن کن دائروں سے مرتب ہوتی ہے؟ (لاہور بورڈ ۱۹۶۶ء)

۳۔ اُمت کے کیا معنی ہیں؟ قوم اور امت میں کیا فرق ہے؟ اُمت اسلامیہ کی ذمہ داریاں قرآن وسنت کی روشنی میں قلم بند کیجئے۔

۴۔ اُمت اسلامیہ کا مقام و منصب کیا ہے۔ اس کی ذمہ داریاں اور خصوصی امتیازات سپرد قلم کیجئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب۲۵

اخوت

اخوت کا مفہوم اخوت عربی کا لفظ ہے۔ جس کے معنی بھائی چارہ کے ہیں۔ اخی عربی میں بھائی کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً یہ بھائی چارہ یا اخوت صرف مسلمانوں کے درمیان محدود ہے۔ ہر وہ شخص جو کسی رنگ، نسل، مذہب یا علاقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ جب اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ مسلم امت کے ہر رکن کا بھائی بن جاتا ہے۔ اور اس کو وہ سارے حقوق اخوت مل جاتے ہیں جو ہر مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں۔

اخوت کی بنیاد اسلامی معاشرہ میں اخوت کی بنیاد صرف ایمان ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ مومن آپس میں بھائی ہیں۔

ایک باپ کی اولاد ہونا شرط نہیں، ایک خاندان سے تعلق ضروری نہیں، ایک ملک کی وطنیت لازمی نہیں اور ایک نسل میں پیدائش واجب نہیں یہاں صرف ایمان کو واجب و لازم قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی برادری کے نظام اخوت میں اللہ، رسولؐ اور آخرت کو ماننے والا داخل ہو جاتا ہے۔

اخوت کی اہمیت اخوت کی اہمیت پر ایک تو اس لحاظ سے نظر ڈالئے کہ وہ کارِ عظیم جسے کرنے کے لئے امت وسط وجود میں لائی گئی ہے، اس کے کارکنوں اور سپاہیوں میں باہمی کتنا اتحاد ہونا چاہیے۔ کس درجہ کی محبت و مودت ہونی چاہیے اور کتنا گہرا تعلق ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسلام نے اس فوج کے لئے اخوت کی تربیت لازمی قرار دی جس سے مسلح و منضبط ہونے کے بعد اُن کے درمیان کوئی خلفشار، انتشار، افتراق و اختلاف پیدا نہ ہو سکے اور باطل پر بھرپور حملہ کیا جا سکے۔

دوسری طرف اخوت کے متعلق قرآن و سنت میں اتنی تاکید ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا خدا محبوب ہی ان کو رکھتا ہے۔ جو آپس میں اخوت و محبت کا سلوک کرتے ہیں۔ چند آیات اور احادیث

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات) — مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(۲) اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (انفال) — وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

(۳) وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ (انفال ۶۲) — اور (مومنوں کے دل) ایک دوسرے کیساتھ جوڑ دیے ہیں۔

(۴) فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ط (توبہ ۲) — تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں (اشارہ کفر سے توبہ کرنے والوں کی طرف ہے)

(۵) رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (فتح ۴) — وہ (مسلمان) آپس میں رحمت و شفقت رکھتے ہیں

مندرجہ بالا تمام آیات سے اخوت کی اہمیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اب چند احادیث ملاحظہ کیجئے۔ جن سے اسی مفہوم کی تشریح ہوتی ہے۔

(۱) اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ — مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔

(۲) تَآخَوْا فِی اللّٰہِ۔ — اللہ کی راہ میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ان احادیث و قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب کا قیام ایک انتہائی مستحکم اور برادرانہ تعلق ہی سے ہو سکتا ہے۔ ایک منظم و طاقتور جماعت کی جان ہی برادرانہ تعلق اور باہمی پیوستگی ہے۔ اسی کو قرآن مجید نے (الصف) سیسہ پلائی ہوئی دیوار قرار دیا ہے۔ اس جماعت کا ہر فرد ذمہ دار ہے اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ایک مسلمان کا عہد تمام دنیائے اسلام کے مسلمانوں کا عہد ہے۔

مواخات مواخات اس بھائی چارہ کو کہتے ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کے درمیان قائم فرمایا تھا انہیں بھائی چارہ کے تحت ایک مہاجر ایک انصاری کا بھائی بنا دیا گیا تھا۔ مہاجر اس کے مکان، جائداد، کھیت، کاروبار وغیرہ میں بھائیوں کی طرح شریک ہو گئے۔ ہر انصاری ایک مہاجر کو اپنے گھر لے جاتا اور سب کچھ نصف نصف کر دیتا اور اس کا حصہ اس کے حوالے کر دیتا۔ حتیٰ کہ بعض ایسے انصار نے جن کی دو دو بیویاں تھیں، ایک کو طلاق دے کر اپنے دینی بھائی کی زوجیت میں دینے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر مہاجرین نے یہ بات پسند نہ کی۔ تاریخ عالم میں اس طرح کے نظام مواخات کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخوت اسلامی کی خصوصیات

۱- اتحاد قرآن مجید نے اخوت و بھائی چارہ کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ کے افراد کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنایا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ مسلمان باہم ایک دوسرے سے مل کر اس طرح مضبوط ہوتے ہیں۔ جیسے دیوار کہ اس کے ایک حصہ سے اس کا دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے۔" صحیح بخاری میں ہے کہ یہ کہہ کر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ کیسے ایک حصہ سے دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس طرح اسلام نے اتحاد پیدا کر کے غیریت ختم کر دی۔

۲- احسان اسلامی اخوت کی نمایاں خوبی احسان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے بھائیوں کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کیا جائے۔ خود تکلیف برداشت کر کے دوسروں کو راحت پہنچائی جائے۔ دوسروں کی ہر وقت بھلائی چاہی جائے۔ قرآن مجید میں ہے۔

اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (القصص) — تو احسان کر جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا۔

ایک دوسرے مقام پر آتا ہے کہ "اللہ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

۳- خیر خواہی بھائی چارہ میں خیر خواہی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ احادیث میں خیر خواہی کو نصیحت کہا گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ تین دفعہ فرمایا۔

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ

دین سراسر خیر خواہی ہے۔

اس خیر خواہی کا اصل معیار یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے۔ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے "کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ کچھ نہ پسند کرے۔ جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے" "یہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ وہ خیر خواہی کرے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا۔

وَيَنْصَحُ لَهٗ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ — اور وہ اپنے بھائی کی خیر خواہی کرے خواہ وہ غائب ہو یا موجود ہو۔

۴- ایثار جب ایک مسلمان اپنے بھائی کے لئے نہ صرف یہ کہ وہی کچھ پسند کرتا ہے۔ جو اپنی ذات کے لئے۔ بلکہ اس کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے تو گویا ایثار کی صفت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایثار کہلاتی ہے۔

ایثار کا لفظ اثر سے نکلا ہے اور اس کے معنی قدم رکھنے اور ترجیح دینے کے ہیں۔ یعنی مسلمان اپنے بھائی کی بہتری کو اپنے نفس کی بھلائی اور بہتری پر ترجیح دے۔ یعنی اپنی ضرورت کو مؤخر کرکے دوسرے کی ضرورت پوری کرے۔ خود بھوکا رہے دوسروں کا پیٹ بھر دے۔ اپنے لئے کمتر چیز پر راضی ہو جائے اور اپنے بھائی کو بہتر چیز دیدے۔ قرآن مجید میں اسے یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر) — اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ رحمت

اللہ تعالےٰ نے خود مسلمانوں کے باہمی تعلق کی تصویر کھینچنے کے لئے اس لفظ کو استعمال فرمایا۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ — باہم سراپا رحمت ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "مومن سراپا محبت ہے اور جو نہ محبت کرتا ہے اور نہ اس سے محبت کی جاتی ہے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں" آنحضرتؐ کا ایک اور فرمان ہے کہ "رحمت صرف بدبخت سے چھین جاتی ہے" ان احادیث سے رحمت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ معاشرہ جس کے افراد میں رحمت و محبت نہیں ہوتی۔ اُسے حضورؐ نے بدقسمت معاشرہ قرار دیا ہے۔

۶۔ باہمی اعتماد

قرآن نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی تعبیر کے لئے استعمال کیا ہے۔ اعتماد کا پورا پورا تصور "ولایت" کا وہ لفظ اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ جو دراصل ولی کہتے ہی اس کو ہیں جو پوری طرح قابل اعتماد ہو۔ جس کو آدمی اپنے تمام راز اور تمام معاملات پورے اطمینان سے سپرد کر سکے اخوت کے اس تعلق کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں پر اعتماد کرے اور ان کو اپنی زندگی کے معاملات میں شریک کرے۔

۷۔ جسم و جان اور آبرو کا تحفظ

ہر انسان کے لئے سب سے قیمتی چیز اس کا جسم جان اور آبرو ہوتی ہے وہ ایسے شخص کو کبھی اپنا بھائی نہیں سمجھ سکتا۔ جو اس میں تجاوز کرے۔ لہٰذا ان چیزوں پر دست درازی سے سخت ترین انداز میں روکا گیا ہے۔ فرمایا۔

"اور جو کوئی مومن کو قصداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے (سورۃ نساء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ اور اس سے لڑنا کفر" ایک دوسری حدیث میں ہے کہ۔

"کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی نہ تذلیل کرے اور نہ تحقیر" حضورؐ کا ایک اور ارشاد ہے "ایک آدمی کے برا ہونے کی یہی کافی دلیل ہے۔ کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے"

۸۔ دل آزاری کی ممانعت

کوئی مسلمان اپنے بھائی کے دل کو تکلیف نہ پہنچائے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے۔ جسے ہرگز گوارا نہ کرنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے حضورؐ نے متعدد مواقع پہ دل آزاری سے، سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

"جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی"

ایک اور فرمان ہے کہ مسلمانوں کے لئے حلال نہیں کہ کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان کرے" (طبرانی)

۹۔ غیبت اور چغلخوری کی ممانعت

غیبت اور چغلخوری دو ایسی برائیاں ہیں۔ جو معاشرے کے شیرازہ کو منتشر کر دیتی ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں ایک شخص اپنے بھائی کو پیٹھ پیچھے ایسی حالت میں برا کہتا ہے۔ جبکہ وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتا۔ قرآن و حدیث میں ان دونوں کی بڑی شدت سے ممانعت آئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

"کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے" (حجرات)

چغلخور کے متعلق حضورؐ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

۱۰۔ فریب دہی کی ممانعت

مسلمان کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو گفتگو یا معاملات میں فریب دے۔ غلط بیانی سے کام لے یا اسے کسی غلط بات کے پیچھے لگا دے۔ ان چیزوں کو بدترین خیانت قرار دیا گیا اور حضورؐ نے فرمایا کہ سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کہے اور وہ تم کو سچا سمجھ رہا ہو حالانکہ تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو"

۱۱۔ حسد

حسد وہ مرض ہے جو نہ صرف لوگوں سے تعلقات کشیدہ اور بعض اوقات ختم کرتا ہے۔ بلکہ اس سے آدمی کا ایمان تک خطرے میں جا پڑتا ہے۔ اسی لئے حضورؐ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے متنبہ فرمایا کہ۔

"تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔"

۱۲۔ لڑائی جھگڑے کی ممانعت

لڑائی جھگڑے سے دل پھٹ جاتے ہیں۔ قومیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور مخالفین پر سے رعب ختم ہو جاتا ہے۔

اس وجہ سے قرآن کریم میں اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"آپس میں جھگڑا مت کرو، کہ اس سے تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی" (الانفال)

۱۳۔ چھ عام برائیوں کی ممانعت

ایک جامع حدیث میں درج ذیل چھ برائیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کرنے کی اس لئے ہدایت فرمائی کہ یہ رشتہ اخوت کو کمزور کر دیتی ہیں۔ حدیث میں ہے۔

۱۔ کسی کے عیبوں کی ٹوہ مت لگاؤ۔

۲۔ تجسس نہ کرو۔

۳۔ کسی کے تجارتی معاملہ کو نہ بگاڑو۔

۴۔ آپس میں حسد اور بغض نہ رکھو۔

۵۔ ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر منہ نہ موڑو۔

۶۔ اور زندگی کی دوڑ میں ایک دوسرے کو گرا کر آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔

یہ بتانے کے بعد فرمایا۔

كُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا۔ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔

۱۴۔ اخوت کے تقاضے

اس باب کو ختم کرتے ہوئے آخر میں اخوت کے ان چھ تقاضوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو ایک جامع حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔

۱۔ جب وہ ملے تو اسے سلام کہے۔

۲۔ جب وہ دعوت دے تو اُسے قبول کرے۔

۳۔ جب وہ تجھ سے خیر خواہی چاہے تو تم اس کی خیر خواہی کرو۔

۴۔ جب اُسے چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہے۔

۵۔ جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶- اور جب وہ انتقال کرے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔

سوالات

۱- اسلامی اخوت پر ایک تفصیلی مضمون سپرد قلم کیجئے۔ (۱۹۶۵ء لاہور بورڈ)

۲- اسلام کا تصور اخوت پر ایک مختصر مگر جامع مضمون تحریر کریں۔ اپنے جواب کو قرآن و حدیث کی مثالوں سے واضح کریں۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۶ء)

۳- اسلامی اخوت کی امتیازی خصوصیات بیان کیجئے۔

۴- قرآن و سنت کی روشنی میں اخوت کا مفہوم، اہمیت اور تقاضے واضح کیجئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۶

تبلیغ

تبلیغ کا مفہوم تبلیغ کے لغوی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں۔ اصطلاحی مفہوم اس کا یہ ہے کہ جس چیز کو ہم حق و صداقت سمجھتے ہیں اس کو دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔ قرآن مجید میں اُسے کئی اور الفاظ سے بھی بیان کیا گیا ہے۔

ایک لفظ انذار ہے۔ جس کے معنی ہوشیار اور آگاہ کرنے اور نتائج سے باخبر کرنے کے ہیں۔ دوسرا لفظ دعوت ہے۔ جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں۔ تیسرا لفظ تذکیر ہے۔ جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں[1]۔ اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کہا گیا ہے۔

ان تمام الفاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نیکی کا پرچار، اسلام کی اشاعت اور بدی کی مخالفت تینوں باتیں تبلیغ کے مفہوم میں آتی ہیں۔

تبلیغ کی اہمیت اسلام میں تبلیغ کی اہمیت کا اندازہ اس حکم سے لگتا ہے کہ اللہ تعالے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبلغ بنا کر بھیجا اور آپؐ کو اس فرض کی طرف بار بار متوجہ کیا۔

قرآن مجید میں درج ذیل آیات سے اس کی شہادت ملتی ہے۔

(۱) یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ — اے چادر پوش! اٹھ کھڑا ہو اور ہوشیار و آگاہ کر۔

(۲) بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ — رب کی طرف سے تیری طرف جو کچھ اتارا گیا ہے۔ اس کو اوروں تک پہنچا۔

(۳) فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ۔ — لوگوں کو دعوت دے اور مضبوط و قائم رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے۔

(۴) فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی۔ — لوگوں کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو۔

(۵) وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ — اور نصیحت کر کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ

---

[1] سید سلیمان ندوی۔ سیرۃ النبی جلد چہارم ص ۲۰۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْمُؤْمِنِيْنَ — پہنچاتی ہے۔

(۶) فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ — قرآن سے سمجھاؤ اس کو جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔

یہ وہ آیات ہیں جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار تلقین فرمائی گئی ہے کہ تبلیغ کے فریضہ کو ادا کرتے رہیئے۔ اب دیکھئے امت اسلامیہ کے تمام افراد کو بھی یہی حکم ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [1] — تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔

ایک دوسری آیت ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ [2] — اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان آیات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان دیکھئے کہ یہ فریضہ کتنا اہم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے۔ اُسے چاہئیے کہ وہ برائی ہاتھ سے مٹائے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو زبان سے اس کے خلاف آواز بلند کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو دل سے اُسے بُرا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے [3]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع میں فرمایا تھا۔

"جو یہاں حاضر ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں۔ جو یہاں موجود نہیں "

ایک دوسرا فرمانِ نبوی ہے:۔

بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً — تمہیں دین کی ایک بات بھی ملے تو آگے دوسروں تک پہنچا دو۔

[1] سورۃ آل عمران ۱۰۴۔ [2] سورۃ آل عمران ۱۱۰۔ [3] صحیح مسلم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام نے تبلیغ کی اہمیت پر بے حد زور دیا ہے۔ جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ وہاں پر یہ فرض امت مسلمہ پر بھی عائد کیا گیا ہے۔

عہد نبوی میں آغاز بعثت سے آپ نے اس کام کو بلا تاخیر شروع فرمایا۔ اور اس کے نتیجہ میں اکابر صحابہؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اس کے بعد ان حضرات نے بھی اسلام کی تبلیغ اسی جذبے اور خلوص وحکمت سے شروع کر دی۔ جس طرح اللہ کا نبی کر رہا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قلیل عرصہ میں پورا عرب اسلام کی آغوش میں آ گیا۔

آپ نے ایک طرف جزیرۃ العرب کے آس پاس کے تمام بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی دوسری طرف اسلام کی تبلیغ کے لئے صحابہؓ کے وفود بھیجے جو قبیلوں میں جا کر اسلام کی اشاعت کرتے تھے اور ان کو دین حق کی تفصیلات بتاتے تھے۔ وہ صحابہؓ جن کی تبلیغ سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی تعداد ویسے تو کافی ہے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت جعفر طیارؓ۔ حضرت مصعب بن عمرؓ۔ حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت سعیدؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ بہت نمایاں ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی خاطر مال ودولت اور جسم وجان کی تمام صلاحیتیں وقف کر دی تھیں۔

حضورؐ اور آپ کے رفقاء کو اسلام کی تبلیغ کی پاداش میں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا مگر اس فرض کی اہمیت کے تقاضے کے تحت کبھی بھی آپ کے صحابہؓ اس سے دست کش نہ ہوئے۔ مکے کے بازار اور طائف کی سڑکوں پر آپ پر جو گزری۔ اسلام کے نام لیواؤں کو وطن چھوڑ کر حبشہ جانا پڑا۔ معاشرتی مقاطعہ کیا گیا۔ مگر ہمیشہ دعوت حق کا نعرہ مستانہ گونجتا رہا۔

مبلغ کے اوصاف

قبل اس کے کہ تبلیغ کے اصول اور شرائط کا قرآن وسنت کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے، مبلغ کے اوصاف ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ جب تک داعی ان شرائط کو پورا نہیں کرے گا۔ وہ اپنے مقصد میں کامرانی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گا۔

۱۔ علم دین سے پوری واقفیت اسلام کے مبلغ کے لئے پہلی صفت یہ ضروری ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ دین کے علم سے بہرہ ور ہو۔ اسے اسلامی احکام اور اس کی روح سے پوری پوری واقفیت ہو۔

۲۔ عملی نمونہ ہر مبلغ اسلام کے لیئے ضروری ہے کہ وہ جو بات دوسروں کو کہتا ہے۔ اس پر پہلے خود عمل کرے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر اس کے دعوے کی سچی دلیل اور کوئی نہیں ہو سکتی اور اگر اس کا کردار اس کے دعوے کی تردید کرتا ہو تو اس سے بڑھ کر اس کے خلاف اور کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔ قرآن مجید میں بڑی سختی سے حکم دیا گیا ہے کہ۔

"اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو۔ جن پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ اللہ کو یہ بات بہت ناپسند ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں۔" (سورۃ الصف)

۳۔ اخلاص مبلغ کے اندر اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہونا چاہیئے اس کے پیش نظر صرف خدا کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہو اور دوسرا کوئی سفلی جذبہ کارفرما نہ ہو۔ صرف لوگوں کی بھلائی پیش نظر ہو اور اُن کی خیر خواہی کا جذبہ کام کر رہا ہو۔

۴۔ یقین کامل مبلغ کو اپنے موقف پر یقین کامل ہونا چاہیئے تاکہ دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی اس کو راہ حق سے نہ ہٹا سکیں اور کوئی اسے بہکا نہ سکے۔

۵۔ توکل علی اللہ مبلغ کے لیے توکل کی صفت کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ خدا پر پورا بھروسہ انسان کے لیے ہر قسم کی مشکلات میں اطمینان قلب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۶۔ تحمل و بردباری مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مزاج کا سخت نہ ہو۔ اسے اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق ہونا چاہیئے۔ عام لوگوں پر وہ مہربان ہو اور مخالفوں کے ساتھ تحمل و بردباری کا رویہ اختیار کرنے والا ہو۔ اسے سخت کلامی، سخت گیری اور درشت خوئی سے پرہیز کرنا چاہیئے اور اگر دوسرے اس کے ساتھ یہ رویہ اختیار کریں تو درگزر سے کام لینا چاہیئے۔

۷۔ باوقار شخصیت مبلغ کی ایک صفت یہ ہونی چاہیئے کہ اسلام کے دشمن اسے ہلکا نہ سمجھیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۝ اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے۔

یعنی دشمن اسلام کے داعی کو اتنا کمزور نہ پائیں کہ آسے دبا سکیں یا اسے مرعوب کر کے دھمکی سے یا لالچ سے باطل کے ساتھ مصالحت پر آمادہ کر لیں۔ اس کے برعکس مبلغ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی شخصیت میں ایسا رعب ہو اور اس کا کردار اتنا مضبوط ہو کہ نہ تو اسے ڈرایا جا سکے، نہ کسی قیمت پر خریدا جا سکے، نہ کسی فریب سے پھسلایا جا سکے۔ نہ کوئی خطرہ یا نقصان یا تکلیف اُسے راہ حق سے ہٹا سکے اور نہ دین کے معاملہ میں کسی لین دین کا سودا اس سے چکایا جا سکے۔

۸۔ زبان سے واقفیت مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ سامعین کی زبان سے نہ صرف یہ کہ اچھی طرح واقف ہو بلکہ اس پر پوری طرح عبور رکھتا ہو۔

۹۔ موقع شناسی داعی کی ایک صفت یہ بھی ہونا چاہیئے کہ وہ موقع و محل کا خیال رکھے۔ جس ذہنی سطح کے لوگ اس کے مخاطب ہوں، اس سطح کی بات چیت ان سے کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے بڑے مختصر اور موثر ہوتے تھے اور آپ ہمیشہ لوگوں کی ذہنی استعداد کا خیال رکھتے تھے۔

۱۰۔ مخالفین کے علوم استدلال ہر داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مخالفین کی نفسیات کے ساتھ ان کے علوم سے بھی ضروری حد تک واقفیت رکھتا ہو تاکہ صحیح طریقے سے ان کے اعتراضات اور دلائل کو رد کر سکے اور اپنے دلائل کو مستحکم طریقے سے واضح کر سکے۔

تبلیغ کے اصول

اسلام کی تبلیغ کے جو اصول قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں۔

۱۔ حکمت اسلام کی تبلیغ کے لئے پہلا اصول یہ ہے کہ عقل و حکمت کو کام میں لایا جائے۔ قرآن کریم میں ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ (سورۂ نحل)	اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔

حکمت سے مراد یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے۔ پہلے اس کے مرض تشخیص کی جائے پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال دے۔

۲۔ موعظہ حسنہ موعظہ حسنہ یا عمدہ نصیحت دوسرا اصول ہے جو داعی کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے۔ بلکہ انسان کی فطرت میں اُن کے لئے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے، اسے بھی ابھارا جائے اور اُن کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے اور نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دل سوزی و خیر خواہی ٹپکتی ہو۔

۳۔ بہترین انداز اس کو قرآن مجید میں جدال احسن کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین سے گفتگو اور بحث و مباحثہ بہترین انداز کا ہو۔ اس کی نوعیت مناظرہ بازی، عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں، الزام تراشیاں، چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔ بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو۔ معقول اور دل لگتے دلائل ہوں، اعلیٰ درجہ کا شریفانہ اخلاق ہو، اگر مخاطب کج بحثی پر اُتر آئے تو اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گمراہی میں اور زیادہ دور نہ نکل جائے۔ داعی کو جھگڑالو اور کج بحث کا حریف نہ بننا چاہیئے۔

۴۔ صبر و عفو داعی حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ صبر کے ساتھ تبلیغ کا کام کرے۔ اگر اُسے مخالفین کی شرارتوں اور الزامات سے واسطہ پڑے تو بھی ٹھنڈے دل سے کام جاری رکھے[1]

۵۔ نرم انداز گفتگو دعوت و تبلیغ کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ بات بڑے نرم انداز سے کی جائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا۔ (سورۃ طٰہٰ) — تم دونوں (حضرت موسیٰ وہارون) اس (فرعون) سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔

---

[1] تفصیل کے لیے باب عفو کا ذیلی عنوان "تبلیغ میں عفو و درگزر کی اہمیت" ملاحظہ ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نرمی سے بات کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل میں نیکی اور بھلائی کے خلاف کد اور ضد نہیں پیدا ہوتی۔ خیال رہے کہ اوپر کی آیت میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون سے نرم بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عام آدمی کے ساتھ تو اس سے بھی بڑھ کر نرم انداز میں گفتگو کرنا چاہیے۔

۶۔ موثر گفتگو قرآن مجید میں اسے قول بلیغ کہا گیا ہے۔ سورۃ نساء میں آتا ہے: "اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ ان سے تعرض مت کرو۔ انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے"۔

۷۔ بشارت و سہولت تبلیغ کا ایک اصول حضورؐ نے یہ بتایا کہ دین حق کو آسان کر کے پیش کیا جائے۔ اور لوگوں کو خوشخبریاں سنائی جائیں۔ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن میں تبلیغ اسلام پر بھیجتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا۔ (صحیح بخاری)

یعنی "جہاں تم جاؤ وہاں تمہاری آمد لوگوں کے لیے مژدہ جانفزا ہو نہ کہ باعث نفرت اور لوگوں کے لیے تم سہولت کے موجب بنو نہ کہ تنگی اور سختی کے"۔ اسی چیز کی تعریف اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے حق میں فرمائی کہ "یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم ہو ورنہ اگر تم درشت اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب لوگ تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے"۔ (سورۃ آل عمران)

۸۔ تدریج تبلیغ کا یہ اصول بڑا اہم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک ہی مرتبہ نہ ڈال دیا جائے۔ بلکہ آہستہ آہستہ عقائد و احکام لوگوں کے سامنے پیش کئے جائیں۔

۹۔ تالیف قلب تالیف قلب کے معنی ہیں دل موہنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوں اور مال دے کر ان کے جوش عداوت کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہو یا جو لوگ کفار کے کیمپ میں ایسے ہوں کہ اگر مال سے انہیں توڑا جائے تو ٹوٹ کر مسلمانوں کے مددگار بن سکتے ہوں۔ یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور ان کی مدد نہ کی گئی تو پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو مستقل وظائف یا وقتی عطیے دے کر اسلام کا حامی و مددگار یا مطیع و فرمانبردار یا کم از کم بے ضرر دشمن بنا لیا جائے۔

ؔ صحیح بخاری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبلیغ و تشریح تبلیغ تو دین کے پہنچانے کو کہتے ہیں۔ تشریح دین کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و سنت کی پوری پوری تفسیر و تشریح کی جائے۔ تشریح و تفسیر کا کام وہی مبلغ کر سکتا ہے جو عربی زبان اور علوم دینیہ پر پورا عبور رکھتا ہو اور اسلام کی پوری روح کو سمجھ کر نئے مسائل کو حل کر سکتا ہو۔

تبلیغ کے طریقے

اسلام کی تبلیغ کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ اور جیسے جیسے نئے ذرائع نشر و اشاعت پیدا ہو رہے ہیں۔ ان طریقوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

۱۔ جماعت کا قیام سب سے پہلے تو اسلام کی تبلیغ کے لئے۔ اس کے احیاء اور اشاعت و قیام کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسی تنظیم وجود میں لائی جائے، جو اسلام کو سربلند کرنے کا بلند مشن اپنے سامنے رکھتی ہو، اگرچہ تبلیغ انفرادی طور پر ہو سکتی ہے مگر ادیان باطل پر غلبہ تبھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جب اس کے احیاء اور توسیع کے لئے ایک جماعت معرض وجود میں آئے۔ قرآن و حدیث سے بھی یہی بات ثابت ہے۔

۲۔ ریاست کا قیام مسلمانوں کو اسلامی ریاست ان اصولوں پر قائم کرنی چاہئیے تاکہ اسلام کی اشاعت کے پیچھے ایک قوت کام کر سکے۔ اور ریاست اپنے اختیارات اور وسائل کو کام میں لا کر اسلام کے لئے راہ ہموار کر سکے۔

۳۔ زبانی تبلیغ تقریر کے ذریعہ سے ملاقاتوں کے ذریعہ سے مذاکروں اور بحث و تمحیص کے ذریعے سے اسلام کی تبلیغ کی جائے اور ہر اس جگہ تک حق کی آواز پہنچا دی جائے جہاں تک پہلے نہ پہنچی ہو۔

۴۔ تحریری تبلیغ اسلام کے موضوع پر بہترین لٹریچر پیش کیا جائے۔ مخالفین کے سوالات کا دلنشین انداز میں جواب لکھا جائے اور غیر اسلامی نظریات و افکار پر بھرپور تنقید کر کے اسلام کی حقانیت واضح کر دی جائے۔ اس میں کتب، رسائل اور اخبارات سبھی شامل ہیں۔

۵۔ جدید ذرائع نشر و اشاعت یہ کوئی عقلمندی نہیں کہ باطل تو جدید ذرائع سے کام لے اور اسلام کے داعی ان سے گریز کریں۔ اسلام کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشاعت کے لئے ریڈیو ٹیلی ویژن ٹیپ ریکارڈوں، لاؤڈ سپیکر وغیرہ سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔

۶۔ بین الاقوامی مُسلم نیوز ایجنسی صحیح خبروں کی نشر و اشاعت کے لئے اسلامی دنیا کے صحیح حالات پیش کرنے کے لئے اور اسلام کے متعلق بیانات اور خبروں کو دنیا میں صحیح طرح سے پھیلانے کے لئے ضروری ہے کہ ایک اسلامی خبر رساں ایجنسی قائم کی جائے۔

۷۔ حُسنِ اخلاق تبلیغ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ اخلاق حسنہ کے موثر ہتھیار کو استعمال کیا جائے۔ اچھے اخلاق کے بل پر ہی دشمن کو زیر کیا جا سکتا ہے۔ مزید تفصیل اخلاق کے باب میں دیکھئے۔

۸۔ تعلیمی ادارے یہ ہماری آنکھوں کے سامنے کی بات ہے کہ عیسائیوں نے اس طریقے سے اپنے مذہب کو کافی پھیلایا ہے ہم نے اس سے غفلت برتی تھی۔ اب ہمیں شعوری طور پر ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اُن میں اسلام کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہو گے اور وہاں سے طلباء اسلام کے مبلغ بن کر نکلیں۔

۹۔ جہاد کے دوران تبلیغ قوموں کے درمیان جنگوں کا چھڑ نا کوئی بعید بات نہیں۔ مسلمانوں کو ایسے وقت میں بھی خونریزی سے منع کیا گیا ہے۔ ان کو حکم ہے کہ لڑائی سے پہلے اسلام کی دعوت دو۔ اس لئے بوقت ضرورت اس طریقہ کو بھی استعمال کرنا چاہیئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم سوالات

۱۔ اسلام میں تبلیغ کو اتنی اہمیت کیوں حاصل ہے؟ تبلیغ کے وہ کون سے اصول ہیں جن کی نشان دہی قرآن وحدیث نے کی ہے۔

۲۔ تبلیغ دین سے کیا مراد ہے؟ اس کی اہمیت طریقہ اور شرائط بیان کریں۔ (۱۹۶۴ء)

۳۔ دین کی تبلیغ و تشریح میں کیا فرق ہے؟ شریعت کی تشریح و تفسیر کا حق ہر مبلغ کو حاصل ہے یا اس کی کچھ اور شرائط بھی ہیں۔

۴۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں تبلیغ، اس کی اہمیت، مبلغ کے اوصاف اور تبلیغ کے اصول بیان کیجئے۔

۵۔ مندرجہ ذیل کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں اظہار خیال کیجئے (ا) تبلیغ کی اہمیت (ب) تبلیغ کے طریقے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۱ء)

۶۔ تبلیغ دین کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ ایک مبلغ ۔۔۔ کن بنیادی اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۰ء)

۷۔ اسلام میں تبلیغ کی اہمیت وضرورت اور اس کے طریق کار کی وضاحت کیجئے۔

(سرگودھا بورڈ ۱۹۷۹ء)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۷

جہاد

جہاد کا مفہوم جہاد کا لفظ جہد سے نکلا ہے۔ لغت میں اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔ جہاد سے مراد محض جنگ نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ جدوجہد، کشمکش اور انتہائی سعی و کوشش کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جہاد اور مجاہدہ میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ مزاحمت کرنے والی کچھ طاقتیں ہیں جن کے مقابلے میں یہ جدوجہد کی جاتی ہے۔

فی سبیل اللہ کی قید اسلام کا جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ اسلام کی راہ میں مزاحم ہونے والی طاقتیں ہیں جو اللہ کی بندگی اور اس کی رضا جوئی میں اور اس راہ پر چلنے میں مانع ہیں اور جدوجہد کا مقصود یہ ہے کہ ان کی مزاحمت کو شکست دے کر آدمی خود بھی اللہ کی ٹھیک ٹھیک بندگی کرے اور صرف اللہ کی رضا کا حصول اس کے پیش نظر ہو۔ کوئی مادی غرض اس کے سامنے نہ ہو اور کوئی ذاتی یا اجتماعی مفاد اس کو جہاد پر نہ اکسا رہا ہو۔

جہاد کی اہمیت جہاد کی اہمیت کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اسلام کے تقاضے ذہن میں ہوں۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ وہ ایک لائحہ عمل ہے۔ اس کا ایک سیاسی ڈھانچہ ہے۔ اس کے اپنے اصول حکمرانی ہیں۔ اور اس کو خداوند تعالیٰ نے دنیا میں اس لیے بھیجا ہے کہ وہ یہاں پر غالب ہو کر رہے۔ غالب ہونا اور غالب رہنا اسلام کی فطرت ہے اور یہ غلبہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ کچھ لوگ اسے غالب کرنے کے لیے اٹھیں۔ اس لیے جہاد کو اسلام کی سب سے بڑی بلندی قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کو تمام مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ تاکہ زمین پر حکومت صرف خدا کی چلے اور بندے صرف اسی کے مطیع ہوں۔ کیونکہ اگر جہاد نہ ہو تو پھر اسلام کا کوئی شعبہ بھی دنیا میں قائم نہ ہو سکے گا۔ اور کوئی شخص کسی دوسرے دین کے ماتحت ہو کر اسلام پر پوری طرح عمل نہیں کر سکے گا۔ اس لیے قرآن مجید میں آتا ہے۔

جَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ — اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔

اور یہ فرض قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ — قتال تم پر فرض ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاد اور قتال میں فرق عام طور پر جہاد کو لڑائی اور قتال کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے۔ جہاد تو پوری زندگی میں انسان جاری رکھتا ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ اس فرض پر عمل کرتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس قتال جہاد کی آخری صورت ہے قتال فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں اگر جہاد کرتے ہوئے نوبت مسلح لڑائی تک پہنچ جائے تو پھر ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ خم ٹھونک کر میدان میں آ جائے۔ دشمنوں سے قتال کرے۔ انہیں زخمی اور قتل کر کے غازی کہلائے یا خود زخمی ہو اور راہ حق میں مقتول ہو کر شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کرے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

"پھر جنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑا، اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے۔ اور لڑے اور مارے گئے میں ان کے گناہوں کو ان سے دور کر دوں گا اور ان کو بہشت میں داخل کروں گا۔"

قتال فی سبیل اللہ اور عام جنگ میں فرق اللہ کی راہ میں قتال اور عام دنیا کی جنگوں میں عظیم فرق ہے۔ عام جنگ دنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے کی جاتی ہے۔ اس میں عام طور پر بے گناہوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ فصلوں کو تباہ کر دیا جاتا ہے عورتوں، بوڑھوں اور بچوں پر کوئی رحم نہیں کیا جاتا، مفتوح قوم کی املاک تباہ کر دی جاتی ہیں اور ان کے گھروں کو جلا دیا جاتا ہے۔ ان کی عزتیں خاک میں ملا دی جاتی ہیں۔ اور ان کی عصمتوں سے فاتحین کے لشکر عیش و عشرت کیے جاتے ہیں۔ لیکن خدا کی راہ میں قتال ایک مقدس مشن ہے۔ خدا کی مخلوق کو ظالموں سے نجات دلانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اس میں کم سے کم خون بہا کر ظالم و سفاک لوگوں کے خونی پنجوں کو مروڑ دیا جاتا ہے۔ تاکہ عام لوگ سکھ چین سے رہ سکیں۔ مجاہدین کو بڑی سخت ہدایات ہوتی ہیں اور ان ہدایات کی روشنی میں وہ مفتوح اقوام کے ساتھ حسن سلوک اور عفو و درگزر سے پیش آتے ہیں۔

مقاصد جہاد

جہاد کی مزید تفصیل میں جانے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے مقاصد جلیلہ پر ایک نظر ڈالی جائے یوں تو اس کے مقاصد بے شمار ہیں۔ مگر ہم قرآن و سنت کی روشنی میں چند نمایاں نیچے درج کرتے ہیں۔

۱۔ خدا پرستی کا فروغ قرآن مجید میں اس مقصد پر روشنی اس طرح ڈالی گئی ہے۔ سورۃ حج آیات ۳۹۔۴۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجے، معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے۔ سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ (سورۃ حج)

گویا خدا کی راہ میں جہاد اس لیئے کیا جاتا ہے کہ اس کا ذکر بلند ہو اور مقدس مقامات کو تحفظ ملے بلکہ خدا پرستی کو فروغ نصیب ہو۔

۲۔ اقامت دین

خدا کی راہ میں جہاد اس لیئے کیا جاتا ہے تاکہ اس کا بھیجا ہوا دین دنیا میں غالب ہو اور بالفعل دنیا میں قائم ہو جائے۔ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور باطل مٹ جائے۔

۳۔ تبلیغ اسلام

جہاد کے ذریعے اسلام کی تبلیغ کرنا بھی مقصود ہے۔ آنحضرت اور آپ کے صحابہؓ نے مکہ میں تیرہ برس تک مسلسل جہاد جاری رکھا اور پھر مدینہ میں جاکر اسی کے ذریعے بالآخر اسلام پوری عرب سرزمین میں پھیل گیا۔

۴۔ مظلوم کی دستگیری

کسی مسلمان کے لیئے قانوناً اور اخلاقاً جائز نہیں ہے کہ دنیا کے کسی خطے کے اندر مسلمان ستائے جا رہے ہوں، مسلمان عورتوں کی جان و آبرو سے کھیلا جا رہا ہو، معصوم بچوں کو نشانۂ عذاب بنایا جا رہا ہو اور کمزور و بے بس افراد ظلم کی چکی میں پس رہے ہوں، تو وہ خاموش تماشائی بنا رہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو مظلومین کی حمایت میں جہاد کرنے کا حکم ہے۔ تاکہ ان کو ظلم سے نجات دلائی جا سکے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

"آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کمزور پا کر دبا لیئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔" (سورۃ نساء ۷۵)

۵۔ جارحیت کا جواب

قرآن مجید میں صاف حکم ہے کہ "تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔ اس لیئے کہ قتل اگرچہ برا ہے۔ مگر فتنہ اس سے بھی برا ہے۔" (البقرہ ۱۹۰-۱۹۱)

۶۔ فتنہ و استعمار کی بیخ کنی

ارشاد ہے۔ "تم ان سے لڑتے رہو۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیئے ہو جائے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ اہل ایمان کی پرکھ

سورۃ التوبہ میں ہے "کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے ہیں اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔" (آیت: ۱۴۲)

۸۔ اہل ایمان کے لیے دلوں کی ٹھنڈک

کفار و مشرکین سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دلوائے گا اور انہیں ذلیل و خوار کرے گا۔ اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا اور بہت سے مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کی جلن کو مٹا دے گا اور جسے چاہے گا توبہ کی توفیق بھی دے گا۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا ہے۔"

جہاد اور زندگی

مندرجہ بالا مقاصد کی روشنی میں بآسانی یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ اگر جہاد و قتال فی سبیل اللہ ترک کر دیا جائے تو ظالم لوگ عوام کا جینا دوبھر کر دیں گے اور امن و امان کو غارت کر کے فتنہ کی آگ بھڑکا دیں گے۔ اس طرح لوگوں کی زندگیاں دوبھر ہو جائیں گی اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے تحفظ کے لیے جہاد کو ضروری قرار دے دیا۔

دوسری طرف خدا کی راہ میں ان مقاصد کی خاطر کوئی شخص اگر اپنی زندگی قربان کر دیتا ہے۔ تو اگرچہ ظاہر بین نگاہوں میں وہ شخص مر گیا، لیکن حقیقت میں وہ زندہ جاوید ہو گیا۔ قرآن نے ایسے شخص کو مردہ کہنے سے منع کر دیا ہے۔ گویا اصل زندگی یہ ہے کہ انسان جہاد کرتے ہوئے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دے۔ اس طرح اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جہاد اور زندگی کا گہرا تعلق ہے۔ اور ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

جہاد کی قسمیں

جہاد کی اس تعریف کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ نفس کے خلاف جہاد

جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم خود نفس کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ اسی کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ان صحابہؓ سے جو اسی وقت لڑائی کے میدان سے واپس آئے تھے فرمایا "تمہارا آنا مبارک، تم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو کہ بڑا جہاد بندہ کا اپنی ہوائے نفس سے لڑنا ہے؟" اور دوسری جگہ ہے "بہترین جہاد یہ ہے کہ تم خدا کے لیے اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرو۔ مجاہد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ ہے جو نفس کے خلاف جہاد کرے۔

۲۔ علم و دانش کے ذریعے جہاد جہاد کی ایک قسم یہ ہے کہ لوگوں کو دین کے علم اور حق کی معرفت کے ذریعے اسلام کی طرف بلایا جائے۔

دین کی دعوت و تبلیغ کا کام نہایت علمی طریق پر کیا جائے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو رہنما بنا کر نہایت عمدگی سے دلوں کو اسلام کے نور سے منور کیا جائے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حق کی حمایت اور دین کی نصرت کے لیے عقل، فہم اور بصیرت حاصل کرے۔ وہ تمام علوم جو اس راہ میں کام آسکتے ہوں۔ ان کو اس لیے حاصل کرے کہ ان کے ذریعہ حق کی اشاعت اور دین کی مدافعت کا فریضہ انجام پائے گا۔

۳۔ مال کے ذریعہ جہاد قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

ان الذین آمنوا وھاجروا — بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت
وجاھدوا باموالھم وانفسھم — کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ
فی سبیل اللہ — (انفال ۱۰) میں جہاد کیا۔

ایک اور خصوصیت اس حکم کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں جہاد کا حکم آیا ہے۔ وہاں جہاد بالمال کا ذکر ضرور کیا گیا ہے۔ اور ہر موقع پر جان کے جہاد پر مال کے جہاد کو مقدم رکھا گیا ہے۔

۴۔ جان کے ذریعہ جہاد قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں جہاں مال کے ذریعہ جہاد کا ذکر ہے وہاں جسم و جان کے ذریعے جہاد کا بھی حکم ہے اور دوسری بے شمار آیات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ پھر اس جہاد بالنفس میں انسان کی تمام جسمانی و ذہنی صلاحیتیں شامل ہوتی ہیں اور جب انسان اپنی عزیز ترین متاع خدا کی راہ میں قربان کر دیتا ہے۔ تو خداوند کریم اُسے جنت کی ابدی زندگی کی بشارت دے دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"جو خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔" (البقرہ)

ایک دوسری آیت میں ہے۔

"جو خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس اُن کو روزی دی جارہی ہے۔" (آل عمران)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جان کے ذریعے جہاد میں جہاد بالسیف بھی شامل ہے اور وہ تمام ہتھیار جن کو جنگ کے دوران کام میں لایا جا سکتا ہو۔ یہی وہ مسلح جہاد ہے جو آخری طور پر برائیوں کے خلاف کیا جاتا ہے۔

۵۔ داخلی جہاد اس کا مطلب یہ ہے کہ خود اسلامی معاشرے کے اندر جو برائیاں سر اٹھاتی نظر آئیں۔ ان کے خلاف جنگ کی جائے۔ اور انہیں کچل کر رکھ دیا جائے کیونکہ یہ اندر کی برائیاں شہادت اسلام کی راہ کی سب سے خطرناک رکاوٹ ہوتی ہیں۔ حدیث میں ہے۔ "تم میں سے جس کسی شخص کو کوئی برائی نظر آئے تو چاہیئے کہ اُسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو اس کے بدلنے کے لئے اپنی زبان سے کام لے اور اگر اس کی بھی جرأت نہ رکھتا ہو تو دل سے بُرا سمجھے۔ یہ ایمان کا سب سے نچلا درجہ ہے۔"

۶۔ دفاعی جہاد مسلح جہاد جن رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو لوگ اسلام لا چکے ہوں۔ کفار کی طرف سے انہیں اسلام لانے کے جرم میں ستایا جائے۔ انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا جائے اور کفار انہیں بزور اسلام سے پھیرنے کی کوشش کریں۔ تو یہ بڑی سخت اور ناگوار بات ہے اس لئے مسلمانوں کو اس کے خلاف جنگی قدم اٹھانے کا حکم دیا گیا۔ اس میں چونکہ اپنی مدافعت کا جذبہ واضح طور پر موجود ہے۔ اس لئے اُسے دفاعی جہاد کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے مسلمانوں کو اسی جہاد کا حکم دیا ہے۔ مسلمانوں کو قریش مکہ کے مقابلے میں دفاعی جہاد ہی کرنا پڑا تھا۔ قریش کی آزادانہ حیثیت جب تک برقرار رہی اور ان کے ساتھ جنگ کی حالت قائم رہی۔ اس وقت تک مسلمان دفاعی جہاد کرتے رہے ہیں۔

۷۔ اقدامی جہاد دین کی بقاء اور ترقی کی راہ میں دوسری رکاوٹ کا تعلق غیر مسلموں سے ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کو پیش ہی نہ کرنے دیا جائے یا ان کے اوپر ایسا ایک اجتماعی نظام مسلط رکھا جائے جس کے ہوتے ہوئے انہیں اسلام کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔

چونکہ اسلام دنیا میں غالب ہونے کے لئے آیا ہے اور عظیم سچائی صرف یہی ہے۔ اس لئے غالب بننے کا حق بھی صرف اسی کو حاصل ہے۔ لہٰذا ایسی رکاوٹ کو بھی اسلام دُور کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ تاکہ لوگوں کو اسلام کے سمجھنے میں کوئی چیز بھی مانع نہ ہو سکے۔

اس سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں بالکل صاف رہنی چاہئیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) اقدامی جہاد کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے۔ قرآن مجید میں صاف طور پر یہ حکم ہے کہ " دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں "۔

(ب) یہ ایک قوم کو آقا اور دوسری قوموں کو غلام بنانے کی مہم بھی نہیں کہ جہت سے اقدامی جہاد پر سامراج و استعماریت کا الزام چسپاں کر دیا جائے۔ اس سے مقصود صرف اسلام کی ان صداقتوں کی سیاسی بالادستی تسلیم کرانا ہے۔ جن پر کائنات کا نظام قائم ہے۔

۸۔ دائمی جہاد

دائمی جہاد وہ جہاد ہے۔ جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش آسکتا ہے یہ دین کی حمایت ہے اور یہ فرض ہر امتی پر ہے۔

مسلح جہاد کی شرائط

مسلح جہاد خواہ وہ اقدامی ہو، خواہ دفاعی، ہر حال میں نہیں کیا جا سکتا صرف خاص حالات ہی میں کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اس کے لئے کچھ ضروری شرطیں ہیں۔ جب تک یہ شرطیں پوری نہ ہو رہی ہوں اس وقت تک یہ جہاد کسی طرح بھی جائز نہ ہوگا۔

۱۔ جہاد کرنے والے مسلمان آزاد اور خود مختار ہوں اور ان کا اپنا ایک باضابطہ اجتماعی نظام قائم ہو اور ایک خلیفہ یا امیر ان کا سربراہ ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی ملک کے مسلمان اگر آزاد اور خود مختار نہ ہوں اور ان پر تشدد ہو رہا ہو تو وہ اپنی مدافعت نہ کریں۔ مدافعت کرنا اور اپنی حفاظت کرنا فرائض میں داخل ہے۔ لیکن مسلح جہاد کا اعلان تبھی ہوگا۔ جب کہ ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہو۔

۲۔ مخالف قوت سے لڑنے کے لیے ضروری طاقت میسر ہو۔ اور اگر دشمن سے لڑنے کے لیے ضروری طاقت موجود نہ ہو تو جہاد کرنے کی ذمہ داری ابھی مسلمانوں پر عائد نہ ہوگی۔

۳۔ یہ جہاد یا قتال کلیتہً فی سبیل اللہ ہو۔ لڑنے والے مسلمان صرف دین کی خاطر اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے لڑ رہے ہوں۔ ظلم مٹانا اور نیکی و انصاف کو فروغ دینا ہی ان کا مقصد ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔

• جو شخص صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے لڑتا ہے۔ بس اس کا لڑنا فی سبیل اللہ ہے "

ایک اور جگہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔

" لَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّۃً " (ابوداؤد) — وہ ہم میں سے نہیں جو کسی عصبیت کے تحت لڑے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ دشمن مسلمانوں کو اسلامی عبادات اور احکام پر عمل کرنے سے روکیں تو قتال فرض ہو جاتا ہے۔

۵۔ جب مسلمانوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کو خطرہ درپیش ہو تو اس کی حفاظت کے لیے مسلح جہاد کا اعلان فرض ہو جاتا ہے۔

۶۔ امن کے قیام اور فتنہ کے استیصال کے لیے بھی جہاد ضروری ہے۔

۷۔ جب کفار اسلامی ریاست پر حملہ کریں تو ان کو دندان شکن جواب دیا جائے۔

۸۔ مذہب کی حمایت میں اور اسے پوری طرح جاری وساری کرنے کے لیے بھی جہاد کیا جائیگا۔

۹۔ جب مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا جائے تو ان حالات میں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ دشمنوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کے لیے جہاد کرے۔

جہاد فی سبیل اللہ کے محرکات

مختصراً جہاد فی سبیل اللہ کے محرکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر

اہل ایمان کا جہاد و قتال صرف اللہ کے دین کی خاطر ہوتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص بہادری کے لیے لڑتا ہے، یا حمیت قومی کے لیے لڑتا ہے یا دکھاوے کے لیے لڑتا ہے۔ ان میں سے کونسی جنگ راہ خدا میں ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ راہ خدا کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے لڑے۔"

۲۔ اجر و شہرت کی طلب سے پاک

زمانۂ جاہلیت میں جنگیں دنیاوی فوائد یا نام پیدا کرنے کے لیے لڑی جاتی تھیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مال اور ناموری کے لیے لڑتا ہے اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ مختلف روایات میں جنگ کے پانچ محرکات سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ طلب غنائم، اظہار شجاعت، ریاکاری، حمیت قومی و وطنی اور جوش انتقام۔

۳۔ دنیوی فائدوں سے اجتناب

مسند احمد میں روایت ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور صرف ایک اونٹ باندھنے کی رسی کی بھی نیت کر لی تو بس اس کو وہ رسی ہی ملے گی، ثواب کچھ نہ ملے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاد کی فرضیت

تمام محدثین اور فقہاء نے جہاد کی فرضیت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک فرض عین اور دوسری فرض کفایہ۔ قرآن و احادیث میں جہاد کو نہایت اہم فریضہ بتایا گیا ہے۔ درج ذیل تفصیل سے اس کی فرضیت و اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ فرض عین اگر دشمن دار الاسلام کے کسی علاقہ پر خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد صحرا ہو یا پہاڑ حملہ کر دے تو اس علاقے کے مسلمانوں پر جہاد کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ جو شخص بلا عذر شرعی اس فرض کے قیام سے جی چرائے گا وہ سخت گنہگار ہوگا۔

۲۔ فرض کفایہ اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ دشمن کی موثر مدافعت کر رہا ہو یا مظلوم کی داد رسی اور فتنہ کی سرکوبی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہا ہو تو دوسروں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن فرض کفایہ کو قائم کرنا بہت بڑی سعادت و فضیلت ہے۔

۳۔ جہاد ناگوار ہونے کے باوجود فرض ہے قرآن مجید میں حکم ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (البقرہ) تم پر قتال فرض کیا گیا ہے۔ اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔

۴۔ ہر حالت میں جہاد کے لیے نکلو قرآن مجید میں رب العزت کا فرمان یوں ہے۔

"نکلو خواہ ہلکے پھلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔" (التوبہ۔ ۴۱)

۵۔ ہر امیر کے تحت جہاد کا حکم حضورؐ نے فرمایا۔

"تم پر جہاد فرض ہے ہر امیر کے تحت خواہ وہ نیک ہو یا بد" (ابوداؤد عن ابی ہریرہؓ)

۶۔ جہاد کی نیت رکھو حدیث میں ہے۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز فرمایا۔ اب فتح مکہ کے بعد ایسے حالات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہو گئے ہیں کہ مسلمانوں کو ہجرت کر کے مدینہ آنے کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن جہاد اور جہاد کی نیت برقرار ہے۔ اور جب تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو نکل پڑو۔" (بخاری و مسلم)

۷۔ جہاد میں ہر ممکن حصہ لو — وہ ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے نہ جہاد کیا نہ مجاہد کو سامان مہیا کیا اور نہ مجاہد کے اہل و عیال کی نیک نیتی سے دیکھ بھال کی۔ وہ قیامت کے روز شدید آفت سے دوچار ہوگا۔

ترک جہاد کے نقصانات

ترک جہاد کے درج ذیل تین عظیم نقصانات سے مسلمان دوچار ہوتے ہیں۔

۱۔ پستی اور زوال — اللہ کا فرمان ہے کہ اگر مسلمان جہاد کے لیے نہ نکلیں گے تو ان کو زوال و پستی میں ڈال کر سزا دے گا اور ان کی جگہ کسی اور قوم کو اٹھائے گا جو جہاد جاری رکھیں گے۔ ارشاد ہے۔

"اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

۲۔ ابتلاء عظیم کا تسلط — حضورؐ نے فرمایا۔ "جب لوگ جہاد کو چھوڑ دیں تو اللہ ان پر سخت آزمائش مسلط کرے گا۔ اور وہ اس سے اس وقت تک نہ نکل سکیں گے جب تک اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آئیں گے۔" (مسند احمد و ابی داؤد عن ابن عمرؓ)

۳۔ سامراجی قوتوں کا غلبہ — درج ذیل حدیث کی روشنی میں دیکھئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے حضرت ثوبانؓ سے فرمایا۔ اے ثوبانؓ! اس وقت تمہاری کیا حالت ہو گی۔ جب تم پر دوسری قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح تم کھانے کے برتن پر لقمے لینے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہو۔ ثوبانؓ نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہماری یہ حالت قلت تعداد کی وجہ سے ہو گی؟ حضورؐ نے فرمایا! نہیں! بلکہ تعداد میں تم زیادہ ہو گے۔ لیکن تمہارے دلوں کے اندر کمزوری و بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ دوسرے صحابہؓ نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہؐ! کمزوری سے کیا مراد ہے؟ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا! تمہارا دنیا کی محبت میں گم ہو جانا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور رذائل سے بھی جہاد کا کمزوری ہے۔ (مسند احمد و ابوداؤد)

مسلم جہاد کے احکام

قرآن و حدیث کی روشنی میں جنگ کے درج ذیل احکام ہیں۔

۱۔ لڑائی سے پہلے دعوت اسلام پیش کی جائے۔

۲۔ اگر کسی قوم سے خیانت و بدعہدی کا خوف ہو تو باقاعدہ اعلان کے ساتھ معاہدے سے دستبرداری اختیار کی جائے۔

۳۔ غیر مقاتلین کو قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز کیا جائے۔

۵۔ مصلحت کے تحت شبخون مارنے کی اجازت ہے۔

۶۔ دشمنوں کو آگ میں نہ جلایا جائے۔

۷۔ لاشوں کی قطع و برید نہ کی جائے۔

۸۔ قتل کرتے ہوئے بھی رحمت و رافت کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔

۹۔ باندھ کر قتل کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

۱۰۔ سفیر کو قتل کرنے سے روکا گیا ہے۔

۱۱۔ اسلام کا اقرار کرنے والے کے قتل کی ممانعت ہے۔

۱۲۔ مال غنیمت میں خیانت کی شدید ممانعت کی گئی ہے۔

۱۳۔ لوٹ مار سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

۱۴۔ عام تباہ کاری اور فساد سے روک دیا گیا ہے۔

۱۵۔ مصلحت و ضرورت کے تحت قلعوں کو منہدم کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ دشمن پر قابو پایا جا سکے۔

سوالات

۱۔ جنگ اور جہاد میں کیا فرق ہے۔ نیز جہاد کے مقاصد، محرکات اس کی فرضیت و اہمیت اور شرائط پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

۲۔ جہاد پر مفصل مضمون لکھیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ جہادِ اسلامی کی تعریف کیجیے اس کا مقصد واضح کرتے ہوئے بتلائیے کہ اقدامی اور دفاعی جہاد میں کیا فرق ہے، پھر جہاد کا زندگی سے کیا تعلق ہے؟ (۱۹۶۳ء)

۴۔ جہاد کے طریقے اور اس کی مختلف صورتیں اور قسمیں بیان کیجیے؟۔

۵۔ اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیجیے۔

(سرگودھا بورڈ ۸۳ء)

۶۔ مندرجہ ذیل کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں اظہارِ خیال کیجیے۔

(ا) جہاد کی اہمیت (ب) جہاد کے طریقے (لاہور بورڈ ۸۳ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۷

اسلام کا پس منظر

عرب کے جغرافیائی حالات

اسلام کا سورج عرب کی سرزمین سے طلوع ہُوا۔ اس علاقے کا جغرافیہ دلچسپ ہے۔

عرب کی وجہ تسمیہ

لغت میں عرب کے معنی فصاحت کے ہیں۔ چونکہ اہل عرب کو اپنی زبان آوری اور فصاحت پر ناز تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے سوا دوسری قوموں کو عجم (یعنی گونگا یا ژولیدہ بیاں) کہہ کر پکارا اور اپنے آپ کو عرب کا نام دیا۔

ایک دوسری رائے یہ ہے کہ عرب کا لفظ عربہ سے نکلا ہے جس کے معنی صحرا کے ہیں چونکہ عرب کا بہت بڑا حصہ صحرا اور ریگستان پر مشتمل ہے اس لیئے پورے ملک کو عرب کہا جانے لگا۔

محل وقوع

عرب جغرافیائی حیثیت سے ایک غیر متوازی الاضلاع مستطیل سی ہے جس کے شمال میں فلسطین و صحرائے شام، مشرق میں حیرہ۔ دریائے دجلہ، فرات اور خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند اور خلیج عدن اور مغرب میں بحیرۂ قلزم ہے گویا اس کے تین طرف پانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے جزیرۃ العرب بھی کہا جاتا ہے۔

عرب اپنے محل وقوع کے لحاظ سے تقریباً دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ برّاعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ کے فاصلے یہاں سے تقریباً برابر ہیں۔ مکہ معظمہ ½۲۱ درجے عرض بلد پر واقع ہے۔ ملک عرب ۱۵ سے ۳۵ درجہ ہائے عرض بلد شمالی پر واقع ہے اور اپنی خطوط پر دنیا کی کم و بیش ساری اہم نسلیں آباد ہیں۔

رقبہ

عرب کی لمبائی تقریباً پندرہ سو میل، چوڑائی آٹھ سو میل اور رقبہ تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مربع میل ہے۔ برصغیر ہند و پاک سے رقبہ میں صرف پانچواں حصہ کم ہے۔ یورپ کے رقبہ کا ایک چوتھائی اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے رقبہ کا ایک تہائی ہے۔ فرانس سے تقریباً دو چند ہے۔

طبعی حالت

عرب کی بے کراں وسعت دیکھئے۔ تمام ملک میں بے آب و گیاہ صحرا پھیلے ہوئے ہیں۔ وسطی حصہ وسیع ریگستان پر مشتمل ہے۔ کہیں کوئی نخلستان نظر آجاتا ہے ورنہ حد نظر تک ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ یمن اور طائف میں سرسبز باغات ہیں اور کچھ فصلیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی کاشت ہو جاتی ہیں۔ کئی چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلے بھی ہیں۔ نجد میں کوہ شمر، عمان میں جبل الاخضر مکہ میں جبل ابو قبیس مشہور ہیں۔ جبل السراۃ جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ ہے۔ کچھ وادیاں بھی ہیں۔ مکہ وادی بطحا میں آباد ہے بطحا سنگریزوں سے بھری ہوئی سرزمین کو کہتے ہیں حنین کی وادی، عرفات کے پیچھے مکہ سے نو دس میل دور ہے۔ ان بلند اور چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان وقفے بھی ہیں۔ اگر کہیں زمین کا کوئی قطعہ ہے تو وہ ناقابل زراعت ہے۔ پورے علاقے میں پانی کا نام و نشان تک نہیں۔ دریاؤں سے یہ سرزمین محروم ہے۔ برساتی نالے اگر کہیں ہیں بھی تو پیاسی زمین انہیں جذب کر لیتی ہے۔ لے دے کے کہیں کہیں چشمے ہیں جہاں پر خانہ بدوش بدو ڈیرہ جمائے رہتے ہیں۔

علاقائی تقسیم عرب کو ہم آٹھ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ **حجاز:** جبل السراۃ اور بحیرۂ قلزم کا درمیانی علاقہ جو تہامہ اور نجد کے درمیان حاجز یعنی رکاوٹ ہونے کے سبب حجاز کہلاتا ہے۔

۲۔ **تہامہ:** حجاز کے جنوب کے نشیبی علاقے کو کہا جاتا ہے۔ یہ حجاز یمن اور سمندر کے درمیان واقع ہے۔ آب و ہوا گرم خشک ہے۔

۳۔ **یمن:** کعبہ سے یمین یعنی دائیں طرف ہونے کے سبب یمن کہلاتا ہے۔ اس کا صدر مقام صنعاء عدن سے پونے دو سو میل پر آباد ہے۔ عدن اس کی مشہور بندرگاہ ہے۔

۴۔ **عمان:** حضرموت سے ملحق ہے اس کا صدر مقام مسقط ہے۔ آبادی تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ ہے۔

۵۔ **الاحساء:** خلیج فارس و عمان پر واقع ہونے کے سبب بحرین کہلاتا ہے۔

۶۔ **نجد:** حجاز کے مشرق کا وسیع علاقہ ہے۔ سعودی عرب کا دارالحکومت ریاض نجد ہی میں ہے۔

۷۔ **یمامہ:** نجد کو یمن سے جدا کرتا ہے۔

آب و ہوا جزیرۃ العرب دنیا کے گرم و خشک ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے گرمی اس قدر شدید پڑتی ہے کہ باہر چلنا محال ہو جاتا ہے۔ بارش بہت کم ہوتی ہے اور اس کا بھی کوئی متعین موسم نہیں۔

باشندے عرب کے باشندے دو بڑی نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں:

۱۔ **بنو قحطان:** جن کو عرب عاربہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ عرب کے قدیم باشندوں کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فنا ہو جانے کے بعد آباد ہوئے۔ ان قدیم عربوں کو عرب بائدہ کہا جاتا ہے۔ بنو قحطان کی جو شاخ مکہ میں آباد ہوئی وہ بنو خزاعہ کہلائی اور جو یثرب جا کر بسے وہ بنو اوس اور بنو خزرج میں تقسیم ہوئے۔ بنو قحطان کو یمنی بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ **بنو عدنان:** یہ لوگ حضرت اسماعیلؑ بن حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے تھے۔ عدنان ان کے جد امجد کا نام تھا۔ یہ پہلے بنو معد اور پھر بنو مضر کہلائے۔ بنو مضر آگے جا کر بنو قیس، بنو تغلب، بنو تمیم اور بنو قریش میں بٹ گئے اور مستقل طور پر حجاز میں سکونت اختیار کی۔ بنو عدنان کو عرب مستعربہ بھی کہتے ہیں۔

ملک کی یہ آبادی کچھ تو شہروں اور قصبات میں آباد ہے اور کچھ خانہ بدوش ہیں۔ جو لوگ شہروں میں رہتے ہیں ان کو حضری کہا جاتا ہے اور وہ لوگ جو صحراؤں اور ریگستانوں میں نخلستانوں کی تلاش میں جگہ جگہ پھرتے ہیں انہیں بدوی کہا جاتا ہے بدو بڑے جفاکش، شجاع اور مخلص ہوتے ہیں۔

اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی

سیاسی حالت

اسلام سے پہلے ہر لحاظ سے عربوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان کی پوری زندگی ابتر تھی۔ سیاسی طور پر عرب کوئی قوم کہلانے کے حقدار نہ تھے۔ ان میں نہ تو کوئی مرکزی شخصیت تھی جسے یہ پوری قوم اپنا بادشاہ مان لیتی اور نہ کوئی مرکزی نظام تھا جس پر ان کا اتفاق ہوتا اور اس نظام کی اطاعت و وفاداری کی جاتی۔ ہر طرف خود مختاری، خودسری اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا:

قبائلی نظام

چھوٹے پیمانے پر عربوں کا نظام زندگی قبیلے کے اندر سمٹا ہوا تھا۔ قبائلی نظام کی ساری خصوصیات ان کے اندر جمع تھیں۔ جمہوری طریقے سے ایسے شخص کو قبیلہ کا سردار چنا جاتا۔ جس کے حامی سب سے زیادہ ہوتے، قبیلہ کا سردار بہادر، صاحب الرائے، فیاض اور عزم و ہمت والا ہوتا۔ قبیلے کے ہر فرد کی عزت، آبرو، مال اور جان کی حفاظت کرنا سردار کا فرض تھا۔ افراد کا فرض تھا کہ وہ سردار کا حکم مانیں اور اسے تحفے تحائف دیا کریں۔ ہر قبیلہ اپنے علاقے میں خود مختار ہوتا۔ کوئی اس کی آزادی کو چیلنج نہ کر سکتا تھا اور اس کے علاقے سے گزرنے والوں کو ان سے اجازت لینا پڑتی تھی۔ قبائلی تعصب کا یہ حال تھا کہ قبیلے کے ہر فرد کی مدد کرنا دوسرے افراد پر واجب تھا خواہ وہ ظالم اور مجرم ہی کیوں نہ ہو۔ ہر قبیلہ اپنے آپ کو دوسرے قبیلے سے بہتر اور عزت والا سمجھتا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر فرد اپنے قبیلے پر فخر کرتا۔ حتیٰ کہ قریش کا قبیلہ جو خانہ کعبہ کا متولی تھا، حج کی بعض رسوم دوسرے زائرین سے کچھ دور ہٹ کر ادا کرتا تھا قیام عرفات کی رسوم میں بھی یہی جدت کرتے۔

اکثر قبائل بادیہ نشین تھے۔ شہروں اور بستیوں میں بسنے والے بہت کم تھے۔ بدوی قبائل نخلستانوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔

عرب کے اندرونی حصوں میں ان قبائل کی فرمانروائی تھی۔ قریش کے قبیلہ کو مکہ میں سرداری حاصل تھی اور عرب کے سرحدی علاقوں پر یمن، حیرہ اور شام کے تاجداروں کی حکومت تھی۔

عرب سیاسی طور پر محکوم نہ تھے اور غلامی کی وجہ سے ذہنوں میں جو پستی اور انسانی صفات میں جو گراوٹ آجاتی ہے اس سے یہ لوگ محفوظ تھے۔ وہ بہت زیادہ بہادر اور شجاع تھے۔ خطروں کو کبھی دھیان میں نہ لاتے۔ لڑائی کو کھیل سمجھتے تھے۔ بعض قبائل کی جنگیں نسل در نسل رہتی تھیں وہ ارادے کے پکے اور دل کے صاف تھے۔ غرض اگر وہ کسی سیاسی نظام کی رسی میں پرو دئے جاتے تو چمکنے ابھرنے اور چھا جانے کی جملہ صفات ان میں موجود تھیں۔

تمدن اسلام سے بہت پہلے کسی زمانہ میں عربوں کا تمدن ترقی یافتہ تھا۔ اس وقت قوم سبا اور حمیریوں کی حکومت تھی۔ جرمن مستشرق پروفیسر نولدیکی کے نزدیک ولادت مسیح سے چار سال قبل یمن پر حمیر اور سبا حکومت کرتے تھے۔ سبائیوں نے سد مآرب تعمیر کر کے زراعت کی تھی۔ بعض عالی شان عمارتوں کے آثار اب بھی ملتے ہیں لیکن اسلام سے پہلے ماضی قریب میں عربوں کی تمدنی زندگی کا برا حال تھا۔ وہ کورے بدو تھے۔ علم و ہنر سے بالکل نابلد تھے، تیر اندازی، شہسواری، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے علاوہ کوئی تفریحات نہ تھیں۔ خیمہ ان کا محل تھا۔ کسی جانور کی کھال ان کا پر تکلف اور آرام دہ بستر تھا۔ لباس میں رومیوں یا ایرانیوں کی طرح زردوزی، ریشمی اور نفیس کپڑوں کو استعمال میں نہ لاتے تھے۔

اگرچہ عربوں کو اپنی زبان پر بڑا فخر اور ناز تھا اور بلاشبہ فصاحت و بلاغت میں عربی زبان کا لگا کوئی اور زبان نہیں کھاتی۔ لیکن چھوٹے چھوٹے نوادرات کے لیے الفاظ ان کی زبان میں نہیں ملتے۔ مثلاً پاجامہ، چراغ اور کوزہ کے لیے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ بعد میں دوسری زبانوں سے ان کے لئے الفاظ لئے گئے۔

زراعت اور کاشت کاری سے واقف نہ تھے۔ پانی کے چشموں پر انگور کے باغات ہوتے اور کچھ کاشت ہو جاتی تھی۔ تجارت کے لئے گرمیوں اور سردیوں میں شام اور یمن کو قافلے جاتے تھے۔ بعض لوگ اگر نچ جاتے ان قافلوں میں شریک نہ ہو سکتے تو اپنی پونجی کا بدلہ میں لگا دیتے اور قافلے کی واپسی پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمع میں شریک ہو جاتے۔ شہری آبادی جنہیں حضری کہا جاتا تھا زیادہ تر تجارت کیا کرتے تھے صنعت و حرفت سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ البتہ اونٹ کی اون سے عورتیں کمبل وغیرہ بنایا کرتی تھیں۔

عربوں کو شعر و شاعری کا بڑا شوق تھا۔ شعرا اپنا کلام اجتماعات اور میلوں میں پڑھتے۔ عکاظ کا میلہ جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہتا تھا، ادبی و شعری سرگرمیوں کا موسم بہار ہوتا تھا۔ بہترین کلام لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکایا جاتا تھا۔ جنہیں معلقات کہا جاتا ہے۔ ان میں سات بہت مشہور ہیں۔

علم نجوم اور قیافہ میں عربوں کو کافی مہارت حاصل تھی۔ اگر کسی مقام سے اونٹوں کا کوئی قافلہ گزر جاتا تو وہ اونٹوں کی چھوڑی ہوئی بو سے اور مینگنوں سے بتا دیتے تھے کہ یہ قافلہ کس قبیلہ کا ہے اور کہاں سے آیا تھا۔

اخلاق

عربوں کی تمدنی تصویر کا اخلاقی رخ تو بڑا ہی بھیانک تھا کوئی ایسی اخلاقی خرابی نہ تھی جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔ اخلاق کے بلند تصور کی جان آخرت کے دن پر ایمان لانا ہوتا ہے اور عرب مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کو سرے سے مانتے ہی نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ کسی جوابدہی کا خوف ہی نہ رکھتے تھے تو پھر وہ کوئی جرم کرتے ہوئے کیوں جھجکتے۔

انسانی جان ان کے نزدیک کوئی قیمت نہ رکھتی تھی۔ عورت قتل ہوتی تو اس کے بدلے مرد کو قتل کیا جاتا۔ غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل کرنا افضل تھا۔ ایک فرد کے بدلے میں کئی مقتول ہو جاتے مگر انتقام کی آگ سرد ہونے کا نام نہ لیتی۔ مقتولین کا مثلہ کیا جاتا۔ مردہ جسم سے جگر نکالا جاتا اور اسے کچا چبا لیا جاتا۔ اس سادی درندگی کی اگر کوئی بڑی سے بڑی سزا تھی تو وہ دیت تھی۔ غلاموں کا خون بہا دینا بھی گوارا نہ تھا۔ خونریزی ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

شراب ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ قمار بازی ان کا محبوب کھیل تھا۔ بہترین شراب جسے بیس سال تک پکایا گیا ہو، لڑکوں کی شادیوں کے موقعہ پر مہمانوں کی خدمت میں پیش کی جاتی۔ شعراء شراب اور جام و سبو کی تعریف میں قصیدے کہتے۔

جھوٹ بولنا، بدعہدی کرنا، بہتان باندھنا، الزامات گھڑنا، جھوٹی قسمیں کھانا، تکبر کرنا، بے جا تصرف کرنا، امانت میں خیانت کرنا، دھوکہ دینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، بے جا مداخلت کرنا، کمزوروں پر ظلم کرنا، شرطیں باندھنا، یتیموں کا مال کھانا، بیواؤں پر زیادتی کرنا۔ سوتیلی ماؤں کو لونڈی بنانا، عورتوں کی بے عزتی کرنا، بے بسوں کو ستانا اور غلاموں کو اذیتیں دینا ان کے عام معمولات تھے۔ لڑکیوں کو وہ زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ عربوں میں یہ سب اخلاقی برائیاں موجود تھیں لیکن جیسا کہ ہم پہلے عرض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر چکے ہیں وہ اس ذہنی پستی سے پاک تھے جو سیاسی غلامی کی وجہ سے قوموں میں پیدا ہو جایا کرتی ہے اور جس ذہنی پستی کے بعد بنیادی انسانی اخلاقیات کا بھی جنازہ نکل جایا کرتا ہے۔

مذہب مذہبی لحاظ سے عربوں کی حالت اور بھی بد تر تھی۔ کہنے کو تو وہ جو اسماعیل تھے جو صرف ایک خدا کو مانتے تھے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے تھے مگر عربوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ اور بھی بے شمار شریک بنا رکھے تھے۔ بتوں کی پوجا کا عام رواج تھا۔ ہر قبیلہ کا بت جدا تھا بلکہ بعض گھروں میں علیحدہ علیحدہ بت رکھے جاتے تھے۔ خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔

ان بتوں کے علاوہ دریا، چاند، سورج، درختوں، جانوروں اور پتھروں کی بھی پوجا کی جاتی تھی۔ غیر اللہ کے نام کی نذریں اور نذرانے پیش کیے جاتے تھے اور بتوں کے نام پر جانوروں کو بطور چڑھاوا چڑھایا جاتا تھا۔

اوہام پرستی کا بھی رواج عام تھا۔ گھر سے نکلتے وقت سب سے آخر میں بتوں پر ہاتھ پھیرنا اور ان کا طواف کرنا اور خیریت سے گھر پہنچنے پر سب سے پہلے بت کے آگے جھکنا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ بعض دن منحوس خیال کیے جاتے تھے۔ بتوں سے صحت و بارش کی دعا کرنے، مرادیں مانگنے اور قربانیاں پیش کرنے کا رواج تھا۔

اس کے علاوہ عرب میں کچھ یہودی بھی آباد تھے۔ یہ لوگ خدائے واحد کے پرستار تھے اور خیبر و یثرب کے نواح میں آکر آباد ہو گئے تھے۔

یہودیوں کے علاوہ عیسائی اور صابی بھی عرب کے مختلف حصوں میں پائے جاتے تھے مگر ان سب کے عقائد میں شرک نے جڑ پکڑ لی تھی۔ یہودی حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے توریت کو ازبر لکھوا دیا تھا۔ عرب کے عیسائی حضرت مریمؑ کو خدا کی بیوی، حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے (خدا کی پناہ) ان کے علاوہ آتش پرست بھی تھے۔ کچھ ملحد بھی تھے جو حیات اور موت کو اتفاق کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔

سماج و معاشرہ مذہب و اخلاق کے اس بد تر حال نے عرب کے معاشرہ میں بڑی بد امنی اور بے حیائی پیدا کر دی تھی اور عجیب و غریب خیالات و اوہام ان کے اندر رواج پا گئے تھے مثلاً الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے وہ اتنے تنگ نظر ہو گئے تھے کہ اپنی لڑکی کا رشتہ کسی دوسرے کو دینے سے شرماتے تھے۔ سنگدلی کی انتہا یہ تھی کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

اپنے کانوں سے دفن شدہ معصوم بچیوں کی دلدوز چیخیں اور آہیں سنتے مگر انسانیت اور رحم و شفقت

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جذبات میں ایک ہلکی سی لہر بھی پیدا نہ ہوتی اور فخر سے مجلسوں میں فسق کے چیتھڑے چاک کرنے کے قصے دہراتے۔

اس معاشرہ میں عورت سب سے زیادہ مظلوم اور بے بس تھی۔ شریف عورتوں پر تہمت لگانا عام مشغلہ تھا۔ شعراء حیادار خواتین کے ساتھ اپنے عشق کی داستانیں عام محفلوں میں سناتے۔ ان سے اپنی محبت کے چرچے کرتے۔ ایک مرد کی کئی بیویاں ہوتیں اور اس تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی، حتیٰ کہ سوتیلی ماں کو بھی اپنی بیوی بنا لیا جاتا۔

حیا کا کوئی تصور نہ تھا۔ عورت اور مرد ننگے ہو کر خدا کے گھر کا طواف کرتے اور اسے ثواب کا کام سمجھتے۔

جہالت کا یہ حال تھا کہ ظہور قدسی کے وقت پورے ملک میں صرف سترہ افراد پڑھے لکھے تھے۔ سود کا لین دین عام تھا۔ آمیزش کو کوئی بُرا نہ سمجھا جاتا تھا۔

پورا سماج ان برائیوں میں ملوث تھا اور کوئی انہیں ٹوکنے والا نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر تلوار کھینچ جانا اس معاشرہ میں معمولی بات تھی۔ گھوڑا آگے بڑھانے پر جھگڑا ہو رہا ہے اور جنگ کے شعلے بلند ہو جاتے ہیں۔ جنگ داحس صرف اس وجہ سے تریسٹھ سال تک جاری رہی۔ حرب بسوس بھی معمولی سی بات پر چھڑی تھی، اس میں بنو بکر اور بنو تغلب کے تقریباً ستر ہزار آدمی کام آئے۔ یہ جنگ چالیس سال تک جاری رہی۔

روشن پہلو عربوں کے معاشرتی تصویر نامکمل رہے گی، اگر اس کا روشن پہلو بھی پیش نہ کر دیا جائے۔ صحرائی زندگی نے ان میں فطری سادگی پیدا کر دی تھی دن رات کے سفر سے وہ بڑے سخت جان ہو گئے تھے۔ اگرچہ خانہ بدوشوں کی زندگی کا یہ عمل تھا مگر حضریوں میں بھی یہ خواص موجود تھے۔

وہ کسی بات کو قبول کرتے تو شرح صدر کے ساتھ کرتے تھے۔ ان کے اندر نفاق نہیں تھا۔ آسمان کے نیچے انہیں کسی کا کوئی خوف نہ تھا۔ تلوار اور گھوڑا اگر ان کے پاس ہے تو وہ ہیت مالدار ہیں اور ان دونوں کو ہفت اقلیم کے بدلے بھی نہ دیں گے۔ اپنے بھائی کی خاطر جان پر کھیلنا معمولی بات سمجھتے تھے۔

مہمانوں کی خدمت میں فخر محسوس کرتے۔ رات کو اپنے خیمے کے سامنے آگ محض اس لیے جلا کر رکھتے کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا مسافر روشنی دیکھ کر ادھر آ جائے اور اس کی خدمت کا موقع مل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتے۔ فیاضی میں بھی ایک دوسرے سے مقابلہ ہوتا۔ بخیل کا سوسائٹی میں کوئی مرتبہ نہ تھا۔

گو علم کے نور سے محروم تھے مگر خدا نے انہیں بلا کا حافظہ دیا تھا جانوروں تک کے نسب یاد رکھتے تھے۔ اہل ذوق اپنی پسند کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد رکھتے اور انہیں مجلسوں میں پڑھتے۔

جہاں ان کے غرور و تکبر کا ایک پہلو قابلِ نفرت ہے وہاں اس کا ایک اثر ان کی زندگی پر یہ پڑا تھا کہ وہ ذہنی غلامی اور مرعوبیت کی بیماریوں سے بچ گئے تھے۔

بدویانہ آب و ہوا اور خالص عربی لب و لہجہ اس قدر پسند تھا کہ اپنے دودھ پیتے بچوں کو بیرونی خاندانوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ یہ وہ سیاسی، تمدنی، اخلاقی، مذہبی اور سماجی زندگی تھی جس میں اسلام نے ایک عظیم انقلاب پیدا کیا۔

اہم سوالات

۱۔ عرب کے جغرافیائی حالات بیان کیجئے؟

۲۔ اسلام سے پہلے عرب کی سیاسی اور مذہبی حالت کیا تھی؟

۳۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی تمدنی، سماجی اور معاشی کیفیت کیا تھی؟

۴۔ اسلام سے قبل عربوں کی اخلاقی حالت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالیے؟

۵۔ اسلام سے قبل عربوں کی سیاسی، معاشی، اخلاقی اور مذہبی زندگی پر تبصرہ کیجئے؟ (لاہور بورڈ ۱۹۷۷ء، سرگودھا بورڈ ۱۹۸۳ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی

خاندان

حضرت ابراہیم کے فرزند اکبر جناب اسمٰعیل کی نسل میں قبیلہ قریش بہت مشہور ہے۔ اسی قبیلہ کی شاخ بنو ہاشم کے چشم و چراغ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ کے دادا عبد المطلب اور والد عبداللہ تھے۔ آپؐ کے دادا عبدالمطلب اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے سید قریش اور شریف قریش کہلاتے تھے۔

عبد المطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی قریش ہی کے ایک خاندان بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف کی دختر آمنہؓ سے کی۔ آمنہؓ اپنی حیاداری اور عفت کے لحاظ سے پورے خاندان میں مشہور تھیں۔ سادہ طریقہ سے نکاح کی رسم ادا ہوئی۔ رواج کے مطابق دولہا تین دن تک اپنے سسرال کے گھر مقیم رہے۔

چند ماہ بعد حضرت عبداللہ نے تجارت کی غرض سے شام جانے کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت آمنہؓ اس وقت امید سے تھیں۔ شام سے واپس آتے ہوئے مدینہ میں چند روز قیام کیا تاکہ اپنے والد کے حکم کے تحت کھجوروں کا سودا کریں۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہیں بیمار ہوئے اور وفات پا گئے۔ چنانچہ مدینہ سے کچھ دور مقام ابوا میں مدفون ہوئے۔

ولادت باسعادت

یہ عام الفیل تھا اور مکہ پر یمن کے حاکم ابرہہ کا حملہ ناکام ہو چکا تھا۔ ربیع کا موسم تھا۔ حضرت آمنہ اپنے شوہر کے غم میں اب بھی بے حال تھیں کہ خداوند تعالیٰ نے اس غم کے پہاڑ کو یوں خوشیوں میں بدل دیا کہ آمنہ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ ۹ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل مطابق ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء سوموار کا دن تھا۔ صبح صادق کے وقت آپ کی ولادت ہوئی۔ پیارے دادا کو خبر ہوئی تو فوراً گھر آئے بچے کو خانہ کعبہ دعا کے لیے لے گئے۔ سات دن کے بعد عقیقہ کیا۔ تمام قریش کی دعوت ہوئی اور محمد نام تجویز کیا۔ حضرت ثوبیہ نے چند دن دودھ پلایا اور پھر حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیے گئے۔ وہ ہر چھٹے مہینے لا کر آپ کے عزیزوں کو دکھا لے جاتیں۔ دو برس کے بعد دودھ چھڑایا گیا۔ چار سال تک آپؐ حلیمہ سعدیہ ہی کے گھر رہے اس کے بعد والدہ نے آنحضرتؐ کو اپنے پاس رکھ لیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرتؐ کی عمر چھ برس کی تھی کہ حضرت آمنہ نے مدینہ منورہ جانے کا پروگرام بنایا۔ وہاں آپ کے ننھیال تھے۔ ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کر لوں گی۔ اس سفر میں ام ایمن بھی ساتھ تھیں۔ آنحضرتؐ اپنی والدۂ محترمہ کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ تقریباً ایک ماہ قیام رہا اور واپسی پر ابواء کے مقام پر جب پہنچے تو حضرت آمنہ بیمار پڑ گئیں۔ شوہر کی قبر دیکھ کر دل کے سارے زخم ہرے ہو گئے۔ بالآخر آپ کا وہیں انتقال ہو گیا اور آپ کو شوہر کے قریب دفن کر دیا گیا۔ ام ایمن آنحضرتؐ کو تسلی دینے کے لیے تنہا تھیں آپؐ کو لے کر مکہ واپس پہنچیں۔ دادا کو بڑا غم تھا اور وہ ہر وقت اس دریتیم کے آرام وسکون کا خیال رکھتے لیکن خداوند کریم تو اپنے اس محبوب عرب وعجم کے سردارؐ کو تمام دنیاوی وسیلوں سے محروم کر کے تربیت دینا چاہتے تھے۔ آپؐ کی عمر ابھی کل آٹھ برس کی تھی کہ عبدالمطلب کا ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

آنحضرتؐ کی پرورش اور نگرانی کی ذمہ داری اب ان کے چچا ابو طالب کے سپرد ہوئی۔ ان کو بھی آپ سے بڑی محبت تھی۔ جب تک زندہ رہے آپؐ پر مہربان رہے اور کسی کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

حرب فجار

عرب کے لوگ ذی قعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کو حرمت والے مہینے مانتے تھے اور ان مہینوں میں ساری لڑائیاں بند رہتی تھیں۔ انہی امن والے مہینوں میں عرب کے مشہور میلے سوق عکاظ، سوق ذی المجاز اور سوق المجنہ لگتے تھے۔ یہ جنگ انہی مہینوں میں قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں قریش حق پر تھے اور قیس بار بار معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے تھے اس لیے اسے حرب فجار کا نام دیا گیا۔ اس جنگ میں قریش کے سالار ابو سفیان کے والد حرب بن امیہ تھے۔

اس جنگ کے وقت آنحضرتؐ کی عمر پندرہ برس تھی۔ اس میں چونکہ قریش برسرِ حق تھے اس لیے آپ نے اس جنگ میں شرکت فرمائی۔ آپؐ نے صرف اپنے چچاؤں کی معاونت کی اور دشمن کے تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔ چار سال تک یہ جنگ جاری رہی اور بالآخر فریقین کے درمیان صلح ہو گئی۔

حلف الفضول

اہل قریش نے جب ہر طرف یہ خونریزی دیکھی تو ایک روز اس صورت حال پر غور کرنے کے لیے عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اس میں قریش کے تمام قبائل ... اسد، زہرہ ... تیم شامل ہوئے۔ اس اجتماع میں آنحضرتؐ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شریک ہونے اور پوری سرگرمی سے فیصلوں میں حصہ لیا۔ آپ نے عہدِ رسالت میں اس معاہدہ کے متعلق ایک مرتبہ فرمایا تھا:

"میں ابن جدعان کے ہاں جس معاہدہ میں شامل تھا اگر اس میں شرکت سے منع کرنے پر مجھے سُرخ اونٹوں کا ریوڑ دیا جاتا تو اسے قبول نہ کرتا۔ آج بھی اس قسم کا معاہدہ ہو اور مجھے شرکت کی دعوت آئے تو میں قبول کرنے میں تامل نہ کروں گا۔"

تمام حاضرین نے مندرجہ ذیل عہد و قرار کیا:

۱۔ ملک سے بدامنی دُور کریں گے۔

۲۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ غریبوں کی امداد کریں گے۔

۴۔ ظالم کو ظلم سے روکیں گے۔

اس معاہدہ کا نام حلف الفضول اس لیے پڑا کہ قریش سے پہلے بھی بنو جرہم اور بنو قطورا نے مل کر اس قسم کا معاہدہ کیا تھا۔ جس میں تین ایسے اشخاص شریک تھے جن کے ناموں میں لفظ فضل آتا تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ قریش کے اس معاہدہ سے ہر شخص کی اصل فضیلت اس کے لیے محفوظ کی گئی اس لیے اسے حلف الفضول کہا جانے لگا۔

جوانی کے مشاغل

ابو طالب اکثر تنگ دست رہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کی مدد کے لیے اہل مکہ کی بکریاں مزدوری پر چرانا شروع کیں۔ دن بھر کھلی فضاؤں میں صحیفۂ فطرت کا مطالعہ کرتے اور اپنے فرائض بجا لاتے۔

ایک دفعہ اسی زمانے میں آپ نے اپنی بکریاں اپنے ساتھی کے حوالے کیں اور مکہ میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ شہر میں داخل ہوئے تو ایک جگہ شادی کا شادیانہ بجایا جا رہا تھا۔ آپ وہاں رُک گئے لیکن بہت جلد اس تھکے ماندے چرواہے کو نیند نے آگھیرا۔ آپ وہیں سو گئے اور کچھ نہ دیکھ پائے۔ دوسری رات پھر آپ شہر تشریف لے گئے۔ اس وقت گانے بجانے کا کوئی پروگرام تھا۔ خوش گلو گانے والیوں نے عجیب سماں باندھ رکھا تھا لیکن اس موقع پر بھی خواب شیریں کے جھونکے آنے لگے اور سو گئے۔ حتیٰ کہ صبح کو آنکھ کھلی۔

آپ کی سادہ لیکن پاکیزہ زندگی سے ان محفلوں کا کوئی تعلق نہ تھا۔ آپ کی عادات شروع ہی سے ایک نیک انسان کی بن چکی تھیں۔ غریبوں کی مدد کرنا، یتیموں سے محبت کرنا اور خلق خدا کے کام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آقا ان کے محافظ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو لوگ صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔

تجارت

حضرت ابوطالب نے دیکھا کہ بھتیجا اب جوان ہے۔ مگر بانی سے کوئی خاص آمدنی نہیں اس لیے اسے کسی اور کام پر لگایا جائے۔ انہیں معلوم ہوا کہ خویلد کی دختر خدیجہ اپنا مال دیگر دوسرے لوگوں کو باہر بھجواتی ہیں۔ سیدہ خدیجہ بیوہ تھیں اور خدا نے انہیں کافی دولت دی تھی۔

جناب ابوطالب نے آنحضرتؐ سے رائے لی کہ خدیجہ نے ہر مزدور کا معاوضہ دو دو شتر مقرر کیا ہے اگر تم یہ کام کر سکو تو میں ان سے دریافت کروں۔ ہم اتنے معاوضہ پر تو کام نہ کریں گے تاہم میں ان سے مل کر معاوضہ کی بات بھی کر لوں گا۔

خدیجہ کے پاس ابوطالب پہنچے اور ماجرا بیان کیا اور فرمایا کہ میرے برادرزادہ کو چار شتر اجرت دے۔ سیدہ خدیجہ نے جواب دیا کہ اے سید قریش اگر آپ میرے دشمن کی بھی سفارش کرتے تو میں تعمیل سے انکار نہ کرتی۔

غرضیکہ آنحضرتؐ سیدہ خدیجہ کا مال تجارت لے کر ملک شام کی طرف چلے گئے بی بی خدیجہ کا غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اس سفر میں آپ کو بہت زیادہ نفع ملا۔ واپس آکر پائی پائی کا حساب چکا دیا جس سے سیدہ خدیجہ بے حد خوش ہوئیں اس کے علاوہ ان کے غلام میسرہ نے بھی آپ کی دیانت اور امانت کے قصے سنائے، جس سے آنحضرتؐ کی عظمت کردار کا سکہ آپؓ کے دل پر نقش ہو گیا۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی۔ اس سے پہلے ان کے دو شوہروں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی پاک دامنی اور پاکیزہ اخلاق کا پورے مکہ میں شہرہ تھا اس لیے طاہرہ کے نام سے لوگ پکارتے تھے۔ دولت اتنی تھی کہ ایک طرف سارے قریش کا سامان تجارت ہوتا اور ان کے برابر صرف ان کا سامان ہوتا۔

تجارت کی غرض سے آنحضرتؐ نے بی بی خدیجہؓ کا مال لے کر کئی سفر کیے۔ ایک مرتبہ جب آپ واپس آئے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپؐ نے چچا سے مشورہ کیا بات طے ہو گئی اور تاریخ مقررہ پر جناب ابوطالب اور خاندان کے دوسرے لوگ ان کے گھر پر جمع ہوئے نکاح کا خطبہ جناب ابوطالب نے پڑھا اور آپؐ کا نکاح بی بی خدیجہ سے ہو گیا۔ اس طرح سے آپؐ نے پرسکون عائلی زندگی کا آغاز کیا۔

تعمیر کعبہ

آنحضرتؐ کی عمر پینتیس سال کی تھی جب قریش نے خانہ کعبہ کو نئے سرے سے بنانے کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ کیا۔ کعبہ کی پرانی عمارت کافی کمزور ہو گئی تھی اور بارش یا سیلاب کے موقعہ پر اس کی دیواریں جھک جاتی تھیں۔ پوری عمارت جب تعمیر ہو چکی تو حجر اسود کے نصب کرنے پر قریش کے قبائل میں سخت جھگڑا شروع ہو گیا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ شرف اسے حاصل ہو چار دن تک یہ جھگڑا جاری رہا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ تلواریں میانوں سے باہر آ گئیں۔

آخر ایک بوڑھے نے یہ مشورہ دیا کہ تم جھگڑا نہ کرو۔ کل صبح جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو اسے تم ثالث مان لو وہ جو فیصلہ کرے اسے سبھی تسلیم کر لینا۔ اس بات پر عرب کے تمام قبائل کا اتفاق ہو گیا اور اگلی صبح سب سے پہلے داخل ہونے والے رجل رشید کا انتظار کیا جانے لگا۔

اتفاق کی بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے داخل ہوئے۔ آنحضرتؐ کو دیکھنا تھا کہ سب نے یک زبان ہو کر کہا:

"امین" آ گیا۔ ہم اس کے فیصلے پر رضامند ہیں۔

آنحضرتؐ نے بڑی حکمت سے اس کا یوں فیصلہ فرمایا کہ تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کیا۔ اپنی چادر مبارک نیچے بچھا دی اس پر خود اپنے دستِ مبارک سے پتھر اٹھا کے رکھا اور سرداروں سے کہا کہ تم اب چادر کو اٹھاؤ۔ منصب کی جگہ پر لا کر خود آپؐ نے اسے اٹھایا اور دیوار میں نصب فرما دیا۔ اسطرح سب کو اس شرف میں شریک کر لیا۔ عرب کے سرداروں نے اس فیصلہ پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ اس مختصر سی تدبیر سے آپؐ نے ایک خونریز جنگ کا خاتمہ کر دیا۔

بعثت سے پہلے

آپؐ کو شادی کے بعد کافی فراغت میسر آ گئی تھی آپؐ نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ یوں تو بچپن سے ہی آپؐ نے شرک اور بت پرستی سے اجتناب کر رکھا تھا۔ لیکن اب آپؐ نے اس سوسائٹی ہی کو خیرباد کہہ دیا اور اکثر وقت تنہائی میں گزارنے لگے۔ کئی کئی روز مکہ کے قریب واقع غار حرا میں قیام فرماتے اس میں اللہ کا ذکر کرتے اور کائنات پر تدبر و تفکر کرتے۔ اس وقت آپؐ کو رات کے وقت ایسے خواب آنے لگے جو صرف یہ کہ سچے ہوتے تھے بلکہ آپ نے ان میں سے بعض واقعات کا دن میں بھی مشاہدہ فرمایا۔

بعثت

آپؐ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو چکے تھے کہ ایک شب جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں عبادت و ریاضت میں مشغول تھے کہ آپؐ نے روح الامین کو دیکھا وہ آپ سے کہنے لگا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۔۔۔۔ الخ (اقرا)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"پڑھو اس رب کے نام سے جس نے تخلیق کی، جس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو تیرا رب بڑا کریم ہے وہ جس نے قلم کے ذریعہ علم بخشا اور انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا"۔

آپ پر اس پہلی وحی ربانی کے بعد ایسی گھبراہٹ طاری ہوئی فوراً گھر تشریف لے آئے اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ حضرت خدیجہؓ پریشان ہوئیں۔ آپ کو جب ذرا سکون ہوا تو سارا واقعہ بیان فرمایا۔ اس پر خدیجہ طاہرہ نے تسلی دی اور آپ کو لے کر چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ نے جب یہ ماجرا سنا تو کہا کہ یہی وہ ناموس اکبر ہے جو بنی اسرائیل کے نبیوں پر اترا کرتا تھا۔ آپ نبی ہیں آپ کو مبارک ہو۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کی مخالفت کرے گی تو میں آپ کی مدد کر سکوں۔

اہم سوالات

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی کے حالات بیان کرو۔

۲۔ درج ذیل پر نوٹ لکھو: (ا) حرب فجار (ب) حلف الفضول (ج) تعمیر کعبہ (د) غار حرا۔ (ہ) حضرت خدیجہؓ۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر نوٹ لکھیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۳

تبلیغ دین اور ابتدائی مشکلات

آغاز تبلیغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے اس کام پر مامور فرمایا تو آپ نے اپنے قریبی دوستوں اور عزیزوں کو سب سے پہلے اس پیغام کی طرف بلایا۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جو رسول اللہؐ سے کسی نہ کسی طرح بہت زیادہ قربت رکھتی تھیں اور ان لوگوں پر آنحضرتؐ کے کردار اخلاق اور عادات کا بڑا گہرا اثر تھا۔

خواتین میں آپ پر ایمان لانے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے پہل کی۔ آپ کئی سالوں سے نبی کریمؐ کے ساتھ رہ رہی تھیں اور آنحضرتؐ کے شب و روز ان کے سامنے تھے۔ جب آپؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا تو انہوں نے بلا پس و پیش اس پر آمنا وصدقنا کہا۔ ان کے بعد مردوں میں حضرت علیؓ حضورؐ سے بہت قریب تھے۔ اگرچہ ان کی عمر کم تھی مگر بڑے سمجھدار تھے۔ جب رسول کریمؐ نے ان کو اسلام کے متعلق فرمایا تو انہوں نے بھی اسے قبول کر لیا۔ آپ کے ایک غلام زیدؓ تھے جو کئی سالوں سے آپ کی خدمت میں تھے اور آپ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ جب آپ کی دعوت اسلامی کا سنا تو فوراً ایمان لے آئے۔

آپ کے دوستوں میں سب سے زیادہ قریب حضرت ابوبکرؓ تھے۔ بڑے دولتمند، سخی اور اپنے قبیلے میں معزز تھے۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کرنے میں کوئی تامل نہ کیا۔

خاموش دعوت یہ وہ ابتدائی اسلامی گروہ تھا۔ جس نے اپنی زندگی اسلام کے حوالے کر دی تھی اور اب اپنے دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں میں حق کی تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس بات کو یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ اپنی حفاظت کرتے ہوئے دین کی تبلیغ کرنی ہے۔ لہٰذا تبلیغ کا یہ سارا کام خاموشی سے اور چھپ چھپ کر سرانجام دیا جانے لگا حتیٰ کہ نماز کے لئے بھی کسی ویران پہاڑی کو چنا جاتا۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے اور ایک درہ میں آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ جناب ابوطالب ادھر آ نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ ان کے طریقے سے ہٹ کر عبادت کر رہے ہیں تو سوال کیا کہ یہ تم کون سے طریقے پر عبادت کر رہے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہم اپنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دادا ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر عبادت کر رہے ہیں تو جناب ابو طالب نے کہا کہ اچھا تمہارا کوئی مزاحم نہ ہوگا۔

اسلام کے سابقون الاولون میں سے حضرت صدیق اکبرؓ بڑے باا ثر تھے۔ آپ اپنی تجارت کی وجہ سے اکثر لوگوں سے میل ملاپ رکھتے تھے۔ اس سارے اثر و رسوخ کو آپ نے دین حق کی اشاعت اور تبلیغ میں صرف کر دیا۔ آپ کی کوششوں سے حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہؓ اسلام لے آئے۔

اس خفیہ تبلیغ کا سلسلہ پورے تین سال تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں مردوں اور عورتوں کی خاصی تعداد نے مسلمان ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اس وقت کفار کا یہ خیال تھا کہ بہت سے دوسرے حکماء کی طرح محمد بن عبد اللہ کی محفل بھی جلد ہی اجڑ جائے گی اور اس کی بزم بے رونق ہو جائے گی۔ اس لیے انہوں نے کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ حتیٰ کہ اسلام کا یہ درخت اپنی پوری جڑیں اچھی طرح جمانے میں کامیاب ہو گیا۔ قریش کے سرداروں کا یہ بھی خیال تھا کہ بھلا ہمارے پرہیبت ہبل اور لات و عزیٰ کے مقابلے میں کسی اور کی خدائی کہاں چل سکتی ہے۔ ہمارے خدا اس کی حرکات کے رکھ دیں گے۔ ایسی ہی خیالی امیدوں کے سہارے اس خفیہ تبلیغ دین کا نوٹس لینا ان کے نزدیک قطعاً ضروری نہ تھا۔ یہ گویا خداوند رب العزت نے اسلام کے شجر طیبہ کو مضبوط ہونے کا موقع فراہم کیا تھا اور اس عرصہ میں اس کی بیشتر خوبصورت کونپلیں پھوٹ آئی تھیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے وہی لوگ تھے جن کی فطرت آزاد تھی۔ ان کے پاؤں میں خود غرضی کی کوئی بیڑی نہ تھی اور نہ ہی معاشرہ میں ان کا کوئی اعلیٰ عہدہ تھا۔ مفاد پرست سیاسی یا مذہبی منصب داروں میں سے کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ حق کو قبول کرتا۔

دعوتِ عام

تین سال کی خاموش تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا:

۱۔ اے نبی! اپنے رشتہ داروں کو عذاب آخرت سے ڈرایئے۔

۲۔ اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے آشکارا کر دے۔

اس حکم کے تحت آپ نے بنی ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا۔ حاضرین کی تعداد کم و بیش چالیس تھی۔ جب آپ نے اپنی بات شروع فرمائی، ابولہب غضبناک ہو کر اٹھا اور لوگوں کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عرصہ بعد دوبارہ ایک ضیافت کی۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

"اہل عرب میں سے کوئی شخص آج تک مجھ سے بہتر پیغام نہیں لایا۔ یہ پیغام دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کا رہنما ہے۔ اس پیغام میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں۔ آپ میں سے کون میرا پیغام قبول کرتا ہے؟"

آنحضرتؐ کی یہ گفتگو سن کر تمام حاضرین نے خاموشی اختیار کر لی۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھری مجلس میں اعلان کیا۔

"یا رسول اللہؐ میں آپ کی مدد کروں گا اور جو شخص آپ سے جنگ کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا۔"

حضرت علیؓ کی عمر اس وقت کوئی زیادہ نہ تھی۔ لوگوں نے اس وجہ سے ان کی بات کی ہنسی اڑائی لیکن قضاوقدر ان جاہلوں پر مسکرا رہی تھی۔ علی المرتضیٰؓ نے جو کچھ اس وقت کہا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

کوہِ صفا کی پکار

عزیزوں اور رشتہ داروں پر حق واضح کرنے کے بعد تمام اہل مکہ کو آپؐ نے صفا کی پہاڑی پر جمع کیا۔ آپؐ نے انہیں اس طرح پکارا گویا کوئی بہت بڑا خطرہ درپیش ہو۔ لوگوں نے یوں پکارنے کی وجہ دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا:

"اے قریش! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکرِ جرار چھپا بیٹھا ہے تو تم میری بات کو صحیح مان لو گے؟"

قریش نے جواب دیا:

"ہاں! ہم آپ کی بات کو صحیح تسلیم کر لیں گے اور ہمیں تو آپ کے جھوٹ کا کبھی تجربہ ہی نہیں ہوا۔"

پھر رسول اللہؐ نے فرمایا:

"تو تم پر عذاب نازل ہونے سے پہلے میں تمہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ اے بنو عبدالمطلب! اے خاندانِ عبد مناف! اے ابنائے زہرہ! اے اولادِ تیم! اے قبیلۂ مخزوم اور اے فرزندانِ اسد! سب خود سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے یک جدی قرابت داروں کو عذابِ آخرت سے متنبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر تم لوگوں نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش نہ کی تو میری قرابت داری دنیا و عقبیٰ کسی میں بھی کام نہ آئے گی۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وعظ پر ابولہب غیظ و غضب سے آگ بگولا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ وہ چیخ اٹھا کہ تو برباد ہو گیا ایسے کام کے لیے تو نے ہمیں بلایا تھا! اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ لہب نازل فرمائی اور اپنے رسولؐ کو تسلی دی کہ تیرے دشمن برباد ہوں گے اور تجھے [illegible] ملے گا۔

ابتدائی مشکلات

اس کے بعد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ کرنے لگے لیکن اب کفار نے اس دعوت کے راستے میں مختلف رکاوٹیں ڈالنی شروع کر دیں اور آنحضرتؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کی مخالفت میں سارے ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے۔

سب سے پہلے تو مذاق اڑایا جانے لگا۔ آہستہ آہستہ اس استہزا میں غنڈہ گردی کا رنگ آنے لگا۔ اس کے بعد مختلف گالیاں ایجاد کیں مثلاً نعوذ باللہ "مرتد" "صابی" اور "بے دین" کہا جانے لگا۔ کبھی مجنوں کہتے کبھی جادوگر پکارتے اور کبھی شاعر قرار دیتے تھے۔ کبھی کہتے کہ یہ کوئی جن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آتا ہے اور انہیں سکھا پڑھا جاتا ہے۔ کبھی کسی کاہن کا شاگرد کہتے۔

ان لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کی ساری کٹ حجتیوں کے باوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پھیل رہا ہے اور آنحضرتؐ کی باتوں کا ہر طرف چرچا ہونے لگا ہے تو مسلمانوں کو نشانۂ ظلم و ستم بنایا جانے لگا۔ خصوصاً وہ لوگ جو غلام تھے یا کمزور تھے ان پر بڑی سختیاں کی جانے لگیں۔ حتیٰ کہ آپؐ کی ذات گرامی بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔

ایک مرتبہ حرم میں خدا کا رسولؐ نماز میں مصروف تھا کہ عقبہ بن ابی معیط نے چادر آپؐ کے گلے میں ڈالی اور اسے مروڑنا شروع کر دیا۔ اس بدبخت نے اتنا گلا گھونٹا کہ آنحضرتؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ اس کے علاوہ اس شخص نے ایک مرتبہ آپؐ پر اس وقت اونٹ کی اوجھ لا کر ڈال دی تھی، جب آپؐ خانہ کعبہ میں نماز میں مصروف تھے۔

حضرت بلالؓ کو اسلام قبول کرنے کی سزا یہ بھگتنی پڑی کہ دوپہر کو مکہ کی گرم ریت پر انہیں لٹا دیا جاتا اور گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیے جاتے۔ دھوپ میں بٹھا دیا جاتا۔ مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹا جاتا۔ گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دے دی جاتی اور وہ مکہ کی پہاڑیوں میں انہیں لیے پھرتے۔ ان کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید لیا اور آزاد کر دیا۔

حضرت عمارؓ، ان کی والدہ سمیہؓ اور ان کے والد یاسرؓ کو سخت اذیتیں دی گئیں۔ حضرت سمیہؓ نے ابوجہل کی برچھی سے بالآخر شہادت حاصل کی۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلی شہادت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب اس خاندان کے قریب سے گزرتے تو ان کو فرماتے: "اے آلِ یاسر! صبر کرو تمہارے واسطے جنت ہے۔"

حضرت زنیرہؓ، حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں۔ ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں ضائع ہو گئیں۔

حضرت ابو فکیہہؓ صفوان بن اُمیّہ کے غلام تھے۔ انھوں نے حضرت بلالؓ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا تھا۔ جب امیہ کو ان کے اسلام کا علم ہوا تو ان کے پاؤں میں رسّی باندھی اور آدمیوں سے کہا کہ گھسیٹ کر تپتی ہوئی ریت پر لٹائیں۔ وہاں ایک گبریلا کو دیکھ کر امیہ نے کہا کیا تیرا خدا یہی تو نہیں ہے؟ انھوں نے کہا میرا اور تیرا دونوں کا اور اس کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس پر اس شقی نے ان کا اس زور سے گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے کہ دم نکل گیا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ جب اسلام لائے تو ان کے چچا نے خود ان کو رسی سے باندھ کر خوب مارا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام جب اسلام لائے تو ان کے چچا انہیں چٹائی میں لپیٹ دیتے اور ان کی ناک میں دھواں دیا کرتے۔ حضرت خبابؓ اور صہیبؓ نے بھی ان ظالموں کے ہاتھوں بہت اذیتیں برداشت کیں۔

ہجرت حبشہ

حبشہ حجاز کے مغرب میں ہے۔ اہل حبشہ مذہباً عیسائی تھے اور ان کا بادشاہ نجاشی کہلاتا تھا۔ حضورؐ کے زمانہ میں حبشہ کا حکمران نہایت ہی عادل اور نیک دل انسان تھا۔ اس کی دور دور تک شہرت تھی۔

ہجرت حبشہ کے اسباب

۱۔ کفار کے مظالم: وہ بے کس اور بے سہارا لوگ جو پہلے پہل حضورؐ پر ایمان لائے ان کو کفار مکہ بے حد ستایا کرتے تھے حتیٰ کہ ان لوگوں کا زندہ رہنا بھی مشکل ہو گیا۔ اس لیے مجبوراً انہیں قریبی ملک میں ہجرت کرنا پڑی۔

۲۔ اہل حبش سے دوستانہ تعلقات: عربوں کے اہل حبش سے دوستانہ تعلقات تھے اور تجارتی آمد و رفت بھی ہوتی رہتی تھی۔ مسلمانوں کو یقین تھا کہ وہاں پر انہیں خوشگوار فضا میسر آ جائے گی اور اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزار سکیں گے اس لیے انھوں نے حبش جانے کا پروگرام بنایا۔

۳۔ نجاشی کی عدل پروری: نجاشی اپنے معاصر بادشاہوں میں نیکی، بردباری، شرافت اور عدل پروری کے لحاظ سے بے حد ممتاز تھا اور اس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کو یقین تھا کہ اس کے پاس پہنچ کر انہیں کوئی گزند نہ پہنچے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی ہجرت حبشہ

۵ نبوی میں آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ اس پہلی ہجرت میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا قافلہ رات کی تاریکی میں مکہ سے نکلا اور بحری سفر کرتا ہوا حبشہ پہنچا۔ اس قافلے میں حضرت عثمانؓ اور ان کی اہلیہ رقیہؓ بھی تھیں۔ تین ماہ قیام کے بعد ان تک افواہ پہنچی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں تو یہ لوٹ آئے مگر یہ افواہ غلط نکلی۔

دوسری ہجرت حبشہ

۶ نبوی میں آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو دوبارہ حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ اس دفعہ ہجرت کرنے والوں میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں تھیں۔ اس قافلے کے سالار حضرت جعفرؓ بن ابی طالب تھے۔ قریش نے ان کا تعاقب کیا مگر یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر وہاں سے حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

تعاقب

کفار نے جب یہ دیکھا تو کچھ تحفے دے کر ایک وفد نجاشی کے دربار میں بھیجا۔ اس وفد میں عمرو بن عاص بھی شامل تھے۔ نجاشی سے اس وفد نے کہا کہ ہمارے ملک سے چند نوجوان بھاگ کر آپ کے ہاں آئے ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیا ہے اور ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ وہ آپ کے دین کے بھی مخالف ہیں۔ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ نجاشی نے یہ گفتگو سن کر مسلمانوں کو بلایا اور ان سے صورت حال پوچھی۔ اس پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے ایک پُر تاثیر تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

حضرت جعفرؓ کی تقریر

"اے بادشاہ! ہم لوگ پہلے سخت جاہل تھے۔ بتوں کو پوجنا ہمارا مذہب تھا۔ مردار ہم کھاتے تھے۔ فواحش اور گناہ کی زندگی ہم بسر کرتے تھے۔ قطع رحم، پڑوسی کی حق تلفی اور ظلم و ستم کو ہم نے جائز کر رکھا تھا۔ جو زبردست ہوتا وہ کمزور کو کھا جاتا۔ ہم ایسی ہی ذلیل حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم پر کرم کیا اور اپنا رسول ہمارے پاس بھیجا۔ جس کے نسب، شرف، صدق، امانت اور عفاف سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ اس نے ہمیں توحید الٰہی کی طرف بلایا۔ بت پرستی سے ہمیں منع کیا۔ سچائی، امانت داری، صلہ رحمی کی ترغیب دی، ہمسائے کے حقوق ادا کرنے، گناہوں سے بچنے اور فواحش ترک کرنے کا حکم دیا۔ یتیم کا حق تلف کرنے اور عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ خدائے واحد کی عبادت، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کو ہم پر فرض کیا۔ ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے۔ ہم نے شرک و کفر کو چھوڑ دیا۔ جس چیز کو رسولؐ نے حلال بتایا اسے حلال سمجھا اور جس کو حرام بتایا اسے حرام سمجھا۔ ہماری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوم نے اس دینِ حق کے اختیار کرنے پر ہمیں تکلیفیں پہنچائیں اور ہمیں بہت ستایا تاکہ ہم اس دین کو ترک کر دیں اور دوبارہ بتوں کی پرستش اختیار کریں اور جس طرح کے افعالِ خبیثہ کو وہ جائز سمجھتے ہیں ہم بھی سمجھیں۔ پس جب ان کا ظلم ہم پر حد سے زیادہ ہو گیا اور انہوں نے وہاں ہمارا رہنا دشوار کر دیا تو ہم وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور آپ کے ملک کو ہم نے پسند کیا۔ اے بادشاہ! ہمیں امید ہے کہ ہم یہاں ظلم سے محفوظ رہیں گے۔"

اس تقریر کے بعد نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے کلامِ الٰہی سنانے کو کہا اور انہوں نے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی۔ جس سے نجاشی اور اس کے درباریوں پر اتنا اثر ہوا کہ وہ زار و قطار رونے لگے۔ نجاشی نے کفارِ مکہ کے سفیروں کو صاف کہہ دیا کہ میں انہیں تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔

دوسرے روز عمرو بن عاص نے ایک اور چال چلی اور نجاشی کو ان کے مصاحبین کے ذریعہ اس بنیاد پر بھڑکانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کا عیسیٰؑ کے متعلق عقیدہ وہ نہیں جو تمہارا ہے۔ نجاشی نے حضرت جعفرؓ کو بلا کر عیسیٰ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے صاف صاف یہ کہہ دیا کہ وہ اللہ کے بندے اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ جو اس نے حضرت مریمؑ کی طرف ڈالا، جو کنواری اور بزرگ و پارسا تھیں۔"

اس جواب کے بعد نجاشی نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ خدا کی قسم وہ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔

ہجرتِ حبشہ کے فوائد

ہجرتِ حبشہ سے مسلمانوں کو کئی فوائد حاصل ہوئے۔ مکہ میں ان میں سے کئی افراد کو پوری طرح عبادات کی بجا آوری کی بھی اجازت نہ تھی۔ یہاں پہنچ کر انہیں پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گئی۔ وہاں پر انہیں سخت آلام و مصائب سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔ حبشہ میں آ کر سب لوگ راحت و آرام سے رہنے لگے۔ مکہ میں کبھی ان کے مخالف بستے تھے اور کسی کے سامنے انہیں کلمۂ حق کہنے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ یہاں پر ہر طرح کی آزادی تھی جس سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں نے اسلام کی تبلیغ کی بلکہ یہاں پر کفار نے خود ایک موقع فراہم کیا کہ مسلمان اپنے عقائد کا کھلم کھلا اظہار بادشاہ کے دربار میں کریں۔ نجاشی نے مسلمانوں کے اس عقیدہ کے ساتھ پورا پورا اتفاق کیا کہ "حضرت عیسیٰ خدا کے بندے، پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہیں۔"

گویا یہاں پر مسلمانوں کو اس ہجرت سے سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ دشمن کو بیرونِ ملک رسوائی ہوئی اور مسلمانوں کو اخلاقی طور پر کامیابی ہوئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترغیب جب کفار قریش ساری مخالفت کے باوجود اسلام کے کسی ایک خادم کو بھی اسلام سے مرتد نہ کر سکے تو انہوں نے سنجیدگی سے غور شروع کیا کہ آخر انہیں اس مشن سے روکا کس طرح جائے۔ فیصلہ یہ ٹھہرا کہ عتبہ ہم میں سمجھدار ہے اسے بھیجا جائے اور وہ آنحضرتؐ کو تبلیغ سے باز رہنے پر راضی کرے۔ پروگرام کے تحت عتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور پیشکش کی کہ اگر آپ کو دولت، عزت، سرداری یا بادشاہت چاہیے تو ہم آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہیں اور اگر آپ کو کوئی جن وغیرہ کی بیماری ہے تو اس کا بھی علاج کروا دیتے ہیں لیکن آپ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں۔

اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ حٰمٓ السجدۃ کی آیات سنانا شروع کیں۔ عتبہ چپ چاپ سنتا رہا۔ جب واپس آیا تو اس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ لوگ بھانپ گئے کہ عتبہ پر بھی محمدؐ کا جادو چل گیا ہے۔ عتبہ نے کہا:

"ماجرا یہ ہے کہ میں نے وہ کلام سنا ہے کہ ویسا پہلے کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ وہ شعر ہے، نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ اے گروہ قریش! میری بات مان لو اور اس کی ذمہ داری مجھ پر رہنے دو۔ اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس کے پیچھے نہ پڑو۔ خدا کی قسم جو کلام میں نے سنا ہے اس سے یقیناً کوئی بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے اگر اہل عرب نے اس سے نمٹ لیا تو دوسروں کے ذریعے تمہیں اس سے نجات ہو جائے گی۔ اگر وہ عرب پر چھا گیا تو اس کی سلطنت تمہاری سلطنت ہوگی اور اس کی طاقت تمہاری طاقت ہوگی۔ تم اس کے واسطے سے لوگوں میں سب سے بڑھ کر خوش نصیب ہو جاؤ گے۔"

عتبہ کی اس رائے کا خوب مذاق اڑایا گیا۔ اس کے بعد طے ہوا کہ محمد رسول اللہؐ کو دوبارہ سب کے سامنے یہی پیش کش کی جائے جو عتبہ کر آیا ہے۔ کعبہ کے اندر سب لوگ جمع ہوئے اور حضورؐ کو بلا بھیجا۔ آپ وہاں پہنچے تو سرداران قریش نے قریب قریب وہی باتیں دہرائیں جو عتبہ کہہ چکا تھا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ میں جو دعوت تمہارے سامنے لے کر اٹھا ہوں اسے اس لیے نہیں پیش کر رہا کہ اس کے ذریعہ تم سے مال و دولت حاصل کروں یا تمہارے اندر سرداری حاصل کروں یا تمہارے اوپر بادشاہت قائم کروں مجھے تو خدا نے تمہارے سامنے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھ پر

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب اتاری ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لیئے بشیر ونذیر بنوں۔ سو میں نے تم تک خدا کی ہدایات پہنچادی ہیں اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے اب جو کچھ میں لایا ہوں اگر اسے تم قبول کر لو تو وہ تمہارے لیئے دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے اور اگر تم اسے میری طرف واپس پھینک دو تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر دکھاؤں گا۔ یہاں تک کہ خدا میرے اور تمہارے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمائے؛

اس جواب کے بعد جب اُن کے پاس کوئی معقول عذر نہ رہا تو حجت بازی شروع کی۔ آپ نے ان لوگوں کی اس ہٹ دھرمی کو دیکھا تو وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر تشریف لے آئے۔ آپ پھر بھی ان سے مایوس نہیں ہوئے اور برابر ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔

حضرت ابوطالب سے شکوہ

قریش مکہ جب سارے داؤں ہار چکے تو آخری تیر یہ پھینکا کر چلو ابوطالب سے کہتے ہیں کہ وہ یا تو اپنے بھتیجے کو ہمارے بتوں کی مخالفت سے منع کر دے یا اس کی حمایت چھوڑ دے۔

جب یہ لوگ اُن کے پاس پہنچے، تو انہوں نے بڑے اچھے انداز سے اُن کی بات کو ٹال دیا اور انہیں رخصت کر دیا۔ قریش نے جب دیکھا کہ محمدؐ بدستور اپنا کام کیئے جا رہا ہے تو انہوں نے پھر مشورہ کیا اور دوبارہ جناب ابوطالب سے ملے۔

اس دفعہ ان لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ "محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیجئے اور ان کے بدلے میں عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو اپنی فرزندی کی عزت بخشئے"، مگر جناب ابوطالب نے ان کی اس تجویز سے بھی اتفاق نہ کیا۔

تیسری مرتبہ پھر مشورہ کیا گیا۔ اب کے وفد نے بڑی سخت باتیں کیں۔ جناب ابوطالب سے کہنے لگے کہ "اگر آپ انہیں منع نہیں کریں گے تو ہمیں آپ سے جنگ کرنا پڑے گی تاکہ معاملہ ایک طرف ہو جائے"۔

قریش کی یہ سختی دیکھ کر ابوطالب بہت فکر مند ہوئے۔ آنحضرتؐ کو بلا کر ساری بات بتائی اور مختصر لفظوں میں یہ نصیحت کی کہ "جانِ عم! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں" آنحضرتؐ نے جب یہ بات سنی تو مہربان چچا کو دو ٹوک بات کہہ دی تاکہ اس بارے میں آئندہ انہیں کوئی شبہ نہ رہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"چچا! خدا کی قسم! اگر اہل مکہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ کر کہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کہ ان کے عوض تبلیغ رسالت ترک کر دوں تو مجھے منظور نہ ہوگا۔ اگر اس راہ میں مجھے ہلاکت نظر آئے تب بھی میں پیچھے نہ ہٹوں گا۔

آنحضرتؐ کا یہ جواب سن کر ابو طالب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ فرمانے لگے اے بھتیجے! جا کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول جگہ جگہ پھر پھر کر اسلام کی تلقین کرتے رہے۔ جہاں کوئی میلہ ہوتا آپ وہاں پہنچ جاتے۔ کہیں کوئی خانہ بدوش قبیلہ اترا آپ وہاں کا چکر لگانا شروع کر دیتے اور کبھی ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیتے۔ آپ کی یہ خواہش ہوتی کہ حق کے پہنچانے میں اس طرف سے تاخیر نہ ہو۔ ان کاوشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر گھر میں کوئی نہ کوئی فرد اسلام کے لیئے اپنی جان کھپانے کو تیار ہو گیا۔

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

حضرت حمزہؓ رسول اللہ کے چچا تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ آپ کو شکار کھیلنے کا شوق تھا۔ ایک روز صید گاہ سے واپس لوٹے تو کنیز نے بتایا کہ ابوجہل نے محمدؐ کی توہین کی ہے۔ ویسے بھی معمول تھا کہ گھر واپس ہونے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ سیدھے وہاں پہنچے۔ ابوجہل پاتی جمائے محفل میں بیٹھا تھا۔ انہوں نے جاتے ہی زور سے اپنی کمان اس کے سر پر ماری جس سے اس کا خون نکل آیا۔ آپ نے ابوجہل اور تمام حاضرین کے سامنے اعلان کیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا کہ آج سے آپ کی مدد کروں گا اور خدا کی راہ میں اپنی جان کی بھی کوئی پرواہ نہ کروں گا۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

یہ نبوت کا چھٹا سال تھا اور ابن خطابؓ کی عمر اس وقت پینتیس برس تھی۔ بڑے وجیہ اور با حمیت تھے انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے کئی دوست اسلام لا کر ہجرت کر گئے ہیں تو بہت افسردہ ہوئے۔ لیکن اب اسلام ان کے گھر میں بھی پہنچ گیا تھا۔ ان کے بہنوئی سعید پہلے اسلام لائے۔ پھر ان کی بہن فاطمہ نے اسلام قبول کیا۔ نعیم بن عبداللہ ان کے خاندان کا کافی با اثر فرد تھا اس نے خفیہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے گھرانے کی ایک لونڈی لبینہؓ نے بھی کلمہ پڑھ لیا تھا۔ حضرت عمر لبینہؓ کو اتنا مارتے کہ تھک جاتے۔ ایک دن تنگ آ کر یہ فیصلہ کیا کہ اس جڑ کو ہی کیوں نہ کاٹ پھینکا جائے جس سے یہ سب شاخیں نکل رہی ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی تلوار نکالی اور سیدھے خانہ ارقم کی طرف روانہ ہوئے جہاں پر حضور تھے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں نے تیور دیکھ کر پوچھا کہ خیر تو ہے کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب ملا کہ آج

www.KitaboSunnat.com

بس محمدؐ کا خاتمہ کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم نے کہا کہ پہلے گھر کی تو خبر لو تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ آپ غصّے سے لال پیلے ہو گئے سیدھے گھر پہنچے اس وقت ان کی بہن اجزائے قرآنی کی تلاوت کر رہی تھیں۔ قدموں کی آہٹ سن کر ان اجزا کو فوراً چھپا دیا۔ حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ پوچھا ابھی تم کیا پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے ٹالنے کی کوشش کی۔ کہنے لگے کہ مجھے سب معلوم ہو چکا ہے تم اپنے آبائی دین سے پھر چکے ہو۔ اس کے بعد اپنے بہنوئی پر ٹوٹ پڑے۔ بہن نے بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کی تو ان کی بھی خبر لی۔ حتیٰ کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا۔

فاطمہ نے بھائی سے کہا کہ اے عمر! جو کچھ کر سکتے ہو کر لو مگر اسلام اب اس دل سے نہیں نکل سکتا۔" بھائی نے اس استقامت کے ساتھ بہن کے جسم سے خون بہتا دیکھا تو دل نرم ہو گیا عمرؓ کی قاہرانہ طاقت نے اس مظلومانہ منظر کے سامنے ہار مان لی گویا ہیرے کا جگر پھول کی پتی سے کٹ گیا تھا۔ فرمایا: اچھا سناؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ فاطمہؓ اوراق قرآن نکال لائیں اور سورۃ طٰہٰ پڑھنی شروع کی جب یہ الفاظ سامنے آئے:۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا	میں ہوں خدا، میرے سوا کوئی خدا نہیں تو
فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ	بندگی میری کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم
لِذِکْرِیْ ۔	کرو۔

تو ان پر یہ اثر ہوا کہ فوراً لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پکار اٹھے۔

اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر آنحضرتؐ سے ملنے روانہ ہوئے۔ تلوار اسی طرح ساتھ تھی۔ دروازہ پر پہنچے۔ کچھ صحابہؓ پریشان سے ہوئے لیکن حضرت حمزہؓ نے فرمایا: آنے دو اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟ نہایت عاجزی سے جواب دیا کہ ایمان لانے کے لیے۔ آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ اللہ اکبر نکلا تو ساتھ تمام صحابہؓ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

آپ کے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے پھیلانے کے سلسلہ میں بڑی تقویت ملی۔ ان کے اسلام لاتے ہی مسلمانوں کی طاقت میں اتنا اضافہ ہوا کہ حرم کعبہ میں علانیہ نماز پڑھی جانے لگی۔ عمر فاروقؓ نے اپنے اسلام کا خوب خوب اعلان کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد جب ایمان لائے تو معلوم کیا کہ قریش کا کون سا آدمی بات کو اچھی طرح نشر کر سکتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تو انہیں جمیل بن معمر جمحی کا نام بتایا گیا وہ علی الصبح ان کے ہاں پہنچے اور میں بھی ساتھ گیا کہ دیکھیں کیا کرتے ہیں۔ اس سے جا کر کہنے لگے کہ اے جمیل! کیا تجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میں اسلام لے آیا ہوں اور محمدؐ کے دین میں داخل ہوں۔ عبداللہ کہتے ہیں پس قسم ہے خدا کی۔ جمیل یہ سنتے ہی اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے دوڑا اور حضرت عمرؓ بھی ان کے پیچھے ہوئے اور میں بھی ان کے پیچھے، یہاں تک کہ جمیل خانہ کعبہ کے دروازہ پر آیا اور غل مچا کر کہا کہ اے گروہ قریش! عمر بن خطاب نے دین چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے پیچھے سے فرمایا، جھوٹا ہے میں نے دین نہیں چھوڑا بلکہ میں نے اسلام قبول کیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اہل قریش ان پر ٹوٹ پڑے۔ وہ والد سے خوب لڑے اور والد ان سے لڑے اور اسی ہنگامے میں شور مچ سر پر آ گیا۔ اسی اثناء میں ایک قریشی سردار یمنی حلہ اوڑھے ہوئے نمودار ہوا اور اس نے پوچھا کہ قصہ کیا ہے؟ اس نے بات سنی اور کہا کہ "اس شخص نے اپنے لیے ایک راستہ پسند کر لیا ہے تو اب تم کیا چاہتے ہو۔ سوچو تو سہی کہ کیا بنو عدی اپنے آدمی کو یوں تمہارے ہاتھوں میں دے سکتے ہیں۔ چھوڑ دو اسے" یہ سنتے ہی سب لوگ بادلوں کی طرح منتشر ہو گئے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ ہجرت مدینہ کے وقت میں نے والد سے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ عاص بن وائل تھے۔

عمر فاروقؓ نے اس اعلان کے بعد سب سے بڑے دشمن دین تک اسلام پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ صبح صبح ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر نکلا خوش آمدید کہا اور مدعا پوچھا۔ حضرت عمرؓ نے بتایا کہ میں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں۔ ابوجہل نے دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ: خدا کی مار تجھ پر اور تیری اس اطلاع پر۔ غرض اس طرح سے عمر فاروقؓ نے اسلام کی خوب خوب تبلیغ کی اور حق کو باطل سے ممیز کر کے سرکار رسالتمآبؐ سے فاروق کا خطاب پایا۔

شعب ابی طالب

(ایک عظیم آزمائش)

معاشرتی بائیکاٹ محرم ۷ نبوی | قریش کے سرداروں نے اسلام کو روکنے کے لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب تک بچتے اقدام کیے تھے ان سے اسلام کے نشوونما اشاعت میں معرفت یہ کوئی کمی نہ ہو سکے بلکہ اس کا الٹا اثر ہوا کہ ہر مومن کا ایمان اور پختہ ہو گیا۔ سونا کٹھالی میں پڑ کر کندن ہو گیا۔ کفار نے داعیٔ حق کا مذاق اڑایا۔ پھبتیاں کسیں اور پھر ہر قسم کا لالچ دیا۔ لالچ کے بعد ابو طالب کی معرفت دھمکی دینا چاہتے تھے۔ خیال ہو گا کہ ابو طالب ہاتھ کھینچ لیں گے اور محمدؐ خوفزدہ ہو جائیں گے۔ لیکن انہوں نے تو صاف کہہ دیا کہ میں احیاء اسلام کی کوششوں سے رُک نہیں سکتا۔ اس ساری صورت حال نے کفار کو جھنجلا دیا اور اب مشورہ کے بعد یہی حل سوچا کہ خاندان ہاشم کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا جائے چنانچہ نبوت کا ساتواں سال تھا۔ جب آپؐ کو مجبور کر دیا گیا کہ مکہ کو چھوڑ کر شعب ابی طالب میں چلے جائیں۔ کفار کے تمام قبائل نے مل کر حضورؐ کے خلاف ایک معاہدہ کیا جس کی رُو سے:

۱۔ کوئی شخص بنی ہاشم سے قرابت نہ کرے گا۔

۲۔ اُن کے ساتھ میل ملاقات نہ کرے گا۔

۳۔ اُن کے ہاتھ خرید و فروخت نہ کرے گا۔

۴۔ اور اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دے گا۔

۵۔ اگر خاندان ہاشم محمدؐ کو قتل کے لیے ہمارے حوالے کر دیں تو پھر یہ معاہدہ ختم تصور ہو گا۔

اس معاہدے کو منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کر دیا۔ اسلام کی وجہ سے اب پورا خاندان سخت ابتلاء میں تھا۔ یہ آزمائش کا زمانہ پورے تین سال تک رہا۔ اس دوران آپؐ اور بنی ہاشم کے دوسرے افراد کو سخت فاقوں سے دوچار ہونا پڑا۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم طلح پہاڑی بوٹی کی پتیاں کھا کھا کر گزارا کرتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس کو پانی میں دھویا۔ پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔ بچے بھوک سے بلبلاتے تو کفار باہر سُن سُن کر قہقہے لگاتے۔

• ایک دن حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا حکیم بن حزام اپنے غلام کے ذریعے تھوڑے سے گیہوں اپنی پھوپھی کے لیے لے جا رہا تھا۔ ابو جہل نے دیکھ لیا اور اس سے یہ گندم چھیننا چاہی۔ اسی وقت کہیں سے ابو البختری آنکلا۔ اگرچہ وہ کافر تھا لیکن اُسے رحم آ گیا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ ابو جہل نے کہا کہ یہ حکیم بن حزام بنی ہاشم کے لیے گیہوں لے جا رہا ہے میں اس کو لے جانے نہیں دیتا۔ ابو البختری نے کہا اس کی پھوپھی کے گیہوں اس کے پاس رکھے تھے۔ اس نے اپنی گندم منگائی ہے۔ تیرا کیا حرج ہے۔ اس کو جانے دو۔ ابو جہل نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ ابو جہل اور ابو البختری میں سخت کلامی کے بعد نوبت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نوبت پہنچی۔ ابوالبختری نے ابوجہل کے اونٹ کی، جس پر وہ سوار تھا، گردن پکڑ کر مروڑ ڈالی اور ایسا جھٹکا دیا کہ اونٹ بیٹھ گیا پھر ابوجہل کو گدی پکڑ کے کھینچ لیا اور اس کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر اس کی پیروں اور لاتوں سے خوب مرمت کی دکھ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے، یہ منظر حضرت حمزہؓ دیکھ رہے تھے اس سے ابوجہل اور اندوہناک ہوا۔ کیونکہ یہ سمجھتا تھا کہ اب میری اس درگت کی خبر حضورؐ اور صحابہؓ کو پہنچے گی اور وہ میری ذلت کی خبر سن کر خوش ہوں گے۔

تین سال کے بعد خود دشمنوں کو رحم آگیا اور اس معاہدہ کو ختم کرنے کی تحریک شروع ہوئی ہشام بن عمرو جو ری پیچھے علانیہ بھیجا کرتا تھا۔ ایک دفعہ زبیر کے پاس گیا جو عبدالمطلب کا نواسہ تھا اور اس سے کہا کہ تم تو ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو یک دانہ تک نصیب نہ ہو۔ کیا تمہیں یہ بات اچھی لگتی ہے؟ زبیر نے کہا کہ میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں ہشام نے کہا کہ میں تمہارا ساتھ دیتا ہوں۔ دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے، ابوالبختری اور ہشام وغیرہ سب مل کر دوسرے روز حرم میں گئے۔ ابوجہل وہاں موجود تھا اس نے بہت مخالفت کی لیکن مطعم نے ہاتھ بڑھا کر اس دستاویز کو چاک کر دیا۔ بعد پھر مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری اور زبیر سب ہتھیار باندھ کر شعب ابی طالب پہنچے اور بنو ہاشم کو نکال لائے۔ اس طرح سنہ نبوی میں یہ معاشرتی بائیکاٹ ختم ہوا۔

عام الحزن غم کا سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب سے نکلے ہی تھے کہ کچھ عرصہ بعد جناب ابوطالب کا انتقال ہوگیا اور ان کے بعد جلد ہی حضرت خدیجہؓ بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ آنحضرتؐ پر ان کی موت کا بے حد اثر ہوا۔ آپؐ نے خود اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال فرمایا۔

ان دو ظاہری سہاروں کے ہٹ جانے کے بعد مخالفتوں کا طوفان اور بڑھ گیا تھا۔ ایک مرتبہ دشمنان حق بیٹھے تذکرہ کر رہے تھے کہ محمدؐ کے معاملہ میں جو کچھ ہم نے برداشت کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی اثناء میں آنحضرتؐ بھی وہیں تشریف لے آئے ان لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ تم ایسا کہتے ہو؟ جواب میں "ہاں" کہنا تھا کہ چاروں طرف سے دھاوا بول دیا گیا۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ قریش کی طرف سے اس سے بڑھ کر حضورؐ کے خلاف میں نے کوئی دراز دستی نہیں دیکھی۔

ایک بار کسی بدبخت نے راہ چلتے حضورؐ کے سر پر کیچڑ ڈال دیا۔ آپؐ گھر پہنچے تو حضرت فاطمہؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے دیکھا وہ زار و قطار رونے لگیں۔ آپ کا سر مبارک دھویا اور کہنے لگیں: ابا جان! آپ لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور لوگ آپ کو ستاتے ہیں!! آپ نے فرمایا، پیاری بیٹی! تو اس بات کا غم نہ کر تیرا ابا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس دعوت کو لے کر آیا ہے وہ ہر کچے اور پکے مکان تک پہنچ کر رہے گی اور خداوند تعالیٰ تیرے باپ کو بچائے گا۔

طائف کا سفر

مکّی سرزمین میں آپ جب تبلیغ کا حق ادا کر چکے تو آپ نے بیرونِ مکہ اسلام کو پھیلانے کا پروگرام بنایا۔ باہر جانے سے پہلے ایک روز آپ نے صبح سے شام تک مکہ کی ساری گلیوں میں گشت کیا۔ ہر ایک تک اسلام کی دعوت پہنچانے کی کوشش کی مگر کسی نے بھی توجہ نہ دی۔ دوسرے روز آپ پاپیادہ طائف روانہ ہوئے۔ آپ کے خادم زید بن حارثؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبائل تھے ان تک دعوتِ حق پہنچائی۔ طائف پہنچے اور وہاں کے تین بڑے سرداروں عبدیالیل، مسعود اور حبیب سے ملے۔ یہ تینوں بھائی تھے۔ آنحضرتؐ نے اُن کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش فرمائیں۔ ایک نے کہا: میں کعبہ کے سامنے ڈاڑھی منڈا دوں اگر تجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہو۔ دوسرا بولا: کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا جسے چڑھنے کے لیے سواری بھی میسّر نہیں۔ اسے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا! تیسرا بولا: تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں۔

اگر یہ ظالم اسی متکبرانہ گفتگو تک ہی محدود رہتے تو بھی کافی تھا لیکن ان بدبختوں نے شہر کے اوباشوں کو آنحضرتؐ کے پیچھے لگا دیا۔ جس طرف آپ گئے گزرگاہ کے دونوں طرف سے آپ پر پتھر پڑنے شروع ہوئے حتیٰ کہ آپ کا مبارک جوتا خون سے بھر گیا۔ آپ تھک کر بیٹھ جاتے تو شقی تھام کر کھڑا کر دیتے اور پھر پتھر برسانے شروع کر دیتے۔ لونڈے تالیاں پیٹتے اور گالیاں دیتے جاتے۔ بمشکل تمام آپ نے ایک باغ کے احاطہ میں انگوری بیلوں کے اندر پناہ لی۔ یہ احاطہ عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ وہ کافر ہونے کے باوجود رحم دل تھا۔ اُس نے حضورؐ کی حالت دیکھی تو اپنے غلام عداس کے ہاتھ ایک پلیٹ میں انگور رکھ کر بھیجے۔ نبی کریمؐ نے بسم اللہ پڑھ کر انگور کھانا شروع کیے۔ عداس کو اس کلام پر حیرت ہوئی تو کہا: یہ ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے۔

آپ نے فرمایا: تم کہاں کے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟ عداس نے جواب دیا میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ ہوں۔ نبیؐ نے فرمایا: کیا تم مردِ صالح یونس بن متی کے شہر کے باشندے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو؟ عداس نے کہا: آپ کو کیا خبر ہے کہ وہ کون تھا اور کیسا تھا؟ حضورؐ نے فرمایا "یونس میرا بھائی تھا وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔"

عداس یہ سنتے ہی جھک پڑا اور اس نے نبیؐ کا سر ہاتھ اور قدم چوم لیے۔

ابن ربیعہ نے غلام کو دیکھ لیا تھا وہ اس پر خفتے ہُوا اور اسے ڈانٹا کہ خیال کرنا کہیں تم اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا۔

بددعا نہ کرنا اس سفر میں آپ کو بڑی ایذاؤں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ فرماتے تھے: "میں ان لوگوں کے لیے کیوں بددعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہُوا۔ امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لانے والی ہوں گی۔"

آپ کو مکہ میں واپس داخل ہوتے وقت خطرہ تھا تو آپ نخلہ میں چند روز ٹھہرنے کے بعد غارِ حرا میں تشریف لے آئے۔ وہاں سے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ عربی روایات کے مطابق اس نے حضورؐ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ بیٹوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں چلو۔ خود رسول اللہؐ کو ساتھ لایا اور مکہ میں آکر اونٹ پر سے اعلان کیا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے۔ مطعم کے بیٹے آپؐ کو تلواروں کے سائے میں حرم میں لائے وہاں آپؐ نے نماز ادا کی اور پھر گھر میں پہنچا دیئے گئے۔ اس واپسی کے سفر میں جنوں کی ایک جماعت قرآن کریم سُن کر آپ پر ایمان لائی۔

مکہ واپس پہنچ کر آپ نے پھر باہر سے آنے والے قبائل اور افراد میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ اکثر و بیشتر ابوبکر صدیقؓ بھی آپؐ کے ہم سفر ہوتے تھے۔ اسی زمانہ میں ضماد ازدی عرب کا مشہور جادوگر ایمان لایا۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تو اس لیے ہُوا تھا کہ آپؐ کا علاج کرے۔ لیکن جب نبی کریمؐ نے قرآن کریم کی تلاوت کی تو بے اختیار بول اٹھا کہ محمدؐ ذرا اپنا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں اسلام کی بیعت کر لوں۔ اسی طرح طفیل بن عمرو دوسی، قبیلہ دوس کا سردار مکہ آیا تو اسے کافروں نے حضورؐ کے متعلق اتنا بدگمان کر دیا تھا کہ جب وہ کعبہ کے قریب جاتا تو کانوں میں روئی ڈال لیتا۔ ایک روز صبح انہوں نے آپؐ کا کلام سُن لیا حضورؐ فارغ ہو کر چلے تو یہ بھی ساتھ ہو لیا۔ وہاں پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ اسی زمانہ میں حضرت ابوذر غفاری نے اسلام قبول کیا۔

معراج ۲۷ رجب ۱۲ سنہ نبوی

معراج کی وجوہ ۱۔ دنیا میں انبیاء خداوند کریم کے نائب ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کائنات کے اندرونی نظام کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں ... پیغمبر کے سامنے ... ہے جو عام انسانوں پر ظاہر نہیں کیئے جاتے جیسے حضرت ابراہیمؑ کو مشاہدہ کرایا گیا کہ کس طرح مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی مختلف راز بتائے گئے۔ اسی طرح ایک مشاہدہ معراج کا بھی ہے۔

۲۔ حضورؐ کو مکہ میں ۱۲ سال دعوت دین کا کام کرتے گزر چکے تھے اور اب مدینہ منتقل ہو کر ریاست بنانے کا وقت قریب آگیا تھا اس لیئے اب آپ کو رب العالمین وہ اصول بتانا چاہتے تھے جن پر چل کر اسلامی ریاست کو مستحکم ہونا تھا۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں ان اصولوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور معراج میں کئی رازوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

معراج کے واقعات

حضورؐ کی عمر ۵۲ برس تھی۔ آپ حرم کعبہ میں سو رہے تھے کہ آپ کو حضرت جبریلؑ نے جگایا۔ آپؐ کو زمزم کے پاس لے جایا گیا جہاں سینہ مبارک چاک کر کے آب زمزم سے دھویا گیا۔ پھر اسے علم، بردباری، دانائی، ایمان اور یقین سے بھر دیا گیا۔ آپ کو براق پر سوار کرایا گیا پہلی منزل مدینہ، دوسری طور سینا، تیسری بیت لحم اور چوتھی بیت المقدس تھی جہاں پر آپ نے تمام نبیوں کی امامت فرمائی۔

یہاں سے فارغ ہو کر آپؐ نے آسمان کی طرف چڑھنا شروع کیا اور اسی کو معراج کہا جاتا ہے۔ پہلے آسمان پر آپ کو حضرت آدمؑ ملے اور دوسرے مشاہدات کرائے گئے دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کی۔ تیسرے پر حضرت یوسفؑ چوتھے پر حضرت ادریسؑ، پانچویں پر حضرت ہارونؑ، چھٹے پر حضرت موسیٰؑ اور ساتویں پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ اسی مقام کے قریب آپ کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ پر جبریلؑ ٹھہر گئے اور آپ تنہا آگے بڑھے۔ ایک بلند ہموار سطح پر پہنچے تو بارگاہ جلال سامنے تھی۔ آپ کو ہم کلامی کا شرف بخشا گیا جو باتیں ارشاد ہوئیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں :

۱۔ پہلے پچاس اور پھر حضرت موسیٰ سے ملاقات کے بعد ان میں تخفیف کی درخواست کی تو پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

۲۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیات تعلیم فرمائی گئیں۔

۳۔ شرک کے سوا دوسرے سب گناہوں کی بخشش کا امکان ظاہر کیا گیا۔

واپسی پر پھر آپ بیت المقدس پہنچے اور براق سے واپس مکہ پہنچ گئے۔ صبح آپ نے یہ واقعہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُنایا تو ہر طرف سے مذاق کیا جانے لگا۔ ابوجہل نے حضرت ابوبکرؓ سے سارا قصہ بیان کیا مگر صدیقِ اکبرؓ نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے تو ضرور سچ ہوگا۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میں تو روز سُنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے پیغام آتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے اس پر اُن کو صدیق کا خطاب دیا۔

یثرب میں اسلام کا چرچا

بیعتِ عقبۂ اُولیٰ

۱۱ نبوی کو حج کے موسم میں حسبِ معمول نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کے لیے چکر لگا رہے تھے کہ آپؐ نے مکّے سے چند میل پرے عقبہ کے مقام پر کچھ لوگوں کو باتیں کرتے سُنا۔ یہ چھ آدمی تھے اور یثرب سے آئے تھے۔ ان لوگوں نے یہود سے آنے والے نبی کا ذکر سُنا تھا۔ جب آنحضرتؐ نے ان کے سامنے خدا کی توحید اور اپنی رسالت کا اظہار کیا تو وہ فوراً ایمان لے آئے۔ یہ لوگ واپس گئے تو یثرب کے گھر گھر میں آنحضرتؐ کا ذکر ہونے لگا۔ اگلے سال ۱۲ نبوت کو ۱۲ شخص وہاں سے مکّے پہنچے اور حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اس کی شرائط یہ تھیں:

۱۔ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

۲۔ ہم چوری اور زناکاری نہیں کریں گے۔

۳۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔

۴۔ ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کھائیں گے۔

۵۔ ہم نبیؐ کی اطاعت ہر ایک اچھی بات میں کیا کریں گے۔

انہوں نے حضورؐ سے ایسے معلّم کی خواہش ظاہر کی جو انہیں اسلام کی تعلیمات سکھا سکے تو آپؐ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو یثرب بھیج دیا۔ اس بیعت کو بیعتِ عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے۔

بیعتِ عقبۂ ثانیہ

حضرت مصعبؓ اور مدینہ کے دوسرے مسلمانوں کی سعی و جہد سے بڑی تیزی سے اسلام یہاں پھیلنے لگا۔ سعد بن معاذ اور اُسید، جو اپنے قبیلوں کے سردار تھے جلد ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ بلکہ ایک دن حضرت سعدؓ کا پورا قبیلہ ان کی کوششوں سے مسلمان ہوگیا۔ ۱۳ نبوت کو پھر یہاں سے قافلہ تیار ہوا جو آنحضرتؐ سے ملنے کا مشتاق تھا۔ اس میں تہتر مرد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دو عورتیں تھیں۔ اب کے یہ لوگ آپؐ کو یثرب لانے کی درخواست بھی کرنا چاہتے تھے۔ رات کی تاریکی میں رسول کریمؐ اپنے چچا عباسؓ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے عباسؓ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر آپؐ کی مدد کرتے تھے۔ رات ایک تہائی گزر چکی تھی۔ گفتگو شروع کرتے ہوئے حضرت عباسؓ نے فرمایا:

"لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ قریش محمدؐ کے جانی دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے کوئی عہد و اقرار کرنے لگو تو پہلے سمجھ لو کہ یہ نازک اور مشکل کام ہے۔ محمدؐ سے عہد و پیمان کرنا سُرخ و سفید کو دعوت دینا ہے۔ جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو ورنہ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ کرو۔"

اس کے بعد آنحضرتؐ نے خدا کا کلام انہیں سُنایا۔ پیغام حق ان تک پہنچایا اور پھر فرمایا کہ:

"میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری معاونت اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کی مانند کرو گے۔"

انصار مدینہ کی طرف سے براء بن عازب کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

"اے رسولِ خدا! آپؐ جو کچھ چاہتے ہیں ہم اس پر بیعت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم: ہم لوگ تلواروں کے سائے میں پلے ہیں۔ ہتھیار ہمارے کھیل کا سامان ہیں جسے ہم نے آباؤ اجداد سے ترکہ میں حاصل کیا ہے۔"

اس کے بعد ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! ہم سے یہود کے تعلقات ہیں۔ بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ جب آپؐ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپؐ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے آئیں؟"

یہ سُن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمایا:

"تمہارا خون میرا خون ہے۔ جہاں تمہارا خون گرے گا میرا بھی وہیں گرے گا۔ تم میرے بعد میں تمہارا ہوں۔ تم جس سے جنگ کرو گے میں تمہارے ساتھ شریک ہوں گا اور جس کے ساتھ تمہاری صلح ہو گی میں بھی اس کا حلیف ہوں گا۔"

اس کے بعد لوگ بیعت کے لیے اُمڈ پڑے۔ آپؐ نے اس گروہ میں سے ۱۲ نقیب مقرر فرما دیئے جن میں سے ۹ خزرج کے اور ۳ اوس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

کفار کو دوسرے روز جب اس کارروائی کا علم ہوا تو بہت بگڑے۔ اسلام کو یثرب میں پناہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مل چکی تھی۔ نبی کریمؐ نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جائیں اور اس طرح چوری چھپے مسلمان ہجرت کرنے لگے۔ کفار کی پریشانی میں دن بدن اضافہ ہونے لگا اور ان کا خوف بڑھنے لگا کہ اب مسلمانوں کو یثرب میں بنو خزرج اور اوس کی معاونت حاصل ہو گئی ہے۔ جب بھی محمدؐ وہاں پہنچ جائیں گے تو پھر پورا علاقہ اسلام کا گہوارہ بن جانے لگا۔ آخر یہ منصوبہ سوچا کہ مکہ کے ہر قبیلے سے ایک ایک شمشیر زن نوجوان نکلے اور سب مل کر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دیں تاکہ بنو ہاشم تمام قبائل سے لڑ نہ سکیں اور خون بہا سب پر تقسیم ہو جائے۔

قریش کے دارالندوہ میں اُدھر وہ منصوبہ شیطانی بن رہا تھا اور ادھر خدائے رحمٰن نے اپنے حبیب کریمؐ کو ہجرت کا حکم صادر فرما دیا۔ یہ وہی پُر اسرار رات تھی۔ ایک طرف کفار کے نوجوان آپؐ کے دولت کدہ کو گھیرنے والے ہیں۔ دوسری طرف آپؐ ابو بکر صدیقؓ کو خفیہ یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ انتظام مکمل کر لو آج شب مکہ کو الوداع کہنا ہے اس وقت مکہ میں آپؐ، صدیق اکبرؓ اور علی المرتضیٰؓ رہ گئے تھے۔ اب آپؐ کی زندگی کا ایک نیا موڑ ہے۔ اس وقت آپؐ کی مکی زندگی کا دور ختم ہوتا ہے اور آپؐ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ آئندہ یثرب میں رہیں گے جو آپؐ کے تشریف لے جانے کے بعد مدینۃ النبی سے مشہور ہوا اور آج تک اسے مدینہ ہی کہا جا رہا ہے۔

اہم سوالات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اسلام کی کس طرح تبلیغ کی اور آپ کو اس میں کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی؟

۲۔ کفار مکہ نے اسلام کو روکنے کے لیے کون کون سی تدابیر کیں اور ان کا کیا اثر ہوا؟

۳۔ ہجرت حبشہ کا حال اور اس کے نتائج بیان کیجئے؟

۴۔ بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کسے کہتے ہیں۔ اس کی شرائط کیا تھیں۔ کس بنیاد پر اسے ہجرت مدینہ کا پیش خیمہ کہا جا سکتا ہے؟

۵۔ طائف کے سفر کا حال قلمبند کرو؟

۶۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی پر ایک جامع مضمون تحریر کیجئے۔ (سرگودھا بورڈ ضمنی ۱۹۶۲ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳۱

ہجرتِ مدینہ

اسلامی اصطلاح میں صرف اللہ کے دین کی خاطر وطن کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلے جانا جہاں دین کے تقاضے پورے ہو سکیں ہجرت کہلاتا ہے۔ مکہ میں نبی کریمؐ نے مسلسل تیرہ سال یہ سعی فرمائی کہ کفار کے دلوں کو شرک اور بُت پرستی سے پاک کیا جائے حتیٰ کہ وہ نفوس جن کے اندر کچھ بھی قبولِ حق کی صلاحیت تھی۔ انھوں نے کفر کے میل کو ہٹا کر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو اپنے دل میں بسا لیا تھا۔ باقی صرف ایسے لوگ رہ گئے تھے جن پر حق واضح ہو چکا تھا مگر وہ ہٹ پر قائم تھے۔ اس دوران آپؐ نے پہلے مسلمانوں کو ملکِ حبش بھیجا۔ وہاں کے بادشاہ نے اگرچہ اچھا سلوک کیا مگر بگڑے ہوئے پادریوں نے اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی۔ اس مذہبی طبقہ کی گرفت بادشاہ اور رعایا دونوں پر سخت تھی۔ پھر آپؐ نے طائف میں جا کر جائزہ لیا لیکن وہاں کے لوگوں نے مکے کے باشندوں کو بھی انکارِ حق میں پیچھے چھوڑ دیا۔ اب آپ کے سامنے صرف یثرب رہ گیا تھا جس کے لئے خداوند تعالیٰ نے خود کئی اسباب مہیا فرما دیئے۔

یثرب کی صورت حال

یثرب ایک پُرانی بستی ہے۔ قدیم زمانہ سے یہودیوں نے یہاں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ یہ بڑے صاحبِ اقتدار اور دولت مند تھے۔ سیلِ عرم کے بعد بنو قحطان کے دو بھائی اوس اور خزرج بھی یمن سے آ کر یہاں آباد ہوئے ان کی نسل بڑھی تو یثرب میں یہود کے بعد دوسری طاقت سمجھے جانے لگے۔ کمزور تو تھے ہی اس لیئے یہودیوں کے حلیف بن گئے۔ اس معاہدۂ اعانت کو یہود نے خود بعد میں توڑ دیا۔

یہود کے قبائل میں بنو قُریظہ، بنو نضیر اور قینقاع کافی مشہور ہوئے۔ ان کے اندر فطیون نامی رئیس نے بڑی قوت حاصل کر لی۔ وہ بدکار اور عیاش تھا اس نے یثرب کی آبادی میں حکم نافذ کیا کہ جو دُلہن بیاہی جائے وہ اس کے شبستانِ عیش سے گزر کر ازدواجی زندگی میں داخل ہو۔ ایک دن مالک بن عجلان قحطانی کی بہن کی شادی ہو رہی تھی۔ وہ شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی کے سامنے بے حجابانہ آ گئی۔ مالک نے سخت ملامت کی۔ اُس نے کہا "ہاں! کل جو کچھ ہوگا وہ اس سے بڑھ کر ہے"۔ حسبِ رواج جب مالک کی بہن فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو بھائی بھی زنانہ لباس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہن کر دلہن کی سہیلیوں کے ساتھ چلا گیا اور فطیون کو قتل کر دیا اور شام کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں پر ایک غسانی حکمران کا سکہ چل رہا تھا۔ اس نے یہود پر حملہ کیا اور کئی یہودی سرداروں کو تہ تیغ کیا۔ جو اوس اور خزرج کے سرداروں کو بلا کر انعامات دیئے۔ اس سے یہود کمزور اور انصار طاقت ور ہو گئے۔

اوس و خزرج کے سامنے یہود آنے والے نبی کا تذکرہ کرتے تھے اور انہیں دھمکیاں دیتے تھے کہ وہ نبی جب آئے گا تو ہم تم پر حکومت کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مکہ میں عقبہ کی گھاٹی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے لوگوں کو رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ وہی نبی ہے جس کا یہود کو انتظار ہے۔ اس کے بعد دونوں بیعتیں ہوئیں۔ بیعت ثانی کے موقع پر انصار نے حضورؐ کو یثرب آنے کی دعوت دی۔

ہجرت کے اسباب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ سے ہجرت کرنے کا پہلا سبب یہ ہوا کہ آپ نے خوب اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا کہ مکہ کی عظیم اکثریت اپنی پرانی ڈگر سے ہٹنے کو تیار نہیں اور اسلام کے پورے نظام کو چلانے کے لیے اس کافر اکثریت کے شہر مکہ کو خیرباد ہی کہنا پڑے گا۔ ابھی تو رسول کریمؐ نے ان کے دیوتاؤں کی مخالفت کی تھی۔ اسلام کے معاشی اور اخلاقی نظام کو تو نافذ ہی نہ کیا تھا۔ اس کے لیے ایک مرکز کی ضرورت تھی اور ایسی آبادی کی جو اس پورے نظام کے نفاذ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ انصار نے اسلام کو جس فراخ دلی سے قبول کیا تھا۔ اس سے آپ کو پورا یقین ہو گیا کہ اب مکہ کو چھوڑ کر یثرب کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہئے۔

۲۔ مکہ چھوڑنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ آنحضرتؐ وہاں کے لوگوں کی فطرت سے خوب واقف تھے۔ یہ لوگ جس بات کو مانتے تو پوری وفاداری سے مانتے تھے اور جس سے انکار کرتے اس میں بھی پوری شدت دکھاتے۔ اسلام کے ساتھ ان کا یہی معاملہ تھا۔ جتنے لوگوں نے اس راہ کو اختیار کیا تو وہ قبیلہ کی مخالفت، قوم کی دشمنی اور تمام مصیبتوں کے علی الرغم اس پر چلتے گئے۔ جنہوں نے انکار پر اصرار کیا تو پھر ان کو کوئی معجزہ بھی اس سے نہ ہٹا سکا۔ اب ان لوگوں پر محنت کرنا عبث تھا۔ اس لیے آپ نے یہاں وقت ضائع کرنے کی بجائے باہر نکلنا پسند فرمایا۔ مدینہ کی ہجرت سے پہلے طائف جانے کی وجہ بھی یہی خیال تھا۔

۳۔ تیسرا سبب یہ ہوا کہ جن اوس و خزرج کے جن لوگوں نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کی اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کی کوششوں سے مدینہ میں دعوت اسلامی کو خوب فروغ حاصل ہوا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حضرت مصعبؓ نے جب رسول کریمؐ کو رپورٹ پیش کی تو آپ کو خیال ہوا کہ وہاں حالات سازگار ہیں۔

۴۔ چوتھا سبب، مسلمانوں پر قریش کا ظلم و ستم بنا۔ کفار نے اسلام لانے والوں پر ہر قسم کی اذیت روا رکھی ہوئی تھی اس لیے پہلے مسلمانوں کو حبشہ میں پناہ لینا پڑی۔ اب انصار کا شہر ان کے لیے حبشہ سے بھی زیادہ محفوظ ہو سکتا تھا۔ اس بنا پر مظلوم مسلمان آہستہ آہستہ ہجرت کرنے لگے۔

۵۔ پانچواں سبب، مدینہ کی دفاعی حیثیت تھی۔ اس کے تین طرف پہاڑی سلسلے تھے اور ایک طرف نخلستان تھے۔ اگر باہر سے کوئی اس پر حملہ کرے تو دفاع بڑی آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا تھا۔ آب وہوا اور پیداوار کے لحاظ سے بھی مہاجرین کی آباد کاری میں سہولتیں تھیں۔ پھر یہ کہ رسول اللہؐ انصار مدینہ کے ساتھ مل کر قریش کی تجارتی شاہراہ پر اپنا کنٹرول کر سکتے تھے۔ قریش کے تمام تجارتی قافلے بحر احمر کے کنارے کنارے مکہ سے شام تک اسی راستے سے جاتے تھے۔ اس گزرگاہ سے کم سے کم ۲½ لاکھ اشرفی سالانہ کی تجارت ہوتی تھی۔

۶۔ چھٹا اور فوری سبب یہ ہوا کہ کفار مکہ نے نبی کریمؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور ٹھیک جس رات اس منصوبہ پر عمل ہونا تھا اسی شب خدا کے حکم کے تحت آپؐ نے مکہ کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ہجرت کے واقعات

کفار کے نوجوان ننگی تلواریں لیے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر چکے تھے۔ آپؐ نے اپنے پیارے بھائی علیؓ کو لوگوں کی امانتیں سپرد کیں اور اپنے بستر پر سو رہنے کو کہا اور فرمایا:

"ذرا فکر نہ کرنا کوئی شخص تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔"

خدا کا رسولؐ خدا کی حفاظت میں گھر سے نکلا۔ محاصرہ کرنے والوں کو کوئی خبر نہ ہوئی۔ آپ سیدھے ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور دونوں رات کی تاریکی میں روانہ ہوئے۔ حضورؐ نے کعبہ کو دیکھ کر فرمایا: "مکہ! تو مجھ کو دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔" صبح سے پہلے ہی یہ مختصر سا قافلہ غارِ ثور میں پناہ لے چکا تھا۔ غارِ ثور مکہ سے جانب جنوب ہے جبکہ مدینہ کا عام راستہ شمال کی طرف ہے۔ تین شب و روز آپؐ نے اسی غار میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ بکریوں کا ریوڑ وہاں لے آتا بقدر ضرورت دودھ لے لیا جاتا۔ حضرت اسماءؓ روزانہ گھر سے کھانا پکا کر شام کو غار میں پہنچا آتیں اور عبداللہ بن ابوبکرؓ کفار کی دن بھر کی خبریں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضورؐ کو رات کے وقت آکر سنا جاتے۔

صبح کو قریش نے دیکھا کہ حضورؐ کے بستر پر تو علیؓ سوئے ہوئے ہیں۔ کافر سخت پشیمان ہوئے اور حضورؐ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ غار ثور کے قریب پہنچ گئے حضرت ابوبکرؓ نے دشمنوں کے قدموں کی آہٹ سن لی تھی۔ بڑے غمزدہ ہوئے۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا گھبراؤ نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ کفار حضورؐ کو ڈھونڈ کے اور واپس چلے گئے مکہ میں آکر یہ اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک خون بہا یعنی ۱۰۰ اونٹ کے برابر انعام دیا جائے گا۔

چوتھے روز آپ غار سے نکلے۔ دو اونٹنیوں پر یہ قافلہ روانہ ہوا۔ عام راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع ہوئے۔

سراقہ کا تعاقب

مکہ میں کسی راہرو نے قریش کو بتایا کہ فلاں راستے پر میں نے ایک مختصر سا قافلہ دیکھا ہے شاید وہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہوں سراقہ بن جعشم بھی اس نغل میں موجود تھا۔ اس نے یہ سنا تو نیت بدل گئی۔ کہنے لگا میں بھی اسی راستے سے آرہا ہوں وہ تو فلاں قبیلے کے لوگ ہیں۔ وہ خود ۱۰۰ اونٹ کا انعام حاصل کرنا چاہتا تھا اہل مجلس کو یقین دلانے کے لیے تھوڑی دیر وہیں بیٹھا رہا۔ پھر گھر آیا۔ اپنی عوذ نامی گھوڑی پر زین کسی۔ ہتھیار لگائے اور سر پر خود پہن کر نکل کھڑا ہوا۔

سراقہ کی گھوڑی اڑتی جا رہی تھی۔ اب وہ راستہ آگیا تھا جس کے متعلق راہرو نے بتایا تھا۔ دور چٹان کے نیچے اللہ کا رسولؐ اور ان کا ساتھی تشریف فرما تھے۔ کھانا تناول فرما کر دوبارہ آپ روانہ ہونے ہی تھے کہ سراقہ کو آتے دیکھا۔ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی ہمیں اس کے شر سے بچا۔ ادھر زبان سے یہ الفاظ نکلے اور ادھر گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ گر گیا۔ سمجھ گیا کہ فال بری ہے۔ تین مرتبہ سراقہ نے بری نیت سے اپنی گھوڑی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی مگر ہر بار گرا بالآخر حضورؐ سے امان طلب کی اور آپؐ نے اسے امان دے دی۔ آپؐ نے سراقہ کو بشارت دی کہ میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ بعد میں یہ پیشین گوئی پوری ثابت ہوئی۔ اس کے بعد قافلہ پھر روانہ ہو گیا۔ کئی جگہوں پر ٹھہرتے ہوئے منزل تک پہنچے۔

مدینے میں آمد

آپؐ کی روانگی کی خبر مدینہ طیبہ پہنچ چکی تھی۔ ہر روز لوگ صبح ہی سے شہر کے باہر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کے دیدار کے منتظر ہوتے ۔ دوپہر تک آنکھیں بچھی رہتیں ۔ پھر مایوس ہو کر واپس ہو جاتے ۔ آخر وہ دن آیا جب بچے فرط جوش سے کہتے پھرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں ۔

رسول کریم کا قافلہ مدینے سے تین میل کے فاصلے پر قبا بستی میں آ رکا ۔ چار روز یہاں پر قیام فرمایا اور اس عرصہ میں ایک مسجد تعمیر فرمائی ۔ انصار مدینہ جوق در جوق آنے لگے ۔ حضرت علی بھی مکہ میں اپنا کام ختم کر کے یہیں حضور سے آملے ۔

۱۲ ربیع الاول سنہ ہجری جمعہ کے دن آپ قبا سے مدینہ کے لیئے روانہ ہوئے ۔ راستے میں نماز جمعہ ادا فرمائی اور فارغ ہو کر یثرب میں داخل ہوئے ۔ ہر طرف خوشی کی لہر تھی ۔ مسرت سے گاتے گاتے جا رہے تھے ۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعْ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَى لِلّٰهِ دَاعْ

چاند نکل آیا ہے ۔
کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں ۔

آپ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر قیام فرمایا اور ان کے دو منزلہ مکان کی نیچے والی منزل میں رہنے لگے ۔

آج سے آپ کی آمد کی خوشی میں یثرب کا نام مدینۃ النبی قرار پایا ۔

ہجرت کی اہمیت تاریخ اسلام میں ہجرت مدینہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ اسی عظیم الشان واقعہ سے ہجری سال کا نام پڑا ۔ کاروان اسلام کا یہ سنگ میل ہے جہاں محکومی و مظلومی ختم ہوتی ہے اور فرمانروائی کا دور شروع ہوتا ہے ۔

مکہ میں رہ کر آپ نے افراد کی ایک ایسی جماعت تیار کر لی تھی جو خداوند قدوس کی رضا طلبی کی خاطر ہر حکم ماننے کو تیار تھی ۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضرتؐ نے ان کارکنوں کی مدد سے ایک اجتماعی نظام تشکیل دیا ۔ کوئی اعلیٰ نظام بغیر ذمہ دار اور تجربہ کار کارکنوں کے چل نہیں سکتا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیئے مدینہ سے پہلے مکی دور تربیت ضروری تھا۔ جب وہاں مسالہ پوری طرح تیار ہوگیا تو اب کوئی ایسی جگہ تو ہونی چاہیئے تھی کہ اس مسالے سے عمارت کھڑی کی جاتی۔ مدینہ کو یہ سعادت میسر آئی۔

ہجرت کے بعد مدینہ اسلامی ریاست کا پہلا دار الخلافہ بنا۔ مدینہ میں بسنے والی تمام آبادی نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ہمارے درمیان ہونے والے ہر تنازع کا آخری فیصلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔ اس طرح اس ریاست کا حاکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا گیا۔

مکی دور میں اسلامی طاقت منتشر تھی۔ ہجرت کے بعد مسلمان ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اب اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ پرانے جمے ہوئے نظام جاہلیت سے ایک فیصلہ کن جنگ شروع ہو یہی زمانہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم ملا۔

اوس اور خزرج کے درمیان جنگ کے باعث جو کشیدگی باقی تھی، اسے آپ نے ختم کرایا اور اوس و خزرج کے قبائل باہم شیر و شکر ہو گئے۔ ان کے اس اتحاد اور آنحضرت کی تشریف آوری سے یہود کا اقتدار ختم ہو گیا اور اسلام کی آمد سے ان کی مذہبی برتری بھی نہ رہی۔

مدینہ۔ اسلامی ریاست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر شروع کی۔ یہ گویا ایک مذہبی اور اجتماعی امور کا مرکز تھا۔ ابو ایوب انصاری کے گھر کے قریب ہی زمین کا ایک خالی ٹکڑا پڑا تھا جسے آپ نے خرید فرمایا۔ کچی اینٹوں کی دیواریں بنائی گئیں۔ کھجور کے ستون اور اس کے پتوں سے چھت ڈال دی گئی۔ اس کی تعمیر کے دوران خدا کے رسولؐ خود اینٹ گارا اٹھاتے رہے۔

اس سے فارغ ہو کر آپؐ نے اسلام کی تبلیغ کے کام کا جائزہ لیا۔ جن قبائل تک ابھی دعوت حق نہ پہنچ پائی تھی ان تک رسائی حاصل کی۔ یہاں تک کہ کوئی گھر ایسا نہ رہا جہاں اسلام نہ پہنچ گیا ہو۔

دوسرا اہم مسئلہ مہاجرین مکہ کی بحالی کا تھا۔ اس کی طرف آپؐ نے توجہ فرمائی اور اس کے لیے باقاعدہ ایک سکیم تیار کی۔

مواخات

مہاجرین کی بحالی کی سکیم پر اس طرح عمل کیا کہ نبی کریمؐ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیئے انصار مدینہ سے ایک اخلاقی اپیل کی۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ بھائیوں کی طرح منسلک کر دیا۔ ہر انصاری نے خندہ پیشانی سے اپنے مہاجر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھائی کو گھر بار، کام کاج اور مال و دولت میں برابر کا شریک کر لیا۔ بلکہ بعض تو یہاں تک تیار ہو گئے کہ دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے دینی بھائی کے نکاح میں دے دیں۔ ایک طرف انصار کا یہ ایثار تھا دوسری طرف مہاجرین میں اتنی خودداری تھی کہ وہ اپنے بھائی سے درخواست کرتے کہ صرف ہمیں کھیت یا بازار کا رستہ دکھا دو ہم تجارت یا مزدوری کر کے پیٹ پال لیں گے۔

اس دینی بھائی چارہ کو عربی میں مواخات کہتے ہیں۔

آپ کی اس ترکیب سے یہ ظاہری فائدہ ہوا کہ مہاجرین کا مسئلہ حل ہو گیا۔ لیکن اس نظام مواخات کا دوسرا اثر فائدہ یہ ہوا کہ وہ مہاجرین اسلام جو کئی سالوں سے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض حاصل کر رہے تھے۔ اب اس قابل ہو گئے تھے کہ وہ اسلام قبول کرنے والے نئے لوگوں کی تربیت بھی کریں۔ اور وہ تعلیمات اسلامی جو حضورؐ سے سیکھ چکے تھے دوسروں کو بھی سکھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریمؐ یہ نظام مواخات قائم فرما رہے تھے تو اس وقت آپؐ نے مہاجر اور انصاری کے اتحاد مذاق کا خیال رکھا۔

میثاق مدینہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر حالات کا بغور مطالعہ کیا یہود اور اوس وخزرج یہاں پہلے سے موجود تھے۔ مہاجرین اوپر سے آوارد ہوئے۔ ان تینوں گروہوں کے درمیان آپ کی شخصیت تھی۔ مہاجرین کو تو آپؐ نے انصار کا بھائی بنا دیا۔ اب یہود کا مسئلہ باقی تھا۔ ان سے مذہبی اختلاف تو تھا ہی مگر بہت سی باتیں اسلام اور یہودیت میں مشترک تھیں۔ توحید کے علاوہ ابھی تک مسلمان بیت المقدس کو ہی قبلہ سمجھتے تھے۔ نبی کریمؐ کو مکہ کے قریش سے یہ خطرہ تھا کہ وہ کسی وقت بھی مدینہ پر حملہ کر سکتے تھے۔ اس لیے آپؐ نے ایک معاہدہ پر ان سب گروہوں کو راضی کیا اور اس پر دستخط لے لیے۔ اس معاہدہ کو میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔

اس معاہدہ کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے کا تعلق مہاجرین، انصار اور دیگر قبائل سے تھا اور دوسرا حصہ یہودیوں سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ گویا دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا۔ اس کی چند شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا، اب بھی قائم رہے گا۔

۲۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

۳۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

۶۔ مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں مل کر مقابلہ کریں گے۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

۸۔ اس معاہدہ میں شریک گروہوں میں اگر کسی نئی بات پر جھگڑا پیدا ہو جائے۔ جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوگا۔

اس معاہدہ کی رُو سے گویا مدینہ کی تمام آبادی نے اسلامی ریاست کا حاکم اعلیٰ خدا اور اس کے رسولؐ کو مان لیا تھا۔ سیاسی، قانونی اور عدالتی لحاظ سے جب یہ اختیار آنحضرتؐ کے پاس آگیا تو آپ پوری طرح سے مدینہ کے دفاع سے مطمئن ہوگئے۔

اس میثاق کو دیکھئے اور وہ زمانہ تصور کیجئے۔ آج تو ہمیں رواداری اور دوسری قوموں کے حقوق کے تحفظ کے نعرے سنائی دیتے ہیں۔ لیکن ملّتِ اسلامیہ کے بانیؐ نے اس کی ایسی عمدہ مثال پیش کی ہے کہ آج بھی مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے۔ غیر مذہب والوں کے وُہ سارے قانونی، معاشرتی اور مذہبی حقوق تسلیم کئے گئے ہیں جو مسلمانوں کو دیئے گئے تھے۔ یہ نسلی اور مذہبی تنگ نظری کا خاتمہ تھا اور اصول و نظریہ کی بنیاد پر باہمی تعاون و ترقی کا آغاز تھا۔ اس معاہدہ کے بعد مدینہ ایک ایسی خود مختار ریاست بن گیا جس میں ہر ایک کو امن کا پروانہ مل گیا۔ خوف کی فضا ختم ہوگئی۔ یہ اسلام کی پہلی برکت تھی۔

اہم سوالات

۱۔ ہجرت مدینہ کے اسباب بیان کیجئے۔ اس واقعہ کی اسلامی تاریخ میں کیا اہمیت ہے؟

۲۔ ہجرت کی وجوہات اور واقعات لکھئے۔ اس کے بعد اسلام کو کیا کامیابی نصیب ہوئی؟

۳۔ میثاق مدینہ سے کیا مراد ہے؟ اس کی اہمیت پر روشنی ڈالیے؟

۴۔ رسول اللہؐ نے مہاجرین مکہ کا مسئلہ کس طرح حل فرمایا اور اس کے کیا فوائد حاصل ہوئے؟

۵۔ پیغمبر اسلام کن وجوہات کی بنا پر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے؟ اس واقعہ کے بعد اسلام کی کامیابی کے ... بیان کیجئے۔ (پنجاب یونیورسٹی ۱۹۵۲ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ کن واقعات نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی حفاظت کے کیا انتظامات کئے؟ (۱۹۵۶ء)

۷۔ تفصیل سے لکھئے۔

(ا) ہجرت مدینہ کی اہمیت (ب) ہجرت مدینہ کے نتائج (لاہور بورڈ ۱۹۸۳ء)

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کیوں فرمائی۔ تاریخی شواہد سے اس کی اہمیت ثابت کیجئے! (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۱ء)

۹۔ "ہجرت مدینہ تاریخ اسلام کا اہم ترین واقعہ ہے" تاریخی حقائق کی روشنی میں وضاحت کیجئے (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۰ء)

۱۰۔ (ا) ہجرت مدینہ کے اسباب وضاحت سے بیان کیجئے!

(ب) ہجرت مدینہ سے ہم کیا سبق حاصل کرسکتے ہیں! (لاہور بورڈ ۱۹۸۰ء)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳۲

غزوات وفتوحات

غزوۂ بدر، احد اور خندق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور پیغام سے قریش مکہ کو جو دشمنی تھی اس نے انہیں مجبور کیا کہ وہ مدینہ آ کر مقابلہ کریں۔ آنحضرتؐ کفار کے ان ارادوں سے بخوبی واقف تھے۔ آپؐ کے پاس کوئی چارۂ کار نہ تھا سوائے اس کے کہ آپؐ ان کی جارحانہ ذہنیت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری کرتے۔

ابتدا میں رسول کریمؐ کو دفاعی جنگیں لڑنی پڑیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد فی سبیل اللہ کا باقاعدہ حکم آچکا تھا۔ اس جہاد کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنے اور دنیا سے ظلم و فساد کو روکنے کے لیے تلوار اٹھانے پر زور دیا گیا تھا۔ یہاں یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام پھیلانے کے لیے تلوار چلانے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اسلامی نظام کے قیام یا استحکام کے لیے اگر قتال کی ضرورت پڑ جائے تو اس سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔

غزوہ بدر کے اسباب

۱۔ سردار منافقین سے ساز باز

عبداللہ بن ابی ان لوگوں کا سردار تھا جو ابھی تک اوس و خزرج میں سے بُت پرست تھے۔ حضورؐ کے مدینہ آنے سے قبل اس کی باقاعدہ تاج پوشی ہونے والی تھی۔ جب اس کی بادشاہت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا تو بظاہر یہ مسلمانوں میں شامل ہو گیا مگر اندرونی طور پر کینہ رکھتا تھا۔ کفار مکہ نے اس کے پاس ایک خط بھیجا۔ اس میں لکھا ہے "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔" حضورؐ کو جب اس خط کا علم ہوا تو خود ابن ابی سے ملے اور اسے سمجھایا کہ "کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟" چنانچہ کفار کی یہ کوشش ناکام ہو گئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ یہود سے سرد جنگ اگرچہ یہود ایک معاہدہ کے تحت مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن اپنے فطری بغض کی وجہ سے کفار کے آلۂ کار بننے پر تیار ہو گئے۔ جب کفار نے ان سے بات پکی کر لی تو مسلمانوں کو کہلا بھیجا "تم مغرور نہ ہو جاؤ کہ مکے سے صاف بچ کر نکل آئے۔ ہم یثرب پہنچ کر تمہارا استیصال کر یں گے۔"

۳۔ کرز بن جابر فہری کا مویشیوں پر ڈاکہ کرز بن جابر فہری قریشی سردار تھا اس نے مدینہ کی اس چراگاہ پر حملہ کر دیا جہاں مسلمانوں کے مویشی چر رہے تھے۔ وہ مویشی لوٹ کر بھاگ نکلا۔ اطلاع ملتے ہی حضور پاک نے کچھ جانباز مجاہدوں کو حکم دیا۔ انہوں نے وادی صفوان تک تعاقب کیا لیکن دشمن بچ کر نکل چکا تھا۔

۴۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کو دھمکی قبیلۂ اوس کے رئیس حضرت سعدؓ عمرہ کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ آپ، امیہ بن خلف کے ہاں ٹھہرے جس سے بہت پرانا یارانہ تھا۔ ایک دن امیہ کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کے طواف کے لئے نکلے۔ ابوجہل نے حضرت سعدؓ کو دیکھا تو غصے میں کہنے لگا۔ تم لوگوں نے صابیوں (یعنی مسلمانوں) کو پناہ دے رکھی ہے۔ میں یہ کبھی نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ میں آؤ۔ خدا کی قسم اگر آج تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہ جا سکتے۔ حضرت سعدؓ نے کہا "اگر تم نے ہمیں حج سے روکا تو ہم تمہارا شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔"

۵۔ قریش کی تجارتی شاہراہ پر نگرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یقین ہو گیا کہ اب کفار کسی وقت بھی مدینہ پر حملہ کر دیں گے تو آپ نے قریش کی تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور اس کے لیے مضبوط قبائل سے حلیفانہ مراسم قائم کیے تاکہ شاید قریش اس خیال سے معاندانہ و مزاحمانہ پالیسی پر نظرثانی کرنے پر مجبور ہو جائیں لیکن قریش کے غصے کی آگ اور بھڑک اٹھی۔

۶۔ طلایہ گردی کا نظام نبی کریمؐ نے قریش کی نقل و حرکت دیکھنے کے لیے مختلف ٹولیاں دستے مختلف مقامات پر متعین فرمائے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں ایک دستہ نخلہ کے مقام پر تعینات کیا گیا۔ اتفاق کی بات کہ وہاں سے قریش کا ایک تجارتی گروہ گزر رہا تھا۔ جس کا سردار عمرو بن الحضرمی تھا۔ مسلمانوں کی ان سے جھڑپ ہو گئی جس میں اتفاق سے الحضرمی مارا گیا۔ دو آدمی گرفتار ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی قافلہ کا بہت سامان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسباب بھی ہاتھ لگا۔ آنحضرتؐ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو بہت خفا ہوئے کیونکہ حضورؐ نے انہیں صرف حالات کے مطالعہ و مشاہدہ کے لئے بھیجا تھا۔ مسلمانوں نے رجب کے محترم مہینے میں یہ حملہ کیا تھا۔ کفار مکہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے پروپیگنڈا کی مہم زوروں پر کر دی کہ "مسلمانوں نے حرمت کے مہینہ میں ہم پر حملہ کر کے خونریزی کی ہے"۔

۷۔ قافلۂ تجارت

شعبان ۲ھ میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ شام سے واپس آرہا تھا۔ اس کے ساتھ تقریباً ۵۰ ہزار اشرفی کا مال تھا۔ قافلے کا سردار ابوسفیان تھا۔ جب یہ قافلہ اس علاقے میں پہنچا جو مدینہ کی زد میں تھا تو ابوسفیان کو خطرہ لاحق ہوا۔ اس نے اس پُر خطر علاقے میں پہنچتے ہی ایک مخبر مکہ دوڑا دیا تاکہ وہاں سے مدد آئے۔ اس شخص نے عرب کے قدیم رواج کے مطابق اونٹ کے کان کاٹے، ناک چیری اور کجاوا الٹ دیا۔ پھر اپنی قمیض کو آگے پیچھے سے پھاڑ کر زور زور سے چلانے لگا: "اے قریشیو! اپنے قافلۂ تجارت کی خبر لو۔ تمہارے مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں محمدؐ اپنے آدمی لے کر ان کے درپے ہو گیا ہے۔ مجھے امید نہیں کہ تم انہیں پا سکو گے۔ دوڑو، دوڑو مدد کے لیے"۔ اس پر سارے مکہ میں ہیجان بپا ہو گیا۔ قریش کے اکثر لوگوں کا مال اس قافلہ میں لگا ہوا تھا۔ تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ صرف قافلہ ہی کو بچانا نہیں چاہتے تھے بلکہ مسلمانوں کو ختم کر کے ہمیشہ کے لیے اس تجارتی شاہراہ کو محفوظ کرنا چاہتے تھے۔

جنگ کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا اور انہیں بتایا کہ ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب میں قریش کا لشکر ہے۔ کدھر چلنا ہے۔ مہاجرین میں سے مقدادؓ بن عمرو نے کہا "یا رسول اللہؐ! جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اس طرف چلئے۔ جس طرف بھی آپ جائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ چلئے، آپ اور آپ کا خدا دونوں لڑیں اور ہم آپ کے ساتھ جانیں لڑائیں گے"۔ اس کے بعد حضورؐ نے انصار کی طرف توجہ فرمائی تاکہ ان کا عندیہ بھی معلوم ہو جائے۔ اس پر سعدؓ بن معاذ نے اٹھ کر عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کی تصدیق کر چکے ہیں کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق ہے اور آپ سے سمع و طاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسولؐ جو کچھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے ارادہ فرمایا ہے اسے کر گزریئے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں لے کر سامنے سمندر پر جا پہنچیں اور اس میں اُتر جائیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم کو یہ ہرگز ناگوار نہیں ہے کہ آپ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا بھڑیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے۔ مقابلہ میں سچی جاں نثاری دکھائیں گے اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھلا دے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ بس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپ ہمیں لے چلیں۔"

ان جذبات کے سامنے آجانے کے بعد آنحضرتؐ نے فیصلہ کیا کہ ہمیں قریش کے لشکر ہی سے مقابلہ کرنا ہے۔ آپ کے لشکر میں کل ۳۱۳ مجاہد تھے ان میں ۸۶ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ ۷۰ اونٹ اور دو تین گھوڑے سواری کے لیے تھے۔ صرف ۶۰ آدمیوں کے پاس زرہیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لشکر نے جنوب مغرب کی سمت بڑھنا شروع کیا جس طرف سے قریش کا لشکر آ رہا تھا۔ قریش کا تجارتی قافلہ شمال مغرب کی طرف سے مکہ کی طرف رواں دواں تھا جس سے فیصلہ کے تحت آنحضرتؐ نے کوئی تعرض نہ کیا۔ مدینہ سے ۸۰ میل دور بدر کے مقام پر پڑاؤ ہوا وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ اسی وادی کے دوسری جانب قریش کا لشکر موجود ہے۔

قریش کے لشکر میں ایک ہزار سے زیادہ سپاہی تھے۔ ان میں سو سواروں کا رسالہ تھا اور ۶۰۰ زرہ پوش تھے۔ اس کے علاوہ اونٹوں کا ہجوم اور رسد با افراط تھا۔ جانبازوں کی خوشنودی کے لیے شراب کے مٹکے اور رجز گانے والیاں ساتھ تھیں۔ مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار اس جنگ میں شریک ہوئے۔ ان کے لشکر کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ تھا۔ جب لشکر کو ابو سفیان کا پیغام ملا کہ وہ خیریت سے مکہ پہنچ گیا ہے تو ان کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا۔ کچھ نیک دل قریشی اس صورت حال میں جنگ پر آمادہ نہ تھے۔ ان میں حکیم بن حزام، سپہ سالار ابن ربیعہ کے پاس گیا اس سے کہا "اگر آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے۔ عتبہ نے کہا وہ کیونکر؟ حکیم نے کہا کہ قریش کا مطالبہ حضرمی کا خون بہا ہے۔ وہ تمہارا حلیف تھا۔ تم ان کو خون بہا دے دو۔ عتبہ راضی ہو گیا لیکن ابوجہل کو جب علم ہوا تو اس نے کہا چونکہ عتبہ کا بیٹا اسلام لا چکا ہے۔ اس لیے یہ لڑائی سے جی چرا رہا ہے۔ آخرکار ابوجہل کی ضد غالب آئی اور قریش میدان میں اتر پڑے۔

حضورؐ کے لیے میدان جنگ کے کنارے چھپر کا سائبان تیار کیا گیا۔ یہاں سے پورے میدان پر نظر پڑ سکتی تھی۔ اس کی حفاظت حضرت سعدؓ بن معاذ کے سپرد ہوئی۔ میدان جنگ میں نبی کریم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے خود صفیں درست کیں۔ آپ کے دست مبارک میں تیر تھا اس کے اشارے سے ٹھیک لائن میں مجاہد کھڑے کر دیے گئے۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کے سپرد ہوا جو خزرج کا علم دار حضرت حباب بن منذرؓ اور جو اوس کے حضرت سعدؓ بن معاذ مقرر ہوئے۔

میدان جنگ کے واقعات

عرب دستور کے مطابق پہلے اکیلے اکیلے میدان میں اترے۔ قریش کی طرف سے عتبہ کے مقابلے میں حضرت حمزہؓ، ولید کے مقابلے میں حضرت علیؓ اور شیبہ کے سامنے حضرت عبیدہؓ آئے۔ حمزہؓ و علیؓ نے عتبہ و ولید کو لمحہ بھر میں ختم کر دیا مگر شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ اور حمزہؓ آگے بڑھے اور شیبہ کو بھی واصل جہنم کیا۔

اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں طرف سے جوش و خروش برابر کا تھا لیکن مسلمانوں کو خداوند کریم کی نصرت کا یقین تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ میں صف میں تھا کہ دفعتہً ادھر کو داہنے بائیں دو نوجوان نظر آئے۔ ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا۔ برادر زادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کر دوں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا۔ میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کان میں یہی باتیں کیں۔ میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے۔ دونوں باز کی طرح جھپٹے۔ ابوجہل خاک پر تھا۔ دونوں جوان عفراء کے بیٹے تھے معوذ و معاذ۔ معاذ کے بائیں کندھے پر عکرمہ نے وار کیا جس سے اس کا بازو کٹ گیا مگر تسمہ لٹکتا رہا۔ جب انہوں نے اسے حارج دیکھا تو اسے پاؤں کے نیچے دبا کر جسم سے الگ کر دیا۔

شام تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ کفار کے بڑے بڑے سردار جب کام آ گئے تو قریش کے بقیہ لوگوں میں بددلی پھیل گئی اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ میدان میں اپنی لاشیں چھوڑ کر کفار نے فرار میں اپنی خیر سمجھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین نصیب فرمائی۔ ١٤ مسلمان شہید ہوئے جبکہ ٧٠ کافر مارے گئے اور ٧٠ قیدی ہوئے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کی وجوہ

پہلی وجہ کفار کی شکست اور مسلمانوں کی کامیابی کی یہ ہوئی کہ کفار میں جنگ کرنے پر اختلاف تھا۔ عتبہ اور حکیم نے تو کھل کر نہ لڑنے کی رائے دے دی تھی اور بنو عدی اور زہرہ والے پہلے لوٹ گئے تھے۔ اس کے برعکس مسلمانوں میں پورا اتحاد تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری وجہ دوسری وجہ یہ تھی کہ کفار کی فوج میں کوئی ڈسپلن نہ تھا۔ وہ بے ترتیبی سے میدان میں آئے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی صفیں خود نبی کریمؐ نے درست فرمائیں اور دوران جنگ بھی اس کا خیال رکھا۔

تیسری وجہ تیسری وجہ یہ ہوئی کہ جنگ کی رات بارش ہوگئی جس سے قریش کی طرف کافی دلدل ہوگئی تھی۔ اس کیچڑ اور دلدل میں ان کا چلنا پھرنا مشکل ہوگیا تھا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی طرف ریت پوری طرح جم گئی اور ان کو نقل و حرکت میں اور زیادہ سہولت ہوگئی۔

چوتھی وجہ چوتھی وجہ یہ ہوئی کہ کفار کا اندازہ مسلمانوں کے متعلق یہ تھا کہ ان کی تعداد ان سے دگنی ہے اور اس کا ان پر بہت برا اثر پڑا حالانکہ اگر یہ جنگ سے پہلے تحقیق کر لیتے تو اس سے ان کو کافی تقویت پہنچ سکتی تھی۔ رسول اللہؐ نے اپنے مخبروں کے ذریعے کفار کی تعداد کا ٹھیک اندازہ لگا لیا تھا۔ مسلمان ایک لڑکے کو حضورؐ کے پاس پکڑ کر لائے آپ نے اس سے پوچھا کہ کفار کی تعداد کتنی ہے۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی پھر آپ نے پوچھا کہ وہ کتنے اونٹ روزانہ ذبح کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ ایک دن نو اور دوسرے دن دس ذبح کیے گئے۔ آپ نے فرمایا ان کی تعداد ۹۰۰ سے ۱۰۰۰ تک ہے۔ یہ وہ حکمت و تدبر تھا جس سے آپ نے دشمن کا مقابلہ کیا۔

پانچویں وجہ پانچویں وجہ یہ ہوئی کہ لڑائی کے وقت سورج مسلمانوں کی پشت پر تھا اور وہ آسانی سے دشمن کی نقل و حرکت دیکھ سکتے تھے۔ اس کے برعکس کفار کو سورج کی شعاعیں سامنے پڑ رہی تھیں جس سے ان کی آنکھیں چندھیا جاتیں۔ پھر یہ کہ مسلمان اونچی طرف تھے اور کفار زیریں حصہ کی طرف تھے۔

چھٹی وجہ چھٹی وجہ یہ تھی کہ مسلمان جنگ کی رات کو بڑے اطمینان سے سوئے۔ صبح اٹھے تو پوری طرح تیار اور تازہ دم تھے۔ بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات بھر نہ سو سکے۔

ساتویں وجہ ساتویں وجہ یہ ہوئی کہ کفار کے بیشتر فوجی لوہے میں غرق تھے۔ میدان جنگ میں جس طرح کی سبک روی اور تیز قدمی کی ضرورت ہوتی وہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ مسلمان ہتھیاروں کے لحاظ سے ہلکے پھلکے تھے۔

آٹھویں وجہ آٹھویں وجہ یہ ہوئی کہ پہلے ہی انفرادی مقابلے میں کفری فوج کا سپہ سالار اپنے دو اور جانبازوں کے ساتھ مارا گیا۔ یہ قریشیوں کے لیے بری فال تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نویں وجہ نویں آخری اور اہم وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو پورا اطمینان اور یقین کامل تھا کہ اللہ کا رسولؐ ان کے درمیان موجود ہے۔ وہ حق پر ہیں اور خدا کی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ خدا قادر مطلق ہے اور فتح و شکست اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا پھر دوسری طرف اللہ کا رسولؐ خود دعا کر رہا تھا کہ "اے خدا! اگر یہ نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔"

غزوۂ بدر کی اہمیت اور نتائج غزوۂ بدر دنیا کی چند عظیم جنگوں میں شمار ہوتا ہے کیونکہ اس سے غیر معمولی نتائج نکلے۔ اسلام کی راہ میں جو بڑے بڑے دشمن اب تک روڑا اٹکائے ہوئے تھے وہ موت کی ابدی نیند سو چکے تھے۔ بدر کا معرکہ حقیقت میں اسلام کی ترقی کا اولین قدم تھا۔ یہ لڑائی شوکت اسلام کا سنگ بنیاد تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ سارے کے سارے جنتی قرار دیے گئے۔ یہ غزوہ کفار کے لیے عذاب الٰہی کی پہلی قسط بنا۔

اس جنگ میں کئی اہم نتائج سامنے آئے:

پہلا نتیجہ قریش کے بڑے بڑے سردار مثلاً امیہ بن خلف، ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ وغیرہ سب اس جنگ میں کام آگئے۔ ابوجہل ہی کے اصرار پر یہ جنگ بھی چھڑی تھی۔ ان لوگوں کے قتل ہونے کے بعد قریش کا زور کافی حد تک ٹوٹ گیا اور ان کے حوصلے پست ہو گئے۔

دوسرا نتیجہ جنگ بدر یوم الفرقان تھا۔ اس دن فیصلہ ہو گیا کہ زندہ رہنے کا حق کس کو ہے۔ کفر شکست کھا گیا اور اسلام نے ثابت کر دیا کہ وہ اس سے برتر ہے اور اسے زندہ رہنا ہے۔ اس جنگ کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا۔

تیسرا نتیجہ مسلمانوں کی اس کامیابی سے یہود کی حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ انھوں نے صاف محسوس کر لیا کہ اب اسلام کا کوئی راستہ نہیں روک سکے گا۔ یہود نے اس میثاق کی بھی پرواہ نہ کی اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے۔

چوتھا نتیجہ اس جنگ نے کفار مکہ کے غصے کو بھی خوب بھڑکایا۔ کہاں تو وہ ایک حضرمی کا بدلہ لینے آئے تھے اور کہاں اب ان کے سارے بڑے بڑے رئیس قتل ہو گئے۔ اب یہ دل قسمیں کھاتے پھر رہے تھے کہ مسلمانوں سے بدلہ لیں گے۔ یہ گویا غزوۂ احد کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچویں وجہ اس جنگ میں مسلمانوں نے اصول اور اخلاق کو قائم رکھ کر دشمنوں سے اپنی اخلاقی برتری کا اقرار کرا لیا۔ دوران جنگ میں حضرت حذیفہؓ بن یمان اور حضرت سہیلؓ کہیں سے آرہے تھے۔ راہ میں کفار نے روک کر کہا کہ تم محمدؐ کی مدد کو جا رہے ہو۔ انہوں نے انکار کیا اور اس وعدہ پر انہیں چھوڑ دیا گیا کہ تم جنگ میں شریک نہ ہو گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور صورت حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا "ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے" مسلمانوں کی تعداد کی کمی کو ذہن میں رکھ کر اس واقعہ پر غور کیجئے۔ اسی طرح آپؐ اور صحابہؓ نے جنگی اسیروں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس کا اقرار انہوں نے خود کیا۔ بعض مسلمان خود بھوکے رہ کر قیدیوں کو کھانا دیتے تھے۔

چھٹی وجہ اس جنگ میں مسلمانوں نے سمع و طاعت کا جذبہ اس حد تک پیدا کر دیا تھا کہ جب حضورؐ نے مال غنیمت کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے تو تمام مجاہدین نے سب ذرہ ذرہ آپ کے حوالے کر دیا۔ خیال رہے کہ قبل ازیں عرب مال غنیمت پر ایک دوسرے سے لڑائیاں چھیڑ دیتے تھے۔ پھر رسول اللہؐ نے خدا کے حکم کے تحت مال غنیمت خود تقسیم فرمایا۔ اس طرح مسلمانوں پر یہ بات واضح کر دی کہ تمہارا جہاد صرف اللہ کی خاطر ہونا چاہئے اور کوئی دنیاوی غرض تمہارے سامنے نہ ہونی چاہئے۔ اس طرح مستقبل کے لئے بہترین تربیت مل گئی۔

ساتویں وجہ اس غزوہ سے ایک نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اگر خدا کی راہ میں صبر کے ساتھ پیش قدمی کی جائے تو دشمن کی کثرت کوئی معنی نہیں رکھتی بشرطیکہ انسان اپنی قوت و طاقت پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل اور رحمت پر نظر رکھے۔

آٹھواں نتیجہ اس جنگ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ لوگ جو رسول اللہؐ پر ایمان لا چکے ہیں۔ آپؐ کے حکم پر بیٹا، باپ کے خلاف اور بھائی بھائی کے خلاف تلوار چلا سکتا ہے اس آزمائش میں مسلمان پورے اتر چکے تھے۔ انہیں اللہ اور رسولؐ کا رشتہ تمام رشتوں سے عزیز تھا اور اس رشتہ کو قائم رکھنے کے لئے وہ ہر قربانی دے سکتے ہیں۔

غزوۂ احد ۳ھ

اسباب ۱۔ بدر کے میدان میں قریش کو جو ذلت آمیز شکست ہوئی اور ان کے ستر سردار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قتل ہوئے تو اس سے ان کے دل میں اس شکست اور مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے عجیب و غریب ہیجان تھا۔ ابو سفیان نے قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک انتقام نہ لے لے گا سر پر پانی اور تیل ڈالنا اس پر حرام ہوگا۔ عرب، جو ایک رشتہ دار کے قتل پر جنگیں چھیڑنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور رشتہ داروں کی اتنی بڑی تعداد کے قتل ہونے پر کیسے چپکے بیٹھ سکتے تھے۔

۲۔ مکے کے نامور شعراء نے مرثیے کہہ کہہ کر لوگوں کو رلا یا اور ان کے اندر ایسا جوش و خروش پیدا کر دیا کہ قریش نے مرنے یا مارنے کا فیصلہ کر لیا۔

۳۔ مکہ کی وہ عورتیں جن کے بیٹے یا بھائی بدر میں مارے گئے تھے ان زخموں کی ٹیسوں سے بے تاب ہو کر منتیں مان رہی تھیں کہ آئندہ جنگ ہو تو وہ مسلم شہیدوں کا خون پئیں گی۔

۴۔ قریش نے ابو سفیان کے قافلۂ تجارت کا سارا منافع تقسیم کرنے کی بجائے محفوظ کر لیا تاکہ اس سے جنگ کے لیے اسلحہ اور سامان رسد درست کیا جا سکے۔

۵۔ غزوۂ بدر کے بعد یہود کی شرارتیں بہت بڑھ گئی تھیں اس لیے نبی کریمؐ نے بنو قینقاع کو مدینہ سے نکال دیا۔ اس سے بقیہ یہودی آپؐ کے اور زیادہ مخالف ہو گئے۔ خصوصاً کعب بن اشرف جو بنی نضیر کا رئیس تھا کہ مکہ جا جا کر قریش کو بھڑکاتا رہا اور مسلمانوں کی کھلی دشمنی اور بدخواہی پر آمادہ ہوا۔ حتیٰ کہ با عفت خواتین کے نام لے کر ہجو شروع کر دی بالآخر مسلمانوں نے اسے قتل کر دیا۔

۶۔ ابو سفیان دو سو سے زائد آدمیوں کو ساتھ لے کر چھپتا چھپاتا مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور مقام عریض کے درختوں کو تباہ کر کے ایک انصاری کو بھی قتل کر دیا۔ حضورؐ نے تعاقب کیا تو کفار ایسے بھاگے کہ اپنے ستوؤں کے بورے بھی راستے میں پھینک دیئے۔

۷۔ قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر تجارتی شاہراہ سے گزر رہا تھا کہ حضورؐ کو خبر ہو گئی۔ آپؐ نے زید بن حارثہ کو ۱۰۰ سپاہی دے کر ان کی تلاش میں بھیجا۔ قردہ کے مقام پر زیدؓ نے چھاپہ مارا جس سے ایک لاکھ درہم کی چاندی مسلمانوں کے قبضے میں آئی۔ اب قریش کو یقین ہو گیا کہ ہم تجارت نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ مسلمان اس راہگزر پر موجود ہیں۔ اس لیے انہوں نے جنگ کی تیاری میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعات

قریش نے شوال ۳ھ میں تین ہزار کا ایک لشکر تیار کیا۔ اس میں دو سو اسپ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادہ اور سینکڑوں شتر سوار تھے۔ اس کے علاوہ کئی عورتیں بھی ساتھ تھیں جو رواج کے مطابق فوج میں غیرت و جوش پیدا کرنے کے لیے رجز و مرثیہ پڑھتیں یہ قافلہ مکے سے چل کر بدھ کے روز مدینہ کے قریب اُحد پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔

۵۔ شوال ۳ھ کو حضورؐ نے انس اور مونس کو بھیجا کہ وہ کفار کے لشکر کا پتہ کریں۔ انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریشی لشکر مدینہ کی چراگاہ عریض کو صاف کر چکا ہے۔ نبی کریمؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ جنگ شہر میں رہ کر کی جائے یا باہر میدان میں نکل کر۔ وہ جوان جن کو بدر میں شرکت کی سعادت نصیب نہیں ہو سکی تھی اپنے دلوں کے ولولے دکھانے کے لیے مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کر رہے تھے۔ بعض صحابہؓ اور عبداللہ بن ابی بن سلول کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کی جائے۔ حضورؐ گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لے آئے۔ آپ نے نماز جمعہ پڑھی اور ایک ہزار ساتھیوں کے ساتھ شہر سے نکلے۔

عبداللہ بن ابی تو دل سے مسلمانوں کا دشمن تھا۔ اس نے بہانہ بنایا کہ اس کی تجویز نہیں مانی گئی۔ اس لیے مقام شوط سے ۳۰۰ حمایتیوں کو ساتھ لے کر واپس مدینہ لوٹ گیا۔ اب مسلمان صرف ۷۰۰ باقی رہ گئے۔ ان میں صرف ۱۰۰ زرہ پوش تھے۔

اگرچہ منافقین اور ان کے سردار نے بڑے نازک موقع پر دھوکا دیا تھا۔ لیکن انصار اور مہاجرین سے اسلام کی خاطر کٹ مرنے کی خواہش پھوٹی پڑتی تھی۔ متعدد لڑکوں کو میدان سے حضورؐ نے واپس کر دیا۔ رافع ایڑیوں کو اوپر کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس کے اس شوق کو دیکھ کر اسے سپاہ اسلام میں شامل کر لیا گیا۔ سمرہ کو واپس بھیجا جانے لگا تو وہ مچل گیا کہ جب رافع کو شامل کر لیا گیا ہے تو میں اُسے کشتی میں گرا لیتا ہوں تو پھر مجھے کیوں اس شرف سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ فیصلے کے لیے دونوں کی کشتی ہوئی اور سمرہ جیت گیا نکلا۔ اُسے بھی موقع مل گیا۔ اس جنگ میں پہلی مرتبہ مسلم خواتین بھی فوج کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ ان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت انسؓ کی والدہ، ام سلیمؓ ام عمارہؓ اور بعض دوسری خواتین شامل تھیں۔

آنحضرتؐ نے اپنی فوج کو اس طرح سے صف آرا کیا کہ پہاڑ پشت پر تھا اور قریش کا لشکر سامنے پہلو میں صرف ایک درہ ایسا تھا جس سے اچانک حملہ کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ وہاں آپ نے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے زیر قیادت پچاس تیر انداز بٹھا دیے اور ان کو تاکید کر دی کہ کسی کو ہمارے قریب پھٹکنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینا۔ کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا، اگر تم دیکھو کہ ہماری بوٹیاں پرندے نوچے لیے جاتے ہیں تب بھی تم اس جگہ سے نہ ہٹنا، مصعب بن عمیرؓ کو اسلامی علم تفویض ہوا۔ زبیر بن عوامؓ کو رسالے کا افسر بنایا گیا اور حضرت حمزہؓ غیر زرہ پوش سپاہیوں کے کمانڈر بنے۔ غرض حضورؐ نے اپنے لشکر کو بہترین طریقے سے منظم کر کے ترتیب دیا۔

کفار مکہ بھی کچھ بے ترتیبی نہ بھولے تھے۔ اس دفعہ انہوں نے بھی اپنی کثیر سپاہ کو اس طرح ترتیب دیا کہ میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل اور سواروں کے دستہ پر صفوان بن امیہ کو مقرر کیا گیا۔ طلحہ کو علم دیا گیا اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تیر اندازوں کا افسر مقرر کیا۔

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ سب سے پہلے قریش کا علمبردار طلحہ آگے بڑھا اور پکارا۔ "کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ہے؟ جو مجھ کو جلد دوزخ پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے"۔ یہ اس نے طنز کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے طنز کا مزا چکھایا اور تلوار سے اسے دوزخ پہنچایا۔ اس کے بعد اس کا بھائی عثمان علم تھام کر آگے بڑھا۔ اس کے لیے حضرت حمزہؓ آگے بڑھے اور اس کے کندھے پر اس طرح تلوار ماری کہ کمر تک چلی گئی۔

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے شجاعت و مردانگی کے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمنوں کی صفیں الٹ کے رکھ دیں۔ حمزہؓ، علیؓ اور ابو دجانہؓ تو فوجوں کے دل میں گھس گئے تھے۔ حضرت ابو دجانہؓ کو حضورؐ نے اپنی تلوار عطا فرمائی۔ وہ سر پہ سرخ رومال باندھ کر اکڑتے ہوئے میدان میں کود گئے اور کشتوں کے پشتے لگا دیے عرب کا یہ مشہور پہلوان ایک طرف لاشے گراتا بڑھ رہا تھا کہ ہندہ سامنے آگئی۔ اس کے سر پہ تلوار رکھی اور پھر رک گئے کہ رسول اللہ کی تلوار کسی عورت پر نہیں آزمانی چاہیے۔

وحشی ایک حبشی غلام تھا۔ وہ حربہ اندازی کا ماہر تھا۔ حضرت حمزہؓ کے قتل کرنے پر اسے آزادی کا پروانہ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت حمزہؓ جب اس کے قریب آئے تو اس ظالم نے حربہ اس طرح تاک کر پھینکا کہ وہ ناف سے پار ہو گیا۔ جس سے حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔

کفار کے ۱۲ علمبردار مارے گئے جن میں ۸ حضرت علیؓ کے ہاتھوں مقتول ہوئے آخر جاہلیت پرستوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان سے بھاگنے لگے ان کے ساتھ ہی رجز پڑھنے والیاں بھی بدحواسی میں بھاگ کھڑی ہوئیں حتی کہ مطلع صاف ہو گیا۔

فتح شکست میں بدل گئی

مسلمانوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور مال غنیمت جمع کرنے لگے وہ تیر انداز جن میں سے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے کئی ساتھی بھی شامل تھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لالچ میں نیچے اتر آئے۔ ابن جبیرؓ نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود کفار کے میمنہ کے افسر خالد بن ولید نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے درّہ تقریباً خالی کر دیا ہے تو وہ فوراً پہاڑی کا چکر کاٹ کر پہلو کے اسی درّے سے حملہ آور ہوئے۔ مسلمان تیر اندازوں نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ چند ہی تو رہ گئے تھے۔ اس لیئے خالد انہیں راستے سے ہٹا کر پشت پر سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ دریں اثناء وہ کفار بھی واپس آنے لگے جو بھاگ گئے تھے۔ مسلمان اس ناگہانی آفت سے نہ بچ سکے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے مگر اب بھی چند بہادر سپاہی میدان میں مقابلہ کر رہے تھے لیکن کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے صحابہ کے رہے سہے ہوش و حواس بھی گم ہو گئے۔ اس وقت دس بارہ جاں نثار حضورؐ کے گرد رہ گئے۔ آپ کو خود کئی زخم آئے۔ شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی کہ عین وقت پر صحابہؓ کو پتہ چل گیا کہ حضورؐ زندہ سلامت موجود ہیں۔ دوبارہ مسلمان جمع ہونے شروع ہوئے اور آپ کو ایک بلند پہاڑی پر لے آئے۔ اس افراتفری میں مسلمانوں کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس پر حملہ کر رہے ہیں حذیفہؓ کے والد اپنے ہی رفیقوں کی تلواروں سے شہید ہو گئے۔ حضرت انس بن نضرؓ نے اسّی سے زیادہ زخم کھا کر شہادت حاصل کی۔ مسلمانوں کی دوبارہ جمعیت بڑھی۔ حضورؐ کو بلند مقام پر دیکھ کر حالات پلٹنا شروع ہوئے۔ کفار نے جب دیکھا کہ مسلمان پھر منظم ہونے لگے ہیں تو وہ اتنی ہی کامیابی غنیمت سمجھ کر واپس لوٹ گئے۔

ابوسفیان نے مقابل کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر حضورؐ کے متعلق یقینی معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ آخر اس نے بلند آواز سے حضورؐ، ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نام لے کر پکارا کہ کوئی ہے۔ ادھر سے مصلحتاً کوئی جواب نہ دیا گیا تو کہنے لگا: "سب مارے گئے"۔ حضرت عمرؓ تڑپ کر بول اٹھے: "او خدا کے دشمن! ہم سب زندہ و سلامت ہیں" ابوسفیان نے نعرہ لگایا:

"اے ہبل! تو سربلند رہے"

جواب ملا:

"اللہ ہی کی ذات بلند و برتر ہے"

ابوسفیان نے پھر ہانک لگائی:

"ہمارے ساتھ عزیٰ ہے۔ تمہارے ساتھ عزیٰ نہیں"

اُدھر سے پکارا گیا: "اللہ ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس معرکہ میں ۷۰ مسلمان شہید ہوئے اور ۴۰ زخمی۔ دوسری طرف مخالف فوج کے صرف ۳۰ آدمی موت کے گھاٹ اتارے جا سکے۔ حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ جیسا بہادر جرنیل آپکے پھوپھی زاد بھائی عبداللہؓ بن جحش، مصعبؓ بن عمیر، رافع بن مالک اور بہت سے بدری صحابی شہید راہ حق ہوئے۔ مشرکین نے جاتے جاتے اس درندگی کا مظاہرہ کیا کہ شہیدوں کی نعشوں کا مثلہ کیا۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان نے حضرت حمزہؓ کا جگر نکلوایا اور اسے کچا کھایا۔ اس طرح آتش انتقام کو سرد کیا۔ کفار کے تعاقب میں آنحضرتؐ نے ستر آدمیوں کا ایک دستہ روانہ کیا اور خود مدینہ سے ۸ میل دور تک پوری فوج کے ساتھ جا پہنچے۔ قریش کو حضورؐ کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ مکہ آ گئے۔

شکست کے اسباب

۱۔ رسول اللہؐ کے حکم کی خلاف ورزی آپؐ نے واضح طور پر تیراندازوں کے اس دستہ کو، جو جبل عینین کے درہ پر مامور تھا، یہ حکم دیدیا تھا کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچے جاتے ہیں، تب بھی اس جگہ سے نہ ہٹنا، لیکن ان کے افسر کے یاد دلانے اور روکنے کے باوجود مسلمانوں نے رسول اللہؐ کے اس حکم کے خلاف عمل کیا۔

۲۔ مال کی محبت مسلمان عین لڑائی کے وقت مال کی محبت میں ایسے گرفتار ہوئے کہ یہ بھی انتظار نہ کیا کہ دشمن کو پوری طرح شکست ہو جائے۔ مال غنیمت کو لوٹنے کے لیے درہ پر متعین سپاہی بھی نیچے اتر آئے۔ اس موقع پر قرآن کریم کی جو آیات نازل ہوئیں ان میں مال سے محبت پیدا کرنے والے سب سے بڑے سبب سُود کو حرام قرار دیا تاکہ مسلمانوں کے دل سے حرص، خود غرضی، بخیلی اور مال کی محبت نکل جائے۔

۳۔ حضورؐ کی شہادت کی افواہ اسلامی فوج کے علمبردار حضرت مصعبؓ بن عمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ جب وہ شہید ہو گئے تو مسلمانوں میں کسی طرح یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ اس سے ان میں اتنی بددلی پھیلی کہ بعض بڑے بڑے صحابہؓ میدان سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ انھوں نے سوچا کہ جب حضورؐ کا سایہ ہی سر سے اٹھ گیا تو اب لڑ کر کیا کریں گے۔ جنگ احد پر قرآن کریم نے جو تبصرہ کیا ہے اس میں مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے سوا کچھ نہیں کہ

www.KitaboSunnat.com

بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں پھر کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو الٹا پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا البتہ جو اللہ کے شکرگزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اجر دے گا۔"

(آل عمران آیت ۱۴۴)

۴۔ مسلمان فوج میں منافقین کی شمولیت

اگرچہ عبداللہ بن ابی اپنے چیلوں کی کثیر تعداد لے کر واپس چلا گیا۔ لیکن پھر بھی چند منافق اسلامی فوج میں شامل رہے غلط افواہیں پھیلانے اور ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے میں پیش پیش تھے۔ ہر نازک موقع پر انہوں نے فوج میں انتشار پھیلایا۔

۵۔ خالد بن ولید کا عقب سے حملہ

خالد کفر کے رسالے کا سپہ سالار تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ مسلمان اپنے پہلو کے درّے کو خالی کر چکے ہیں تو فوراً اپنے رسالے کو لے کر پہاڑی کا ایک لمبا چکر کاٹا اور اس درّے کے راستے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ آور ہوا۔ یہ حملہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ مسلمان سنبھل نہ سکے اور ان کے اندر بے ترتیبی پیدا ہو گئی۔

یہ وہ اسباب تھے جنہوں نے مسلمانوں کی ابتدائی فتح کو شکست میں بدل دیا۔ اگرچہ بعد میں مسلمان دوبارہ مجتمع ہو گئے اور دشمن یہ دیکھ کر واپس چلا گیا لیکن مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچ چکا تھا۔

جنگ اُحد کے نتائج

۱۔ جنگ بدر کی کامیابی سے مسلمانوں کی جو دھاک بیٹھ گئی تھی اس جنگ سے وہ اثر کافی حد تک کم ہو گیا۔

۲۔ بہت سے قبائل مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ قبائل جنہوں نے معاہدے کر رکھے تھے ان میں سے اکثر نے معاہدوں کی خلاف ورزی شروع کر دی اور مسلمانوں کو دھوکے دیئے۔ قبیلۂ کلاب نے دھوکے سے ، ۷ صحابہ مبلغین اسلام کو قتل کیا۔

۳۔ کفار مکہ کے حوصلے بلند ہو گئے اور اب انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمانوں پر ایک بھرپور حملہ کر کے انہیں ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح غزوۂ خندق کی تیاری شروع کر دی تاکہ ایک فیصلہ کن جنگ ہو جائے۔

۴۔ یہود کی مخالفت پہلے سے تیز ہو گئی۔ قریش مکہ کو انہوں نے ہر قسم کی امداد اور تعاون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پیش کش کردی۔

۵۔ اس جنگ میں کفار کا گھٹیا کردار بھی سامنے آگیا۔ انہوں نے مسلمان شہداء کی لاشوں کا مثلہ کیا۔ عورتوں نے ناک، کان کاٹ کر ہار بنائے۔ کفر کا سپہ سالار ابوسفیان، حضرت حمزہؓ کے دہن مبارک پر کمان سے مار مار کر کہتا کہ لو اب مزہ چکھو۔

ان واقعات نے ظاہر کر دیا کہ کافروں کی اخلاقی حیثیت کیا ہے۔

۶۔ اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ مسلمانوں کی اخلاقی برتری بدستور باقی رہی۔ ابودجانہؓ کے سامنے جب ایک عورت آئی تو آپؓ نے اس پر وار نہ کیا حالانکہ اس کی اسلام دشمنی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

۷۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ مسلم خواتین بھی جنگ میں اپنا حصہ ادا کر سکتی ہیں۔ انہوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی اور ساقی گیری کا کام کیا۔ حضرت ام عمارہؓ نے تو اپنے آپ کو حضورؐ کیلئے سپر بنا دیا تھا۔

یہ تھے وہ نتائج جو جنگِ اُحد سے مرتب ہوئے۔ لیکن یہ کوئی فیصلہ کن جنگ نہ تھی ابھی ایک ایسی جنگ کی ضرورت باقی تھی جس میں یہ حتمی طور پر فیصلہ ہو جائے کہ ترقی پذیر اور اُبھرنے والا گروہ کونسا ہے۔ ابوسفیان جاتے ہوئے اعلان کر گیا کہ اگلے سال بدر کے میدان میں ہم پھر ٹکر لینے آئیں گے۔

جنگِ خندق — جنگِ احزاب

اسلامی تاریخ میں جنگِ خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ حزب عربی میں جماعت اور گروہ کو کہتے ہیں۔ کفار کے تمام قبائل اور اسلام کے تمام دشمن گروہ اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں الاحزاب کے نام سے ایک سورۃ بھی نازل ہوئی۔ اسی جنگ میں مدینہ کی حفاظت کے لیے حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز پر خندق کھودی گئی۔ اس لیے جنگِ خندق کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ جنگ ۵ھ میں لڑی گئی۔

اسبابِ جنگ

۱۔ ابوسفیان کا چیلنج: جنگِ اُحد کے خاتمہ پر ابوسفیان مسلمانوں کو یہ چیلنج دے کر گیا تھا کہ بدر کا انتقام تو لے لیا گیا ہے آئندہ سال پھر ایک میدان ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال پندرہ سو پیادوں اور دس سواروں کا لشکر لیکر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میدانِ بدر میں پہنچ گئے۔ ابوسفیان مکہ سے دو ہزار پیادوں اور پچاس سواروں کا ایک لشکر لے کر روانہ ہوا لیکن ایک منزل آ کر واپس چلا گیا اور یہ بہانہ بنایا کہ "اے گروہ قریش! تم لوگ خوشحالی کے سال جنگ کر سکتے ہو۔ اس مرتبہ خشک سالی کا دور دورہ ہے۔ میں تو واپس لوٹ رہا ہوں۔ بہتر ہے فی الحال تم بھی لوٹ چلو"

۲۔ بنو نضیر کا اخراج یہودی قبائل میثاقِ مدینہ میں شریک ہونے کے باوجود باغیانہ سرگرمیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ بنو نضیر نے حضورؐ کے قتل کے لیے کھلم کھلا اقدام کیا۔ آپؐ نے اُن کی اس شرارت پر نوٹس دیا کہ تم دس روز کے اندر اندر یہاں سے چلے جاؤ۔ بنو نضیر نے اس کی تعمیل سے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے اُن کی گڑھی کا محاصرہ کر لیا۔ انہیں منافقین سے امداد کی توقع تھی مگر کوئی بھی ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ بالآخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اونٹوں پر جتنا سامان لے جا سکتے تھے لے کر خیبر میں جا بسے۔ وہاں پہنچ کر مسلمانوں کے خلاف قریشِ مکہ اور دوسرے قبائل سے ساز باز کرنے لگے۔ خیبر اور وادی القریٰ میں بسنے والے جلاوطن یہود نے بہت سے قبائل کو لالچ دے دے کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر اُبھارا۔ بنو غطفان کو خیبر کی کھجوروں کی سال بھر کی پیداوار دے کر اور آئندہ کے لیے بھی ایک مقررہ حصہ ادا کرنے کا پیمان باندھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ اپنے وفد کے ذریعہ قریش کو یقین دلایا کہ تم حملہ کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ مدینہ میں رہ جانے والے تنہا یہودی قبیلے بنو قریظہ سے بھی انہیں امداد کی توقع تھی۔

۳۔ قبائل کی مفسدانہ سرگرمیاں بنی اسد، بنی عامر، بنی سلیم اور بنو غطفان نے مسلمانوں کے خلاف بڑی مفسدانہ سرگرمیاں دکھائیں۔ دھوکے فریب اور دغا کی ایسی مثالیں پیش کیں کہ جن کی نظیر ڈھونڈنی مشکل ہے مثلاً ابو براء نے حضورؐ سے درخواست کی کہ انہیں اپنے علاقے میں اسلام پھیلانے کے لیے تبلیغ کرنے والے مبلغین کی ضرورت ہے۔ آپ نے ستر جید حافظ و قاری بھیج دیئے۔ بئر معونہ کے مقام پر اس بے بس دعوتی وفد کو گھیر لیا گیا اور سب کو شہید کر دیا۔ صرف حضرت کعبؓ بن زید سخت زخمی ہو کر نعشوں میں دب گئے اور کسی طرح بچ بچا کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔

اس حادثہ سے قبل عضل اور قارہ کے قبیلوں نے دس اہلِ علم کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ ان میں سے حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو کفارِ مکہ کے ہاتھوں بیچ دیا جنہوں نے ان کو سُولی پر لٹکا دیا۔ کئی قبائل نے مدینہ کے خلاف باقاعدہ جنگی تیاریاں کیں اور قبل اس کے کہ حملہ کرتے حضورؐ ان کی سرکوبی کے لیے پہنچ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ بنو غطفان کے مقابلے پر تشریف لے گئے تھے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غورث نامی مشرک اپنی قوم کے سامنے یہ عزم کر کے نکلا کہ میں محمد (صلعم) کو قتل کر کے رہوں گا۔ وہ آیا تو حضورؐ ایک درخت کے سائے میں آرام فرما رہے تھے۔ آپ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی۔ غورث نے وہی تلوار تان کر للکارا کہ بتاؤ اب کون تمہیں بچا سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے خوف ہو کر کہا کہ "خدا بچانے والا ہے"۔

جنگ کے واقعات

ابو سفیان ایک لشکر عظیم لے کر روانہ ہوا۔ اس لشکر میں ۱۰ ہزار سے ۲۴ ہزار تک سپاہ بیان کی جاتی ہے ایک ہزار اونٹ اور تین سو گھوڑے ساتھ تھے۔ بنو اسد، بنو غطفان، بنو سلیم اور بنو سعد وغیرہ تمام قبائل اس جنگ میں شریک ہوئے۔ یہ سارا لشکر تین مستقل فوجوں میں تقسیم تھا:

۱۔ قریش کی فوج: اس کا سپہ سالار ابو سفیان تھا جو سپہ سالار کل بھی تھا۔

۲۔ غطفان کی فوج: اس کی کمان عیینہ بن حصن فزاری کے سپرد تھی۔

۳۔ اور بنو اسد کی فوج، جس کا افسر طلیحہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس عظیم لشکر کی روانگی کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ مدینہ کے تین جانب مکانات اور نخلستان ہیں۔ چوتھی جانب اگر خندق کھود لی جائے تو کفار سے مقابلہ کرنا نسبتاً آسان ہو جائے گا۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کی کھدائی شروع کر دی گئی۔ آپ نے یہ کام بڑے نظم وضبط کے ساتھ سر انجام دیا۔ داغ بیل لگا دیے گئے اور دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کر دی گئی اور حکم دیا گیا کہ پانچ گز گہری خندق بنائی جائے۔ چوڑائی دس گز رکھی گئی ہوگی۔ مجموعی طور پر اس کا طول ۱½ - ۲ میل تھا۔ بقول مولانا شبلی نعمانی تین ہزار مسلم رضاکاروں نے یہ کام بیس روز میں مکمل کیا۔ خندق کھودتے ہوئے مسلمانوں میں بڑا جوش وخروش تھا۔ نغمے گا گا کر اور شعر پڑھ پڑھ کر کام میں مصروف رہے۔ حضورؐ بھی برابر ان کے ساتھ کام کرتے رہے۔ آپ کی ٹولی میں سلمان فارسیؓ بھی شامل تھے۔ ایک مرتبہ ایک سخت چٹان آگئی جو کسی سے نہ ٹوٹتی تھی۔ آپؐ نے اس پر ضربیں لگائیں۔ پہلی ضرب پر فرمایا کہ یمن میرے لیئے فتح ہوا، دوسری پر شام اور تیسری پر ایران کے مفتوح ہونے کی بشارت دی۔ فارغ ہو کر اس کے کنارے پتھر جمع کیے گئے تاکہ بوقت ضرورت ان سے کام لیا جا سکے۔

خندق سے فارغ ہو کر عورتوں اور بچوں کو محفوظ حویلیوں میں یکجا کر دیا گیا تاکہ ان کی آسانی

لہ سیرت ابن ہشام وتحسین انسانیت۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے حفاظت کی جا سکے۔ بنو قریظہ کے متعلق یہ اندیشہ تھا کہ وہ ان قلعوں پر حملہ کر سکتے ہیں تو نبی کریم نے دو سو سپاہیوں کو ان قلعوں کی حفاظت پر مامور فرمایا۔

بنو قریظہ سے حضورؐ کا معاہدہ تھا لیکن بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے انہیں معاہدہ توڑنے پر آمادہ کر لیا۔ حضورؐ نے جب حضرت سعدؓ بن معاذ کو صحیح صورتِ حالات معلوم کرنے بھیجا اور بنو قریظہ کو مسلمانوں نے معاہدہ یاد دلایا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہے اور معاہدہ کیا چیز ہے، ان کی عہد شکنی سے مسلمانوں کو بڑی تشویش ہوئی۔

قریش، یہود اور قبائل عرب کی فوجیں تین طرف سے مدینہ پر حملہ آور ہوئیں لیکن اُن کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ جب انہوں نے اپنی زندگی میں پہلی بار خندق دیکھی وہ اسے عبور نہ کر سکتے تھے، بہت تلملائے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ سامنے ہی پڑاؤ اور مورچہ بندی کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین ہزار لشکر کو سلع پہاڑی کی پشت پر مورچہ بند کیا اور خود ایک سُرخ خیمہ میں مقیم ہو گئے۔

فریقین کے درمیان خندق حائل تھی اس لیے دونوں طرف سے تیروں اور پتھروں کا تبادلہ ہوتا رہتا۔ حضورؐ نے خندق کی حفاظت کے لیے اپنے دستے متعین کر رکھے تھے۔

محاصرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ قریش نے ایک دن نسبتاً تنگ جگہ سے خندق کو عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ عرب کا سب سے بڑا پہلوان عمرو بن عبدوُد نے اپنا گھوڑا سب سے پہلے ڈالا۔ اس کے پیچھے عکرمہ اور ضرار بن الخطاب آگے بڑھے اور مسلمان فوج کے قریب پہنچ گئے۔ عمرو بن عبدود نے مبارزت طلب کی تو علیؓ بن ابی طالب نے اس کا چیلنج قبول کیا۔ عمرو نے کہا: "عزیز من! میں تجھے قتل نہیں کرنا چاہتا!" حیدر کرارؓ نے کہا، "مگر میں تو اپنی ذوالفقار تمہارے خون میں تر کرنا چاہتا ہوں!" آخر دونوں آمنے سامنے ہوئے اور کفر کا سب سے بڑا پہلوان خون میں لت پت ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ باقیوں نے اپنے اس طاقتور ساتھی کا یہ حال دیکھا تو واپس بھاگنے میں خیریت سمجھی۔

محاصرہ جاری ہے اور مسلمان بے انتہا مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ باہر ہزاروں کا لشکر خون کا پیاسا پڑا ہے۔ بنو قریظہ نے بد عہدی کر دی ہے اور سر پر ان کی بغلی چھری کا خطرہ درپیش ہے عورتیں اور بچے تک محفوظ نہیں۔ پھر معاشی بد حالی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ پہلے کئی ہفتے خندق کھودتے رہے کوئی کام نہ کیا جا سکا اور اب کئی ہفتوں سے محاصرہ جاری ہے۔ منافقین یہ بہانہ بنا کر کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ طرح طرح کے خیالات مسلمانوں کے دل میں آرہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ صرف حضورؐ کی ذات گرامی مطمئن تھی اور خدا کی نصرت کا پورا یقین تھا۔

ایک مرتبہ ایک یہودی مسلمان خواتین کے خیمہ کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا۔ سیدہ صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو اطلاع دی۔ انہوں نے معذرت کی تو صفیہؓ خود لاٹھی لے کر آگے بڑھیں اور یہودی پر حملہ آور ہو کر اسے موت کی نیند سلا دیا۔ اور اس طرح یہود کو یقین دلایا کہ یہاں مسلمان حفاظت کے لیے موجود ہیں۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضورؐ نے محاصرہ کی سختی کو دیکھ کر غطفان سے مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی دے کر معاہدہ کرنا چاہا۔ جب انصار سے مشورہ کیا تو انہوں نے عرض کیا۔ "اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں لیکن اگر یہ رائے ہے تو عرض ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے۔" حضورؐ کو اس جواب سے اطمینان ہو گیا اور آپؐ نے اندازہ فرمایا کہ ابھی ساتھیوں میں اتنا دم خم ہے کہ وہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

محاصرہ جتنا طویل ہو رہا تھا محاصرین ہمت ہار رہے تھے۔ سامان رسد کے لحاظ سے اور سردی کی شدت سے وہ سخت تکلیف میں تھے۔ ایک رات اس زور کی آندھی آئی کہ کفار کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں اور چولہوں پر رکھی ہوئی ہانڈیاں الٹ گئیں۔ سخت طوفان اور سردی سے کفار سخت پریشان تھے۔

اسی اثنا میں نعیم بن مسعودؓ جو خفیہ طور پر اسلام قبول کر چکے تھے، بنو قریظہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں نے خواہ مخواہ حضورؐ کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ قریش تو چلے جائیں گے تمہیں یہاں مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے اگر تم ان کی مدد کرنا ہی چاہتے ہو تو قریش اور غطفان کے چند آدمی بطور یرغمال ان سے مانگو۔ قریظہ کو نعیم کی یہ بات بہت پسند آئی۔ نعیم ان سے مل کر قریش کے پاس پہنچے ان سے کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریظہ مسلمانوں سے عہد شکنی پر پشیمان ہیں اور انہیں خوش کرنے کی ہر تدبیر سوچ رہے ہیں۔ اگر قریش کے کچھ آدمی ان کے قبضے میں آجائیں تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے ان کو قتل کی غرض سے پیش کر دیں۔ آپ لوگ خیال رکھیں کہیں اپنے آدمی ان کے حوالے نہ کر دیں۔ قریش سے مل کر غطفان پہنچے اور ان سے بھی یہی بات کہی۔ قریش نے نعیم کی بات کی تصدیق کے لیے بنو قریظہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کل مسلمانوں پر حملہ کرنا ہے آپ تیار ہو جائیں۔ یہود نے جواب دیا کہ کل یوم السبت ہے۔ ہم جنگ نہیں کریں گے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حالانکہ ہی ابوسفیان سے رابطہ رکھنے کے لئے آدمی مانگے۔ اب تو ابوسفیان کو بھی ... کا یقین ہوگیا۔

غرض ان حالات میں کہ یہود علیحدہ ہوگئے، موسم میں شدت پیدا ہوگئی، اونٹ بدک رہے تھے۔ محاصرہ طویل ہوتا جارہا تھا اور رسد کی قلت ہوگئی تھی۔ ابوسفیان نے فوج سے کہہ دیا کہ طبل جنگ بجا دو۔ بنو غطفان بھی ان کے ساتھ روانہ ہوگئے اور اس طرح بیس بائیس دن کے بعد دشمن خود بخود پسپا ہوگیا۔ راتوں رات مدینہ کا مطلع صاف ہوگیا۔ اس جنگ میں طرفین کا جانی نقصان بہت ہی کم ہوا۔

کفار کی ناکامی کے اسباب

۱۔ کفار کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اب تک انہیں اس بات کا تجربہ نہیں تھا کہ خندق بھی راستے میں حائل ہوسکتی ہے۔ ان کو مجبوراً خندق کے دوسری طرف ہی پڑاؤ ڈالنا پڑا۔

۲۔ مسلمانوں نے بڑی مستعدی عزم و استقلال اور جانفشانی سے خندق کی حفاظت کی۔ کفار کوششوں کے باوجود خندق کو عبور کر کے عام حملہ نہ کرسکے۔ اکادکا فوجی ادھر آیا بھی تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

۳۔ محاصرہ بہت طویل ہوگیا جس سے کفار بددلی کا شکار ہونے لگے اور اس لڑائی سے تنگ آگئے۔

۴۔ کفار کی اتنی بڑی فوج تھی کہ اس کا سامان رسد درست رکھنا اور مہیا کرنا مشکل ہوگیا۔ پھر ایک دو روز کے لئے اگر رسد پہنچانے کی بات ہوتی تب تو آسان تھا لیکن بیس پچیس روز کے لئے ناممکن ہوگیا۔

۵۔ کفار میں تمام قبائل شامل تھے۔ ان کے اندر زیادہ دیر تک یک جہتی اور اتحاد فکر و عمل برقرار نہ رہ سکا۔ خاص کر جب نعیمؓ نے ان کے درمیان غلط فہمی پیدا کردی تو قریش، بنو قریظہ سے بالکل مایوس ہوگئے۔

۶۔ موسم کی شدت اور سرد ہواؤں کے طوفان نے کفار کی رہی سہی قوت برداشت بھی چھین لی اور مجبوراً انہیں ناکام واپس لوٹنا پڑا۔

جنگ احزاب کے نتائج

اسلامی تاریخ میں جنگ احزاب اپنے نتائج کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں مسلمان ابتلاء اور آزمائش کے عظیم دور سے گزرے۔ مصیبت کی کوئی قسم نہ تھی جو انہیں نہ سہنی پڑی ہو۔ حتیٰ کہ قرآن کریم کی زبان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بُری طرح مارے گئے۔

(الاحزاب آیت ۱۰-۱۱)

خندق کھودنے کا سامان تک یہودیوں سے مانگا۔ فاقہ مستی کا یہ عالم رہا کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر کام جاری رکھا گیا۔ تمام زرعی اور تجارتی کاروبار معطل رہے۔ ان ساری مشکلات میں جب پورے صبر اور عزم کے ساتھ مدافعت جاری رکھی تو خدا کی طرف سے یہ انعام ملا کہ آئندہ کے لیے مسلمان خود حملہ آور ہوتے رہے اور مدافعانہ دور ختم ہو گیا۔

اس لڑائی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مسلمان مادی ذرائع و وسائل کے استعمال میں اور میدان میں نئی تدبیروں کے اختیار کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ ملک فارس میں بچاؤ کی ایک تدبیر خندق بھی ہے تو آپ نے اسے اختیار کیا۔ گویا دوسری قوموں سے استفادہ کرنا اور ان کے تعمیری فنون کو اختیار کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گیا۔

جنگ میں مختلف چالیں چلنی پڑتی ہیں اور اس مقولہ کے تحت کہ "الحرب خدعة" آپ نے نعیم بن مسعود کو اجازت دی کہ وہ کفار کے ان گروہوں کے درمیان پھوٹ ڈلوائیں۔ حضرت نعیم نے جھوٹ بولے بغیر ایسی تدبیر کی کہ یہود اور قریش میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

ایک نتیجہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ جنگ کے دنوں میں اگر کسی متحارب گروہ سے کسی قسم کی مصالحت کی گفتگو کرنی پڑے تو قوم سے مشورہ کرنا چاہیے۔ حضورؐ کا ارادہ تھا کہ بنو غطفان کو پیداوار کا ایک حصہ دے کر صلح پر راضی کر لیا جائے لیکن جب انصار نے اس کے خلاف رائے دی تو آپ نے ان کا مشورہ مان لیا اور مصالحت کے مسودہ کو پھاڑ دیا گیا۔

اس دفعہ مسلمانوں نے ڈسپلن اور نظم کا بہت اچھا مظاہرہ کیا اور پچھلی کمی کو پورا کر دیا۔ اسی نظم اور تقسیم کار کے اصول کے تحت خندق کھودنے کا بہت مشکل کام بخیر و خوبی تکمیل پذیر ہوا۔

پھر اس کی حفاظت میں بھی پوری مستعدی کا مظاہرہ کیا۔ پہرے کی باریاں مقرر ہوئیں اور باہمی شناخت کے لیے کوڈ مقرر ہوئے۔ بنو قریظہ کی غداری کی تصدیق کرنے والے گروہ نے حضورؐ کو اسی کوڈ میں اس کی اطلاع دی اور صرف عضل، وقارۃ کہا۔ مراد تھی کہ جس طرح یہ قبائل غداری کر چکے ہیں اسی طرح یہود نے بھی کی ہے۔ سمع و طاعت کا یہ حال تھا کہ بغیر اجازت لیے کوئی مخلص مسلمان اپنی ڈیوٹی کی جگہ نہیں چھوڑتا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہود نے عین جنگ کے دوران جس طرح کی دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا اس نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے ساتھ کسی طرح کی نرمی نہیں برتنی چاہیے۔ آخر کار کفار کی واپسی کے فوراً بعد آپؐ نے بنو قریظہ کو گھیر لیا۔ انہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کو اپنا حکم بنایا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ ان کے مردان جنگی کو قتل کی سزا دی جائے۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر دیا جائے اور ان کے مال و اسباب کو غنیمت کا مال قرار دیا جائے۔ چنانچہ چار سو یہودی قتل ہوئے۔ ایک یہودیہ کو بھی اس جرم میں قتل کر دیا گیا کہ اس نے ایک مسلمان پر چکی کا پاٹ گرا دیا تھا جس سے وہ شہید ہو گیا تھا۔ اس طرح مدینہ کی سرزمین اسلام کے دشمنوں سے پاک ہو گئی۔ یہ وہ عظیم نتائج تھے جو جنگ خندق سے وقوع پذیر ہوئے۔

اہم سوالات

۱۔ جنگ بدر کو اسلام کی تاریخ میں کیا اہمیت حاصل ہے؟ اسلام کے حق میں اس کا کیا فائدہ ہوا؟ ۱۹۵۷ء

۲۔ غزوۂ بدر کی وجوہات اور واقعات، نتائج بیان کرو؟ (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۶ء)
(لاہور بورڈ ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۶۰ء)

۳۔ جنگ احد کے اسباب اور واقعات کیا تھے؟ اس میں مسلمانوں کو کیوں شکست ہوئی؟

۴۔ جنگ خندق کا حال لکھیے۔ نیز بتائیے کہ اس جنگ کو اسلامی تاریخ میں کیا اہمیت حاصل ہے؟
(لاہور بورڈ ۱۹۵۰، ۱۹۶۹ء)

۵۔ غزوۂ احزاب کے اسباب، واقعات اور نتائج لکھیے! (سرگودھا بورڈ ۱۹۸۶ء)

۶۔ ہجرت کے بعد پیغمبر اسلام کے خلاف اہل مکہ کی جارحانہ کارروائیوں کا مختصراً حال لکھو۔ ان میں مسلمانوں کی فتح کا راز کیا تھا؟ ۱۹۶۳ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۳

غزوات وفتوحات

صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور دوسری فتوحات

عمرہ کی تیاری

غزوۂ احزاب کے ایک سال بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا۔ اس میں آپ کو حج کرنے کا اشارہ ہوا۔ صحابہ کرامؓ کو اور خود حضورؐ کو مکہ کی سرزمین سے جو محبت تھی۔ اس کا اندازہ ہجرت کے اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں حضرت بلالؓ کو مکہ میں کتنا ستایا گیا تھا لیکن وہ اس شہر کو یاد کر کے رویا کرتے اور اس کی یاد میں شعر پڑھتے تھے۔ دوسرے مہاجرین کے گھر بار، رشتہ دار اور بعض کے اہل وعیال تک مکہ میں رہ گئے تھے۔ چھ سال سے وہ اپنے پیارے شہر کو ترس گئے تھے۔

جونہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کی تیاری کا حکم دیا تو مسرت کی لہریں دوڑ گئیں اور دیکھتے دیکھتے چودہ سو صحابہ کی جماعت اس مبارک سفر کے لیے تیار ہو گئی۔

کعبۃ اللہ دعوتِ ابراہیمی کا مرکز تھا اور تمام عرب ان حرام مہینوں میں لڑائیاں بند کر کے حج کے لیے مکہ میں جمع ہوتے تھے۔ وہی عرب جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ حج کے ایام میں باہم شیر وشکر ہو جاتے۔ اکٹھے ہو ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور جانوروں کی قربانیاں دیا کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یقین تھا کہ ان امن کے دنوں میں وہ عمرہ ادا کر سکیں گے اور باوجود کفار کی دشمنی کے انہیں روکا نہیں جائے گا۔

سفر پر روانگی

آپؐ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ مدینہ میں اپنا ایک نائب بنا کر اور وہاں کی حفاظت کا انتظام درست کر کے چل پڑے۔ قربانی کے تقریباً ۷۰ جانور ساتھ لے لیے۔ کوئی جنگی ہتھیار ساتھ نہ تھا صرف تلواریں ساتھ رکھ لی گئیں۔ عرب اپنے رواج کے مطابق اسے سفر کا ضروری آلہ سمجھتے تھے۔ آپ نے یہ حکم دیا کہ تلواریں بھی نیام میں ہوں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کے جانوروں کو نشان زد کر دیا اور احرام باندھ لیا۔

دوسری طرف جب قریش کو اس سفر کی خبر ہوئی تو بڑے زور شور سے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ نبی کریمؐ کو عسفان کے مقام پر ایک خزاعی خبر رساں بشر بن سفیان نے آکر یہ اطلاع دی کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ قریش مزاحمت کی تیاری کر رہے ہیں اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ "محمدؐ مکہ میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے۔" خالد بن ولید نے' جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' عکرمہ بن ابوجہل کو ساتھ لے کر ایک رسالہ تیار کیا جس میں دو سو سوار تھے اور مسلمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ حضورؐ کو جب یہ علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا :

"یہ قریش کی بدبختی ہے۔ جنگوں نے ان کا کچومر نکال دیا ہے۔ ان کا کیا حرج ہے کہ وہ بیچ میں سے ہٹ جائیں اور مجھے اور پورے عرب کو نمٹ لینے دیں۔ اگر وہ مجھے ختم کر دیں تو ان کی مراد پوری ہوئی۔ اگر مجھے غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ چاہیں تو اپنی تعداد کثیر کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں ورنہ وہ قوت رکھتے ہیں اور اس وقت قریش ایسا نہ ہو تو پھر خدا کی قسم میں اس حق کو لے کر جس کے ساتھ خدا نے مجھے اٹھایا ہے۔ آخر دم تک لڑوں گا۔ یہاں تک کہ یا تو اس دین کو خدا غالب کر دے یا میری یہ گردن کٹ جائے۔"

آپؐ خالد کے دستے کے پہلو سے ہوتے ہوئے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ مقام مکہ سے ۱۳ میل کے فاصلے پر ہے۔ حدود حرم میں داخل ہونے کے سبب یہاں پر لڑائی کا امکان نہ تھا۔ یہاں پر ایک کنواں تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی جماعت کے لیے پانی کا بھی انتظام کر دیا۔

سفیروں کی آمدورفت

قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقا' جو اسلام کے لیے حامیانہ جذبات رکھتے تھے' اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضورؐ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آرہا ہے وہ آپ کو کعبہ میں نہ جانے دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ قریش سے جاکر کہو کہ "ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں لڑنا مقصود نہیں۔ قریش جنگ کے بڑے خیالی ہیں حالانکہ اس میں سراسر ان کا گھاٹا ہے۔ کیوں نہ ایسا ہو کہ قریش چند سال کے لیے مصالحت کر لیں۔" بدیل قریش کے پاس پہنچے اور ان کو حضورؐ کے ارادوں سے آگاہ کیا۔ نوجوان تو بہت بگڑے مگر بوڑھوں نے بات سنی اور ایک شخص کو واقعات کی تصدیق کے لیے بھیجا۔ اس نے آکر بتایا کہ واقعی مسلمانوں کے ساتھ قربانی کے جانور ہیں اور وہ زیارت کعبہ کے لیے آئے ہیں۔ پھر عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا گیا اس نے حضورؐ سے کہا "اے محمدؐ! فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی کوئی اور مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کیا ہو اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدلا تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اڑ جائے گی۔"[1] حضرت ابوبکرؓ کو عروہ کی اس بات پر سخت غصہ آیا اور آپ نے

[1] سیرت النبی شبلی نعمانی جلد اول ص [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے ڈانٹ کر کہا کہ رسول اللہ کے فدائی ان کو کسی حالت میں بھی چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ عروہ عرب کے رواج کے مطابق حضورؐ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کر بات کر رہا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ تلوار کی نوک سے اس کا ہاتھ ہٹا دیتے۔ عروہ واپس قریش کے پاس پہنچا تو اس نے کہا، اے برادران قریش! میں نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمدؐ کی سی عظمت کسی بادشاہ کی نہ دیکھی اور تو اور ان کے ساتھی ان کے وضو کے پانی کے قطرے بھی زمین پر نہیں پڑنے دیتے۔ ان کا بال زمین سے اٹھا کر کسی قیمت پر دوسروں کو دینا انہیں گوارا نہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنی رائے پر نظرثانی کریں۔

اب تک تو قریش کی طرف سے قاصد آتے رہے اب آپؐ نے ان کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا۔ کفار نے ان کے اونٹ کو ہلاک کر دیا اور وہ مشکل سے جان بچا کر واپس پہنچے۔ اب آپؐ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو بھیجا کیونکہ ان کے بہت سے اعزا مکہ ہی میں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے حضورؐ کا پیغام اہل مکہ کو سنایا۔ انہوں نے کہا کہ "اے عثمانؓ! تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہو" مگر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ "جب تک رسول اللہ طواف نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا۔" حضرت عثمانؓ کو کفار نے روک لیا اور واپسی میں دیر ہو گئی تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے ہیں۔

لڑائی کا بہانہ

اس دوران جب کہ سفیروں کا سلسلہ آمدورفت جاری تھا۔ قریش کو ان کا ضمیر بار بار ملامت کرتا تھا کہ آخر کس وجہ سے اور کس حق کی بنا پر اس حرام مہینے میں ہم مسلمانوں سے لڑیں گے دوسرے قبائل بھی اس فعل پر غم و غصہ کا اظہار کریں گے۔ پھر یہ کون سا اچھا کام ہے کہ کسی کو زیارت کعبہ سے روکا جائے۔ اس لیے لڑائی کی وجہ جواز پیدا کرنے کے لیے بار بار یہ کوشش کی کہ کسی طرح مسلمان مشتعل ہو جائیں۔ ایک دفعہ ان کے چالیس پچاس آدمی رات کے وقت آئے اور مسلمانوں کے پڑاؤ پر پتھر اور تیر برسانے لگے۔ صحابہؓ نے ان سب کو گرفتار کر کے حضورؐ کے سامنے پیش کر دیا مگر آپؐ نے ان سب کو چھوڑ دیا۔ ایک اور موقع پر ۸۰ آدمی عین نماز فجر کے وقت آئے اور انہوں نے اچانک چھاپہ مار دیا۔ یہ لوگ بھی پکڑے گئے مگر حضورؐ نے انہیں بھی رہا کر دیا۔ ان سب واقعات سے کفار کو مقصد حاصل کرنے میں بری طرح ناکامی ہوئی کیونکہ مسلمانوں نے بڑے صبر و ضبط اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔

بیعت رضوان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کو کفار مکہ نے شہید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا ہے تو اب مزید تحمل کا موقع نہ تھا۔ مکہ میں داخلہ کی بات تو دوسری تھی۔ اس کے لیے طاقت کا استعمال ہرگز پیش نظر نہ تھا مگر جب نوبت سفیر کے قتل تک پہنچ گئی تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر ان سے اس بات پر بیعت لی کہ اب عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہو گیا ہے اور اب یہاں سے ہم مرتے دم تک پیچھے نہ ہٹیں گے۔ بلا تامل پورا قافلہ حضورؐ کے ہاتھ پر مر مٹنے کی بیعت کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ صرف ایک منافق کی قسمت میں یہ سعادت نہ تھی۔ صحابہؓ کے اس عمل پر اللہ تعالیٰ اتنا خوش ہوا کہ قرآن کریم میں اس بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

لقد رضی اللہ عن المومنین	خدا مسلمانوں سے راضی تھا جبکہ وہ تیرے ہاتھ
اذ یبایعونک تحت الشجرۃ	پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے

یہی وہ بیعت ہے جو بیعت رضوان کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔

صلح حدیبیہ

بیعت رضوان کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ زندہ سلامت موجود ہیں لیکن مسلمانوں کے اس جذبۂ جہاد کو دیکھ کر کفار اپنے موقف میں نرم پڑ گئے۔ انہوں نے حضورؐ کے پاس سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد صلح کی بات چیت کے لیے بھیجا۔ پہلے کفار یہ کہتے تھے کہ کبھی بھی مسلمان مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن اب اپنی ناک بچانے کے لیے یہ ترمیم کر دی کہ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آ کر عمرہ کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ باہمی گفت و شنید کے بعد صلح نامہ کی جو شرائط طے ہوئیں وہ یہ تھیں:

۱۔ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔

۲۔ اس دوران قریش کا جو شخص ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے گا اسے آپ واپس کر دیں گے اور آپ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا اسے واپس نہ کیا جائے گا۔

۳۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۴۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

۵۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اگلے سال آئیں اور تین دن سے زیادہ یہاں قیام نہ کریں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں ہو۔

جب یہ معاہدہ حضورؐ کی ہدایت پر حضرت علیؓ لکھ رہے تھے تو عمرو نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر اعتراض کیا تو قدیم طریقہ کے مطابق بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ لکھا گیا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا لکھو ذیل کا معاہدہ محمد رسول اللہ کے درمیان ہُوا۔ سہیل نے کہا کہ اگر میں یہ مانتا کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ کے خلاف لڑتا ہی کیوں؟ بس اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیے۔ اس وقت تک حضرت علیؓ محمد رسول اللہ کے الفاظ لکھ چکے تھے۔ اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ مٹانا انہیں گوارا نہ ہوا تو حضورؐ نے خود یہ لفظ کاٹ دیئے اور اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھا گیا۔

معاہدہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ ان میں سے ایک دو تو ذلت آمیز بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ دل ہی دل میں مسلمان اس صورت حال پر بے چینی اور کرب محسوس کر رہے تھے کہ سہیل کا بیٹا ابوجندلؓ مکہ کے ظالموں سے جان چھڑا کر مع بیڑیوں کے بھاگا اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچا۔ ان کے جسم پر سزا کے واضح نشان نظر آرہے تھے۔ سہیل نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ نے پہلے تو سہیل کو راضی کرنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا تو آپ نے ابوجندل کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ سے حضورؐ کے صحابہ تڑپ اٹھے۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا: "اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "کیوں نہیں؟" عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا: "کیا ہم مسلمان نہیں اور وہ مشرک نہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "کیوں نہیں؟" عمرؓ نے عرض کیا کہ "وہ جب ہم حق پر ہیں تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟" آپ نے فرمایا: "میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کرے گا۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اس خلش کو بھی دُور کر دیا کہ میں نے یہ ضرور کہا تھا کہ کعبہ کا طواف کریں گے۔ لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال ہی لازماً کریں گے۔

صلح نامہ مکمل ہوا۔ اس پر طرفین کے دستخط ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے بطور گواہ اس پر اپنے دستخط کئے۔ مسلمانوں نے قربانی کے جانور وہیں ذبح کر دیئے اور سر کے بال اُترو اکر وہاں سے واپس روانہ ہوئے۔ مکہ سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلہ پر سورہ فتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔

صلح حدیبیہ کے فوائد

صلح کے وقت شرائط ایسی تھیں جن پر قریش خوش تھے اور مسلمان [illegible] کہ جو مسلمان مکہ جانا چاہے تو مکہ والے اس کو [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں گے لیکن مکہ سے کوئی مدینہ جائے تو اسے مسلمان واپس کر دیں گے مگر ان ساری شرائط کا دُور رس فائدہ اور نتیجہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔ رسول اللہؐ نے جس دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے بظاہر اس صلح میں دب کر شرائط طے کیں۔ بعد کے حالات اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ حضورؐ کے تدبر اور سیاسی بصیرت کا شاہکار تھا۔ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ ہی بعد کی تمام کامیابیوں کی کنجی ثابت ہوئی۔ چند نمایاں فوائد جو اس صلح سے اسلامی تحریک کو حاصل ہوئے وہ درج ذیل ہیں[1]

۱۔ اس میں پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کا وجود تسلیم کیا گیا۔ اب تک عرب مسلمانوں کو برادری سے باہر خیال کرتے تھے۔ اب قریش ہی نے مدینہ کی ریاست کے مقبوضات پر آپ کا اقتدار مان لیا اور قبائل عرب کے لیے دروازہ کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جن کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کریں۔ چنانچہ بنو خزاعہ نے عین موقع پر اسلامی حکومت سے تعلق جوڑ لیا۔

۲۔ مسلمانوں کے لیے زیارت بیت اللہ کا حق تسلیم کر کے قریش نے آپ سے آپ یہ بھی مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے۔ دوسرے عربوں کی طرح اس کے پیرو بھی حج و عمرہ کر سکتے ہیں۔ اس سے عربوں کے دلوں کی وہ نفرت کم ہو گئی جو قریش کے پروپیگنڈا سے اسلام کے خلاف پیدا ہو گئی تھی اور مکہ میں مسلمانوں کی آمد و رفت سے اسلام کا حلقہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

۳۔ دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہو جانے سے مسلمانوں کو امن میسر آ گیا اور انہوں نے عرب کے تمام اطراف و نواح میں پھیل کر اس تیزی سے اسلام کی اشاعت کی کہ صلح حدیبیہ سے پہلے پورے ۱۹ سال میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے اس کے بعد دو سال کے اندر ہو گئے۔ حتیٰ کہ خالد اور عمرو بن العاص جیسے نوجوان اس صلح کے بعد اسلام کو میسر آ گئے یہ اسی صلح کی برکت تھی کہ یا تو وہ وقت تھا جب حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ کے ساتھ صرف ۱۴ سو آدمی آئے تھے یا دو ہی سال کے بعد جب قریش کی عہد شکنی کے نتیجہ میں حضورؐ نے مکہ پر چڑھائی کی تو دس ہزار کا لشکر آپ کے ہمرکاب تھا۔

۴۔ قریش کی طرف سے جنگ بند ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ کو یہ موقع مل گیا کہ اپنے مقبوضات میں اسلامی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کریں اور اسلامی قانون کے اجراء سے مسلم معاشرے

---

[1] ماہنامہ ترجمان القرآن ج ۷۰ عدد ۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ایک مکمل تہذیب و تمدن بنا دیں۔ علاوہ ازیں غیر ملکی حکومتوں کو دعوت دینے کا موقع بھی نکل آیا۔

۵۔ قریش سے صلح ہو جانے کے بعد آپؐ کو مہلت مل گئی کہ دوسرے دشمنوں کی سرکوبی کریں۔ چنانچہ اسی صلح کے تین ماہ بعد یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ خیبر فتح ہو گیا۔ اس کے بعد فدک، وادی القریٰ، تیما اور تبوک کی یہودی بستیاں اسلام کے زیر نگیں آتی چلی گئیں۔ پھر وسط عرب کے وہ تمام قبیلے بھی جو یہود اور قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے، ایک ایک کر کے تابع فرمان ہو گئے۔ اس طرح حدیبیہ کی صلح نے دو ہی سال کے اندر عرب میں قوت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش اور مشرکین کی طاقت دب کر رہ گئی اور اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا۔

۶۔ قریش کی سخت ترین شرط یہ تھی کہ کوئی مسلمان اگر مکہ سے مدینہ بھاگ جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا۔ چنانچہ معاہدہ لکھتے وقت ہی ابو جندلؓ اپنی بیڑیوں سمیت پہنچ گیا تھا اور آپؐ نے انہیں ظالموں کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

"ابو جندلؓ صبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمہارے اور مظلوموں کے لیے راہ نکالے گا۔ صلح اب ہو چکی ہے اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔"

یہ اس دعا کی برکت تھی اور اس شرط کا نتیجہ کہ مکہ سے ایک مسلمان ابو بصیر بھاگ کر مدینہ پہنچا۔ مکہ سے بنو عامر کا ایک شخص اپنے غلام کے ساتھ انہیں لینے ان کے پیچھے پہنچ گیا۔ شرط کے مطابق حضورؐ نے ابو بصیر کو ان کے حوالے کر دیا۔ راستے میں ابو بصیر نے عامری کی تلوار کی بڑی تعریف کی اور اس سے تلوار لے کر حملہ کر دیا۔ عامری مارا گیا اور دوسرا شخص بھاگ گیا۔ ابو بصیرؓ مدینہ لوٹ آئے مگر دوسرا شخص بھی پہنچ گیا اور حضورؐ سے شکایت کی تو ابو بصیرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ چنانچہ وہ مدینہ سے کھسک گئے اور بحر احمر کے کنارے جا بسے۔ قریش کے تجارتی قافلے اسی راستے سے گزرتے تھے۔ قریش کی قید سے جو بھاگتا وہ سیدھا ابو بصیر کے پاس پہنچ جاتا۔ ابو جندلؓ بھی وہیں پہنچ گئے اور ان کی تعداد ۷۰ تک پہنچ گئی۔ انہوں نے قریش کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ قریش اتنے تنگ آئے کہ حضورؐ سے درخواست کی کہ اس شرط کو ساقط کر دیں اور ان لوگوں کو بلا لیں۔ چنانچہ حضورؐ نے ان سب کو مدینہ واپس بلا لیا۔

یہ وہ عظیم نتائج تھے جو اس صلح سے ظاہر ہوئے۔ تبھی تو قرآن کریم نے اس کو فتح مبین کا نام دیا اور صحیح ہے۔ وہ یکسر واقعی فتح مبین تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں کے نام خطوط

اسلام محض عربوں کے لئے نہ آیا تھا کہ حضورؐ ان تک ہی دعوت حق پہنچا کر مطمئن ہو جاتے اسلام ایک عالمگیر دین ہے اور اسے تمام قوموں اور ملکوں تک پہنچانا اسلام کے ماننے والوں پر فرض ہے۔ نبی کریمؐ کو جونہی قریش کی طرف سے اطمینان ہوا۔ آپؐ نے قرب وجوار کے تمام بادشاہوں کے پاس تبلیغی وفود بھیجے۔ ان وفود نے حضورؐ کے خطوط بھی انہیں دیئے اور اسلام کے متعلق مزید معلومات بھی فراہم کیں۔ آپؐ نے ان تمام خطوط میں بادشاہوں کو توحید خالص اور رسالتِ محمدیؐ کی دعوت دی۔ چند ایک خطوط کے ملخص درج ذیل ہیں:

قیصر روم کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسولؐ ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا فرمانروا ہے۔ اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی اور کو خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔

یہ نامہ مبارک دحیہ کلبیؓ نے حارث غسانی کو جو قیصر کے ماتحت حکمران تھا، دیا اور اس نے ہرقل قیصر روم کے پاس پہنچایا۔ اس نے دربار سجا کر کسی عربی کو بلانے کا حکم دیا تاکہ اس نبی کے متعلق مزید تفصیلات پوچھ سکے۔ اس وقت ابوسفیان کو جو تجارت کے لئے گیا ہوا تھا بلایا گیا۔ ابوسفیان نے ہرقل کے سوالوں کے جواب میں بتایا کہ محمدؐ کا حسب نسب خالص ہے اور اس کے خاندان میں پہلے کسی فرد نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا نہ ہی اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہوا ہے کہ یہ اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہو۔ اس کے پیروکار کمزور اور معمولی لوگ ہیں۔ اس کے ساتھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ ہرقل نے آخری سوال کیا کہ کیا وہ بے وفائی اور وعدہ شکنی تو نہیں کرتا۔ ابوسفیان نے کہا کہ حال ہی میں ہمارا اس سے معاہدہ ہوا ہے دیکھئے وہ اس پر کہاں تک کاربند ہوتا ہے۔ اس پر ہرقل نے کہا مجھ کو یہ خیال ضرور تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ نہ جانتا تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔ خط سننے کے بعد اس کے درباری بڑے برہم ہوئے۔ ہرقل کو اندازہ ہو گیا کہ اگر وہ اسلام قبول کرے گا تو تاج وتخت سے محروم ہو جائے گا۔ اس طرح وہ اس سعادت سے بہرہ مند نہ ہو سکا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسریٰ کے نام

"خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے۔ محمد پیغمبر کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کے نام۔ سلام ہو اُس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔ خدا اور رسول پر ایمان لائے اور یہی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا رسول مقرر کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے۔ تُو اسلام قبول کر سلامت رہے گا ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہو گا۔"

ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز بڑی شان و شوکت والا تھا۔ اس کے پاس یہ خط حضرت عبداللہ بن حذافہؓ لے کر گئے تھے۔ خط پڑھ کر بولا "میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے"! پھر نامۂ مبارک چاک کر ڈالا اور یمن کے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ محمد کو گرفتار کر لاؤ۔ اس نے مدینہ میں دو آدمی بھیجے۔ ان سے آپؐ نے فرمایا: جاؤ باذان سے کہہ دو کہ اس کا بادشاہ مر چکا ہے۔ چنانچہ یہ جب واپس پہنچے تو پرویز قتل ہو چکا تھا۔

نجاشی کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے

نجاشی شاہ حبشہ کے نام

تم پر سلامتی ہو میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جو بادشاہ حقیقی ہے پاک ہے امن وسلامتی کا سرچشمہ ہے امن دینے والا اور عدل کرنے والا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مریم بتول کو عطا کیا جو پاکباز و عفیفہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اس طرح اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا تھا۔ میں تمہیں اس خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور اس شرط پر تعاون کا ہاتھ بڑھاتا ہوں کہ تم خدائے واحد کی اطاعت اور میری فرمانبرداری کرو اور یہ کہ تم اس چیز پر ایمان لاؤ جو میں لے کر آیا ہوں۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہیں اور تمہارے لاؤ لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکا تمہیں حق بات سنا دی ہے۔ تم میری نصیحت مان لو۔ جو راہ راست پر چلا امن وسلامتی میں رہا۔

نجاشی نے جواب دیا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں پھر حضرت جعفر طیارؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

مقوقس عزیز مصر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

خدا کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے مقوقس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سردار مقوقس کے نام۔

جس نے ہدایت پائی اس پر سلام ہو۔

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کرو امن و عافیت میں رہو گے۔ خدا تمہیں دگنا اجر دے گا۔ اگر تم حق سے روگردانی کرو گے تو ہر قبطی کا گناہ تمہارے سر ہو گا۔

اے اہل کتاب! آؤ ہم آپس میں مشترک بات پر متفق ہو جائیں کہ ہم ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ خدا کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ اگر تم روگردانی کرو تو گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

عزیز مصر نے جواب میں لکھا:

"محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے۔ سلام علیک کے بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی ہے اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں جن کی قبطیوں میں بہت عزت کی جاتی ہے اور میں آپ کے لیے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھی بھیج رہا ہوں"

حضرت حاطبؓ مقوقس کا یہ خط اور تحفے لے کر حضورؐ کے پاس واپس آئے۔ دونوں لڑکیاں مسلمان ہو گئیں۔ ان میں سے حضرت ماریہ قبطیہؓ سے آپ نے نکاح فرمایا اور دوسری لڑکی حضرت حسانؓ کے ملک میں آئی۔ خچر حضورؐ استعمال کرتے تھے۔ جنگ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے۔

ان خطوط کے علاوہ آپ نے اور بھی بہت سے والیان کے پاس دعوت اسلام پہنچائی ان میں بحرین، غسانی، عمان، دمشق، یمامہ، نجد اور بصرہ کے حاکم شامل ہیں۔ ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔ البتہ بصرہ کے حاکم شرجیل نے حضورؐ کے قاصد کو قتل کرا دیا۔ جس کے نتیجہ میں جنگ موتہ واقع ہوئی۔

خطوط کی خصوصیات

آپ نے سربراہوں کو خطاب کیا اور قوموں کی بھلائی اور برائی کی ذمہ داری ان ہی سربراہوں پر ڈالی۔ اس لیے انہیں عظیم فارس، عظیم روم وغیرہ سے خطاب کیا بلکہ کسریٰ اور مقوقس کی طرف صاف لکھ بھیجا کہ "تم پر مجوسیوں اور قبطیوں کی غلط روی کا وبال ہو گا"۔

آپ نے تمام خطوط بسم اللہ سے شروع فرمائے اور خطاب کرتے ہوئے پورے آداب کا خیال رکھا۔ حکمرانوں کو خطاب کرتے ہوئے ان کے مذہب اور مخصوص حالات کا پورا خیال رکھا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سفارتی خطوط کی زبان بڑی فصیح و بلیغ ہے۔ مختصر الفاظ مگر جامع اور مدعا واضح اور صاف بیان کیا جاتا۔ مرسل کی حیثیت سے اپنا نام اور پھر مکتوب الیہ کا نام لکھتے۔ خط کے اختتام پر اپنی انگوٹھی کی مہر لگاتے جس پر محمد رسول اللہ کندہ تھی۔

یہود

بنی اسرائیل

بنی اسرائیل حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی نسل سے تھے۔ ان کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ تھے جو ۲۱۶۰ ق م کے قریب اُر میں پیدا ہوئے جو دجلہ و فرات کا سیاسی مرکز تھا۔ جب آپ اپنی قوم کی اصلاح سے مایوس ہوگئے تو فلسطین آکر آباد ہوگئے۔ آپ کے دو بیٹے تھے، بڑے حضرت اسمٰعیلؑ اور چھوٹے حضرت اسحاقؑ تھے۔ انہوں نے بڑے کو خدا کے حکم سے عرب میں لاکر آباد کیا اور خانہ کعبہ کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ قریش کہ انہی کی اولاد سے تھے لیکن حضرت اسحاقؑ فلسطین ہی میں رہے۔ ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور ان کے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا ان کی مناسبت سے ان کی اولاد یہودی کہلائی۔

ورودِ مصر

حضرت یعقوبؑ کے ایک فرزند حضرت یوسفؑ اپنے بھائیوں کے حسد کی بدولت بکتے بکاتے مصر پہنچے جہاں بعد میں ان کا سارا خاندان منتقل ہوگیا۔

حضرت موسیٰ کا زمانہ

مصر میں ایک عرصہ تک عربی النسل بادشاہ تخت پر قابض رہے مگر بعد میں قبطی غالب آگئے۔ انہی میں فرعون پیدا ہوچکا تھا۔ جس کے زمانے میں حضرت موسیٰ کو مبعوث کیا گیا۔ فرعون بہت ہی زبردست شخص تھا مگر حضرت موسیٰؑ ۶ لاکھ بنی اسرائیل کو اس کے ظلم سے بچانے میں کامیاب ہوگئے۔

حضرت سلیمانؑ اور داؤدؑ کا زمانہ ان کے عروج و ترقی کا زمانہ تھا۔ بعد میں ان کے اندر گمراہی پھیل گئی۔ حتی کہ ۵۹۸ ق م میں بخت نصر شاہ بابل نے فتح کرکے ان کو عبرت ناک سزائیں دیں۔ دوبارہ یہودیوں کو اقتدار ملا اور ان کے اندر پھر اخلاق گراوٹ عود کر آئی تو ۷۰ء میں ٹیٹس رومی نے یروشلم کو فتح کیا اور ان کے ایک لاکھ ۳۳ ہزار آدمی قتل کیے۔

یہود کی عرب میں آمد

یہودیوں نے اپنی مقدس کتابوں میں ایک پیغمبر کی بشارت پڑھ رکھی تھی کہ وہ نبی عرب سے ظاہر ہوگا۔ اس امید پر وہ مدینہ میں آباد ہوگئے مگر

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب انہوں نے دیکھا کہ وہ نبی بنو اسمٰعیل میں سے ظاہر ہوا ہے تو مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔

یہود کی مخالفت کے اسباب

پہلا اور بنیادی سبب، یہود نے اسلام کی مخالفت میں تعصب اور ضد کے سبب ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ان کو دکھ یہ تھا کہ پیغمبر ہماری نسل سے کیوں نہ پیدا ہوا حالانکہ وہ اپنی کتابوں کی نشانیوں کے مطابق حضورؐ کو نبی برحق جان گئے تھے۔

دوسرا سبب ان کی مخالفت کا یہ ہوا کہ ان کی مذہبی اجارہ داری کو شدید خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب عرب اُن سے خدائی ہدایات کے بارے میں رجوع نہیں کریں گے۔

تیسرا سبب یہ ہوا کہ اسلام نے یہود کی گھٹیا حرکتوں، بے دینیوں اور دنیا پرستیوں پر تنقید کی اس لیے یہود نے اسلام کو ختم کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز ذریعہ اختیار کیا۔

مخالفت کا چوتھا سبب یہ ہوا کہ شروع میں مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے عبادت کرتے تھے۔ اس سے یہود کو امید تھی کہ کبھی مسلمان ان کا مذہب بھی اختیار کر لیں گے مگر جب مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے عبادت کا حکم ملا تو یہود جل بھن کر رہ گئے۔

پانچواں سبب یہ تھا کہ یہود سُود پر رقمیں دیا کرتے تھے اور بنو اوس اور بنو خزرج باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے ان کے زیر بار رہتے تھے۔ حضورؐ نے انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا اور سُود کو حرام قرار دے دیا۔ اس سے یہود کا کاروبار بند ہو گیا۔ لہٰذا وہ اسلام کے شدید مخالف ہو گئے۔

کعب بن اشرف کا قتل

یہ شخص یہودی قبیلے بنو نضیر کا سردار تھا۔ دراصل یہ بنو طے میں سے تھا مگر اس کی ماں بنو نضیر سے تھی۔ اپنی دولت، زبان اور شاعری کی بدولت بہت مقبول تھا۔ اسلام کے ساتھ اسے خدا واسطے کا بیر تھا۔ میثاق مدینہ کی رُو سے اسے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی حمایت کرنی چاہیے تھی لیکن انہوں نے عہد شکنی کی۔ اس کو یقین تھا کہ قریش بدر میں کامیاب رہیں گے مگر ان کی شکست پر وہ پکار اٹھا، "ہائے افسوس! کیا یہ خبر برحق ہے؟ یہ لوگ تو اشرف عرب اور شاہان زمانہ تھے اگر محمدؐ نے واقعتاً ان لوگوں کو مار گرایا ہے تو سطح زمین کی نسبت اس کا پیٹ بہتر ہے"۔ ان جذبات کے ساتھ یہ مکہ گیا اور اپنی شاعری سے ان میں انتقام کی آگ بھڑکا دی۔ یہ اتنا خبیث تھا کہ مکہ میں جس کے گھر ٹھہرا اس کی بیوی عاتکہ کی تعریف میں عشقیہ شعر اس نے کہے۔ اپنی اشعار میں اس نے بعض مسلمان خواتین کا نام بھی لیا۔ آنحضرتؐ کی ہجو کرتا اور صحابہؓ کی عورتوں کا ذکر کرتا۔ حضورؐ کو سخت اذیت پہنچاتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ صورت حال مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج تھی۔ حضورؐ نے پوچھا، کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرے؟ فوراً پانچ انصاری اٹھ کھڑے ہوئے جن میں ابونائلہ بھی تھے جو کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ یہ لوگ اس کے گھر گئے۔ ابونائلہ نے دروازہ کھٹکھٹایا اس نے دروازہ کھولا۔ ان لوگوں نے اس طرح گفتگو کی گویا اسلام سے بددل ہیں اور حضورؐ سے منحرف ہو چکے ہیں۔ ابونائلہ نے خواہش ظاہر کی کہ تم ہمارے ساتھیوں کا سامان حرب رہن رکھو اور خوراک کی چیزوں سے امداد کرو۔ کعب فوراً راضی ہو گیا۔ اس طرح تمام لوگ اس کے گھر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

ابونائلہ نے کعب کو پکڑ لیا اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا اور اس خبیث کا سر حضورؐ کے پاس لے آئے۔ ابونائلہ کے ایک ساتھی کو اپنے ہی کسی ساتھی کی تلوار سے زخم لگا جس پر حضورؐ نے لعاب دہن لگایا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔

ابورافع کا قتل

ابورافع خیبر میں رہتا تھا اور جنگ احزاب میں کفار کو اشتعال دلانے میں یہی پیش پیش تھا۔ قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج نیکیوں میں ہمیشہ مقابلہ کرتے تھے۔ جب اوس والوں نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا تو خزرج والوں نے سوچا کہ ابورافع جو حضورؐ کا سخت دشمن ہے اس کو قتل کرنا چاہیے۔ انہوں نے حضورؐ سے اجازت لے لی اور عبداللہ بن عتیک کو امیر کر کے یہ چھ افراد نکل کھڑے ہوئے۔

امام بخاریؒ کی روایت ہے کہ یہ لوگ شام کو وہاں پہنچ گئے عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ ٹھہرایا اور خود موقع نکال کر تنہا مکان کے اندر داخل ہوا اور اس کے سونے کے کمرہ میں، بستر پر تاریکی میں اس کو قتل کر ڈالا۔ نکلتے وقت سیڑھی سے گر گئے جس سے ان کے پاؤں پر چوٹ لگی۔ اس پر عمامہ باندھا اور گھر سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔ مدینہ شریف پہنچے تو حضورؐ نے عبداللہؓ کے پاؤں پر دست مبارک پھیر دیا جس سے وہ بالکل اچھے ہو گئے۔

قبائل یہود

یہود کے عرب میں تین قبائل بہت مشہور ہوئے جن کے نام ہیں، بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔ ان کا خاتمہ باسانی ہو گیا۔

بنو قینقاع

یہ قبیلہ مدینہ کے قریب رہتا تھا۔ اس کے افراد تاجر اور صناع تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد انہوں نے سب سے پہلے عہد شکنی کی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک عرب عورت ان کے بازار میں کسی دکاندار نے شرارت کی اور اس کو ننگا کر دیا یہود جمع ہو گئے۔ حضورؐ نے بنو قینقاع کو ملامت کی جس پر یہود نے کہا بدر کی فتح پر مغرور نہ ہونا، تمہاری قوم لڑنا نہیں جانتی تھی ہم سے سابقہ پڑے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا تو معلوم ہو جائے گا اور انہوں نے یہ کہہ کر معاہدہ توڑ دیا۔

حضورؐ نے ہجرت کے سوا سال بعد ۱۵۔ شوال بروز ہفتہ ان پر حملہ کیا۔ حضرت حمزہؓ کو علم دیا گیا۔ مدینہ میں ابو لبابہ کو نائب بنایا گیا۔ یہود قلعہ بند ہو گئے۔ ۱۵ روز محاصرہ رہا۔ آخر حضورؐ کے حکم پر رضامند ہو گئے۔ آپ چاہتے تو سب کو قتل کر سکتے تھے مگر مشہور منافق عبداللہ بن ابی کی سفارش پر اتنی سزا دی کہ مدینہ سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

بنو نضیر:۔ اخراج ربیع الاول ۴ھ بنو قینقاع کے اخراج کے بعد باقی قبائل یہود ذرا محتاط ہو گئے لیکن غزوۂ اُحد کے بعد یہ بھی شرارت پر آمادہ ہو گئے۔ فوری طور پر اُن کے خلاف کارروائی کا سبب یہ ہُوا کہ عمرو بن اُمیہ کے ہاتھوں بنو کلاب کے دو آدمی مارے گئے ان کی دیت میں یہود اور مسلمان دونوں برابر کے شریک تھے۔ جب حضورؐ نے بنو نضیر کے ہاں اس سلسلہ میں بات چیت کے لیے پہنچے تو یہ لوگ بڑے تپاک سے ملے اور ایک دیوار کے نیچے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بٹھا دیا مگر سازش یہ کی ایک آدمی کو اُوپر سے پتھر گرانے پر مقرر کر رکھا تھا کہ حضورؐ شہید ہو جائیں مگر وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو اس سازش سے آگاہ کر دیا۔ آپ چپکے سے چلے آئے اور آپ کے بعد تمام صحابہؓ بھی واپس آ گئے۔

اس کے بعد آپؐ نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا کہ تمہیں دس روز کی مہلت ہے مدینہ سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد جو بھی تمہارا آدمی یہاں ملے گا قتل کر دیا جائے گا۔ وہ جانے کے لیے تیار ہو گئے مگر سردار منافقین عبداللہ بن ابی نے اپنے دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مدد کا وعدہ کیا۔ حضورؐ نے حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت علیؓ کو علم دیا گیا اور بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بنو قریظہ، بنو غطفان اور منافقین میں سے کوئی ان کی مدد کو نہ آیا۔ مایوس ہو کر حضورؐ سے نکل جانے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم آلات حرب کے سوا جو چاہو اُٹھا لو اور یہاں سے چلے جاؤ۔

بنو قریظہ تیسرا قبیلہ مدینہ کے قریب ہی بنو قریظہ کا تھا۔ یہ سب سے زیادہ شریر اور بدزبان تھے اس لیے اللہ نے ان کو سزا بھی بڑی سخت دی۔ اس کا خاتمہ ۵ھ میں ہُوا۔

غزوۂ خندق کے موقعہ پر بنو قریظہ۔ حی بن اخطب کے بہکانے پر مسلمانوں سے معاہدہ توڑ کر عربوں کے ساتھ مل گئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ حالات بے حد نازک تھے۔ ہر طرف دشمن ہی دشمن تھے یہود نے اپنی فطری خباثت ظاہر کر دی تھی۔ جس طرف بنو قریظہ رہتے تھے مسلمان خواتین بھی اسی طرف تھیں۔ حضورؐ جنگ خندق کے دوران خواتین کی حفاظت کے لیے بنی حارثہ کے چند جوانوں کو بھیج دیا جب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوہ خندق میں عربوں کو منہ کی کھانی پڑی اور وہ واپس چلے گئے تو جبریلؑ نے قریظہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہتھیار اتارے بغیر مسلمان سیدھے قریظہ کی آبادی میں آ پہنچے اور ان کو گھیر لیا۔ ۲۵ روز محاصرہ رہا۔ کعب بن اسد ان کا سردار تھا۔ اس نے اپنے قبیلے کے سامنے تین صورتیں رکھیں:

۱۔ تم جانتے ہو کہ محمدؐ نبی برحق ہیں اس لیے مسلمان ہو جاؤ۔

۲۔ اگر یہ نہیں کرتے تو بال بچوں کو قتل کر کے میدان میں نکلو۔ فتح حاصل کر لو یا مارے جاؤ۔

۳۔ اگر یہ بھی نہیں کرتے تو سبت کے روز حملہ کرو۔ اس روز مسلمان غافل رہتے ہیں ان کو یقین ہے کہ ہم سبت کے روز نہ لڑیں گے۔

مگر قریظہ نے اپنے سردار کی تینوں باتیں نہ مانیں اور عاجز آ کر پیغام بھیجا کہ حضرت سعدؓ بن معاذ ان کے متعلق جو فیصلہ کریں انہیں منظور ہوگا۔ حضرت سعدؓ غزوہ خندق کے دوران زخمی تھے ان کو سوار کرا کر لایا گیا انھوں نے سب سے عہد لیا کہ ان کا فیصلہ حتمی اور قابل قبول ہوگا۔ اس کے بعد توریت کے حکم کے مطابق انھوں نے تمام مردوں کو قتل کرنے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنانے کا فیصلہ سنایا۔ اس پر عمل کیا گیا۔ یہیں پر حیی بن اخطب بھی قتل ہوا۔ کل ۴۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان یہودی قتل ہوئے اس طرح مدینہ کی سرزمین یہود سے پاک ہو گئی۔

فتح خیبر ۷ھ

حدیبیہ سے واپس آ کر آپ نے صیہونی تحریک کے مرکز اول خیبر کو فتح کرنے کا پروگرام بنایا۔ خیبر مدینہ سے ۲۰۰ میل دور ہے اپنے نخلستانوں اور مضبوط قلعوں کی وجہ سے بڑا مشہور تھا۔ مدینہ کے جلاوطن یہود یہیں آ بسے تھے اور اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے سارے جتن کر رہے تھے۔ قریش سے بڑھ کر ان کو اسلام کی اشاعت و فروغ سے دکھ تھا۔ اب تک یہود کا جو کردار مسلمانوں کے سامنے آیا تھا اور جن سیاسی جرائم کے یہ اب تک مرتکب ہو چکے تھے، انھوں نے حضورؐ کو مجبور کر دیا کہ اس فتنہ کا پوری طرح استیصال کر دیں۔

محرم ۷ھ میں آپ سولہ سو پیادوں اور دو سو سواروں پر مشتمل ایک لشکر لے کر خیبر روانہ ہوئے آپ نے فوج میں تین علم مقرر کیے اور مقام رجیع میں فوجیں اتار دیں۔ حضورؐ کو خیال تھا کہ غطفان کا قبیلہ یہود کی مدد کو آئے گا لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں تو وہ اسی فکر میں لگ گئے

واقعات

خیبر میں چھ قلعے تھے۔ ساکم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق اور مربطہ۔ ان سب میں قموص کا قلعہ بے حد مضبوط تھا۔ اس قلعہ کی حفاظت کے لیے مرحب پہلوان متعین تھا جو اکیلا ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ تمام قلعوں میں مورخ یعقوبی کے مطابق بیس ہزار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لشکری موجود تھے۔

سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے دوسرے قلعے بھی فتح ہوتے چلے گئے مگر قموص کا قلعہ فتح کرنا آسان نہ تھا۔ کئی دن حملے ہوتے رہے بالآخر ایک روز حضورؐ نے فرمایا کہ "کل میں علم اس شخص کو عطا کروں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا جو خدا اور اس کے رسولؐ کو چاہتا ہے اور وہ بھی اس کو چاہتے ہیں۔" (بخاری)

فاتح خیبر رات کو ہر ایک کے دل میں یہ آرزو مچل رہی تھی کہ کاش علم اسے مل جائے مگر یہ سعادت حیدر کرارؓ کے حصے میں آئی۔ ان کا نام پکارا گیا مگر ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ حضورؐ نے لعاب لگا کر دعا فرمائی جس سے آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ آپؓ علم لے کر یہود کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ اُدھر سے مرحب رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا نکلا مگر حیدرؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ اس کا مرنا تھا کہ یہود کے دل چھوٹ گئے اور بیس روز کے بعد یہ قلعہ پوری طرح فتح ہو گیا۔ اس لڑائی میں ۹۳ یہود مارے گئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔

غزوہ خیبر کی نمایاں خصوصیت اب تک حضورؐ نے جتنی جنگیں لڑیں وہ ساری کی ساری دفاعی تھیں۔ یہ پہلی لڑائی تھی جس میں آپؐ نے اقدام فرمایا اور دشمن اسلام قوم کو فتح کر کے ان کو رعایا بنایا۔ خیبر گویا اسلام کا پہلا مفتوحہ علاقہ قرار پایا۔

یہود کے ساتھ حسن سلوک یہودی درخواست پر آپ نے زمینیں ان کے پاس رہنے دیں۔ بٹائی کے وقت آپ عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجتے تھے وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصہ چاہو لے لو۔ یہود اس عدل پر حیران ہو کر کہتے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔

جنگ موتہ

جنگ موتہ ۸ھ اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ حضورؐ کے قاصد حضرت حارثؓ کو شرجیل غسانی حاکم بصریٰ نے قتل کرا دیا تھا۔ یہ ایک مسلّم سفارتی اصول کی خلاف ورزی تھی۔ اس کا قصاص لینے کے لیے نبی کریمؐ نے تین ہزار کا ایک لشکر بھیجا۔ زید بن حارثؓ اس لشکر کے سپہ سالار تھے۔ مسلمانوں نے موتہ کی بستی میں پڑاؤ ڈالا۔ شرجیل ایک لاکھ کا عظیم لشکر لے کر مجاہدین کے مقابلے پہ نکلا۔ اس کی مدد کے لیے دوسرے قبائل کے افراد بھی ایک لاکھ کی تعداد میں اس کے ساتھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ یہ گویا تین ہزار اور دو لاکھ کا مقابلہ تھا۔

مسلمانوں کو کفار کی اس کثیر فوج کا علم ہوا تو اور زیادہ ایمانی جوش کے ساتھ آمادہ پیکار ہوئے بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ حضورؐ کی پیش گوئی کے مطابق مسلمانوں کے تینوں سالار حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ یکے بعد دیگرے داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے اب خالدؓ بن ولید کو سپہ سالار بنایا گیا۔ آپ نے فوج کو از سر نو مرتب کیا اور شام تک میدان میں ڈٹے رہے۔ خالدؓ فرماتے ہیں کہ اس دن میرے ہاتھ میں ۹ تلواریں ٹوٹ گئیں۔ اس دن حضرت جعفرؓ کو ۹۰ سے زیادہ زخم آئے اور وہ سارے سامنے تھے۔ رات کو خالدؓ سیف اللہ نے اپنی فوج کے کچھ دستے دور چھپا دیئے اور ان سے کہہ دیا کہ جب ہم میدان میں پہنچیں تو یکے بعد دیگرے دشمنوں کے سامنے تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے ہم سے آملنا۔ یہ تدبیر اتنی کارگر ہوئی کہ دشمن حیران رہ گیا۔ اس موقعہ پر رومیوں کے ساتھ جتنے قبائل تھے وہ بھی ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ چنانچہ رومی بھی میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ خالدؓ سیف اللہ نے بھی میدان خالی پا کر اپنے لشکر کو واپس روانہ ہونے کا حکم دیدیا۔ مدینہ پہنچے تو حضورؐ نے خالدؓ کی بہادری اور تدبر کو سراہا اور انہیں سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا۔

فتح مکہ ۸ ھ

حدیبیہ کے صلح نامہ کی رو سے یہ تسلیم کیا گیا تھا کہ عرب کے قبائل مسلمانوں یا قریش، جس سے چاہیں حلیفانہ تعلقات قائم کر لیں۔ اسی شرط کی بنا پر قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ اور قبیلہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک اس معاہدہ پر عمل ہوتا رہا۔ لیکن یکایک خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان پرانی عداوت کی چنگاری بھڑک اٹھی۔ بنو بکر نے پہل کی اور خزاعہ پر چڑھ دوڑے اور قریش نے ان کی مدد کی کیونکہ قریش خزاعہ سے دل میں کینہ رکھتے تھے کہ ان کی مرضی کے خلاف مسلمانوں کے حلیف بن گئے ہیں۔ دونوں گروہوں نے خزاعہ کو بہت نقصان پہنچایا حتیٰ کہ جب انہوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی تو وہاں بھی جان بخشی نہ کی اور اس طرح قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی۔

بنو خزاعہ کی طرف سے عمرو بن سالم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جا کر فریاد کی۔ آپؐ کو جب ان کی مظلومی کا حال معلوم ہوا تو بڑے غمزدہ ہوئے۔ آپؐ نے قریش کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ وہ اپنی حالت کو درست کریں اور مندرجہ ذیل تین شرطوں میں سے کسی ایک کو قبول کر لیں۔

۱۔ خزاعہ کے جو لوگ مارے گئے ہیں ان کا خون بہا ادا کریں۔

۲۔ قریش بنو بکر کی [illegible] ہو جائیں۔

www.KitaboSunnat.com

۳۔ اس کا اعلان کر دیں کہ معاہدۂ حدیبیہ ختم ہو گیا۔

قریش کے پاس جب حضورؐ کا قاصد یہ شرطیں پیش کر چکا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ بس معاہدۂ حدیبیہ ختم ہے۔ جب قاصد واپس مدینہ لوٹ آیا تو قریش کو اپنی حماقت کا اندازہ ہوا لیکن تیر نکل چکا تھا۔ تجدید معاہدہ کے لیے ابو سفیان کو مدینہ بھیجا گیا لیکن رسول اللہ نے منظور نہ فرمایا اور آپ نے فیصلہ کر لیا کہ اب ظلم کی جڑ ہی کاٹ دی جائے۔

مکہ پر حملہ آپؐ نے مکہ پر حملہ کی خفیہ تیاری کی اور تمام حلیف قبائل کو اس کے لیے پکارا۔ دس ہزار کا ایک عظیم لشکر لے کر ۱۰ رمضان ۸ھ کو آپ روانہ ہوئے۔ وہ مکہ کے بالکل قریب جا پہنچے کہ کفار کو پتہ چلا۔ ابو سفیان رات کو چھپ کر فوج کا اندازہ لگانے نکلا مگر مجاہدوں نے گرفتار کر لیا۔ دشمنِ اسلام کو قتل کرنا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ مگر حضورؐ نے اپنے مہربان چچا عباسؓ کی سفارش پر فرمایا کہ "جاؤ آج تم سے کوئی باز پرس نہ کی جائے گی۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔" حضورؐ کی اس شفقت کا یہ اثر ہوا کہ ابو سفیان مسلمان ہو گیا۔

آج مکہ سے چھپ کر نکلنے والا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران سے طلوع ہو رہا تھا۔ آپؐ نے خالدؓ کو حکم دیا کہ تم مکے کے ایک طرف سے داخل ہو اور کسی پر اس وقت تک حملہ نہ کرنا جب تک وہ تم پر حملہ آور نہ ہو۔ دوسری طرف سے خود آپؐ داخل ہوئے عکرمہ بن ابوجہل نے خالدؓ سے ٹکر لی لیکن جلد ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ اس جھڑپ میں تین مسلمان شہید اور تیرہ کافر مقتول ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخل ہوتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ

۱۔ جو کوئی اپنے مکان کے اندر کواڑ بند کر کے بیٹھ رہے اسے امن ہے۔

۲۔ جو ابو سفیان کے مکان میں داخل ہو جائے اسے بھی امن ہے

۳۔ اور جو کوئی خانہ کعبہ میں پناہ لے اسے بھی امن ہے

اس طرح حضورؐ نے عفوِ عام دے دیا۔ اس حسنِ سلوک اور رحمتِ عام کا تصور کریں اور اب تک کے کفار کے رویے کو سامنے رکھیں اور عظمتِ اسلام اور سرورِ عالم کی رحمۃ للعالمینی دیکھیں۔ دنیا فاتحین کے متعلق تو یہ جانتی ہے کہ وہ فتح کے نشہ میں ظلم کی چکی چلاتے ہیں ہر فرد بشر کو خوب پیستے ہیں۔ عورتوں کی عصمت پر ہاتھ ڈالے جاتے ہیں اور بچوں کے خون سے دامن رنگین کیے جاتے ہیں۔ یہاں پر تو بار بار یہی فرمایا جا رہا ہے کہ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔

خانہ کعبہ میں اللہ کا رسولؐ داخل ہوتا ہے۔ صحابہؓ کی جماعت ساتھ ہے۔ ۳۶۰ بت رکھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے ہیں۔ آپؐ نے تمام بُت نکال کر باہر پھینکوائے۔ دیواروں پر جی ہوئی تصویریں مٹائی گئیں شرک کی گندگی سے پاک کر کے آپؐ نے تکبیریں کہیں۔ طواف کیا اور مقام ابراہیم پر شکرانہ کی نماز ادا فرمائی۔

یہ تھا فتح کا جشن!

قریش اپنے نامۂ اعمال کو دیکھتے تھے تو بڑی سے بڑی سزا بھی کم معلوم ہوتی تھی۔ انہیں خوف کھائے جاتا تھا کہ نہ معلوم ہمارے ساتھ آخری طور پر کیا سلوک ہوتا ہے مگر رحمت کا بادل جھوم کے اُٹھتا ہے اور ایک بار برسنے لگتا ہے۔

حضورؐ خطبہ دیتے ہیں اور سوال پوچھتے ہیں کہ "اے قریشی سردارو! تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں" سب نے یک زبان ہو کر کہا "آپ ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔" حضورؐ نے فرمایا "جاؤ آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ تم سب آزاد ہو۔"

آپؐ نے مہاجرین کے وہ مکان بھی واپس نہ لیے جن پر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا تھا بلکہ مہاجروں سے فرمایا کہ اپنے حق سے دست بردار ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ اس عثمان بن طلحہ سے کلید کعبہ بھی نہ لی جس نے مکی دور میں ایک مرتبہ حضورؐ کے لیے خانۂ کعبہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپؐ نے اس وقت عثمان سے فرمایا تھا: "ایک دن آئے گا جب یہ کنجی میرے اختیار میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا تفویض کروں گا" اس موقع پر جب حضورؐ نے عثمان ہی کو کنجی دیتے ہوئے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا تو وہ پکار اٹھا "بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں" آپؐ نے فرمایا: "آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے"

حضورؐ کے ایسے ہی سلوک سے سنگدل بھی موم ہو گئے اور اسلام سے سرفراز ہوئے۔

فتح مکہ کے نتائج

۱۔ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قریش تھے مکہ کی فتح سے ان کا اثر ختم ہو گیا۔ بہت سے قبائل بھی ان کے ساتھ تھے۔ فتح مکہ سے یہ سب کے سب اسلام کے آگے جھک گئے۔

۲۔ مکہ کا تقدس برقرار رکھنے کے لیے آپؐ نے نہایت خاموشی سے جنگ کی تیاری شروع کی اور اس طرح اچانک کفار کو جا لیا تاکہ کم سے کم خونریزی ہو۔ اس سے حضورؐ نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ شہر ہر لحاظ سے مقدس ہے۔ اسی لیے فتح کے دن فرمایا کہ "آج کا دن کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔"

۳۔ مکہ کو عرب میں مرکزی مقام حاصل تھا۔ سیاسی اور مذہبی لحاظ سے ہمیشہ اسے برتری رہی۔ ... اب ... قریش اسلام سے ٹکرا کر ... نے سیاسی اور مذہبی برتری حاصل کر لی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ حضورؐ نے عام معافی کا اعلان کر کے کفار کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ آپ کی نرمی، احسان اور عفو نے ان کے دل اسلام کے لیے کھول دیے۔ بعد میں اسلام کو انہی قریش میں سے بڑے اچھے کارکن ملے۔

۵۔ ایک فاتح کے لیے آپ نے نمونہ دیا۔ فاتح کی فتوحات خدا کو راضی کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ اس سے لوٹ مار، خونریزی اور ذاتی مفاد کا حصول نہیں ہوتا۔ دفاع میں اگر صبر و عزیمت سے کام لیا جائے تو فتح و کامرانی میں ذکر اور عجز و انکسار پر عمل ہونا چاہیے۔

غزوۂ حنین حنین مکہ اور طائف کے درمیانی علاقے کو کہتے ہیں جس پر بنو ثقیف اور بنو ہوازن کا قبضہ تھا۔ یہ دونوں قبیلے بڑے جنگجو اور بہادر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کر لیا تو ان قبائل نے اطاعت کی بجائے سرکشی کی روش اختیار کر لی اور حضورؐ کے خلاف جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ آپ کو جب ان کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو ۱۲ ہزار کا عظیم لشکر لے کر شوال ۸ھ میں ان کی طرف بڑھے۔ آج تک کسی اسلامی حملے میں اتنی بڑی فوج شریک نہیں ہوئی تھی۔ دشمن مقابلے کے لیے پوری طرح تیار تھا ان میں ہوازن، ثقیف، نصر اور جشم کے قبائل مع اپنے اہل و عیال شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے تیر اندازوں کو ٹیلوں اور گھاٹیوں میں چھپا کے بٹھا دیا۔ جونہی اسلامی لشکر وادی میں داخل ہوا۔ ہوازن کے ماہر تیر اندازوں نے پوری فوج پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ ان کا حملہ اتنا سخت تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور فوج منتشر ہو گئی۔ میدان میں رسول اللہؐ چند صحابہؓ کے ساتھ رہ گئے۔ حضرت عباسؓ نے مسلمانوں کو بلند آواز سے پکارا۔ مسلمانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ فوراً منتشر فوج پروانوں کی طرح نورِ حق کے گرد جمع ہو گئی اور اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کا منہ پھیر دیا۔ ثقیف و ہوازن کے شکست خوردہ سپاہی قلعہ اوطاس میں جا چھپے۔ مسلمانوں نے اس کو جا گھیرا اور فتح کر کے دم لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر طائف کا محاصرہ کیا گیا لیکن دشمن بہت میں گھس گئی تھی۔ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ چنانچہ ۲۰ روز کے بعد محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کے نقصان کی کئی وجوہات تھیں:

۱۔ دشمن تیر اندازی میں پورے عرب میں مشہور تھے۔ اس میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

۲۔ انہوں نے پہلے سے کمین گاہوں میں بے شمار تیر اندازوں کو چھپا دیا تھا جنہوں نے اچانک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حملہ کر دیا۔

۳۔ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر بھی ناز تھا اور غرور خدا کو پسند نہ تھا۔

۴۔ اسلامی فوج میں فتح مکہ پر مسلمان ہونے والے نوجوان دو ہزار کی تعداد میں شریک تھے جن کی ناتجربہ کاری سے نقصان پہنچا۔

۵۔ فوج نے پوری طرح صف آرا ہونے نہیں دیا تھا کہ حملہ کر دیا۔ نیز میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے اس لیے جونہی ہراول دستہ تیروں کی زد میں آیا تو پوری فوج میں ابتری پھیل گئی۔

اس جنگ میں حضورؐ نے نومسلموں کی تالیف قلب کے لیے انہیں زیادہ مال غنیمت دیا بعض انصار نے خیال ظاہر کیا کہ حضورؐ نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا۔ آپؐ نے انہیں فرمایا: ”اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو لیکر اپنے گھر آؤ“ اس جواب سے انصار کی یہ کیفیت ہوئی کہ رو رو کر کہنے لگے کہ ”ہم کو صرف آپؐ درکار ہیں“

اس جنگ میں آپ کی رضاعی بہن شیما سعدیہ گرفتار ہو کر آئی۔ آپؐ نے اسے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کے قبیلے میں پہنچا دیا۔

غزوہ تبوک ۹ھ

وجہ

جنگ موتہ میں رومی تین ہزار اسلامی سپاہیوں کو پوری طرح شکست نہ دے سکے تھے۔ اس لیے انہوں نے بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں تاکہ مسلمانوں کو بھرپور شکست دے سکیں۔ قیصر روم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی عربی فوجوں کا سپہ سالار فروہؓ مسلمان ہو گیا ہے اور اس نے اسے گرفتار کر کے کہا کہ دو باتیں قبول کر لو ترک اسلام جس کے بدلے عہدہ اور رہائی ملے گی یا اسلام جس کے نتیجہ میں پھانسی کی سزا۔ نہایت اطمینان سے فروہؓ نے اسلام اختیار کر کے شہادت اختیار کر لی۔ قیصر روم کو اندازہ ہو گیا کہ اسلام کا خطرہ اب اس کی حکومت پر بھی منڈلا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے شام کے غسانی حکمران کو اسلام کے استیصال کی مہم پر مامور کیا۔

مجاہدین کی تیاری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب رومیوں کی تیاری کا حال معلوم ہوا تو آپؐ نے عام اعلان جہاد کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس طرح عام اعلان کیا تھا ورنہ اب تک تیاری خفیہ کی جاتی تھی اور مقام وسمت کا اظہار نہ فرماتے تھے چونکہ دشمن طاقتور اور سفر طویل تھا۔ اس لیے پوری تیاری ضروری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر صحابہؓ نے اس موقع پر قربانیِ مال کی عظیم مثالیں پیش کیں۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے پورے گھر کا اثاثہ دیا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑا حصہ دیا۔ حضرت عثمانؓ نے دس ہزار اشرفیاں، تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور پچاس گھوڑے پیش کیے۔

اس طرح رجب ۹ھ بروز جمعرات تیس ہزار مجاہدین کا لشکر شام کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں دس ہزار سوار تھے۔ اونٹ اتنے کم تھے کہ ایک اونٹ پر کئی آدمی باری باری سوار ہوتے۔ گرمی کی شدت اور پانی کی قلت کے باوجود خدا کا یہ لشکر تبوک جا پہنچا۔

واقعات

رومیوں کو جب معلوم ہوا تو ان کی ہمت جواب دے گئی کیونکہ جنگ موتہ کے تناسب سے تو تیس ہزار کے مقابلے میں ان کی کئی لاکھ فوج آنی چاہیے تھی اور اتنی بڑی فوج کو جمع کرنا مذاق نہ تھا۔ الغرض رومی پسپا ہو گئے اور بغیر لڑائی کے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیاب فرمایا۔ آپؐ نے بیس روز وہاں قیام کر کے دومۃ الجندل اور دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستیں فتح کیں اور واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس پہنچے تو منافقین کی تعمیر کردہ سازش گاہ جس کا نام مسجد ضرار رکھا گیا تھا۔ آپؐ نے مسمار کرنے کا حکم دیا۔ اسی سال مسلمانوں نے پہلی دفعہ اسلام کے زیر اہتمام، شرک سے پاک شدہ کعبہ کا حج کیا۔ قرآن کریم نے اسے حج اکبر کا نام دیا۔ اس حج کے امیر قافلہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور نقیب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان سنایا کہ اب کوئی مشرک کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ کوئی برہنہ طواف کر سکے گا اور سورۂ توبہ کی آیات تلاوت کیں۔

یہی وہ سال ہے جب بے شمار قبائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے وفود بھیج کر اسلام قبول کیا اس لیے اس کو اسلامی تاریخ میں "عام الوفود" کہتے ہیں۔

خطبۂ تبوک

تبوک میں نبی پاکؐ نے ایک یادگار خطبہ ارشاد فرمایا، جو فصاحت و بلاغت اور پند و نصائح کا بے نظیر نمونہ ہے۔ آپؐ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

— سب سے سچی کتاب قرآن ہے۔

— سب سے بڑا سہارا تقویٰ ہے۔ سب سے اچھا دین دین ابراہیمی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے بہتر طریقہ محمدی طریقہ ہے۔ سب سے اچھی بات ذکر الٰہی ہے۔

سب سے عمدہ داستان قرآن ہے۔ سب سے اچھے کام عزیمت کے کام ہیں۔

دین میں نئے رستے بدترین چیز ہے۔ بہترین راہ انبیاء کی راہ ہے۔

معزز ترین موت شہادت کی موت ہے۔ ہدایت کے بعد گمراہی بدترین قسم کی محرومی بصارت ہے۔

سب سے اچھا کام وہ ہے جو نفع پہنچائے۔ دل کی تاریکی بدترین تاریکی ہے۔

دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ غفلت میں ڈال دینے والے زیادہ مال سے تھوڑا مال اچھا ہے۔

موت کے وقت کی توبہ بدترین توبہ ہے۔ بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے۔

ایسے لوگ بھی ہیں جو جمعہ کو آخری وقت میں شامل ہوتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو خدا کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

سب سے بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے۔ سب سے بڑی دولت دل کی دولت ہے۔

بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ خوفِ خدا حکمت و دانائی کی اساس ہے۔

دل میں جاگزین ہونے والی سب سے اچھی چیز یقین ہے۔ شک ایک گونہ کفر ہے۔

میت پر نوحہ کرنا جاہلیت کی رسم ہے۔

خیانت کرنا دوزخ کی آگ مول لینا ہے۔ شراب گناہوں کا سرچشمہ ہے۔

یتیم کا مال کھانا بدترین روزی ہے۔ سعید و خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

عمل کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ جھوٹا خواب بدترین خواب ہے۔

مسلمان کو گالی دینا جرم ہے۔ مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔

کسی مسلمان کی غیبت کرنا گناہ ہے۔ مسلمان کا مال و جان دونوں قابل عزت و احترام ہیں۔

جو شخص کسی دوسرے کو معاف کرتا ہے اللہ اسے معاف کرے گا۔ جو غصہ پی جاتا ہے اللہ اسے اجر دے گا۔

جو کوئی مصیبت پر صبر کرتا ہے اللہ کے ہاں اچھا بدلہ پائے گا اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ اسے عذاب دے گا۔

استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ پڑھ کر خطبہ ختم کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد آپ واپس مدینہ تشریف لے آئے اور ان لوگوں سے باز پرس فرمائی جو شامل نہ ہوئے تھے۔

متخلفین پانچ صحابہ اس جنگ میں پیچھے رہ گئے تھے ان میں ابو خیثمہؓ اور ابوذرؓ تو پہنچ گئے باقی تین حضرات یعنی کعبؓ بن مالک، ہلالؓ بن امیہ، مرارہؓ بن ربیع شامل نہ ہو سکے تو ان کا پچاس روز تک معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ حتیٰ کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

اہم سوالات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت اسلام کے سلسلے میں بادشاہوں کو جو خطوط روانہ کیے ان کی خصوصیات اور تفصیلات بیان کیجئے۔

۲۔ فتح مکہ کے اسباب بیان کیجئے۔ اسلام میں اس کو جو اہمیت حاصل ہے اسے واضح کیجئے۔

۳۔ مندرجہ ذیل پر مفصل نوٹ لکھیے۔

ا۔ غزوۂ تبوک۔

ب۔ فتح خیبر

ج۔ جنگ موتہ۔

د۔ غزوۂ حنین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳۴

حجۃ الوداع اور رحلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ

فتح مکہ کے بعد پہلا حج ۸ھ میں قدیم طریقے کے مطابق ہوا پھر ۹ھ میں دوسرا حج مسلمانوں نے اپنے طریقے پر کیا۔ اب یہ تیسرا حج سنہ ۱۰ھ میں خالص اسلامی طریقہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں ادا ہوا۔ پہلے دو سال حضورؐ حج پر تشریف نہیں لے گئے تھے۔ یہ چونکہ آپ کا آخری حج تھا اس لیے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ ظاہر فرمایا تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ اس سعادت میں شریک ہونے کے لیے دُور و نزدیک سے دیہاتی اور شہری مدینہ میں اُمڈ پڑے۔ مدینہ سے باہر خیموں کا ایک نیا شہر بس گیا۔ ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ کو آپ نے مدینہ سے روانگی اختیار فرمائی۔ حال یہ تھا کہ حدِ نظر تک انسان ہی انسان تھے جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ تھی۔

۴۔ ذوالحجہ کو آپ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے اور وہاں سے اُتر کر مروہ کی سعی سے فارغ ہوئے۔ جمعرات کے روز ۸ ذوالحجہ کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔ صبح کی نماز پڑھ کر وہاں سے عرفات تشریف لائے۔ دن ڈھلنے کے بعد کے بعد قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر آپ نے مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع کے سامنے وہ خطبہ دیا جو اسلامی تاریخ میں خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ چاروں طرف مکبّر کھڑے کر دیے گئے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع تک حضورؐ کا ایک ایک لفظ اور فقرہ پہنچاتے گئے۔ یوں حضورؐ نے اس۔

خطبہ میں اسلامی تعلیمات کا نچوڑ پیش کر کے اپنے فرائض نبوت کو پورا کر دیا۔

حج کا خطبہ

آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

اے لوگو! توجہ سے سنو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکٹھے نہیں ہوں گے۔

☆ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال، اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

☆ لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے قدموں میں پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام خونوں کے مطالبات قصاص کالعدم کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے خون کا مطالبہ ساقط کرتا ہوں۔ دورِ جاہلیت کے تمام مناصب کالعدم قرار دیے جاتے ہیں۔ ماسوائے (کعبہ کی دیکھ بھال کے شعبہ) سدانہ اور (حاجیوں کے لیے شعبۂ آب رسانی) سقائیہ کے۔ دورِ جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ سب سے پہلے میں عباسؓ کا سود ساقط کرتا ہوں۔

☆ میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے اگر اس کو اختیار کیے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ ہے اللہ کی کتاب!

☆ لوگو! تمہارا خالق ایک ہے اور یقیناً تمہارا باپ بھی ایک ہی تھا۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم خاکی نژاد تھے۔ یقیناً اللہ کے ہاں معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ بجز تقویٰ کے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ غلاموں کے ساتھ برابری کا سلوک کرو۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرو۔

☆ لوگو! اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرو۔ بشرطیکہ وہ تمہیں کتاب اللہ کے مطابق چلائے اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ اپنی پانچوں نمازیں ادا کرو۔ رمضان کے روزے برابر رکھو۔ زکوٰۃ خوشی سے ادا کرو۔ کعبہ کا حج کرو تاکہ خدا کی جنت میں جا پہنچو۔

☆ لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں لیا ہے اور اللہ کے قانون کے تحت ہی ان کے جسموں پر تصرف کرتے ہو۔ تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہاری خوابگاہوں میں کسی غیر کو نہ آنے دیں اور نہ کسی ایسے شخص کو تمہاری اجازت کے بغیر (گھر میں) داخل ہونے دیں۔ جس کا داخل ہونا

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہیں پسند نہ ہو لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی بدنی سزا دو جو نشان ڈالنے والی نہ ہو۔

☆ لوگو! تم کو میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو اب تم بتاؤ کیا کہو گے؟ لوگوں نے پکار کر جواب دیا کہ "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا۔ اُمت کو نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا۔ حقیقت سے سارے پردے اٹھا دیئے، اور امانتِ الٰہی کو ہم تک کما حقہ پہنچا دیا"۔ تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا،

"اے اللہ! تو گواہ رہیو"

☆ تم میں سے جو یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان سب کو پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں کیونکہ اب کوئی نبی میرے بعد آنے والا نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خطبے سے فارغ ہوئے تو قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔	آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کیا۔

خطبہ کی اہمیت

اس خطبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تعلیمات کو جس صفائی اور خوبی سے بیان کیا ہے اور نظام تہذیب و تمدن پیش فرمایا ہے اس سے آگے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے انسانیت کے تمام طبقوں کے حقوق و فرائض بیان فرمائے جن پر عمل کر کے دنیا و آخرت میں بھلائیاں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس خطبہ میں سماجی اخلاقی اور سیاسی تعلیمات کا نچوڑ آ گیا ہے۔

آپ نے سب سے پہلے تو احترام انسانیت کے مسئلہ کو لیا اور لڑائیوں کے دلدادہ عربوں کو سمجھایا کہ تم پر بلا وجہ قتال حرام ہے۔ جان، مال، آبرو کو ایسے محترم سمجھو جس طرح کوئی دوسری چیز محترم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس طرح یہ خطبہ امن کا چارٹر بن گیا۔

اس کے بعد آپ نے نسلی امتیاز کے خاتمہ کا اعلان فرمایا کیونکہ اس کے بغیر بھی کوئی ریاست امن و سکون کا گہوارہ نہیں بن سکتی۔ معزز اور محترم رنگ اور نسل کی بنا پر کوئی نہیں بن سکتا ہاں البتہ اگر اس کے اعمال اور اخلاق اچھے ہوں گے تو وہ معزز قرار پائے گا۔ اس طرح آپ نے سب کو بھائی بھائی قرار دے کر وحدتِ انسانیت کا تصور دیا۔

آپ نے سودی نظام بھی معطل فرما دیا کیونکہ یہی وہ نظام ہے جو امیروں کو امیر تر بناتا ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب بے چارے زندگی بھر مہاجنوں اور سرمایہ داروں کے مقروض رہتے۔

آپ نے خاندانی نظام کو بھی مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے حکم دیا کہ عورتوں کے ساتھ تم اچھا سلوک کرو۔ اس طرح دنیا میں پہلی بار عورت کو مرد کے برابر حقوق عطا ہوئے۔

غلاموں اور کمزوروں کے حقوق بیان کیے اسلام کی یہی پالیسی تھی جس کی بدولت غلام مسلمانوں کی غلامی کو اپنے گھروں کی آزادی پر ترجیح دیتے تھے۔

پھر آپ نے زندگی کے نظام کے متعلق بتایا کہ تم خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ جب تم نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا تو ذلیل اور رسوا بھی ہو گے اور عذاب آخرت علیحدہ بھگتنا پڑے گا۔

اس میں سیاسی تعلیمات بھی بیان فرمادیں کہ نظم و ضبط کا خیال رکھنا۔ تمہاری بھلائی اطاعت امیر میں ہے بشرطیکہ وہ خدا کے حکم پر چلائے اور آخر میں حکم دیا کہ تم اپنے دین کا پرچار کرتے رہنا۔ اور دوسروں کو نیکی کی طرف بلاتے رہنا تاکہ اسلام پوری دنیا میں پھیل سکے۔

رحلت ۱۱ھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حج سے واپس تشریف لائے حج کے خطبہ میں جو آپ نے یہ فرمادیا تھا کہ شاید میں تم کو اس مقام پر دوبارہ نہ مل سکوں تو غالباً حضورؐ کو اب یقین ہو گیا تھا کہ بلاوا جلد آنے والا ہے۔ اسی احساس کے تحت آپ ضروری کاموں اور وصیتوں سے فارغ ہوتے رہے۔ ایک روز احد کے شہداء کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے تشریف لے گئے۔ واپس تشریف لائے اور پھر آدھی رات کو گورستان بقیع میں اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ اسی زمانہ میں آپ نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کی تیاری فرمائی۔

۲۹ صفر کو آپ کو بخار ہو گیا۔ بیماری میں گیارہ دن تک خود نماز پڑھاتے رہے آخری نماز آپ نے مغرب کی پڑھائی۔ اس کے بعد مسجد تشریف نہ لاسکے اور حضرت ابوبکرؓ کو امامت کا حکم دیا۔ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ کو طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور اسی دن بروز سوموار وقت چاشت جسم اطہر سے روح انور نے پرواز کیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال قمری اور چار دن تھی۔ وفات کے وقت زبان پر اللّٰھم الرفیق الاعلٰی کے الفاظ تھے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ انتقال سے ذرا پہلے آپ نے مسواک فرمایا اور لوگوں کو نماز اور غلاموں سے اچھے سلوک کی تلقین فرمائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تجہیز و تکفین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارک میں ہوئی تھی۔ جونہی یہ خبر باہر پھیلی تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حیران و ششدر رہ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو یقین ہی نہیں آتا تھا آپ کے جاں نثار ساتھی زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر بے انتہا صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور مسجد میں جا کر تقریر کی جس سے لوگوں کے جذبات معتدل ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا۔ اس کے بعد تین چادروں کا کفن دیا گیا اور وہیں پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ نماز جنازہ پہلے قرابت داروں نے پھر مہاجرین پھر انصار پھر عورتوں اور پھر بچوں نے ادا کی۔ دس دس کی ٹولیوں میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور اس طرح ڈیڑھ روز تک یہ سلسلہ جاری رہا اور رحلت کے تقریباً ۳۲ گھنٹے بعد تدفین عمل میں آئی اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں دفن کر دیا گیا جہاں آج تک آپ کا روضۂ اقدس انوارِ ربانی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

سوالات

۱۔ بیعت رضوان کی وجوہات اور اس کی پوری اہمیت بیان کیجئے

۲۔ حدیبیہ کا صلح نامہ کس طرح معرض وجود میں آیا؟ اس کی دفعات بیان کیجئے اور بتائیے کہ یہ صلح نامہ حقیقت میں اسلام کی عظمت کی نشانی تھا۔ (ک ۱۹۵۳ء، ستمبر ۱۹۶۰ء)

۳۔ رسول مقبول نے اپنے ہمعصر بادشاہوں اور شہزادوں کو جو خطوط لکھے اُن کی تفصیل بیان کیجئے نیز جو خط ہرقل اور مقوقس کو بھیجے گئے ان کا خلاصہ لکھیے (ستمبر ۱۹۵۹ء)

۴۔ رسول اللہ کے ہاتھوں فتح مکہ کا حال بیان کیجئے اور اس کے نتائج پر بحث کیجئے (ستمبر ۱۹۵۶ء)

۵۔ میدان عرفات میں نبی کریم کا خطبۂ الوداع کیا تھا اس پر بحث کیجئے۔ (ک ۱۹۵۹ء)

۶۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضورؐ کے دیئے ہوئے خطبہ کا خلاصہ بیان کیجئے (ستمبر ۱۹۵۸ء)

۷۔ رسول اللہؐ کے آخری حج کا حال لکھیے اور خطبۂ الوداع کی اخلاقی اور مذہبی تعلیمات کی اہمیت واضح کیجئے۔

۸۔ رسول اللہؐ کے آخری حج اور آخری خطبے کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۹۔ رسول اللہؐ کی ہجرت سے وفات تک اسلام کی ترقی کا حال لکھیے۔ (ک ۱۹۵۷ء)

۱۰۔ یہود کون تھے ان کے قبائل کا حال لکھو نیز بتاؤ کہ ان کی مخالفت کے اسباب کیا تھے۔

www.KitaboSunnat.com

باب ۳۵

سیرت و تعلیمات نبوی ﷺ

تعلیمات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا وسیع خود زندگی کا دائرہ ہے۔ آپ نے پوری زندگی کے لیے ایک دین پیش فرمایا ہے جس کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے معنی اطاعت وفرمانبرداری کے ہیں اور دین کے معنی طریقے اور ضابطے کے ہیں۔ آپ کی تعلیمات ہی کو دین اسلام کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ اس دین کو مکمل کر دیا ہے۔ آپ نے سب سے پہلے لوگوں کو توحید اور رسالت کی تعلیم دی۔ اس کے بعد مفصل طور پر دوسرے عقائد بتائے جن کا ہم ذرا تفصیل سے نیچے ذکر کرتے ہیں۔ انہی کو ایمانیات بھی کہا جاتا ہے۔

اللہ پر ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی تعلیم دی۔ انہیں بتایا کہ اس کائنات کا خالق، مالک اور رب اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ وہ تمام اختیارات کا مالک ہے۔ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں اور اسے کسی کی محتاجی نہیں۔ زندگی اور رزق کا سامان مہیا کرنا اور چھیننا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ کائنات میں اس کے علم اور حکم کے بغیر کوئی ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ لہذا اس کے احکام کی بلاچون وچرا اطاعت کی جائے۔

اللہ پر اسی ایمان کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ کیا جائے حضورؐ نے شرک کو ایسا ظلم عظیم بتایا ہے کہ جس کی خدا کے ہاں کوئی معافی نہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کئی صورتوں میں ہوتا ہے جس سے پوری طرح بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ خدا کی ذات میں بھی کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ جیسے حضرت مسیح کو عیسائی خدا کا شریک سمجھتے ہیں۔ خدا کی صفات میں بھی کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ جیسی اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت ہے ویسے ہی کسی اور کے لیے نہ مانی جائے مثلاً اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور ہر ایک بات اس کی نظر میں ہے اور وہ سمیع وعلیم ہے تو کسی اور کے لیے ایسی صفات ماننا شرک میں آتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی کو نفع یا ضرر پہنچائے یا جائز وناجائز کا فیصلہ کرے۔ اختیار کسی اور کے لیے ماننا بھی شرک ہے اور آخری بات یہ ہے کہ خدا کے حقوق میں بھی کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ خدا کے سوا کسی کا حق نہیں کہ اس کو پکارا جائے اور اس کی پوجا کی جائے۔

اس طرح عقیدۂ توحید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں بنیادی چیز ہے۔ یہ اسلام کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جڑ ہے اور اسلام کے تمام اعتقادات، احکام اور قوانین اسی بنیاد پر قائم ہیں۔ اگر اس بنیاد کو ڈھا دیا جائے تو اسلام کوئی چیز نہیں رہتا۔

فرشتوں پر ایمان حضورؐ نے بتایا کہ فرشتے اللہ کی ایک نوری مخلوق ہے، وہ ہر وقت اس کی عبادت اور اطاعت میں لگے رہتے ہیں جو حکم انہیں بارگاہ ایزدی سے مل جاتا ہے اس کے بجا لانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ ان کی مختلف ذمہ داریاں ہیں۔ بعض ان میں سے انسان کے ساتھ ہر وقت لگے رہتے ہیں جو اس کی نیکی اور بدی کا ریکارڈ رکھتے ہیں حشر کے دن یہی نامۂ اعمال انسان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

فرشتوں کو مخلوق ماننے سے کفارِ مکہ کے اس مشرکانہ عقیدے کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

کتابوں پر ایمان اللہ تعالیٰ نے اب تک جتنی کتابیں اپنے رسولوں پر اتاری ہیں انہیں مانا جائے۔ آخری کتاب قرآن کریم ہے۔ جو ہر طرح کی تحریف اور تغیر و تبدل سے بالکل محفوظ ہے۔ اس کے ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی تلاوت کی جائے۔ اس کے معانی کو سمجھا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اللہ نے زندگی گزارنے کے جو اصول اور ضوابط اس میں بیان فرمائے ہیں ان کے مطابق ٹھیک ٹھیک انفرادی اور اجتماعی زندگی کو استوار کیا جائے۔

قرآن کریم کے متعلق یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ یہ لفظاً اور معناً اللہ کا کلام ہے جو رسول اللہ ﷺ نے من و عن اللہ کی مخلوق تک پہنچا دیا ہے اور چونکہ سابقہ شریعتیں اب منسوخ ہو چکی ہیں اس لیے سابقہ کتابوں پر عمل نہیں ہوگا اب عمل صرف قرآن مجید پر ہوگا۔ جیسے کہ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے

رسولوں پر ایمان آپؐ نے کتابوں کے بعد خدا کے تمام رسولوں کو ماننے کی تعلیم دی ہے اللہ تعالیٰ نے اب تک بے شمار رسول بھیجے ہیں دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں اس کا رسول نہ آیا ہو۔ یہ سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں تھے اور آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ آئے۔ آنحضرتؐ نے یہ بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اب تمہارا فرض ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ میرے طریقے پر چلو کہ وہ عملی جو رہنمائی میں تمہیں دوں اس کو اختیار کرو۔ اسے سچا اور صحیح مانو اور اس کے خلاف ہر دوسری رہنمائی کو غلط سمجھو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیر معمولی علم اور معرفت مجھے عطا کیا گیا ہے اور خدا کی راہِ راست گمراہی میں احکام دیتا ہوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو ان دیکھی حقیقتیں میں تمہیں بتاتا ہوں وہ علم یقین کی بنا پر۔ بتاتا ہوں اس لیے ان کو دل سے مانو اس سے خدا راضی ہوگا۔ خدا کو خوش کرنے کے لیے میری پیروی لازمی ہے۔

مجمل طور پر تمام رسولوں پر ایمان لانے کا مقصد یہ ہے کہ ان کو ایک ہی سرچشمہ سے فیض یافتہ سمجھا جائے اور رسول کریم کو ان میں سب سے آخر میں آنے والا نبی مانا جائے۔ چونکہ آپ نے اسلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر پیش کر دیا اور وہ تعلیمات اللہ تعالیٰ نے محفوظ بھی فرما دیں اس لیے کسی اور رسول کے آنے کی ضرورت نہ رہی۔ اس لیے آنحضرت کو رسول اللہ ماننے کے ساتھ ساتھ انہیں آخری نبی بھی ماننا جزو ایمان ہے۔

کتاب اور رسول کا تعلق

رسول اور کتاب کے درمیان بھی ایک گہرا تعلق ہے اللہ کا علم اور اس کی حکمت رسول کے سینے میں بھی ہے اور کتاب کے اوراق میں بھی۔ جس تعلیم کا لفظی بیان کتاب اللہ میں ہے اس کا عملی نمونہ رسول اللہ کی سیرت میں ہے انسان فطری طور پر ایک رہنما کا خواہشمند ہے اسے معلم کی ضرورت ہے محض کتاب سے اس کی تشفی ممکن نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے کتاب حکیم کے ساتھ معلم بھی بھیج دیا تاکہ وہ کتاب کی صحیح تعبیر و تفسیر بتائے اور اس تعبیر کے مطابق عملاً انفرادی و اجتماعی نظام اخلاق اور نظام تہذیب و تمدن قائم کرے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے رسول کو رہنما اور کتاب کو چراغ سے تشبیہ دی ہے کہ رسول لوگوں کی رہنمائی چراغ سے کرتا ہے۔ دنیا کی اندھیاریوں اور گمراہیوں کے درمیان سیدھے راستے پر چلنے کے لیے ضروری ہے کہ چراغ اور رہنما یعنی قرآن اور رسول اللہ دونوں کو مانا جائے کتاب کو نبی سے الگ کر دیجئے تو وہ ایک کشتی ہے ناخدا کے بغیر، جسے لے کر اناڑی مسافر زندگی کے سمندر میں خواہ کتنے ہی بھٹکتے پھریں، منزل مقصود پر کبھی بھی نہیں پہنچ سکتے اور نبی کو کتاب سے الگ کر دیجئے تو خدا کا راستہ پانے کی بجائے آدمی ناخدا ہی کو خدا بنا بیٹھنے سے کبھی نہیں بچ سکتا۔

آخرت پر ایمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں آخرت پر بے حد زور دیا ہے۔ آپ نے لوگوں کو سمجھایا کہ ابتدائی زندگی عارضی اور ناپائدار ہے۔ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن موت سے ہمکنار ہونا ہے یہ زندگی امتحان گاہ ہے۔ یہاں پر انسان کو غیر ذمہ دار نہیں چھوڑا گیا ہے۔ آخرت کے اس عقیدہ کے اصول میں پانچ باتیں شامل ہیں:۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ ایک دن اللہ تعالیٰ تمام عالم اور اس کی مخلوقات کو مٹا دے گا۔ اس دن کا نام قیامت ہے۔

۲۔ پھر وہ سب کو ایک دوسری زندگی بخشے گا اور سب اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اس کو حشر کہتے ہیں۔

۳۔ تمام لوگوں نے اپنی دنیوی زندگی میں جو کچھ کیا ہے اس کا پورا نامۂ اعمال خدا کی عدالت میں پیش ہوگا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اچھے یا برے اعمال کا وزن فرمائے گا جس کی بھلائی خدا کی میزان میں برائی سے زیادہ وزنی ہوگی اس کو بخش دے گا اور جس کی برائی کا پلڑا بھاری رہے گا ان کو سزا دے گا۔

۵۔ جن لوگوں کی بخشش ہو جائے گی وہ جنت میں جائیں گے اور جن کو سزا دی جائے گی وہ دوزخ میں جائیں گے۔

آخرت کی یہ تعلیم دنیا میں انسان کے دل میں عذاب جہنم کا خوف پیدا کر دیتی ہے اس کو ذمہ دار اور فرض شناس بناتی ہے اور اس کے اعمال و اخلاق میں تقویٰ کی روح پیدا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جا بجا اور بار بار حیات آخرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ شخص جو آخرت کو نہیں مانتا اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا اور حقیقۃً دیکھا جائے تو جو شخص زندگی کے بعد موت پر یقین نہیں رکھتا وہ نفس پرست حیوان سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کجا یہ کہ وہ اسلام کے بتائے ہوئے نظام اخلاق کو اختیار کر سکے۔

کلمۂ طیبہ ان پانچ عقائد کو صرف ایک کلمہ طیبہ میں سمو دیا گیا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کہنے کا مطلب ہی یہ ہوا کہ ایک شخص اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ صرف ایک خدا بندگی کا مستحق ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں رسالت کی تصدیق کے ساتھ خود بخود یہ بات بھی لازم ہو جاتی ہے کہ خدا کی ذات و صفات، حقوق و اختیارات، ملائکہ، کتب آسمانی، انبیاء اور آخرت کے متعلق جو کچھ اور جیسا کچھ آنحضرت نے تعلیم فرمایا ہے۔ اس پر ایمان لایا جائے اور خدا کی عبادت اور فرمانبرداری کا جو طریقہ آپ نے بتایا ہے اس کی پیروی کی جائے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے متعلق حضور نے فرمایا ہے کہ جو اس کو دل کی گہرائیوں سے پڑھ لیتا ہے اور اس کے تقاضے پورے کرتا ہے وہ کبھی بھی دوزخ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نہیں جانے گا۔

عبادات

ان پانچ چیزوں پر ایمان لانے کے بعد حضورؐ نے پانچ اور احکام کی تعلیم دی اور جب کوئی شخص ان احکام پر پوری طرح عمل کرتا ہے تو اُسے پُورا مسلمان کہا جاتا ہے۔ ان کو اسلامی اصطلاح میں ارکان اور عبادات کہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ان پر اسلام کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی فرض ادا نہ کیا جائے تو اسلام ادھورا رہ جائے گا۔

دراصل نبی کریمؐ کا مقصد یہ تھا کہ تمام انسان سچے معنوں میں خدا کے عبد یعنی بندے بن جائیں اور اپنی پوری زندگی میں خدا کی بندگی کریں۔ عبادت گزار بندہ بننے کے لیے تمام اسلامی تعلیمات پر، جو زندگی کے جس شعبہ سے بھی متعلق ہوں، پوری طرح عمل کیا جائے۔ انسان دنیا میں کوئی بھی کام کر رہا ہو اُسے خداوند تعالیٰ یاد ہونا چاہیے اور اُسے ہر کام خدا کے حکم کے مطابق کرنا چاہیے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ چند عبادات ایسی فرض کر دی جائیں کہ ان کے بجالاتے رہنے سے انسان کو ایسی تربیت مل جائے کہ وہ ہر وقت خدا کو یاد رکھ سکے اور کبھی بھی اس کے احکام سے غافل نہ ہو سکے اور ان سے سرتابی نہ کرے۔ اس غرض کے لیے پہلا حکم دیا گیا کہ نماز پڑھو۔

نماز

ایک خاص طریقے سے شب و روز میں پانچ دفعہ عبادت الٰہی کرنے کا نام نماز ہے اپنے کام کاج کو چھوڑ کر اور پاک و صاف ہو کر مسجد میں پانچ وقت جانا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان کا تعلق خدا کی ذات کے ساتھ ہر وقت جڑا رہتا ہے۔ دنیاوی مصروفیات میں اگر کسی وقت اس سے کوئی گناہ ہوتا ہے اور وہ کسی وقت خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو مسجد میں جا کر وُہ فوراً اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر توبہ کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ سے اپنے تعلق کو تازہ اور زندہ کر لیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی نماز کی تاکید فرمائی ہے اتنی کسی اور بات کی تاکید نہیں فرمائی حتیٰ کہ سفر ہو، حضر ہو، امن ہو یا جنگ ہو یا بیماری ہو، ہر حالت میں اس کے ادا کرنے کا حکم ہے خواہ بعض حالات میں صرف دو فرض ہی کیوں نہ پڑھنے پڑیں۔

روزہ

اسلام نے سال میں رمضان المبارک کا پورا مہینہ روزہ رکھنے کی تعلیم دی ہے انسان کو پُورا عبادت گزار بنانے کے لیے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جذبۂ اطاعت پیدا کرنے کے لیے پورا ایک ماہ یہ تربیت دی جاتی ہے سحری سے شام تک ہر فرد کھانے پینے اور مباشرت سے اجتناب کرتا ہے۔ گویا خدا کے حکم کے تحت وہ ایسے کاموں سے بھی رک جاتا ہے جو عام حالات میں جائز ہوتے ہیں اور دن بھر بھوکا پیاسا رہتا ہے۔ پھر یہ ایک ایسی خفیہ عبادت ہے جس کا کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ انسان کو بھوک پیاس لگے تب بھی چھپ کر نہیں کھاتا پیتا۔ اس طرح ایک مسلمان کے اندر خدا کا خوف اور تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہر حال میں خدا کے حکموں کو بجا لاتا ہے۔

زکوٰۃ یہ فرض ہر مالدار مسلمان پر عائد ہوتا ہے سال کے بعد نقدی پر ۲½ فیصد زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ یہ رقم کسی غریب رشتہ دار یا محتاج، مسکین، مسافر، نو مسلم یا کسی قرضدار شخص کو دے دی جاتی ہے اس طرح اللہ نے امیروں کی دولت میں غریبوں کا حصہ مقرر فرمایا۔ اس سے مسلمانوں کے اندر قربانی اور ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تا کہ خدا کی راہ میں جب مال صرف کرنے کی ضرورت پڑے تو کوئی مسلمان اپنی دولت کو سینے سے نہ چمٹائے بیٹھا رہے بلکہ دل کھول کر خرچ کرے نیز اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ غریبوں کی اتنی مدد کی جائے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اور وہ ذلیل نہ ہوں۔

حج اسلام کا چوتھا رکن حج بیت اللہ ہے یہ بھی استطاعت رکھنے والے کے لیے عمر میں صرف ایک بار کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ حج میں انسان گھر بار کاروبار سب کچھ چھوڑ کر ایک طویل سفر پر جاتا ہے۔ یہ گویا اس لحاظ سے سب سے بڑی عبادت ہے کہ انسان خدا کی راہ میں سب تعلق توڑ کر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اس موقع پر انسان کے اندر بہت عاجزی اور انکساری پیدا ہو جاتی ہے۔

ان ارکانِ اسلام کو ادا کرنے سے انسان وہ عبادت گزار بندہ بن جاتا ہے جو ہر وقت خدا کے احکام کی بجا آوری میں لگا رہتا ہے۔ وہ اسلامی احکام پر خود بھی اپنی طاقت کے مطابق عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسلام کے احیاء اور اس کی اشاعت و تبلیغ کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر اسلام کی خاطر اسے دشمنوں سے لڑنا بھی پڑے تو بھی اس سے نہیں ہٹتا۔ اس کا نام جہاد ہے اور حضورؐ نے اس جہاد کا حکم دیا ہے

حقوق اللہ حضورؐ کی تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں اور کچھ حقوق العباد سے متعلق۔ اللہ کے حقوق آپ نے جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتائے ہیں ان کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ اس کے بارے میں چند باتیں اور بھی ہیں جن کا حضورؐ نے حکم دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی کتاب کو زندگی کا نظام سمجھا جائے اور اسے اپنی زندگیوں میں نافذ کیا جائے۔ جب سب کچھ خدا کا ہے اور زمین بھی خدا کی ہے تو اس پر قانون بھی وہی جاری و ساری کیا جائے جو خدا کا ہے جہاں جہاں بھی اللہ کے سوا دوسروں کے احکام جاری ہیں انہیں بالکل ختم کر دیا جائے زندگی صرف ایک خدا کے حکم کے تحت آجائے اور اللہ کے کلمے کو بلند کیا جائے خواہ اس راہ میں کتنی تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔ وہ لوگ جن تک توحید نہیں پہنچ پائی ہے وہاں تک اسے پہنچایا جائے۔ شرک کی جو صورتیں فکر و عمل میں ہوں انہیں ختم کر دیا جائے۔

حقوق العباد حضورؐ کی تعلیمات کا دوسرا حصہ حقوق العباد سے متعلق ہے۔ نبی کریمؐ نے اس سلسلہ میں بہت تفصیل سے احکام دیئے ہیں۔ مختصراً یہ کہ ایک مسلمان کی جان، مال، آبرو دوسرے مسلمانوں کے لیئے محترم ہے۔ اساتذہ اور والدین کا حق بتلایا، ان کے علاوہ رشتہ داروں، ہمسایوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور غلاموں کے ساتھ بھی اچھے سلوک کا حکم دیا۔

مدنی احکام حضورؐ نے تہذیب و تمدن کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لیئے کئی احکام دیئے جو معیشت، ریاست، معاشرت، قانون اور اخلاق سے متعلق ہیں انہی احکام پر آپ نے مدینہ میں ایک مثالی معاشرہ اور مثالی ریاست قائم فرمائی۔

سیرت و اخلاق نبوی آنحضرتؐ کی سیرت و اخلاق، ٹھیک قرآن مجید کی تعلیمات کی چلتی پھرتی تصویر تھی۔ حضرت عائشہؓ سے جب کسی نے حضورؐ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا تو ان کا جواب تھا،

كان خُلُقُهُ القرآن — یعنی قرآن مجید اور اخلاق محمدیؐ ایک ہی چیز ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپؐ کی سیرت پاک کو مسلمانوں کے لیئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔

نبوت سے قبل مکہ میں آپؐ صادق اور امین کے القاب سے مشہور تھے۔ آپؐ کی شرافت حیاداری، دیانت اور امانت کو سبھی مانتے تھے۔ نبوت کے وقت آپؐ کے اخلاق کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں حضرت خدیجہؓ کے الفاظ تھے کہ ۔

"آپ قرابت داروں سے نیک سلوک کرنے والے ہیں ۔ آپ درماندوں کو سواری دیتے ہیں ، آپ ناداروں کی مدد کرتے ہیں ، آپ مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں اور آپ مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت فرمانے والے ہیں "۔

یہی وہ بلند اخلاق تھا کہ حضورؐ کے دشمن تک آپ پر کبھی بد اخلاقی ، جھوٹ ، فریب ، یا ستمگری کا الزام نہ لگا سکے ۔

آپ فراخ عزم اور پکے ارادہ کے مالک تھے ۔ ہمیشہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ۔ آپ اس صفت کی بدولت سخت مشکل حالات میں بھی نہ گھبراتے ۔ غار ثور میں اپنے ساتھی کو تسلی دیتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے ۔ حضرت ابوطالب نے ایک مرتبہ جب کفار کی دھمکیوں کا ذکر کیا تو آپ نے کس عزم کے ساتھ فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی لا کر رکھ دیں تو بھی اس دعوت سے نہ رکوں گا ۔

آپ نہایت فراخ حوصلہ اور فیاض انسان تھے ۔ آپ نے اپنے بدترین دشمنوں کیلئے بھی کبھی بددعا نہ کی ۔ لوگوں نے آپ کو ہر طرح کی اذیتیں دیں ۔ آپ کے ساتھیوں کو سولی کے تختوں پر لٹکایا ، آپ کا بائیکاٹ کیا ، آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ۔ حتیٰ کہ آپ گھر بار سے نکل کھڑے ہوئے لیکن جب آپ کو ان پر اختیار حاصل ہوا تو سب کو معاف کر دیا ۔ یہی وہ فراخ حوصلگی اور عفو تھا کہ آپ کے دشمن بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے ۔

آپ بندگان خدا کو راہ راست پر لانے کے لیئے دل میں سچی تڑپ رکھتے تھے اور انہیں ہر طریقے سے اسلام کی طرف بلاتے ان کی گمراہی پر آپ کی روح کو بے حد صدمہ پہنچتا ۔ آپ کو یہ غم کھائے جاتا تھا کہ توحید کو نہ مان کر یہ لوگ ابدی عذاب کے مستحق بن رہے ہیں آپ کو اپنی امت سے بے انتہا محبت تھی ۔ آپ ان کی بھلائی کے حریص تھے اور شفقت و رحمت فرمایا کرتے تھے ۔ قرآن کریم نے اسی بنا پر آپ کو رحمۃ للعلمین کہہ کر پکارا ہے ۔

آپ کو خدا کی عبادت کا اتنا ذوق و شوق تھا کہ راتوں کو گھنٹوں خدا کی یاد میں کھڑے رہتے کہ پاؤں پر ورم آجاتا ۔ ایک مرتبہ جب آپ سے عرض کیا گیا کہ جب خدا نے آپ کو بخش دیا ہے تو اتنی عبادت کیوں فرماتے ہیں ؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں ! آپ ہر وقت خدا سے ڈرتے رہتے تھے ۔ یہی خشیت الٰہی تھی جس کی بدولت آپ تقویٰ اور احسان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی منزلوں سے بھی آگے نکل گئے۔

آپ کا انداز گفتار بہت شیریں تھا۔ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے حتیٰ کہ لوگ یاد کر لیتے۔ بعض دفعہ اہم اور ضروری باتوں کو تین تین مرتبہ دُہراتے۔ کم گو تھے۔ گفتگو میں ہمیشہ سنجیدگی اور متانت ہوتی خطبہ ہمیشہ مختصر دیتے اور سامعین کی ذہنی استعداد کا خیال رکھ کر تعلیم دیتے۔

آپ باوقار اور رُعب و دبدبہ والے تھے۔ حتیٰ کہ دشمنوں پر بھی آپ کے وقار کا اثر ہوتا تھا۔ سیرت ابن ہشام میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے ایک شخص سے اُونٹ خریدے لیکن اُسے قیمت دینے میں ٹال مٹول کر رہا تھا۔ وہ شخص حرم کعبہ میں گیا تاکہ قریش کا کوئی بھلا آدمی اس کی سفارش کر دے انہوں نے سائل سے کہا کہ تمہیں محمد قیمت وصول کر دے سکتے ہیں۔ آپ بھی خانہ کعبہ میں ایک طرف عبادت میں مصروف تھے۔ اس شخص نے آپ سے بات کی۔ آپ فوراً اس کے ساتھ ابوجہل کے گھر کی طرف چل پڑے۔ قریش کے سرداروں نے کہا "آج لطف آجائے گا" نبی کریم سیدھے ابوجہل کے مکان پر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا اس نے پوچھا "کون"؟ آپ نے جواب دیا: "محمد" وہ حیران ہو کر باہر نکلا۔ آپ نے اس سے کہا "اس شخص کا حق ادا کر دو۔ اس نے جواب میں کوئی چون وچرا نہ کی، اندر گیا اور اس کے اونٹوں کی قیمت لے کر اس کے ہاتھ میں دے دی۔ قریش کے مخبر نے انہیں آکر بتایا کہ واللہ آج وہ عجیب معاملہ دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا۔ حکم بن ہشام (ابوجہل) جب نکلا ہے تو محمد کو دیکھ کر اس کا رنگ فق ہوگیا اور جب محمد نے اس سے کہا کہ اس کا حق دے دو تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے حکم بن ہشام کے جسم میں جان نہیں ہے۔

آپ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر اور دلیر تھے۔ آپ کی شجاعت کی سب سے بڑی مثال تو یہی ہے کہ آپ تن تنہا دعوت توحید کا مشن لے کر کھڑے ہو گئے اور ہر مشکل کو خندہ پیشانی سے حل کیا۔ معرکہ احد وحنین میں دشمنوں کے عین درمیان اور تیروں کی بوچھاڑ میں آپ نے جس شجاعت کا مظاہرہ فرمایا ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

آپ کی زندگی بڑی سادہ اور تکلفات سے پاک تھی۔ ناداری کو غنا سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ کھانا کبھی بھی شکم سیر ہو کر نہ کھاتے۔ لباس ہمیشہ سادہ پہنتے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ حضورؐ تہبند باندھے چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ چٹائی کے نشان جسم اطہر پر صاف اُبھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ گھر کے ایک گوشہ میں بیدہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں چبھ رہے تھے، اور دیوار پر چمڑا لٹک رہا تھا۔ اس بے سرو سامانی اور فقر و افلاس کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر آئے۔ حضورؐ نے جب فاروقؓ کی سسکیاں سُنیں تو آنکھ کھل گئی۔ پوچھا: "اے خطاب کے بیٹے! تجھے کس چیز نے رلایا؟" فاروقؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نہ روؤں تو اور کیا کروں؟ قیصر و کسریٰ تو طلائی تخت اور حریر و دیبا کے نرم فرش پر مزے اڑائیں اور آپ خدا کے رسولؐ اور برگزیدہ ہوتے ہوئے اس حال میں بوریئے پر زندگی بسر کریں۔" اس پر حضورؐ نے عمر فاروقؓ کو جواب دیا کہ "اے عمرؓ! کیا تو اس پر رضامند نہیں ہے کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے واسطے آخرت۔"

آپ اکثر اپنا کام کاج خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ کپڑے دھو لیتے، جوتا گانٹھ لیتے، جانور کو چارہ ڈالتے بلکہ پڑوسیوں کے کام بھی کرنے میں عار نہ سمجھتے۔ نوکر کے ساتھ مل کر کھانا کھا لیتے۔ چھوٹے بڑے سب کو سلام کرنے میں سبقت کرتے۔

آپ جب بھی کسی سے ملتے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ گھر میں تشریف رکھتے تو بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے زیادہ نرم خو، متبسم اور خندہ جبیں ہوتے۔ گھر والوں کے ساتھ ہنسی مذاق بھی فرماتے۔ گھر میں کبھی کسی خادم کو نہ جھڑکتے۔

مریضوں کی عیادت فرماتے حتیٰ کہ یہودیوں اور کافروں کی بھی عیادت کی۔ بیمار کے قریب بیٹھ کر اسے تسلی دیتے۔ صدقہ اپنے اور اپنے اہل بیت کے لیے حرام سمجھتے البتہ ہدیہ قبول فرما لیتے۔ بڑے بوڑھوں کا ادب کرتے سب کے درمیان عدل و انصاف فرماتے کبھی کسی سائل کو خالی نہ لوٹاتے۔ اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر بھی دے دیتے کوئی شخص مر جاتا تو اس کا قرض خود ادا فرماتے۔ اگر اس کا مال ہوتا تو وہ وارثوں میں تقسیم فرما دیتے۔ لیکن قرض کی ادائیگی اس مال میں سے نہ کرتے تھے۔

آپ صبر و حلم کے پیکر مجسم تھے۔ ایک مرتبہ زید نامی ایک یہودی قرض وصول کرنے آیا آپ کو چادر سے جھٹکے دیتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ عبدالمطلب والے بڑے نادہندہیں۔ عمر فاروقؓ نے اسے سختی سے جھڑک دیا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا: "اے عمرؓ! تمہیں لازم تھا کہ مجھے حسن ادائی کے لیے کہتے اور اسے حسن تقاضا سکھاتے۔ پھر آپ نے زید سے کہا کہ ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں۔ پھر عمرؓ سے فرمایا کہ اس کو قرض ادا کر دو اور بیس صاع زیادہ بھی دے دینا کیونکہ تم نے اسے ڈرایا اور دھمکایا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ مردانہ ورزشوں کو پسند فرماتے۔ تیراکی اور نشانہ بازی کا لوگوں کو شوق دلایا کرتے گھوڑ دوڑ کراتے۔ مختلف تفریحی کھیل دیکھتے۔ لوگوں سے مذاق بھی فرماتے مگر آپ کا مزاح بے ضرر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی سائل نے سواری کا اونٹ مانگا۔ فرمایا ہم تمہیں اونٹنی کا ایک بچہ دیں گے سائل نے حیرت سے کہا کہ میں اُسے لے کر کیا کروں گا۔ فرمایا ہر ایک اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

غرض رسول کریم کی سیرت پاکیزہ اور اخلاق بلند تھے۔ ان کی صفات کا بیان جتنا کیا جائے ادھورا ہی رہے گا۔ صلوٰۃ و سلام ہو آپ کی ذات گرامی پر۔

حضورؐ مصلح کی حیثیت سے

آنحضرتؐ نے انسانیت کی ہر لحاظ سے اصلاح فرمائی۔ آپؐ نے اخلاق بھی درست فرمائے اور عقائد بھی۔ تہذیب و تمدن بھی اور معاشرت و سیاست بھی، آپؐ نے ایک فرد کی نجی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کی اصلاح فرمائی۔ عربوں کی زندگی میں جہاں جہاں بھی کوئی بگاڑ اور گمراہی تھی، آپؐ نے سب سے پہلے اسی کی اصلاح فرمائی آپؐ کی اصلاحات کی بنیادیں انسانی و آفاقی ہیں جو اصول و ضوابط اور حدود آپؐ نے بتائے ہیں وہ تمام آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرنے والے ہیں اور دنیا کے آنے والے ہر بگاڑ کی اصلاح انہی ضوابط میں موجود ہے بشرطیکہ صدق دل اور خلوص سے ان پر عمل کیا جائے۔

مذہبی اصلاحات

نبی کریمؐ نے مشرکانہ عقائد کی اصلاح فرمائی وہ انسان جو اشرف المخلوق تھا اس کو تمام چوکھٹوں کی جبہ سائی سے ہٹا کر اس کی پیشانی صرف ایک ذات کے سامنے سجدہ ریز کرائی اور یوں گرے ہوئے انسان کو انسانیت کے بلند مقام پر پہنچا دیا پتھر، درختوں، فرشتوں، چاند، سورج، ستاروں، جانوروں غرضیکہ ہر چیز کی خدائی کا پھندہ اس کے گلے سے نکالا اور اسے آزاد فرمایا۔ توحید کا ایسا تصور پیش فرمایا جس نے عربوں کی مذہبی زندگی کو پلٹ کے رکھ دیا۔ شرک کے گورکھ دھندے سے نکال کر توحید خالص کا نشہ ایسا دیا کہ نیزے کی انی اور تلوار کی دھار پر بھی احد احد کے سوا کوئی کلمہ ان کی زبان پر نہ تھا۔

اخلاقی اصلاحات

آپؐ کا دوسرا بڑا کارنامہ اصلاح یہ ہے کہ آپؐ نے انسانوں کو ایک نیا تصور اخلاق دیا۔ آپؐ نے انسانوں میں عزت والا اسے بتایا جو سب سے زیادہ با اخلاق ہو مسلمانوں کی تعریف یہ بتائی کہ جو امانت میں خیانت نہ کرے، گفتگو میں جھوٹ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہوئے اور وعدہ کرکے اس کی خلاف ورزی نہ کرے، اگر ان میں سے کوئی بھی اخلاق سے گری ہوئی بات کوئی شخص کرتا تو اُسے اس درجہ کا منافق قرار دیا جاتا تھا۔ غریبوں کو ستانا، کمزوروں پر ظلم کرنا، جھوٹی گواہی دینا، ناحق الزامات لگانا، غیبت و بہتان تراشنا، چغلی اور اس طرح کی تمام باتوں کو آپ نے گناہ کبیرہ قرار دیا۔

شراب نوشی اور قمار بازی سے منع فرمایا۔ شراب کو تمام منکرات اور برائیوں کی جڑ بتایا۔ وہ عرب شراب پینا جن کی فطرت ثانیہ تھی حضورؐ نے آہستہ آہستہ ان کے دل میں اس سے اتنی نفرت پیدا کر دی کہ جب آپؐ نے آخری بار اسے بالکل حرام قرار دے دیا اور خدا کی طرف سے یہ حکم ان کو سنا دیا تو مدینہ کی گلیوں میں شراب کی نہریں جاری ہوگئیں اسی طرح جوئے پر بھی پابندی لگا دی گئی، قمار بازی بھی عربوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اس عادت نے ان کو ناکارہ اور آرام پرست بنا دیا تھا۔ ان دونوں برائیوں کا اس طرح استیصال ہوا کہ گویا یہ عرب کبھی ان کے دلدادہ ہی نہ تھے یہ لوگ جو آخرت کے تصور سے نابلد تھے اور اپنی زندگی کو فضول کاموں اور بے کار جلسوں میں گزارنا فخر سمجھتے تھے۔ اسلام کے تصور آخرت اور اس کی جواب دہی سے اتنے متاثر ہوئے کہ ایک ایک لمحہ نیکوکاری میں گزارنے لگے۔ ان کے پورے نظام الاوقات میں تبدیلی آگئی۔ ہر لمحہ نیکی کی جستجو اور لغویات سے پرہیز میں گزارنے لگے۔

سیاسی اصلاحات

آپؐ نے سب سے پہلے تو لوگوں کو یہ بتایا کہ فرمانروائی کا کل حق اللہ کی ذات کو پہنچتا ہے۔ کائنات کا مالک وہ ہے اور حکم اور قانون بھی اس میں اسی کا چلنا ہوگا۔ انسان کا مرتبہ یہاں پر خدا کے نائب کا ہے اور انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ خدا کی مرضی کو یہاں پورا کرے اور خدا کے بھیجے ہوئے قوانین کو نافذ کرے۔ ریاست کا حاکم اعلیٰ اللہ ہوگا۔ رسول اللہؐ خدا کے جو احکام بتائے گا اس کی پیروی کی جائے گی۔ اس طرح سے اسلام نے انسان پر انسان کی حاکمیت، خدائی یا بادشاہت کے تصور کی جڑ کاٹ دی کیونکہ تمام فسادات کا اصل منبع بھی یہی تصور تھا۔ آپؐ نے بتایا کہ قانون دینے والی ذات صرف ایک ہے۔ تمام انسان مل کر بھی اس کے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے اور نہ اُسے معطل یا موقوف کر سکتے ہیں البتہ اگر کوئی نیا مسئلہ پیدا ہو تو علماء وقت غور و فکر کرکے قرآن و سنت کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ فرض قرار دیا کہ ریاست میں خدا اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانون کے مطابق تم حکومت کرو گے۔ یمن کا گورنر بناتے ہوئے حضورؐ نے معاذ بن جبل کو اس کی تاکید فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ریاست کے انتظام کے لیے ایک امیر کا انتخاب کر لیا جائے یہ منصب خاندانی نسلی یا موروثی بنیاد پر کسی کو نہ دیا جائے۔ جو زیادہ مستحق ہو اور اہل ہو اسے امیر چنا جائے۔ امیر پر تنقید و احتساب کیا جا سکے گا اور اس کی حیثیت عام شہریوں جیسی ہو گی۔ اس کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ ریاست کے اہم امور مسلمانوں کے مشورے سے سرانجام دے اس کے لیے وہ ایک مجلس مشاورت بنا سکتا ہے۔

اسلامی ریاست میں انتظامیہ سے الگ عدلیہ قائم ہو گی۔ قاضی یا جج کا کام بے لاگ انصاف کرنا ہو گا۔ اگر امیر وقت کے خلاف بھی کوئی مقدمہ ہو جائے تو وہ قطعاً رعایت نہ کرے گا۔ جج کے سامنے امیر و غریب، حاکم و محکوم کی کوئی تفریق نہ ہو گی۔ اسے آزادی حاصل ہو گی اور اس کا کام یہ ہو گا کہ وہ بے خوف ہو کر اپنا فیصلہ نافذ کرے۔ اس طرح گویا ریاست امن و سکون اور عدل و انصاف کا گہوارہ بن جائے گی۔

معاشی اصلاحات

عربوں کی معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس میں اُن کے وسائل زمین کو بھی دخل تھا مگر دوسری طرف ان میں غلط ذرائع آمدنی اور خرچ کے ناجائز طریقوں کو بھی بہت دخل تھا۔ سُود اُن کی معیشت کی بنیاد تھی۔ حضورؐ نے ان میں ایسی اصلاح کی کہ ساری معاشی ناہمواریاں دُور ہو گئیں۔

سب سے پہلے آپ نے مال کمانے اور خرچ کرنے پر جائز پابندیاں لگائیں ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو حضورؐ نے جہنم کا ایندھن قرار دیا۔ حلال کی روزی کو جنت کی کنجی بتلایا۔ اس طرح وہ لوگ جو دولت کمانے کے بعد اسے اپنی خواہشات نفسانی کے تحت خرچ کرتے تھے انہیں اس سے روکا اور یہ بات ذہن میں بٹھائی کہ یہ امانت ہے اور اسے زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی فضول خرچی کرے گا تو وہ شیطان کا ساتھی ہو گا۔

آپ نے دولت کو جمع کر کے رکھنے سے منع فرمایا۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو جب دولت کی گردش رُک جاتی ہے تو بے شمار خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آپ نے لوگوں میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ اُبھارا تاکہ دولت ایک ہاتھ میں جمع نہ رہے اور خرچ ہو کر سب کے کام آتی رہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو مال کی محبت انسان کے اندر بے شمار رذائل پیدا کر دیتی ہے۔

آپ نے معیشت کو پاک کرنے کے لئے سُود اور دیگر ناجائز ذرائع پر بھی پابندی لگا دی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُود جس سے ظالم سرمایہ داری جنم لیتی ہے اور غریب مجبوریوں کی چکی تلے پستا ہُوا سُود پر رقم لینے پر مجبور ہو جاتا ہے، وہ آپ نے حرام قرار دے دیا۔ اس طرح ناداروں اور بے بس لوگوں کو دولتمندوں کے ظالمانہ چنگل سے نجات بخشی۔

اسی طرح آپؐ نے غریبوں کی مدد کے لئے امیروں پر زکوٰۃ فرض کی۔ مال، زیورات، اور نقدی میں سے لازماً ایک مقررہ شرح کے مطابق زکوٰۃ لے کر غریبوں اور دُوسرے ضرورت مندوں میں تقسیم کی جاتی۔ اس حکم کے تفاوت بہت سے گرے ہُوئے غریب سنبھل گئے۔

آنحضرتؐ نے ورثہ کا قانون بھی مرتب فرمایا۔ اس اسلامی قانونِ وراثت کے تحت ہر شخص کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اس کے مرنے کے بعد جائز وارثوں میں تقسیم ہو کر پھیل جاتی ہے۔ اس طرح سے معاش کے لئے نئی راہیں نکل آئیں اور ایسے عظیم نتائج نکلے کہ ایک وقت ایسا آیا کہ کوئی شخص اسلامی ریاست میں ڈھونڈنے سے ایسا نہ ملتا تھا جو زکوٰۃ لینے پر آمادہ ہو۔

معاشرتی اصلاحات

آپؐ نے معاشرہ کے تمام طبقوں کے حقوق مقرر کر کے ایک دوسرے کی ظالمانہ پابندیوں سے نجات دی۔ غلام، جو حضورؐ کے وقت ظلم اور سفاکی کا شکار ہو رہے تھے۔ ان کے متعلق صاف صاف فرمایا کہ تم ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو اپنے گھر کے فرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ غلام کو آزاد کرنا سب سے بڑا کار ثواب قرار دیا۔ بہت سے گناہوں کا فدیہ غلاموں کو آزاد کرنا ٹھہرایا۔ اس کے نتیجہ میں غلاموں کی آزادی کی ایسی رو چل پڑی کہ دیکھتے دیکھتے سرے سے غلامی کا رواج ہی ختم ہو گیا۔ ہزاروں غلام آزادی سے بہرہ ور ہوئے جو باقی رہ گئے وہ اپنے مالکوں سے اتنے خوش تھے کہ آزادی سے زیادہ ان کو وہ غلامی پسند تھی۔ اسلام کے پہلے مؤذن حضرت بلال حبشیؓ تھے جن کو بڑے بڑے صحابہؓ سیدنا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

اس وقت تک عورت، غلاموں کے بعد دوسرا مظلوم طبقہ تھی۔ عرب لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ لڑکی کی پیدائش رحمت ہوتی ہے اور ماں کے قدموں میں جنت ہوتی ہے۔ بیوی کے مرد کے برابر حقوق ہیں۔ عورت کے فرائض بتاتے کہ وہ گھر میں کام کاج کرے۔ باہر نکلے تو پردہ سے نکلے اور مرد کی ذمہ داری یہ بتائی کہ وہ کما کر لایا کرے۔ عورت کو مہر کا حق دیا۔ اس کو جائیداد میں وارث بنایا اور اس طرح عورت کو پستی کے گڑھے سے نکال کر انسانی حقوق سے بہرہ ور کیا۔

تمدنی اصلاحات

آپؐ نے ایک اچھا اسلامی معاشرہ بنانے کے لئے تہذیب و تمدن کے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصول مقرر فرمائے اور اس طرح کی اصلاحات کیں کہ وہ ایک نمونہ کا معاشرہ بن گیا تھا۔ آپؐ نے ان لوگوں میں خوف آخرت کا اتنا احساس پیدا کر دیا تھا کہ وہ کبھی بھی گناہ کے قریب نہ جاتے تھے۔ شرم و حیا کے فطری جذبہ کو اتنا ابھارا گیا کہ معمولی غلطیوں پر بھی شرم و حیا سے پانی پانی ہو جاتے۔ ایک طرف آپؐ نے ان میں نیکی کی ترغیب پیدا فرمائی اور دوسری طرف ایسی انسدادی تدابیر اختیار فرمائیں کہ برائی کو گھسنے کا کوئی راستہ نہ مل سکے۔ یہی تدابیر زبردست معاشرتی تحفظات بن گئیں۔

آنحضرتؐ نے زنا کو بدترین فعل قرار دیا۔ قرآن کریم میں غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حقیقتاً یہ اتنا بڑا جرم ہے جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے گویا زانی اسلامی معاشرہ کی عفت و عصمت پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور انسانیت کی بجائے حیوانیت کا اظہار کرتا ہے۔ اس لئے اس کی سزا بھی سنگین تجویز فرمائی۔ پھر عربوں میں زنا کی جھوٹی تہمتیں بھی لگائی جاتی تھیں۔ آنحضرتؐ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے اور قرآن مجید نے اس کی سزا اسی کوڑے مقرر کی ہے۔

آنحضرتؐ نے عورت کو پردہ کا حکم دیا تاکہ وہ آرائش و زیبائش کر کے باہر نہ نکل سکیں اور شیطان کو برائی اور فتنہ پھیلانے کا موقع نہ مل سکے۔ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے اسلام نے آنکھیں نیچی رکھ کر چلنے کا حکم دیا ہے۔ عورت کے لئے حکم ہے کہ وہ بغیر ضروری کاموں کے گھر سے باہر نہ نکلے اور اس صورت میں بھی چادر اوڑھ کر باہر آئے۔ عریانی اور برہنگی کو بالکل ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک پاکیزہ معاشرہ وجود پذیر ہو گیا۔

اسی طرح نبی کریمؐ نے گھروں میں بلا اجازت اور بغیر سلام علیکم کہے آنے سے منع فرما دیا۔ قرآن مجید میں صاف حکم ہے کہ تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں بغیر اجازت مت داخل ہو۔ اس لئے کہ بعض اوقات گھر کی خواتین پر نظر پڑ جاتی ہے۔ اگر کوئی چیز مانگنی پڑ جائے تو پردے کی اوٹ سے مانگی جائے۔ حتیٰ کہ سمجھدار اولاد کو بھی منع کر دیا کہ وہ سونے کے کمروں میں بلا اجازت رات اور دوپہر کو نہ جایا کریں تاکہ کسی قسم کی بے پردگی نہ ہو۔ یہ ساری تدابیر جنسی آوارگی اور اخلاق بے راہ روی کو ختم کرنے کے لئے فرمائی گئیں۔ ان کا اثر یہ ہوا کہ عربوں کا صدیوں پرانا جما ہوا نظام حضورؐ کے سامنے ہی ختم ہو گیا اور ایک نیا اسلامی تمدن، پاکیزہ معاشرت اور با اخلاق و حیا دار سوسائٹی پیدا ہو گئی۔

ان کے علاوہ آنحضرتؐ نے اور بھی کئی اصلاحات کیں تاہم اس مختصر خاکے سے یہ اندازہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کتنے بڑے سماجی مصلح تھے کہ ایک اخلاق باختہ قوم کو ذلت کی پستیوں سے اٹھا کر بلند اخلاق میں قوموں کا رہنما بنا دیا اور اسی اخلاقی قوت سے وُہ دنیا پر چھا گئے۔

ملت اسلامیہ کا بانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصلحانہ حیثیت اس وقت اور بھی وسیع ہو جاتی ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان اصلاحات کو پُوری دنیا میں جاری و ساری کرنے کے لئے آپ نے ایک نئی ملت کی بنیاد ڈالی عرب اپنے قبیلوں سے اُوپر کسی معاشرتی تنظیم یا قوم و ملت کا کوئی تصور ہی نہ رکھتے تھے۔ دُنیا میں پہلی دفعہ عرب سرزمین میں نسل اور قبائلی بنیادوں کو ڈھا کر ایک نظریہ اور ایک عقیدہ کی بنیاد پر محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک ملت کی نیو رکھی۔ کلمۂ طیبہ یعنی خدا اور رسولؐ پر ایمان۔ جو بھی لے آتا وہ اس ملت کا فرد بن جاتا۔ خواہ وہ کسی رنگ، نسل، وطن اور قبیلہ کا ہوتا۔ بقول مؤرخ ہٹیؔ یہ پہلا موقع تھا کہ عرب میں ایک معاشرہ رشتہ خون کے بجائے مذہب کی بنیاد پر قائم ہوا۔ قرآن نے اس کلمہ کے ماننے والوں کو ملت اسلام اور انکار کرنے والوں کو ملت کفر کا نام دیا۔ پہلا گروہ حزب اللہ اور دوسرا حزب الشیطان کہلایا۔

رسول کریمؐ نے مکہ میں کوشش کی مگر تیرہ سال تک وہاں اتنی کامیابی نہ ہو سکی کہ اسلامی معاشرہ قائم فرماتے اور اس ملت اسلامیہ کو مستحکم کرتے۔ بالآخر مدینہ کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضورؐ نے تمام افراد ملت کو یکجا جمع کیا اور دنیا کو پہلی مرتبہ یہ بھی دکھا دیا کہ مسلمانوں کے درمیان محبت اور اخوت کی بنیاد ایمان ہے۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی۔ یہ ایسا بھائی چارہ تھا کہ انصار نے اپنے گھر بار اور مال و جائیداد تک میں ان بھائیوں کو برابر شریک کر لیا۔ یہ گویا بنیان مرصوص بن گئے۔ زمانۂ جاہلیت میں جن کی باہم دشمنی تھی وہ اب شیر و شکر ہو گئے تھے۔ یہ ملت اسلامیہ کے بانی کا اعجاز تھا۔

پھر آپؐ نے ریاست مدینہ کو محفوظ کرنے کے لئے پہلی مرتبہ یہود سے ایک معاہدہ کیا جسے تاریخ میں میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔ اس میثاق کی بنیاد عدل و انصاف، رواداری اور مذہبی آزادی پر رکھی گئی۔ اس طرح اس نے دولت مشترکہ قائم کی جس کے سربراہ آپؐ تھے۔ یہی میثاق ریاست مدینہ کی ترقی اور فلاح کا آئندہ چل کر ضامن بن گیا اور یہی ریاست مدینہ ملت اسلامیہ کے نظام حیات کا پہلا مظہر بنی۔

آنحضرتؐ نے عربوں کے اندر یہ شعور پیدا کر دیا تھا کہ دوستی اور دشمنی کی بنیاد اب ذاتیات نہیں ہوں گی۔ اس کا فیصلہ خدا کی شریعت کرے گی۔ اس شریعت کی بنا پر جو دشمن قرار پائے۔ پھر خواہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ عزیز ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، دشمن ہی شمار ہوگا اور جس کو اسلام نے دوست کہہ دیا ہو مسلمانوں کی دوستی صرف اسی سے ہوگی۔ اس نظریہ نے نئی برادری کو جنم دیا جس کی محبت اور نفرت خدا کی خاطر تھی۔ یہ وہ ناممکن کام تھا جو حضورؐ کی تعلیمات اور سیرت و اخلاق نے کر دکھایا

قرآن مجید نے ملت اسلامیہ کو خیر امت کا نام بھی دیا ہے۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ اگر حضورؐ یہ خیر امت پیدا نہ فرماتے تو آپؐ کا مشن نامکمل رہ جاتا۔ آپؐ نے اپنے آخری خطبہ میں اسی ملت کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ جو باتیں میں بیان کر رہا ہوں وہ تم ان لوگوں کو پہنچا دو گے جو یہاں حاضر نہیں۔ قرآن مجید نے اس فرض کو معروف کے قیام اور منکر کے استیصال کا نام دیا ہے یہ حضورؐ کی دور اندیشی تھی کہ اسلام کی گواہی دینے کے لئے اپنے پیروکاروں کا ایک مضبوط گروہ تیار کر گئے۔ بقول منٹگمری واٹ، "اگر رسول اللہؐ میں انتظامی قابلیت، دانشمندی، سیاسی تدبر، دور اندیشی، یقین محکم اور توکل علی اللہ جیسی صفات نہ ہوتیں تو انسانیت کی تاریخ کا ایک نہایت شاندار باب بغیر لکھے رہ جاتا اور بقول کارلائل، رسول اللہؐ نے عرب قوم کو تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالا اور اسلام سے منور ہو کر پہلی دفعہ سرزمین عرب زندہ و پائندہ ہوئی" اسی عرب کی یہ قوم ملت اسلامیہ کہلائی جس نے ہر اس زمین میں، جہاں اسے قبضہ نصیب ہوا، خالق کائنات کی مرضی کو پورا کیا اور زندگی کے اس نظام برحق کو جاری و ساری کیا، جو محمد رسول اللہؐ لائے تھے۔ اخلاق، عقائد، معیشت، معاشرت، سیاست، تہذیب و تمدن، صلح و جنگ کے آفاقی ضوابط پر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جس کے ذریعہ ایسا مثالی معاشرہ قائم کیا جس کی نظیر دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسلام کے اصلاحی انقلاب کی یہ صرف ایک برکت تھی جس نے دنیا کی قوموں پر ایک لازوال اثر ڈالا۔

اہم سوالات

۱۔ رسول اللہؐ کی ہجرت سے وفات تک اسلام کی ترقی کا حال لکھئے؟ (۱۹۵۰ء)

۲۔ رسول کریمؐ کی زندگی کے اہم واقعات بیان کیجئے؟ (۱۹۵۲ء)

۳۔ اسلام کے بنیادی عقائد بیان کیجئے۔ ان عقائد کے ذریعہ اسلام کس طرح فرد اور معاشرہ کی اصلاح کرتا ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے جن عقائد کو پیش کیا اور جن ارکان پر عمل کیا ان کا تذکرہ کیجئے ؟ (۱۹۶۵ء)

۵۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر تبصرہ کیجئے ؟

۶۔ رسول کریمؐ کے اخلاق حسنہ بیان کیجئے اور بحیثیت سوشل ریفارمر (سماجی مصلح) اور معمار ملت تو جو کچھ انہوں نے کیا اس کی وضاحت کیجئے ! (۱۹۶۲ء)

۷۔ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ دنیا کے سب سے بڑے سماجی مصلح تھے ۔ اس بیان پر روشنی ڈالئے اور پیغمبر اسلامؐ کی خاص خاص سماجی اصلاحات بیان کیجئے ! (۱۹۶۳ء)

۸۔ رسول اللہؐ کو بانی ملت نو کی حیثیت سے کہاں تک کامیابی ہوئی بحث کیجئے !

(۱۹۵۳ء، ۱۹۵۸ء ڈھاکہ یونیورسٹی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۶

خلافت راشدہ (۶۳۲ء سے ۶۶۰ء تک)

حضرت ابوبکرؓ (۱۱ھ تا ۱۳ھ)

ابتدائی زندگی

اسلام لانے سے قبل آپ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ حضورؐ نے آپ کا نام عبداللہ تجویز فرمایا لیکن عام طور پر آپ ابوبکرؓ کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ صدیق اور عتیق کے خطاب سرکار رسالت مآبؐ نے عطا فرمائے۔ آپ قریش کی شاخ بنو تیم کے ایک معزز فرد تھے۔ آپ کے والد کا نام ابوقحافہ عثمان تھا اور والدہ کا نام ام الخیر سلمیٰ۔ ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضورؐ سے عمر میں ابوبکرؓ دو سال چھوٹے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ عام طور پر تجارت کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ دانشمندی، معاملہ فہمی، رحم دلی، تجربہ کاری اور اچھی عادات کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے۔ قریش کے رہنماؤں میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور ہر اہم مسئلہ پر آپ سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں بھی کبھی آپ نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ قریش آپ کے فیصلوں کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

رسول اللہؐ سے آپ کی بچپن سے دوستی تھی۔ ایک مرتبہ آپ تجارت کی غرض سے یمن گئے ہوئے تھے۔ واپس لوٹے تو ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کی زبانی معلوم ہوا کہ محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ان قریشی سرداروں کا خیال تھا کہ ابوبکرؓ کے واپس آنے پر اس معاملہ میں صلاح مشورہ کریں گے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کو جونہی یہ خبر دی گئی آپ سیدھے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ بڑی بیقراری سے تمام تفصیلات حضورؐ کی زبانی سنیں اور اسلام قبول کر لیا۔ جس جوش اور ولولے سے آپ نے حضورؐ کی تصدیق کی اس پر حضورؐ نے آپ کو صدیق کا خطاب مرحمت فرمایا۔

رسول اللہؐ کے مکی دور میں آپ نے اسلام کے لئے پوری جدوجہد کی۔ آپ کی کوششوں سے کئی نمایاں قریشی اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ نے اپنی ذہانت، اثر و رسوخ اور صلاحیتوں کو اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ہر وقت حضورؐ کے ساتھ رہتے اور پوری زندگی سے ثابت کر دیا کہ ان کو اسلام اور داعی اسلام سے بے پناہ محبت ہے۔ ایک مرتبہ حضورؐ کو کفار کے ہاتھوں بچانے لگے تو بری طرح مار کھانی پڑی۔ آپ نے ہر نازک موقع پر حضورؐ کا ساتھ دیا اور جان و مال نثار کرنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کبھی بخل نہ کیا۔

ہجرت کے موقع پر آپ اللہ کے رسولؐ کے ساتھ نکلے۔ تین روز تک غار ثور میں چھپے رہے اور رہتی دنیا تک یار غار کہلائے۔ رسول کریمؐ سے اتنی محبت تھی کہ اپنی لڑکی عائشہؓ کو ان کے نکاح میں دے دیا۔ آپ کی دولت اسلام کے لئے وقف تھی۔ ۴۰ ہزار درہم ہجرت کے موقع پر حضورؐ کی صواب دید پر چھوڑ دیئے۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لیا اور حضورؐ کے ساتھ ہر غزوہ میں شرکت کی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر گھر کا تمام اثاثہ حضورؐ کے سامنے ڈھیر کر دیا۔

آپ نے بہت سے غلاموں کو آزاد کیا۔ جب کبھی آپ کو معلوم ہوتا کہ اسلام لانے کی وجہ سے کوئی غلام ستایا جا رہا ہے۔ آپ فوراً اس کے مالک کے پاس پہنچتے اور اسے خرید کر آزاد کر دیتے۔ سیدنا حضرت بلالؓ آپ ہی کے آزاد کردہ غلام تھے۔

۹ھ کو مسلمانوں کا جو قافلہ حج کے لئے گیا تھا۔ حضورؐ نے آپ کو اس کا امیر بنایا پھر وفات سے پہلے حضرت ابوبکرؓ ہی کو امامت کا حکم دیا اور خود بھی ان کے پیچھے کئی نمازیں ادا فرمائیں۔ حضورؐ کو صدیقؓ سے بے پناہ محبت تھی۔ ان کو آپ پر پورا اعتماد تھا۔ اس لئے معاملات میں جن لوگوں سے مشورہ لیا جاتا ان میں صدیقؓ بھی شامل تھے۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ میں نے دنیا میں سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا ہے سوائے ابوبکرؓ کے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں بدلہ دیں گے۔

انتخاب خلافت

حضور اکرمؐ کی وفات کے فوراً بعد آپ کی جانشینی کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اس مسئلہ نے نازک صورت اس وقت اختیار کی جب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور اپنے میں سے مسلمانوں کے امیر کا انتخاب کرنے لگے حالانکہ ابھی تک حضورؐ کی تجہیز و تکفین کا انتظام بھی نہ ہوا تھا۔ اکابر صحابہؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اس مسئلہ میں جھگڑا نہ کھڑا ہو جائے۔ اس لئے وہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ انصار میں خزرج کی اکثریت تھی اس لئے انصار کا خیال تھا کہ خزرج کے سردار سعدؓ بن عبادہ کو حضورؐ کا جانشین مقرر کیا جائے۔ انصار کا اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھنا قدرتی بات تھی کیونکہ انہوں نے حضورؐ اور مسلمانوں کو اس وقت پناہ دی جبکہ ان کو ان کی قوم نے وطن سے نکال دیا تھا پھر ہر قسم کی قربانی دی تھی اور مسلسل دس سال جنگ کی مصیبتیں برداشت کرتے رہے تھے مگر مہاجرین بھی اسلام کے لئے قربانیوں میں پیچھے نہ تھے۔

سعدؓ کی تقریر

حضرت سعدؓ بن عبادہ کو جب معلوم ہوا کہ انصار انہیں خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو وہ باوجود [illegible] کے [illegible] پہنچے ہوئے تھے ہی انصار کے سامنے تقریر کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انصار کے فضائل بیان کئے اور بتایا کہ انہوں نے مسلمانوں کی ہر ممکن مدد کی ہے اور اسلام کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اس لئے خلافت ہمارا حق ہے اور یہ حق ہم ہر قیمت پر حاصل کر کے رہیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کو جب اس کارروائی کی خبر پہنچی تو آپ فوراً حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو ساتھ لے کر سقیفہ پہنچ گئے اور بڑی نرمی سے انصار کے سامنے آپ نے تقریر فرمائی۔

صدیق اکبرؓ کی تقریر

آپ نے انصار کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول مبعوث فرمایا تاکہ وہ ہمیں توحید کا سبق دے۔ ان سے قبل لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اہل عرب کو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑنا ناگوار گزرا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس شرف کے لئے اس قوم کے بعض لوگوں کو مخصوص فرمایا جنہوں نے اسلام قبول کیا اور کفار کی تکالیف میں حضورؐ کا ساتھ دیا۔ تمام روئے زمین میں سب سے پہلے عبادت کرنے والے یہی تھے اور حضورؐ پر ایمان میں بھی انہیں سبقت ملی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے تمہارے مناقب اور فضائل سے انکار ہے۔ حقیقتاً تم ہی لوگوں نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ اے انصار! ہمیں تمہاری خدمات اور اسلام کی خاطر قربانیوں سے انکار نہیں لیکن اہل عرب سوائے قریش کے کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔ پھر اوس و خزرج میں قدیمی رنجش کی وجہ سے دونوں کا کسی ایک قبیلے کے امیر پر کبھی اتفاق نہ ہو سکے گا۔ بہتر یہی ہوگا کہ قریش امیر ہوں اور تم وزیر اور وہ تمہارے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کریں"

حضرت ابوبکرؓ کی اس تقریر کے بعد حباب بن منذر خزرجی نے یہ مشورہ دیا کہ ایک امیر مہاجرین میں سے اور ایک انصار میں سے چن لیا جائے۔ یہ رائے یقیناً ناپسندیدہ اور غلط تھی۔ حضرت عمرؓ اور حباب کی تو سخت کلامی تک نوبت جا پہنچی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے انصار سے کہا: اے انصار! تم ہی اسلام کی پشت پناہ تھے اب تم اس کی تخریب میں سبقت نہ کرو۔ اس پر بشیر انصاری کھڑے ہو گئے اور انصار سے یوں خطاب کیا: اے گروہ انصار! ہماری ساری قربانیاں اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا کے لئے تھیں اب ہمارے لئے دنیوی لالچ مناسب نہیں۔ خلافت کی مستحق حضورؐ کی قوم ہے۔ خدا کا خوف کرو اور مخالفت نہ کرو۔

بیعت

گفتگو جب اس مرحلے میں داخل ہوئی تو ابوبکرؓ نے حاضرین سے کہا کہ تمہارے سامنے عمرؓ اور ابوعبیدہؓ موجود ہیں۔ ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو مگر حضرت عمرؓ فوراً کھڑے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے اور فرمایا کہ آپ کے ہوتے ہوئے خدا کی قسم کوئی خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ آپ ہی کو حضورؐ نے امامت نماز کا حکم دیا۔ اس لئے خلافت کے مستحق آپ ہی ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔ اس طرح یہ پہلا نزاع بخیر و خوبی ختم ہو گیا

طریق انتخاب

حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب ٹھیک اسلامی طریقے کے مطابق ہوا حضرت عمرؓ نے ان کا نام پیش کیا۔ ان کی خدمات اور صفات عالیہ سب پر واضح تھیں اس لئے بلا اختلاف سب نے برضا و رغبت ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ چونکہ اس وقت مدینہ کے لوگ ہی پورے ملک میں عملاً نمائندہ حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے سارے ملک میں ان کو امیر تسلیم کر لیا گیا۔ عربوں کا قدیم سے ہی یہی رواج چلا آرہا تھا کہ وہ اپنے قبیلے کا سردار اسے چنتے تھے جو سن رسیدہ، تجربہ کار، بہادر، صاحب الرائے اور عقل و فہم میں ممتاز ہوتا۔ آپ کے زمانہ خلافت نے ثابت کر دیا کہ واقعی امت کا یہ فیصلہ بالکل درست تھا۔ ایسے نازک موقع پر ابوبکر صدیقؓ ہی رہنمائی کر سکتے تھے۔

خطبۂ خلافت

۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ کو مسجد نبویؐ میں عام بیعت کے بعد آپ نے درج ذیل خطبۂ خلافت ارشاد فرمایا:

"میں آپ لوگوں پر حکمران بنایا گیا ہوں حالانکہ میں آپ کا سب سے بہتر آدمی نہیں ہوں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے یہ منصب اپنی رغبت اور خواہش سے نہیں لیا ہے۔ نہ میں یہ چاہتا تھا کہ کسی دوسرے کے بجائے یہ مجھے ملے۔ نہ میں نے کبھی خدا سے اس کے لئے دعا کی، نہ میرے دل میں کبھی اس کی حرص پیدا ہوئی۔ میں نے تو اسے بادل ناخواستہ اس لئے قبول کیا ہے کہ مجھے مسلمانوں میں فتنۂ اختلاف اور عرب میں فتنۂ ارتداد برپا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ میرے لئے اس منصب میں کوئی راحت نہیں ہے بلکہ یہ ایک بار عظیم ہے جو مجھ پر ڈال دیا گیا ہے۔ جس کے اٹھانے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے الا یہ کہ اللہ ہی میری مدد فرمائے۔ میں یہ چاہتا تھا کہ میرے بجائے کوئی اور یہ بار اٹھالے۔ اب بھی اگر آپ چاہیں تو اصحاب رسول اللہ میں سے کسی اور کو اس کام کے لئے چن لیں۔ میری بیعت آپ کے راستے میں حائل نہ ہوگی۔ آپ لوگ اگر مجھے رسول اللہؐ کے معیار پر جانچیں گے اور مجھ سے وہ توقعات رکھیں گے جو حضورؐ سے آپ رکھتے تھے تو میں اس کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ وہ شیطان سے محفوظ تھے اور ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری مدد کیجئے۔ اگر غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دیجئے۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تمہارے درمیان جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلواؤں اگر خدا چاہے اور تم میں سے جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کروں، اگر خدا چاہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی قوم اللہ کی راہ میں جدوجہد چھوڑ دے اور اللہ اس پر ذلت مسلط نہ کر دے اور کسی قوم میں فواحش پھیلیں اور اللہ اس کو عام مصیبت میں مبتلا نہ کر دے۔

میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور رسولؐ کا مطیع رہوں اور اگر میں اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر نہیں ہے۔ میں پیروی کرنے والا ہوں نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔" (ابن ہشام)

خطبہ کی اہمیت آپ کا یہ خطبہ اصول حکمرانی پر حرف آخر ہے۔ اس میں آپ نے حکومت کا ایک واضح تصور پیش فرمایا۔ اس خطبہ سے ثابت ہوا کہ

۱۔ اسلامی ریاست کا امیر مسلمانوں کی عام مرضی سے منتخب ہو۔
۲۔ امارت کے حصول کے لئے نہ کوئی خواہش کرے اور نہ کوشش۔
۳۔ امارت کا منصب ایک عظیم ذمہ داری سمجھی جائے۔
۴۔ امیر کی اطاعت و اعانت ٹھیک کاموں میں کی جائے۔
۵۔ غلط کام پر اسے ٹوکا جائے اور اس میں اس کی اطاعت نہ کی جائے۔
۶۔ امیر کی نظر میں غریب اور امیر مساوی حقوق کے مالک ہوں۔
۷۔ سب کے ساتھ انصاف کیا جائے۔
۸۔ اللہ کی راہ میں جدوجہد جاری رکھی جائے۔
۹۔ بدکاری و فحاشی کو روکا جائے تاکہ خدا کی طرف سے ذلت و عذاب مسلط نہ ہو۔
۱۰۔ امیر اللہ اور رسول کا مطیع و غلام ہو۔

فتنوں کی یلغار جونہی حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ بے شمار مسائل و مشکلات نے آپ کو آ گھیرا۔ فتنوں کی ایک فصل اگ آئی۔ جن کی طرف آپ کو فوری توجہ دینی پڑی ان میں سے چند ایک مندرج ذیل ہیں۔

۱۔ **جھوٹے نبیوں کا فتنہ** حضورؐ کی وفات سے قبل اور فوراً بعد عرب کے مختلف حصوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جھوٹے نبیوں نے اپنی نبوت کا پرچار شروع کر دیا۔ ان میں مسیلمہ، طلیحہ، اسود عنسی اور ایک عورت سجاح نامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۲۔ **مانعین زکوٰۃ کا فتنہ:** بہت سے نو مسلم قبائل نے زکوٰۃ دینا بند کر دیا اگرچہ توحید و رسالت اور دوسرے فرائض و واجبات پر قائم رہے۔

۳۔ **ارتداد کا فتنہ:** جونہی حضورؐ کی وفات کی خبر قبائل میں پھیلی۔ ان میں سے بہت سے اسلام سے پھر گئے۔

۴۔ **بیرونی خطرات:** جنگ موتہ کا بدلہ لینے کے لئے حضورؐ نے خود ایک لشکر اسامہؓ کی سرکردگی میں تیار کیا تھا۔ سرحدی حالات بدستور خراب تھے۔ اس لئے اس لشکر کو بھیجنا بھی ضروری تھا۔

فتنوں کے اسباب

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں جتنے فتنے اٹھے ان کے کئی اسباب تھے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ **حضورؐ سے رقابت:** بعض قبائل کے سردار حضورؐ کے قریشی ہونے کی وجہ سے رقابت رکھتے تھے اس لئے انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ بنو حنیفہ نے مسیلمہ کو اسی بنیاد پر نبی مان لیا تھا کہ وہ ان کے اپنے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔

۲۔ **حضورؐ کی وفات:** آنحضرتؐ کی زبردست شخصیت کے اٹھ جانے سے عرب قبائل کو موقع مل گیا کہ وہ اسلام کا انکار کر دیں اور مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کریں۔ بقول خلیفہ مجتبیٰ نبیؐ کی وفات نے ان کے لئے پرزور انکار کا ایک بہانہ پیدا کر دیا۔

۳۔ **مرکزیت مدینہ:** عرب کے بہت سے قبائل اس بات کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ مدینہ کو مرکزی مقام حاصل ہو جائے۔ بقول پروفیسر ہٹی یہ حسد کرنا بھی اس ارتداد کے اسباب میں داخل ہے۔

۴۔ **حضورؐ کی کامیابی:** حضورؐ کو اپنے مشن میں جو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی۔ اس سے خود غرض لیڈروں کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اس طرح نبوت کا دعویٰ کر کے ہم بھی وہی مقام حاصل کر سکتے ہیں حالانکہ حضورؐ کی کامیابی کا راستہ تو کانٹوں سے ہو کر گزرا تھا اور آپ نے انسانیت کی بہتری کے لئے اپنی ذات کو وقف کر رکھا تھا اور ان کے سامنے اپنی اغراض کے سوا کچھ نہ تھا۔

۵۔ **ساتھ ... :** ... آزاد ... تھے کبھی ان پر کوئی اخلاقی پابندی ...

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی گئی تھی۔ اسلام نے آکر ان کی خواہشات پر پابندی لگادی تھی۔ ان کی طبیعت میں اس کے خلاف بغاوت کا جوش پیدا ہوتا رہتا تھا کیونکہ ان کے سارے محبوب مشغلے اسلام نے حرام قرار دیئے تھے۔ بعض فرائض تو ان پر ست ہی بھاری تھے ان میں ایک زکوٰۃ بھی تھی جس کے دینے سے بعض قبائل نے بالآخر انکار کردیا۔

۶۔ **یقین کامل کا فقدان**: بہت سے قبائل کو اسلام قبول کئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اور اسلامی تعلیمات نے ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا۔ پھر مرکز اسلام سے دور ہونے کے سبب حضورؐ ان کی تربیت بھی پوری طرح نہ کرسکے تھے۔ ایمان کامل کے اس فقدان نے ان کو ارتداد پر آمادہ کردیا اور بہت سے بدو اسلام سے پھر گئے۔

۷۔ **مرکزی حکومت کا عدم کنٹرول**: نبی کریمؐ کو اتنا موقع نہ ملا تھا کہ آپ مرکزی حکومت کا پوری طرح کنٹرول تمام عرب پر کر سکتے۔ قبائل عرب پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے جن کے درمیان آمد و رفت اور پیغام رسانی وغیرہ کے ذرائع بالکل نہ تھے اس لئے ان پر پوری طرح کنٹرول نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے جونہی حضورؐ کی وفات ہوئی یہ لوگ مرکز سے باغی ہوگئے۔

۸۔ **دشمنوں کی سازش**: ارتداد کا آخری سبب یہ ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے خفیہ طریقے سے کمزور قسم کے مسلمانوں کے جذبات کو اسلام کے خلاف بھڑکا دیا ان نہایت خطرناک حالات میں مسلمانوں کے خلیفہ اول نے بڑے حوصلے، تدبر اور عزم و ہمت سے امت مسلمہ کی کشتی کی ناخدائی کی اور ٹھیک ایک ایک فتنہ کا پوری طرح استیصال کرکے ریاست اسلام کو داخلی طور پر پوری طرح مستحکم کیا۔ اس استحکام کا نتیجہ آئندہ چل کر بیرونی فتوحات کی صورت میں نکلا۔ اب دیکھئے کس طرح آپ نے تمام مسائل کو حل کیا۔

جیش اسامہؓ کی روانگی

حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے اس لشکر کو روانہ کرنے کا حکم دیا جو حضورؐ کی وفات سے چند دن پہلے اسامہؓ کی سرکردگی میں شام کی طرف بھیجا جانے والا تھا۔ اس موقع پر صحابہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ پورے عرب میں شورش ہو رہی ہے۔ مرکز سے آپ اس لشکر کو نہ بھیجئے مگر خلیفہ نے ان کی ہدایت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ وہ لشکر جسے حضورؐ بھیجنے کا فیصلہ کر چکے ہوں اسے ابوبکرؓ روکنے کا مجاز نہیں۔ آخر کار لشکر روانہ ہوا۔

اس موقع پر آپ نے حضرت اسامہؓ کو دس اہم ہدایات دیں۔ آپ نے فرمایا:

"دیکھو! غداری سے بچنا اور سیدھے راستے سے کبھی نہ بھٹکنا۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو کبھی قتل نہ کرنا۔ میوہ دار درختوں کو نہ کاٹنا۔ لوگوں کے اونٹ یا مویشی سوائے جائز ضرورت کے ذبح نہ کرنا۔ جو لوگ تمہیں خانقاہوں سے ملیں ان کو تنگ نہ کرنا۔ تمہیں بعض ایسے لوگ بھی ملیں گے جن کے سر درمیان میں منڈے ہوں گے۔ انہیں ہرگز نہ چھوڑنا (یہ غالباً رومی سرداروں کی وضع تھی) آخر میں فرمایا۔ اب تم خدا کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔

مسلمانوں کا یہ مختصر سا لشکر اپنے آقا کی آخری خواہش کی تکمیل کے لئے شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضرت اسامہؓ چالیس روز کے کامیاب سفر کے بعد واپس لوٹ آئے۔ ان کی اس مہم سے عرب کے سرکش قبائل پر مسلمانوں کی فوجی طاقت کا اچھا نفسیاتی اثر پڑا۔

باغیوں کی سرکوبی

وہ قبائل جو مرتد ہو گئے تھے ان میں سے بنو عبس اور ذبیان نے تو مدینہ پر حملے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب ان کی تیاری کا علم ہوا تو آپ نے مدینہ میں مقیم باشندوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ جونہی باغی حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے خلیفہ بنفس نفیس ایک دستے کے ساتھ ان کے مقابلے کو پہنچے اور انہیں شکست فاش دی اور باغیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اسی دن دوسرا حملہ ذوالقصہ کے مقام پر پوری طرح سے پسپا کر دیا گیا۔ باغیوں کو بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ اگرچہ اسامہؓ کے لشکر میں ایک فوج مرکز سے جا چکی ہے مگر مدینہ اتنا کمزور نہیں کہ اس کو لوٹا جا سکے۔ چنانچہ ایک شب و روز کی مہم میں دشمنوں کو پوری طرح شکست دے کر آپ واپس مدینہ آ گئے اور ذوالقصہ میں نعمان بن مقرن کو ایک دستے کے ساتھ مامور کر دیا تاکہ دشمن کو دوبارہ حملے کا موقع نہ مل سکے۔ آپ نے چند مزید فوجی دستے ترتیب دیئے اور ان کو مدینہ سے باہر حفاظت کے لئے تعینات کر دیا۔

مانعین زکوٰۃ سے جنگ

باغیوں سے تو قتال سبھی جائز سمجھتے تھے لیکن وہ قبائل جو اسلام کی سب باتوں کو مانتے تھے صرف زکوٰۃ دینے کے منکر تھے ان سے جنگ کرنے میں اختلاف کرتے تھے۔ ان لوگوں کو خیال تھا کہ جو کلمہ گو ہیں ان سے جہاد کیسے کیا جائے۔ خاص کر اس نازک موقع پر کہ ہمیں ان کی مدد کی ضرورت ہے۔ لیکن صدیق اکبرؓ نے ان کے کسی مشورہ کو قبول نہ کیا اور فرمایا: "خدا کی قسم! اگر یہ لوگ اونٹ کی رسی، جو حضورؐ کے زمانے میں دیا کرتے تھے زکوٰۃ میں نہیں دیں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔"

آپ نے تلوار کے زور سے ان کو اطاعت پر مجبور کیا اور وہ زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہو گئے۔

اگر صدیقؓ یہ استقلال نہ دکھاتے تو قبائل مطالبات کر کر کے پورے دین کو آہستہ آہستہ کاٹ پھینکتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اسلام کا غلبہ ہی مٹ جاتا۔

مدعیانِ نبوت

نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں مسیلمہ کذاب سرفہرست تھا۔ اس کا یمامہ کے بنو حنیفہ سے تعلق تھا اس نے حضورؐ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ بنی اسد میں طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیروکاروں میں بنی غطفان اور بنی طے کے لوگ شامل ہو گئے۔ یمن میں اسود عنسی نے حضورؐ کے عہد ہی سے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اس سلسلہ کی چوتھی کڑی بنی تغلب کی سجاح نامی عورت تھی۔ بنی تمیم کا مالک بن نویرہ اس کی مدد کر رہا تھا حضرت ابوبکرؓ نے اسلامی لشکر کو کئی دستوں میں تقسیم کیا اور ان جھوٹوں کی سرکوبی کے لئے انہیں روانہ کیا۔

طلیحہ کی شکست

حضرت خالد بن ولیدؓ طلیحہ کی طرف روانہ ہوئے، جس کے گرد بنی اسد کے علاوہ طے اور غطفان بھی جمع تھے۔ ان کا جب حضرت خالدؓ سے سامنا ہوا تو بنی طے کے سردار عدی بن حاتم طائیؓ نے تین دن کی مہلت چاہی تاکہ وہ اپنے قبیلے کو سمجھا سکیں۔ طے قبیلہ عدی کی بات مان کر طلیحہ سے الگ ہو گیا اور حضرت خالدؓ سے آملا۔ طلیحہ کو شکست ہوئی۔ اس کے پیروکار منتشر ہو گئے۔ طلیحہ شام بھاگ کر دوبارہ مسلمان ہو گیا اور خلیفہ سے معافی کا طلب گار ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُسے معاف کر دیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بنو تمیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ بنو تمیم کو طلیحہ کی شکست کا علم ہوا تو وہ خالدؓ کے پاس معافی کے خواستگار ہوئے لیکن ان کا سردار مالک بن نویرہ نہ آیا۔ حضرت خالدؓ نے اس کا تعاقب کیا اور مع اس کے ساتھیوں کے گرفتار کر لیا گیا۔ اسلامی حفاظتی دستے نے اسے ایک رات قتل کر دیا۔

مسیلمہ کا خاتمہ

مسیلمہ کذاب بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد اس نے اپنی طاقت بہت بڑھا لی تھی۔ خاص کر جب سجاح نے اس سے شادی کر لی تو اس کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہؓ بن ابوجہل کو اس مہم پر اس ہدایت کے ساتھ روانہ فرمایا کہ حملہ اس وقت تک نہ کرنا جب تک شرحبیل بن حسنہؓ تمہارے ساتھ نہ مل جائیں۔ لیکن حضرت عکرمہؓ نے ان کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ پر حملہ کر دیا۔ انہیں مسیلمہ کی طاقت کا پوری طرح اندازہ نہ تھا نتیجۃً مسلمانوں کو شکست ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے خالدؓ کو فوراً مدد کے لئے پہنچنے کا حکم دیا۔ چنانچہ خالدؓ عکرمہؓ کی مدد کو جا پہنچے اور فتنہ ارتداد کی سب سے بڑی لڑائی کا آغاز ہوا جو جنگ یمامہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ حضرت خالدؓ یمامہ میں جا کر مسیلمہ کی عظیم فوج کے سامنے ڈٹ گئے سخت مقابلہ ہوا، بنو حنیفہ کے لوگ بڑی جانبازی سے لڑے۔ ایک بار تو وہ حضرت خالدؓ کے خیمہ تک پہنچ گئے اور انہیں اپنا خیمہ پیچھے ہٹانا پڑا۔ آپ نے مسلمانوں کو منظم کر کے باغیوں پر زبردست حملہ کیا۔ مسیلمہ حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ سجاح لاپتہ ہو گئی۔ اس جنگ میں کافی حفاظ صحابہ شہید ہوئے۔ لیکن اپنے خون مقدس سے ختم نبوت کے قصر کو محفوظ کر گئے۔

اسود عنسی کا فتنہ

یمن میں حضورؐ کے زمانہ ہی میں اسود نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اس پر حضورؐ نے ابناء کے امراء کو لکھا۔ چنانچہ فیروز نامی امیر نے اس کے مکان پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور اس شورش کا خاتمہ ہو گیا لیکن حضورؐ کی وفات کی خبر سنتے ہی اس کے پیروؤں نے پھر سر اٹھایا حضرت مہاجرؓ بن امیہ نے ان کی شورش کو ٹھنڈا کر دیا۔

مزید کارروائیاں

جھوٹے نبیوں کے فتنہ کے استیصال کے ساتھ ساتھ باغی قبائل کی بھی سرکوبی کا کام جاری رہا۔ خالدؓ بن سعید شام کی طرف مرتد قبائل کی سرکوبی کے لئے اور علاءؓ بن حضرمی بحرین کی طرف بھیجے گئے۔ ان حضرات نے وہاں پہنچ کر ارتداد کا قلع قمع کیا۔

عمان میں امن قائم کرنے کے لیے عکرمہؓ کو اور یمن میں حضرت مہاجرؓ کو بھیجا گیا۔ جنہوں نے ہر دو مقامات پر فتوحات حاصل کیں اور پوری طرح حالات پر قابو پایا۔

اس طرح تھوڑی سی مدت میں حضرت ابوبکرؓ نے پورے جزیرۃ العرب میں امن و امان قائم کر دیا۔ جھوٹے نبیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ مرتدین کی شورشیں مٹ گئیں اور منکرین زکوٰۃ باقاعدہ زکوٰۃ دینے لگے۔ ان اندرونی مشکلات سے نجات حاصل کر کے حضرت ابوبکرؓ نے بیرونی خطرات کی طرف توجہ دی۔

ایران اور روم کی سلطنتوں سے آویزش کی ابتداء

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جزیرۃ العرب دو بڑی سلطنتوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے مشرق میں ایران اور مغرب میں روم کی عظیم سلطنت تھی۔ حضرت صدیقؓ کو یقین تھا کہ موقع ملنے پر یہ دونوں ترقی یافتہ اور طاقتور ملک مسلمانوں کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ ایرانیوں اور عربوں کے درمیان حیرہ کی نیم عرب ریاست کسریٰ کے زیر اثر قائم تھی۔ دوسری طرف شام کی عیسائی ریاست قیصر روم کے ماتحت تھی۔ حیرہ اور شام کی یہ دونوں ریاستیں دو درمیانی حکومتوں "BUFFER STATES" کا کام دیتی تھیں۔ مسلمانوں کو پہلے انہی دونوں ریاستوں سے نپٹنا پڑا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایرانیوں سے لڑائی کی وجہ

نقشۂ عرب پر نظر ڈالئے۔ حیرہ کا علاقہ عرب کے شمال مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ یہ ان دنوں ایران کے ماتحت تھا۔ فرات کی نچلی شاخ کے مغرب میں نفود علاقہ آتا ہے۔ اسی جگہ حوران اور تدمیر کے علاقے ہیں۔ یہاں عربوں کے بدوی قبائل بستے تھے جن کے نام تو بدل گئے تھے مگر عادات وہی باقی رہیں۔ یہ ایک قدرتی بات تھی کہ عرب کے شورش پسند قبائل سے خلیج فارس کے قبائل متاثر ہوتے۔ یہ قبائل ایران کے زیر اثر تھے۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ ایرانی عربوں کو اجڈ اور وحشی سمجھتے تھے۔ کبھی کبھی وہ حملے کر کے انہیں تنگ کیا کرتے تھے۔ پھر حضورؐ نے جب ان کے شہنشاہ خسرو پرویز کو خط لکھا تو اس نے غصے میں آپ کا نامۂ مبارک پھاڑ ڈالا تھا۔ اس سے ایرانیوں کی عربوں سے عداوت کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ انہی دنوں ایرانیوں میں اندرونی اختلافات تھے اور وہ پوری طرح عربوں کی طرف توجہ نہ دے سکے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ سے یہ حالات پوشیدہ نہ تھے مگر جلتی پر تیل کا کام اس واقعہ نے کیا کہ انہی دنوں عرب کے قبیلہ وائل کی عراق کے ایک قبیلے سے جھڑپ ہو گئی۔ وائل کے سردار حضرت مثنیٰؓ بن حارث نے خلیفہؓ سے عراق پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ اس وقت خالدؓ بن ولید مرتدین کی شورشوں سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو بھی مثنیٰ کی مدد کے لئے بھیج دیا۔

عراق پر فوج کشی

حضرت مثنیٰؓ اور خالدؓ نے مل کر اٹھارہ ہزار کی فوج کے تین دستے بنائے ایک ایک ان کے ماتحت اور تیسرا عدی کے زیر کمان دیا گیا اور عراق کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ عراق کے گورنر ہرمز کو مسلمانوں کے لشکر کی اطلاع ملی تو وہ ایک کثیر فوج لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلا۔ جنگ میں ایرانیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ رکھا تھا اس لئے اس جنگ کو "جنگ سلاسل" بھی کہتے ہیں۔ مسلمانوں نے ایرانیوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ ہرمز اور خالدؓ کی دو بدو لڑائی میں خالدؓ نے اسے قتل کر دیا۔ ادھر حضرت قعقاعؓ نے دشمن پر زبردست حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ خمس دربار خلافت میں بھیج دیا گیا اور بقیہ خالدؓ نے مجاہدوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کامیابی سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے اور اب ان کی نظر حیرہ پر تھی۔

حیرہ کی فتح

شاہ ایران کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو اس نے قارن کو ہرمز کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک زبردست فوج مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ کی۔ قارن کو راستے میں ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی مل گئی۔ قارن نے اسلامی لشکر سے ٹکر لی مگر خود حضرت معقلؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایرانیوں کے بڑے بڑے سردار بھی اس لڑائی میں کام آگئے۔

شاہ ایران کو اس شکست کی اطلاع ہوئی تو غصہ سے بھڑک اٹھا اور دو مضبوط لشکر اندرزگر اور جاذویہ کے ماتحت روانہ کئے۔ ایران کی یہ مضبوط فوج مقام ولجہ میں آکر رک گئی۔ خالدؓ نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ سخت خونریزی کے بعد ایرانیوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ راستے میں خالدؓ نے عراق کے ان بدوی قبائل کی سرکوبی کی جنہوں نے ایرانیوں کی مدد کی تھی خصوصاً بنی بکر کو مطیع کیا جنہوں نے دوبارہ مقابلہ کی تیاری کر لی تھی اس طرح خالدؓ راستے کی تمام رکاوٹوں کو صاف کرکے حیرہ تک پہنچ گئے۔

حیرہ ایرانی تہذیب کا مرکز تھا۔ ایرانیوں نے اس کی حفاظت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا۔ اسلامی سپاہ نے حیرہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کی شدت سے تنگ آکر اہل حیرہ نے مسلمانوں سے ایک لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے انبار اور عین تمر بھی فتح کر لئے۔ اب عراق کی فتح مکمل ہو چکی تھی۔ حضرت خالدؓ کو شام جانے کے احکام ملے اور وہ حیرہ میں مثنیٰ کو قائمقام بنا کر تقریباً نصف لشکر لے کر روانہ شام ہو گئے۔ خالدؓ کے جانے کے بعد ایرانیوں نے مثنیٰ کو کمزور سمجھتے ہوئے ان پر حملہ کیا مگر بابل کے مقام پر انہیں مثنیٰؓ نے شکست فاش دی۔ حالات نازک تھے اس لئے حضرت مثنیٰؓ نے مرکز سے مزید امداد کی درخواست کی۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ بستر مرگ پر تھے۔

فتوحات شام

تصادم کے اسباب شام کا ملک روم کے زیر اثر تھا۔ یہاں کے غسانی حکمران عیسائی مذہب اختیار کئے ہوئے تھے۔ ایرانیوں اور عربوں کی عداوت سیاسی تھی مگر رومی عربوں سے مذہبی دشمنی رکھتے تھے۔ یمن کے عیسائی گورنر ابرہہ نے کعبہ کو مسمار کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ بھی اسی دشمنی کا نتیجہ تھا۔ پھر حضورؐ نے شام کے غسانی بادشاہ کو نامۂ مبارک بھیجا تو اس نے آپ کے سفیر کو قتل کر دیا۔ اس کے انتقام کے سلسلہ میں جنگ موتہ پیش آئی

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ پھر حضورؐ کو معلوم ہوا کہ رومی جنگ کی تیاری کر رہے ہیں تو آپ خود غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے مگر عیسائیوں کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضورؐ نے رومی خطرہ کے استیصال کے لئے اسامہؓ کا لشکر بھی تیار کیا تھا جو صدیق اکبرؓ نے روانہ کیا۔ ان حالات کے پس منظر میں حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن سعید کو سرحدی حفاظت پر مامور کیا مگر عیسائی ہمیشہ جارحانہ کارروائیاں کرتے رہے تو ابن سعید نے ان سے باقاعدہ لڑائی کی اجازت چاہی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہؓ کو ان کی مدد کے لئے بھیج دیا اور لڑائی کی اجازت دے دی مگر ابن سعید نے ان کا انتظار کئے بغیر حملہ کر دیا اور رومی جرنیل باہان کے ہاتھوں شکست کھائی۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے شام کی طرف چار علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں، شرجیلؓ کو اُردن، یزیدؓ بن ابی سفیان کو دمشق، حضرت ابوعبیدہؓ کو حمص اور عمروؓ بن العاص کو فلسطین کی فتح پر مامور کیا، ادھر خالدؓ بن ولید کو عراق میں حکم بھیج دیا کہ وہ فوراً شام میں اسلامی افواج کی مدد کے لئے پہنچ جائے۔ اس طرح شام کی فتح پر ۴۰ ہزار کا عظیم لشکر مامور ہوا۔ سپہ سالاری کے فرائض حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح سرانجام دے رہے تھے۔ رومیوں کو جب مسلمانوں کی اس عظیم فوج کا علم ہوا تو بڑی تیاریوں کے ساتھ دو لاکھ کا لشکر جرار لے کر مقابلے میں آ گئے۔ انکی رہنمائی تھیوڈور کر رہا تھا۔

جنگ اجنادین ۱۳ھ

دونوں فوجیں اجنادین کے مقام پر صف آرا ہوئیں۔ مسلسل دو ماہ تک فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ اس دوران انکی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ایک دن حضرت خالدؓ بن ولید نے اسلامی لشکر کو چالیس دستوں میں تقسیم کیا اور خاص طور پر منظم کر کے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس جنگ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب رومی مارے گئے اور تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اس عظیم الشان فتح سے مسلمانوں کے لئے دمشق کا راستہ کھل گیا، جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح کر لیا گیا۔

کامیابی کے اسباب

شام اور عراق میں مسلمانوں کو جو کامیابیاں نصیب ہوئیں اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو اسلام نے ایک نیا ولولہ عطا کیا اس جوش میں وہ دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے اور انہیں پلٹ کر رکھ دیتے دوسری وجہ یہ ہوئی کہ روم اور ایران کے بادشاہوں نے اپنی رعایا پر بھاری ٹیکس لگا رکھے تھے۔ ان کے ظلم سے رعایا سخت تنگ تھی اس لئے مسلمانوں کا ہر جگہ استقبال کیا گیا مسلمان عام رعایا سے بہت اچھا سلوک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے۔ جنگ میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے تعرض نہ کرتے۔ فصلوں اور درختوں کو نقصان نہ پہنچاتے۔ مسلمانوں کے اس حسن سلوک سے رعایا ان سے خوش ہو جاتی۔ کامیابی کا تیسرا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کو خالدؓ بن ولیدؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، عکرمہؓ، عمروؓ بن العاص، مثنیٰ بن حارثہ اور ابو عبیدہؓ بن الجراح جیسے جرنیل میسر آ گئے تھے جنہوں نے اندرون ملک امن و امان قائم کیا اور بیرون ملک اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔

سیرت ابوبکرؓ حضرت ابوبکرؓ کا قد لمبا، رنگ گورا اور پیشانی کشادہ تھی۔ بقول امام زہری بال گھنگریالے تھے۔ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی اور حضورؐ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

وفات سے پہلے خیال آیا کہ بیت المال سے جو وظیفہ ملتا رہا ہے اسے واپس کر دیا جائے چنانچہ ایک جائداد بیچ کر اس کی ادائیگی کی وصیت کی۔ حضرت عمرؓ کے پاس جب یہ رقم لائی گئی تو آپ بے اختیار رو پڑے اور فرمایا "ابوبکرؓ تم اپنے جانشینوں کے لئے نہایت مشکل کام چھوڑ گئے ہو۔"

حضرت عائشہؓ کو وصیت کی کہ مجھے پرانے کپڑوں میں دفنانا۔ نئے کپڑے پہننے کے مستحق زندہ لوگ ہیں۔ تمام عمر خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کرنے میں گزار دی۔ ایک مرتبہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: "اگر میں اللہ کے بعد کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔" خلافت کے زمانہ میں جب یہ اطمینان کر لیتے کہ تمام شہر میں کوئی بھوکا موجود نہیں تب زندگی سوکھی کھا کر خدا کا شکر بجا لاتے۔

آپ کی سیرت و اخلاق کی تمام مورخین نے بڑی تعریف کی ہے پروفیسر ہٹی اپنی تاریخ عرب میں لکھتا ہے:

"حضرت ابوبکرؓ نے عرب میں اس وقت امن و امان قائم کیا جبکہ پورا عرب شورشوں کا گہوارہ بن گیا تھا۔ آپ کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ مدینہ سے آپ کا گھر کچھ دور تھا لیکن آپ روزانہ پیدل ہی آیا کرتے تھے"

ایک جگہ ابن سعد اور ابن اثیر کے حوالے سے پروفیسر ہٹی لکھتا ہے:

"آپ کا عقیدہ حضورؐ پر غیر متزلزل تھا۔ اس وجہ سے آپ کا لقب صدیق پڑ گیا تھا آپ مستقل مزاج اور مضبوط کردار کے مالک تھے۔"

سید امیر علی نے اپنی تاریخ میں آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ آپ میں حکومت کے انتظام کی تمام صلاحیتیں تھیں۔ آپ نے اپنے آپ کو حکومت کے کاموں کے لئے وقف کر دیا تھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مصنف حضرت ابوبکرؓ کی اعلیٰ سیرت اور بلند اخلاق پر لکھتا ہے۔

"صدیق اکبرؓ حضورؐ کے بچپن کے ساتھی تھے۔ آپ پر غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے۔ واقعہ معراج پر لوگوں نے شک کیا تو آپ نے اس واقعہ کو بلا چون وچرا تسلیم کر لیا۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب صدیق پڑ گیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضورؐ کے ساتھ ہجرت کرنے کی سعادت ملنے والی ہے تو فرط مسرت سے آنسو نکل آئے۔ آپ نے مسلمان غلاموں کو کفار کے پنجے سے آزاد کر دیا۔ اسلام کیلئے ہر قربانی دی۔ ہر مصیبت میں حضورؐ کا ساتھ دیا۔ حضورؐ کی مفارقت کبھی گوارا نہ کی۔ اسی لئے حبشہ کی ہجرت بھی نہ کی۔ قرآن مجید نے ہجرت کے بیان میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے تمام مشکلات کا ثابت قدم رہ کر مقابلہ کیا۔ مانعین زکوٰۃ اور لشکر اسامہ کی روانگی میں مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔"

آپ نرم دل میں مشہور تھے لیکن خلیفہ بنتے ہی تمام مصائب کے سامنے چٹان بن گئے تمام فتنوں کا ہمت سے مقابلہ کیا اور ان پر قابو پا لیا۔ حوصلہ اتنا بلند تھا کہ حضورؐ کی وفات پر حضرت عمرؓ جیسے اولوالعزم صحابہؓ کے اوسان خطا ہو گئے تھے آپ نے سب کو اس دلنشیں انداز سے خطاب کیا کہ سبھی مطمئن ہو گئے۔

آپ عام لوگوں کا بہت خیال رکھتے۔ بیوہ عورتوں کے کام کاج سے پیچھے نہ ہٹتے نہایت سادہ اور تکلفات سے پاک زندگی بسر کرتے غرضیکہ آپ اسلامی سیرت واخلاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

کارہائے نمایاں

۱۔ **استحکام ریاست**: حضرت ابوبکرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے سخت خطرات سے گھری ہوئی ریاست مدینہ کو مستحکم کیا۔ تمام شورشوں کا قلع قمع کیا اور پورے عرب میں امن وامان قائم کر دیا اور اندرونی طور پر ایسی مستحکم ریاست قائم کی کہ بیرونی فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

۲۔ **انتظام سلطنت**: آپ نے مجلس مشاورت قائم کی اور ملک کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ان پر علیحدہ علیحدہ عامل مقرر کئے۔ بیت المال کی عمارت تعمیر کی اور حساب وکتاب کا بندوبست کیا۔

۳۔ **تدوین قرآن**: جنگ یمامہ میں کئی حفاظ شہید ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو توجہ دلائی کہ قرآن مجید کو جمع کر لیا جائے تاکہ حفاظ کے شہید ہونے سے قرآن کے ناپید ہونے کا خطرہ نہ رہے۔ آپ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کے سپرد یہ کام کیا۔ حضرت زیدؓ فرمایا کرتے تھے کہ "حضرت ابوبکرؓ مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیتے تو وہ میرے لئے آسان تھا بجائے اس کام کے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن شریف اس وقت منتشر طور پر کھجور کے پتوں، چوڑی ہڈیوں، پتھر کی چوڑی سلوں پر لکھا ہوا تھا۔ حضرت زید ؓ نے حفاظ قرآن کی مدد سے اور تحریروں کو سامنے رکھ کر قرآن مجید کی تدوین کی ان تحریری اور زبانی شہادتوں پر پرکھ کر ایک نسخہ مرتب ہو گیا جو آج تک اسی شکل میں موجود ہے۔ قرآن مجید کا کتابی شکل میں جمع کرنا حضرت ابو بکر ؓ کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

۴۔ فتوحات کا آغاز: اندرونی امن وامان قائم کرنے کے بعد آپ نے اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست کیا لیکن جب ہمسایہ ممالک نے جارحانہ کارروائیاں ترک نہ کیں تو ان سے مجبوراً بحر پور زور آزمائی کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ عراق وشام کو فتح کر لیا گیا جو بقیہ فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

۵۔ جانشین کی نامزدگی: حضرت ابو بکر ؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمر ؓ کے حق میں وصیت لکھوائی اور پھر مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کر کے کہا:

"کیا تم اس شخص پر راضی ہو جسے میں اپنا جانشین بنا رہا ہوں؟ خدا کی قسم میں نے رائے قائم کرنے کے لئے اپنے ذہن پر زور ڈالنے میں کوئی کمی نہیں کی ہے اور اپنے کسی رشتہ دار کو نہیں بلکہ عمر بن الخطاب کو جانشین مقرر کیا ہے لہٰذا تم ان کی سنو اور اطاعت کرو۔" اس پر لوگوں نے کہا: ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔"

آپ کے اس مبارک فیصلے کے کیا عظیم نتائج نکلے، وہ فاروق اعظم کا پورا دور خلافت ہے۔ یہ وہ مختصر کارہائے نمایاں ہیں جو حضرت ابو بکر ؓ نے اپنے سوا دو سال دور میں سر انجام دیئے۔

اہم سوالات

۱۔ حضرت ابو بکر ؓ کا انتخاب کیسے ہوا؟ انتخاب کے بعد ان کے پہلے خطبے کا خلاصہ بیان کیجئے۔ (۱۹۵۵ء)

۲۔ حضرت ابو بکر ؓ نے فتنۂ ارتداد کو دبانے کے لئے جو اقدام کئے ان کا تذکرہ کیجئے۔ (۱۹۶۱ء، ۱۹۵۸ء)

۳۔ حضرت ابو بکر ؓ کی اسلامی خدمات کا تذکرہ کیجئے؟ (۱۹۵۷ء)

۴۔ حضرت ابو بکر ؓ کی خلافت کا حال لکھئے اور ان کے کارنامے بیان کیجئے۔ (۱۹۵۸ء، ۱۹۵۹ء)

۵۔ حضرت ابو بکر ؓ کو خلیفہ بننے کے بعد کن کن مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے ان کو کس طرح حل کیا؟ (۱۹۶۰ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳

حضرت عمر فاروقؓ (۱۳ھ تا ۲۳ھ)

مختصر حالاتِ زندگی

حضرت عمر فاروقؓ واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام خطاب تھا۔ آپ کی والدہ مکہ کے رئیس ہشام بن مغیرہ کی بیٹی تھی۔ خالد سیف اللہ مغیرہ کے پوتے تھے۔ آپ قدرے گورے رنگ کے لمبے قد کے مالک تھے۔ محفل میں بیٹھے ہوئے دُور سے نظر آجاتے تھے۔ آپ کا شمار معززینِ قریش میں ہوتا تھا جاہلیت کے زمانہ میں سفارت کا کام آپ کے سپرد تھا۔ عہد شباب میں پہلوانی، سپہ گری اور شہسواری میں بڑی مہارت تھی۔ آپ عرب کے سترہ پڑھے لکھے لوگوں میں سے ایک تھے۔ عکاظ کے میلے میں شعری مجلسوں میں آپ جوش و خروش سے حصہ لیتے، خود کلام سناتے اور دوسروں کو داد دیتے۔ تجارت آپ کا پیشہ تھا۔

ستائیس سال کی عمر تھی جب حضورؐ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ اس وقت آپ عام عربوں کی طرح اسلام کے سخت دشمن تھے۔ یہی دشمنی ان کے اسلام لانے کا سبب بن گئی۔ آپ سے پہلے چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کے اسلام لانے سے پہلے مسلمان چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ آپ علی الاعلان انہیں لے کر کعبہ میں آئے اور نماز پڑھی۔ قریش انہیں روکنے کی جرأت نہ کر سکے۔ مکہ میں آپ نے حضورؐ کے ساتھ تمام تکالیف برداشت کیں۔ ہجرتِ مدینہ کے موقعہ پر آپ ہی کی وہ ذات تھی جو کفار کو چیلنج دے کر دن کی روشنی میں نکلی۔ آپ نے فرمایا: "آج جسے جان عزیز نہ ہو، جو اولاد کو یتیم اور اپنی عورت کو بیوہ بنانا چاہتا ہو، وہ مجھے آکر روکے لیکن کسی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ہجرت کے بعد آپ نے حضورؐ کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت کی اور حضورؐ کے مشیر رہے۔ خلیفۂ اول کا نام تجویز کر کے آپ نے اسلامی اتحاد کو ختم کر دینے والے جھگڑے کا تصفیہ کرایا۔ آپ کو شخصیت، خصوصیات اور صلاحیتوں کی بنا پر امت میں جو ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ اس وجہ سے صدیق اکبرؓ نے اپنے جانشین کے لیے آپ کا نام تجویز کیا۔

انتخابِ خلافت

حضرت ابوبکرؓ کو طویل تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارِ گراں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھانے کے پہلے اس وقت عمرؓ سے بہتر کوئی شخصیت نہ تھی۔ اس ذاتی رائے اور فیصلے کے باوجود آپ نے وفات کے قریب عام رائے کا اندازہ کرنے کے لیے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔

سب سے پہلے عبدالرحمن بن عوفؓ کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا، عمرؓ کی قابلیت میں کیا کلام ہے مگر مزاج میں سختی ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ ان کی سختی اس لیے تھی کہ میں نرم تھا جب کام انہی پر آپڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عثمانؓ کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں۔ جب اس بات کا چرچا ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرنا چاہتے ہیں تو بعض صحابہ کو تردد ہوا چنانچہ حضرت طلحہؓ نے ابوبکر صدیقؓ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہے۔ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو نہ جانے کیا کر گزریں گے۔ اب آپ خدا کے ہاں جاتے ہوئے سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس کو امیر مقرر کیا، جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔ رائے عامہ کا اندازہ کرنے کے بعد آپ نے فیصلہ کر لیا کہ عمرؓ کو نامزد کر دیں۔

چنانچہ ایک دن حضرت عثمانؓ کو بلایا اور عہد نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوانے پائے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر اپنی طرف سے لکھ دیا کہ میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ کہاں تک لکھا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے پڑھ کر سنایا تو بے ساختہ پکار اٹھے، اللہ اکبر، اور کہا کہ خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ جب یہ لکھا جا چکا تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کو بلایا اور اسے مجمع عام میں اس تحریر کو سنانے کا حکم دیا پھر خود بالا خانے پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ عمر بن خطابؓ کو مقرر کیا ہے۔ کیا تم لوگ اس پر راضی ہو اور اس کی اطاعت کرو گے۔ سب نے سمعنا واطعنا (ہم نے سن لیا اور اطاعت کریں گے) کہا۔ پھر حضرت عمرؓ کو ہدایات موثر اور مفید نصیحتیں کیں۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ مسلمانوں کے خلیفہ بنے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہدِ فاروقی میں اشاعتِ اسلام اور فتوحات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی ریاست کی حدود میں جتنی وسعت ہوئی اتنی ہی رعایا میں اسلام کی اشاعت تیزی سے ہونے لگی۔ اگر فتوحات کا دروازہ نہ کھلتا تو روم، ایران، عراق اور شام کے علاقوں میں اسلام اس سرعت سے نہ پھیلتا۔ اس لیے اشاعت و فروغ اسلام کے دوسرے اسباب اور تفصیلات جاننے سے پہلے ایک نظر فتوحات پر بھی ڈالنا چاہیے۔

فتوحاتِ شام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں شام کے محاذ پر مسلمانوں نے رومیوں کو اجنادین کے مقام پر ایک زبردست شکست دی تھی جس سے رومی پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس کے بعد اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

دمشق کی فتح رجب ۱۴ھ

رومیوں نے دمشق کی حفاظت کے جو انتظامات کر رکھے تھے ان کی وجہ سے اسلامی افواج کو محاصرہ طویل کرنا پڑا اور اس طرح کوئی چھ سات ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ اہل دمشق کا خیال تھا کہ ہرقل کی امدادی فوج آئے گی لیکن حضرت خالد نے ایک افسر کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل پر متعین کر دیا کہ اُس طرف سے کوئی کمک نہ آنے پائے۔ عیسائیوں کا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمان یہاں کے موسم سرما کی شدت کو برداشت نہ کر سکیں گے اور محاصرہ اٹھا دیں گے مگر انہیں ہر معاملے میں مایوسی ہوئی اور محاصرہ جاری رہا۔

ایک شب بطریق دمشق کے گھر لڑکا پیدا ہونے کی خوشی میں لوگوں نے خوب شرابیں پی اور شام ہی سے بے خبر سو رہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس رات کو قلعہ میں گھسنے کا قصد کر لیا۔ چنانچہ چند بہادروں کو ساتھ لے کر مشک کے سہارے شہر پناہ کی پانی سے لبریز خندق کو عبور کیا اور کمند کے ذریعہ دیوار پر چڑھ گئے۔ رسی کے ذریعہ بقیہ جاں نثار بھی اُوپر چڑھ گئے۔ دربانوں کو تہ تیغ کر کے دروازے کھول دیئے گئے اور اسلامی فوج نے حملہ کر دیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر عیسائیوں نے دمشق کے بقیہ دروازے خود کھول دیئے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے پناہ طلب کی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو علم نہ تھا کہ خالد بزورِ شمشیر دمشق کو فتح کر چکے ہیں۔ چنانچہ پناہ دے دی۔ بعد میں خالد رضی اللہ عنہ نے جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دمشق کا بیشتر حصہ فتح کر چکے تھے، مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرائط مان لیں۔ دمشق کی فتح تمام بلاد و شامیہ کا دیباچہ ثابت ہوئی۔

معرکۂ یرموک رجب ۱۵ھ

اسلامی فوجوں نے دمشق کے بعد فحل اور حمص کو فتح کیا۔ ہرقل کو جب مسلمانوں کی ان فتوحات کا علم ہوا تو وہ بہت غضبناک ہوا اور ہر طرف آدمی دوڑا دیئے۔ چنانچہ رومیوں کی دو لاکھ چالیس ہزار کی عظیم فوج تیار ہو گئی۔ تھیوڈور کو اس کا کمانڈر بنایا گیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ کو رومیوں کی اس فوجی تیاری کا علم ہوا تو آپ نے تمام دستوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ تیس چالیس ہزار کے قریب اسلامی فوج نے دریائے یرموک کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کو جن مفتوحہ علاقوں سے نکلنا پڑا وہاں انہوں نے جزیہ کی رقوم یہ کہہ کر واپس کر دیں کہ اس وقت ہم تمہاری حفاظت کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔

لڑائی کے پہلے روز جب فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو ایک پادری آگے بڑھا اور مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت خالدؓ نے قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا۔ قیس شعر پڑھتے ہوئے اس کی طرف لپکے اور تلوار سے اس کا سر جدا کر دیا۔ اس کے بعد عیسائیوں کے بڑے بڑے دستوں نے مسلمان افسروں سے شکست کھائی اور لڑائی دوسرے دن پر ملتوی ہو گئی۔

رات کو رومی سالار نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا اور مسلمانوں سے صلح کی بات چیت شروع کی۔ انہوں نے اپنے قاصد جارج کو ابو عبیدہؓ کی خدمت میں بھیجا مسلمانوں کی طرف سے خالدؓ آئے۔ رومیوں نے رعب ڈالنے کے لئے کمانڈر کے خیمے تک سواروں کی صفیں کھڑی کیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے مگر خالدؓ اس طرح وہاں سے گزرے جس طرح شیر بکریوں سے گزرتا ہے۔ رومی جرنیل نے اپنے احسانات جتلائے اور عربوں کی جہالت و غربت کا تذکرہ کیا اور پھر ایک خطیر رقم پیش کرنے کا وعدہ کیا بشرطیکہ مسلمان واپس چلے جائیں۔ خالدؓ نے اس کے مقابلے میں اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور انکار کی صورت میں جزیہ یا تلوار میں سے ایک کا انتخاب ان کے سامنے رکھا۔ اس طرح سے یہ صلح کی بات چیت ناکام رہی۔

واقعات

دوسرے دن رومی بڑے جوش و خروش اور ساز و سامان کے ساتھ نکلے تیس ہزار نے تو پاؤں میں بیڑیاں پہن رکھی تھیں تاکہ میدان سے ہٹنے کا خیال تک نہ آئے۔

خالدؓ نے عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور پر فوج کی صف بندی کی۔ ہر صف پر الگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افسر مقرر کئے۔ قلب، میمنہ اور میسرہ کو تجربہ کار افسروں کے سپرد کیا گیا۔ جوشیلی تقریریں ہوئیں۔ قاری جہاد کی آیات فوج کے آگے پڑھ رہے تھے۔

جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ عیسائی نہایت زور شور سے تیروں کا مینہ برساتے ہوئے آگے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن جلد ہی اسلامی فوج کے میمنہ کے قدم پھیل گئے۔ مسلمان پیچھے ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔ اس پر عورتوں نے غیرت دلائی۔ معاذ بن جبل کی کوششوں سے میمنہ کچھ سنبھل گیا ادھر قلب میں عکرمہؓ اور ان کے چار سو ساتھیوں نے دشمن کی صفوں کو الٹ کے رکھ دیا ہزاروں کو قتل کر کے شہید ہو گئے۔ میسرہ کی طرف بھی اسی زور شور کی لڑائی جاری تھی اور جوش کا یہ عالم تھا کہ حضرت قباثؓ کا پاؤں کٹ گیا مگر انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے شجاعت و بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ بالآخر رومیوں کو بری طرح شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک لاکھ سے زیادہ رومی مارے گئے اور مسلمان تین ہزار شہید ہوئے۔

قیصر کو انطاکیہ میں اس شکست کی خبر پہنچی اور وہ اسی وقت شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ روانہ ہو گیا۔

نتائج

جنگ یرموک اسلامی تاریخ کی نہایت اہم جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے بعد رومیوں کو کبھی مسلمانوں کے مقابلے میں اس سازو سامان کے ساتھ آنے کا موقع نہ ملا۔ اس فیصلہ کن جنگ کے بعد وہ مفتوحہ علاقے مسلمانوں کے قبضہ میں دوبارہ آگئے جو انہوں نے اس سے پہلے خالی کئے تھے۔ شام کے بقیہ شہر بھی آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔

فتح فلسطین

عمرو بن العاص کو فلسطین کی فتح کے لئے حضرت ابو عبیدہؓ نے بھیجا۔ انہوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ اپنی مہموں سے فارغ ہوئے تو وہ بھی یہاں پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور یہ شرط لگائی کہ امیر المومنین خود یہاں تشریف لائیں اور معاہدہ صلح اپنے ہاتھوں سے لکھیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کو اطلاع دی گئی۔ آپ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں نائب بنایا اور شام پہنچے۔ مقام جابیہ میں قیام کیا اور یہیں پر معاہدہ بیت المقدس لکھا۔ فلسطین کی فتح کے بعد سارا شام مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

حضرت خالدؓ کی معزولی ۱۷ھ

یرموک کی جنگ کے بعد امیر المومنین نے حضرت خالدؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو سپہ سالاری کے منصب سے معزول کر دیا اور حضرت ابو عبیدہؓ کو ان کی جگہ سپہ سالار بنا دیا۔ آپ کی معزولی کے کئی اسباب تھے۔

معزولی کے اسباب

۱۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ ہی سے حضرت عمر فاروقؓ، خالدؓ بن ولید کی بعض بے احتیاطیوں کی وجہ سے ناراض تھے۔ مثلاً وہ اُنہیں مالک بن نویرہ کے قتل سے بالکل بری نہ سمجھتے تھے۔ میدان جنگ میں خالدؓ کی سخت گیری بھی آپ کو پسند نہ تھی۔

۲۔ حضرت خالدؓ حسابات دربار خلافت میں نہ بھیجتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے تاکیداً لکھا تو انہوں نے جواب دیا میں خلیفہ اول کے زمانہ سے ایسا کرتا آیا ہوں۔ یہ خود اختیاری حضرت عمرؓ کو پسند نہ تھی۔

۳۔ ۱۷ھ میں آپ نے ایک شاعر کو دس ہزار درہم انعام میں دے دیئے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ خالدؓ نے اگر یہ انعام اپنی گرہ سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دیا ہے تو خیانت کی ہے۔ دونوں صورتوں میں معزولی کے قابل ہیں۔

۴۔ چونکہ بے شمار اسلامی فتوحات کا سہرا اب تک خالدؓ سیف اللہ کے سر تھا اور عوام فتح کو حضرت خالدؓ ہی کے ذریعہ لازم سمجھنے میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اس خیال شخصیت پرستی نے حضرت عمرؓ کو مجبور کیا کہ وہ انہیں معزول کر دیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا کہ:

"میں نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا لیکن چونکہ میں دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے مفتون ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔"

۵۔ حضرت ابو عبیدہؓ صاحب شمشیر بھی تھے اور علم و فضل کے ساتھ انتظامی صلاحیتیں بھی وافر رکھتے تھے۔ حضورؐ نے انہیں امین الامت کا خطاب دیا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں نظم و نسق قائم کرنا اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ اس لئے بھی حضرت خالدؓ کی جگہ انہیں مقرر کیا گیا۔

فتح مصر

شام کی فتوحات سے فارغ ہو کر حضرت عمرو بن العاصؓ ۴ ہزار کا لشکر لے کر مصر کی طرف بڑھے۔ ان کی مدد کے لئے دس ہزار کا مزید لشکر مسلح اور زبیرؓ کی سرکردگی میں پہنچ گیا۔ مسلمانوں کو مصر پر حملہ کرنے کی ضرورت اس لیئے پیش آئی کہ:

۱۔ شام میں شکست کھانے کے بعد رومی مصر میں جنگی تیاریاں کر رہے تھے اور دوبارہ شام پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حملہ کرنا چاہتے تھے۔

۲۔ رومی اگر مصر پر قابض رہتے تو رومی فوجی اڈہ ہونے کے سبب شام کے اسلامی مقبوضہ کو ہر وقت خطرہ لگا رہتا۔

۳۔ مصر کی زرعی زمینیں عرب کی غذائی ضروریات پوری کر سکتی تھیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے فرما اور بعلبک کو فتح کر کے فسطاط کا محاصرہ کر لیا جہاں پر والئ مصر مقوقس موجود تھا۔ فسطاط ایک مضبوط قلعہ تھا اس لئے مسلمانوں کو سات ماہ تک اس کا محاصرہ جاری رکھنا پڑا۔ بالآخر قلعہ فتح ہو گیا مقوقس نے صلح کر لی۔

سکندریہ کی فتح قیصر روم کو مصر کی فتح کا علم ہوا تو اس نے سمندر کے راستے سے ایک عظیم لشکر مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے سکندریہ روانہ کیا۔ سکندریہ کے باہر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ رومیوں نے شکست کھا کر سکندریہ میں پناہ لے لی۔ ایک سال کے محاصرہ کے بعد قبطیوں نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔

فتوحاتِ ایران و عراق

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں خالدؓ بن ولید کو عراق سے شام بھیجا گیا تھا۔ مثنیؓ ایرانیوں کے مقابلہ میں تنہا رہ گئے تھے۔ حالات نازک تھے اس لیے انہوں نے مرکز سے امداد کی درخواست کی۔ اسوقت خلیفۂ اول بستر مرگ پر تھے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت سنبھالتے ہی حضرت ابو عبیدہؓ ثقفی کی رہنمائی میں ایک فوج مثنیؓ کی امداد کے لیے ایرانیوں کے مقابلہ پر بھیج دی۔ مسلمانوں کی اس فوج کا ایرانی سپہ سالار رستم کو علم ہوا تو اس نے جاپان اور نرسی دو سرداروں کو مقابلے کے لئے بھیجا مگر حضرت ابو عبیدہ ثقفیؓ نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ شکست فاش دی۔

جنگِ جسر رستم کو ان شکستوں کی اطلاع ملی تو بہمن جاذویہ کی رہنمائی میں ایک عظیم لشکر روانہ کیا۔ دریا نے فرات کے ایک کنارے پر ایرانیوں نے ڈیرہ ڈال دیا۔ اسلامی لشکر دوسری طرف تھا۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم دریا عبور کر کے آجاؤ یا ہمیں اس طرف آنے دو۔ مثنیٰؓ کی رائے تھی کہ انہیں آنے دیا جائے مگر ابو عبیدہؓ نہ مانے اور اسلامی لشکر اس طرف چلا گیا۔ ایرانیوں کے ساتھ مقابلہ شروع ہوا۔ عربی گھوڑے ایرانی ہاتھیوں سے بدک کر بھاگنے لگے۔ آخر مجاہدین نے پیادہ لڑائی شروع کی اور ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت ابو عبیدہؓ ایک بڑے سفید ہاتھی پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حملہ آور ہوئے۔ اس نے آپ کو گرا کر پاؤں کے نیچے وہیں ڈالا۔ سپہ سالار کی شہادت کے ساتھ ہی مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پیچھے دریا تھا۔ چنانچہ ہزاروں مجاہد دریا کی نذر ہو گئے اور ۹ ہزار میں سے صرف تین ہزار مثنیٰ کی بہادری اور دانائی سے بچے۔

جنگِ بویب حضرت عمرؓ کو اس خبر نے بے حال کر دیا اور آپ نے مثنیٰؓ کی امداد کے لئے مسلسل فوجیں بھیجنا شروع کر دیں۔ اس دفعہ مثنیٰؓ نے خوب تیاری کی اور دریائے فرات کو ایک مرتبہ پھر ایک نظارہ دکھانے پہنچ گئے۔ فرات کے کنارے بویب کے مقام پر اسلامی لشکر جمع ہوا۔ رستم نے مہران کو ان کے مقابلے پر بھیجا۔

مسلمانوں نے سابقہ غلطی سے سبق سیکھا تھا۔ چنانچہ اس مرتبہ ایرانیوں نے دریا کو عبور کر کے صف بندی کی۔ لڑائی کا آغاز ہوا اور آج کے دن مجاہدین نے جسر کی جنگ کا پورا بدلہ چکانا تھا۔ چنانچہ ان کے تابڑ توڑ حملوں نے ایرانیوں کا کچومر نکال دیا۔ بدحواس ہو کر ایرانی دریا کی طرف بھاگے۔ پل ٹوٹ چکا تھا مسلمانوں نے ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ ایرانیوں کا سردار بھی اس جنگ میں کام آیا اور اس طرح مسلمانوں نے بدلہ چکا دیا۔

جنگِ قادسیہ محرم ۱۴ھ ۶۳۵ء

جنگِ قادسیہ اسلامی تاریخ کی ایک نہایت ہی اہم جنگ ہے جس میں مسلمانوں نے جوشِ عمل اور شجاعت کے بے مثال نقوش قائم کر دیئے۔ اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں تاہم مختصر حالاتِ جنگ بیان کئے جاتے ہیں۔

اسباب ۱۔ **ایرانیوں کی جنگی تیاریاں:** عراق میں عربوں اور ایرانیوں کے درمیان متواتر جنگوں سے کچھ اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ طرفین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے غافل نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ ایرانی برابر جنگی تیاریاں کر رہے تھے اور مسلمان بھی مقابلے کے لیے ہر آن ہوشیار اور چوکنے رہتے تھے۔

۲۔ **یزدگرد کی تخت نشینی:** مسلمانوں کی فتوحات نے ایرانی پایۂ تخت مدائن کو گھبرا دیا۔ اس سے ایرانیوں میں بہت جوش و خروش پیدا ہوا۔ انہوں نے حکومت کا نظام بدل دیا اور زنانہ حکومت کی بجائے خاندان کیانی کے وارث یزدگرد کو جو اکیس سال کا تھا تخت نشین کیا گیا تمام امراء سلطنت نے باہم متفق و متحد ہو کر کام کرنے کا عہد کیا تمام چھاؤنیاں مستحکم کی گئیں۔ ساتھ ہی مسلمانوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مفتوحہ علاقے میں بغاوت پھیلا دی تھی جس کی وجہ سے عراق کے مفتوحہ علاقے پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ جب یہ خبریں حضرت عمرؓ کو پہنچیں تو انہوں نے مثنیٰؓ کو حکم دیا کہ ہر طرف سے فوجیں سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف چلے آؤ چنانچہ مثنیٰؓ مقام ذی وقار میں آکر ٹھہر گئے مگر افسوس کہ ان کا جلد انتقال ہو گیا اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت معنیٰؓ نے ان کا چارج سنبھال لیا

۳۔ **رستم کی سپہ سالاری**: یزدگرد نے ایران کے تخت پر بیٹھتے ہی رستم کی قیادت میں ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ فاروق اعظمؓ خود ایرانیوں کے مقابلے کے لئے جانا چاہتے تھے مگر اکابر صحابہ نے مرکز نہ چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے عرب کے آزمودہ کار سپاہی جمع کر کے بیس ہزار کا ایک لشکر ترتیب دیا جس میں ۷۰ بدری اور ۳۰۰ بیعت رضوان کرنے والے صحابہ بھی شامل تھے۔ مشہور صحابی سعدؓ بن ابی وقاص کی زیر کمان ایران کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت سعدؓ نے مدینے سے چل کر حیرہ کے قریب قادسیہ کے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔

سفارتی گفت و شنید

یزدگرد کے پاس پہلی سفارت: حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق حضرت سعدؓ نے پہلے ایرانیوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے چودہ نامور اشخاص پر مشتمل ایک وفد روانہ کیا جن میں اشعث بن قیس، عمرو بن معدی کرب، مغیرہ بن شعبہ، معنیٰ بن حارثہ، نعمان بن مقرن، مغیرہ بن زرارہ اور عاصم بن عمر فاروقی وغیرہ شامل تھے۔ یہ سفیر اس شان سے مدائن پہنچے کہ ان کے گھوڑوں پر زین تک نہ تھی۔ لیکن گھوڑے ایسے تھے کہ رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ یزدگرد کے مرعوب کن اور عظیم الشان دربار میں وہ اس طرح پہنچے کہ کوڑے ہاتھوں میں تھے اور یمنی چادریں کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔ ان پر ایرانیوں کے شکوہ کا قطعاً کوئی اثر نہ تھا سیدھے دربار پہنچے۔

یزدگرد نے پوچھا: تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ وفد کے قائد نعمان بن مقرن نے اسلام کی دعوت دی بصورت دیگر جزیہ قبول کر لینے کا مشورہ دیا اور تیسری صورت میں تلوار فیصلہ کن ہو گی۔ یزدگرد نے جواب میں کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم ایک ذلیل قوم ہو۔ تمہاری سرکشیوں کی سرکوبی کیلئے ہمارے کارندے ہمیشہ مستعد رہے ہیں۔ مغیرہ بن زرارہ نے آگے بڑھ کر جواب دیا کہ یہ سب رؤسائے عرب ہیں۔ زیادہ باتیں نہیں کیا کرتے۔ میں تمہیں جواب دیتا ہوں۔ اس کے بعد مغیرہ نے کہا کہ یہ درست ہے کہ ہم ایسے ہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل کیا اور ہم میں اپنا پیغمبر مبعوث

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ اسلام کو دنیا بھر کے سامنے پیش کرو، جو اسے قبول کرے وہ تمہارا بھائی ہے یا جزیہ دے کر تمہاری حفاظت میں آجائے۔ یہ بھی منظور نہ ہو تو تلوار سے فیصلہ کر دیا جائے۔ یزدگرد کو اس پر بہت غصہ آیا اور چیخ کر کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جا سکتا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ مٹی کی ایک ٹوکری ان میں سب سے زیادہ معزز کے سر پر رکھ دی جائے۔ چنانچہ حضرت عاصم کے سر پر ٹوکری رکھ دی گئی۔ حضرت عاصم نے کہا کہ دشمن نے اپنی زمین خود ہمارے حوالے کر دی ہے۔

رستم سے دوسری سفارت میں: یزدگرد نے رستم کو حکم بھیجا کہ بہت جلدی مسلمانوں کا صفایا کر دیا جائے لیکن رستم جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا اور حضرت سعد کو پیغام بھیجا کہ صلح کی گفت و شنید کے لئے کوئی سفیر روانہ کیا جائے۔ حضرت سعد نے ربعی بن عامر کو روانہ کیا وہ اس شان سے رستم کے دربار میں پہنچے کہ گھوڑے پر زین نہ تھی اور تلوار پر نیام کی بجائے چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے۔ وہ دربار کے سامنے جا کر گھوڑے سے اترے اور گھوڑے کی باگ کو ایک گاؤ تکیے سے اٹکا کر نیزے کی انی سے بلا تکلف قیمتی قالین کو چھیدتے ہوئے رستم کے قریب جا پہنچے اور اپنے نیزے کو اس زور سے زمین پر مارا کہ وہ قالین پھاڑتا ہوا زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے سوال کیا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ ربعی نے جواب دیا۔

"تاکہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے۔"

امرائے دربار نے تلوار دیکھ کر کہا۔ ان ہتھیاروں سے ایران فتح کرنے کا ارادہ ہے۔ ربعی نے تلوار نیام سے نکالی تو اس کی چمک سے آنکھیں چندھیا گئیں اور جتنی ڈھالیں اس تلوار کی کاٹ آزمانے کے لئے پیش کی گئیں اس تلوار نے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ رستم نے اپنے امراء سے مشورہ کر کے جواب دینے کا وعدہ کیا۔

تیسری گفتگو: حضرت مغیرہ بن شعبہ اپنی مخصوص سادگی میں رستم کے دربار میں پہنچے اور زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ ملازموں نے آپ کو وہاں سے اٹھا دیا تو مغیرہ نے کہا "میں خود نہیں آیا تمہارے بلانے سے آیا ہوں۔ مہمان کے ساتھ یہ سلوک روا نہیں۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندے ہو کر گردن جھکائیں۔ اس پر رستم معذرت خواہ ہوا۔ رستم نے مغیرہ کے ترکش سے تیر نکال کر کہا "ان تکلوں سے کیا ہوگا؟" مغیرہ نے فرمایا [illegible] کی لو خواہ چھوٹی ہو پھر بھی آگ ہے۔ رستم نے پھر کہا:"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تلوار کا نیام کتنا بوسیدہ ہے؟ مغیرہ نے جواب دیا: "لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔"

رستم ان کی حاضر جوابی سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے مسلمانوں کو واپس کرنا چاہا۔ انعام کا لالچ بھی دیا مگر مغیرہ نے واضح کر دیا کہ اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں تو تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ رستم اس جواب پر بھڑک اٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کل تمام عربوں کو برباد کر دوں گا۔ مغیرہ واپس لوٹ آئے اور اس طرح صلح کی تمام بات چیت ناکام ہو گئی۔

واقعات

یوم ارماث : رستم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی لیکن اس کے باوجود اس کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور محرم ۱۴ھ میں دونوں لشکر میدان جنگ میں صف آرا ہو گئے۔ ایرانیوں کے پیچھے نہر عتیق اور مسلمانوں کے پیچھے خندق تھی بیچ میں میدان جنگ تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص جو بیماری کی وجہ سے حرکت سے معذور تھے وہ میدان جنگ کے پاس ایک چبوترے پر بیٹھے نوجوانوں کو لڑا رہے تھے۔ جب کوئی ہدایت دیتے تو کاغذ پر لکھ کر نیچے پھینک دیتے۔ ایک مجاہد خالد بن عرفطہ ان کی ہدایات فوجوں تک پہنچاتے تھے۔ جنگ شروع ہونے کے بعد انفرادی لڑائی کے لئے ایرانیوں کی طرف سے ایک بھاری بھر کم پہلوان ہتھیاروں، زیورات اور خوبصورت کپڑوں میں سجا ہوا میدان میں نکلا اور مقابلے کے لئے للکارا۔ عمرو بن معدی کرب نے اس کا چیلنج قبول کیا۔ پہلا وار ایرانی پہلوان نے کیا مگر عمرو نے اسے خالی کر دیا اور جھٹ سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور فضا میں معلق کر کے زمین پر دے مارا اور تلوار سے سر تن سے جدا کر دیا۔ دو ایک اور انفرادی مقابلے ہوئے مگر ایرانی مارے گئے۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کو ایک دشواری یہ پیش آئی کہ عربی گھوڑے ایرانی ہاتھیوں سے بھاگتے تھے حضرت سعدؓ کے حکم سے کچھ سپاہیوں کو صرف ہاتھیوں پر تیر برسانے پر مقرر کر دیا گیا۔ دن بھر ہنگامہ محشر بپا رہا۔ شام کی تاریکی چھائی تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس پہنچے قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اسے "یوم ارماث" بھی کہتے ہیں۔

یوم اغواث : دوسرے دن کی جنگ کو "یوم اغواث" کہتے ہیں۔ اس معرکہ میں حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق شام سے وہ فوج بھی آ گئی جسے حضرت خالدؓ عراق سے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس فوج کی آمد سے مسلمانوں کو اور قوت حاصل ہو گئی۔ اس کمک میں حضرت قعقاعؓ تھے جنہوں نے آتے ہی چیلنج دیا۔ ایرانیوں کی طرف سے بہمن نکلا جو حضرت ابو عبیدؓ ثقفی کا قاتل تھا۔ قعقاعؓ نے ایک ہی وار میں کئی ٹکڑے کر دیئے۔ کمک کے دستے آہستہ آہستہ پہنچ رہے تھے اور نعروں سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میدان گرم ہو رہا تھا۔ عربوں نے اونٹوں پر کالے جھول اور برقعے پہنا کر اس قدر خوفناک بنا دیا کہ انہیں دیکھ کر ایرانیوں کے گھوڑے بھاگ جاتے تھے۔ اس روز ایرانیوں کو وہی مصیبت پڑی جو پہلے دن مسلمانوں کو پیش آئی تھی تمام دن جنگ جاری رہی۔ شام تک دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے۔

حضرت ابو محجن حضرت ابو محجن ثقفی بہت اچھے شاعر تھے اور شراب کے دلدادہ حضرت سعدؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو ہتھکڑیاں لگوا کر بند کر دیا۔ وہ جنگ کا نظارہ کر رہے تھے۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے اور ان کی محرومی پر افسوس کر رہے تھے کہ وہاں سے حضرت ام سلمہ جو حضرت سعدؓ کی اہلیہ تھیں گذریں۔ ابو محجن نے ان سے جنگ میں شرکت کی آرزو کا اس انداز سے ذکر کیا کہ انہوں نے اسے رہا کر دیا۔ ابو محجن نے اس روز شجاعت کے وہ کارنامے دکھائے کہ تمام فوج عش عش کر اٹھی مگر کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ ابو محجن ہیں۔ شام کو ابو محجن نے واپس آ کر بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعد کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کو رہا کر دیا مگر حضرت ابو محجن نے بھی شراب سے اسی وقت صدق دل سے توبہ کر لی۔

یوم العماس: تیسرا معرکہ "یوم العماس" کے نام سے مشہور ہے۔ جب لڑائی کا آغاز ہوا تو پھر وہی ہاتھیوں کی مصیبت سامنے تھی حضرت سعدؓ نے پارسی نومسلموں سے ہاتھیوں کے متعلق مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بے کار کر دیے جائیں تو اس بلا سے نجات ملے گی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے لوگوں کو حکم دیا اور انہوں نے ہاتھیوں کو نرغے میں لے کر برچھیوں سے ان کی آنکھیں پھوڑ دیں قعقاع نے آگے بڑھ کر ہیل سفید کی سونڈ پر ایسی تلوار ماری کہ الگ ہو گئی۔ ہاتھی جھرجھری لے کر بھاگا اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لئے۔ اس طرح دم کی دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

رستم کا قتل: اب بہادروں کو اپنی جرأت اور شجاعت دکھانے کا موقعہ ملا دن بھر سخت معرکہ رہا اور رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ رستم پامردی سے لڑتا رہا۔ لیکن آخر میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے لیکن ہلال بن علقمہ نامی ایک مسلمان سپاہی نے اس کا تعاقب کیا اور ٹانگیں پکڑ کر نہر سے باہر کھینچ لایا اور تلوار سے کام تمام کر دیا۔ رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہو گیا۔ ایرانی سپاہ کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے [illegible] تعاقب کیا ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درفش کاویانی: درفش کاویانی جسے وہ فتح کی علامت سمجھتے تھے اور یہ ان کا قومی جھنڈا تھا، کے گرد ایرانیوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن عرب مجاہد اسے بھی چھیننے میں کامیاب ہو گئے۔ عربوں کی جنگوں میں یہ لڑائی سب سے زیادہ خونریز و ہولناک تھی اس میں چھ ہزار کے قریب مسلمان مجاہد شہید ہوئے ایرانیوں کے تیس ہزار افراد قتل ہوئے۔

فتح کی خوشخبری: حضرت عمر فاروقؓ اس جنگ کے حالات جاننے کے لئے ہر لمحہ بے قرار رہتے تھے۔ آپ روزانہ مدینہ سے نکل کر قاصد کی راہ دیکھتے رہتے تھے۔ جب دوپہر ہو جاتی تھی تب واپس آتے تھے۔ ایک روز حسب معمول آپ مدینہ کے باہر شتر کے قاصد کا انتظار فرما رہے تھے کہ ایک سانڈنی سوار آتا دکھائی دیا۔ آپ آگے بڑھے اور حال پوچھا اس نے فتح کی خوشخبری دی آپ اس کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ دوڑتے جاتے تھے اور اس سے فتح کے حالات پوچھتے جاتے تھے۔ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرنا شروع کیا۔ اس وقت قاصد کو معلوم ہوا کہ جو شخص اس کے ساتھ ہے وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے بلکہ خود امیر المومنین ہیں۔ اس نے کہا: "امیر المومنین! آپ نے مجھے اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟ میرے پاس تو آپ کا ایک خط ہے۔" سعدؓ بن ابی وقاص کا خط حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ فتح کی خوشخبری سے سب مسلمان خوش ہوئے حضرت عمرؓ جب اس خط میں شہداء کے نام پڑھ رہے تھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ چند دن بعد جنگ قادسیہ کا مال غنیمت مدینہ پہنچا جس کو دیکھ کر مسلمان حیران رہ گئے۔ حضرت عمرؓ نے یہ تمام مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور ایک پیسہ بھی اپنے لئے نہ رکھا۔

نتائج

۱۔ یہ فتح اپنی اہمیت کے اعتبار سے نہایت شاندار فتح تھی اس سے ایرانی سلطنت کا غرور بہت حد تک مٹ گیا وہ آج تک اہل عرب کو حقیر اور معمولی خیال کرتے تھے اب ان کی طاقت کا لوہا ماننے پر مجبور ہو گئے۔

۲۔ اس فتح پر ایرانیوں کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور پھر وہ تباہی کے گڑھے میں گرتی چلی گئی ایرانی فوج کی ہمت بالکل پست ہو گئی اور اسے پھر کبھی سپاہ اسلامی کے مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔

۳۔ اس جنگ کی فتح پر مسلمانوں کے حوصلے بلند سے بلند تر ہو گئے اور غیر مسلم لوگ جو دریائے فرات کے کناروں پر آباد تھے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے مسلمانوں کو اس فتح سے تقویت پہنچتی چلی گئی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ جنگ قادسیہ سے پہلے مسلمانوں پر ایرانیوں کی جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی وہ بالکل جاتی رہی بلکہ خود ایرانیوں کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

۵۔ ان اسباب کے علاوہ مالی و اقتصادی حالت بھی مسلمانوں کی بہت بہتر ہو گئی۔ قادسیہ کی فتح نے انہیں دنیا کی دولت مند ترین اور متمدن سلطنت کے خزانوں کا مالک بنا دیا۔

۶۔ عراق میں عربوں کی آبادکاری کے باعث یہ زرخیز زمین عرب تمدن اور دیگر علوم کا گہوارہ بن گئی اکثر علوم اسلامی کا آغاز و ارتقاء اسی سرزمین سے ہوا۔ عربی اور ایرانی تمدن کے امتزاج نے بہت خوشگوار نتائج پیدا کئے۔

مدائن کی فتح

قادسیہ کی فتح کے بعد اسلامی سپاہ ایران کے پایۂ تخت مدائن کی طرف بڑھی جو دریائے دجلہ کے پار واقع تھا۔ ایرانیوں نے پل توڑ دیئے تھے مگر سعدؓ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور دیکھتے دیکھتے ساری فوج دریا میں سے پرے بنائے گزر رہی تھی ایرانی ساحل پر کھڑے چلا اٹھے۔

دیواں آمدند۔ دیواں آمدند۔ اور ان پر ایسا رعب پڑا کہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ یہاں سے یزدگرد اپنے خاندان اور مال و دولت لے کر بھاگ گیا۔

جنگ جلولا

شکست خوردہ ایرانی اب جلولا کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ حضرت سعدؓ نے ہاشم بن عتبہ کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ کئی ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں نے اس قلعہ کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد حلوان پر بھی قبضہ ہو گیا جہاں سے بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

معرکۂ نہاوند

جنگ جلولا کے بعد تقریباً پورے عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے بصرہ کا نیا شہر بسایا جہاں کے گورنر ابو موسیٰ نے قرب و جوار کے کئی علاقے مثلاً سوس، اہواز اور خوزستان فتح کر لئے۔

خوزستان کی فتح کا حال سن کر یزدگرد نے ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جرار مردان شاہ کی رہنمائی میں روانہ کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نعمان بن مقرن کو ایک لشکر دے کر مقابلے کے لئے بھیجا۔ حضرت نعمان نے ایرانیوں کو مصالحت پر آمادہ کرنا چاہا مگر ناکام رہے آخر کار خونریز جنگ چھڑ گئی۔ نعمان شجاعت کے کارنامے دکھاتے ہوئے شہید ہو گئے مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور ایرانیوں کو ایسی زبردست شکست ہوئی کہ آئندہ کے لئے قبضہ ہو گیا کہ عراق اور ایران اب ہمیشہ ہمیشہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ پے در پے مسلمانوں نے بقیہ تمام علاقے فتح کرنے اور یزدگرد بھاگ کر خاقان چین کے پاس چلا گیا۔

اسلامی فتوحات میں کامرانی کے حقیقی اسباب

ایرانیوں اور رومیوں کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کو عرصہ دراز تک برسرپیکار رہنا پڑا۔ پوری تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کی ان عظیم طاقتوں کے مقابلے میں مسلمان ہمیشہ اپنی کم تعداد اور ساز و سامان سے نبرد آزما ہوتے رہے اور اکثر و بیشتر فتح و نصرت ان کے حصے میں آئی۔ گہری نظر سے جب ہم مسلمانوں کی کامیابی کے حقیقی اسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ مندرجہ ذیل نظر آتے ہیں:

۱۔ اسلام ایک ایسا دین تھا جو دنیا میں محکوم رہنے کے لئے خدا نے نہیں بھیجا تھا۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ اسے تمام دینوں پر غالب کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ چنانچہ اسلام غالب ہو کر رہا۔

۲۔ اسلام نے جہاد کا عقیدہ دے کر مسلمانوں کو باطل سے آنکھیں چار کرنے کا ایسا عظیم جذبہ عطا کر دیا تھا کہ ان کے سامنے کہیں باطل ٹھہر نہ سکا۔

۳۔ اسلام نے خدا کی راہ میں لڑنے والے مجاہد کو وہ بلند مقام دیا اور اسے ایسی نیکی قرار دیا کہ دوسری تمام نیکیاں اس کے سامنے ہیچ ہو گئیں۔ شہادت کا مرتبہ ہر مسلم چاہتا تھا۔ چنانچہ جان ہتھیلی پر رکھ کر خدا کی راہ میں مسلمان دشمن پر غالب ہو کر غازی کے لقب سے سرفراز ہوتا۔

۴۔ مسلمانوں میں باہمی محبت، یگانگت اور بھائی چارہ نے ان کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا تھا۔ قرآن کریم نے اسی اتحاد کی یوں تعریف کی ہے کہ مومن لوگ اللہ کی راہ میں اس طرح لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ اس عظیم متحدہ قوت کا مقابلہ ایرانی و رومی نہ کر سکتے تھے۔

۵۔ ایرانیوں اور رومیوں کی رعایا اپنے حکمرانوں سے سخت نالاں اور پریشان تھی۔ مسلمان جہاں بھی گئے رعایا کو آرام و سکون پہنچایا۔ چنانچہ مسلمانوں کا ہر جگہ رعایا نے استقبال کیا اور معاونت کی۔

۶۔ مسلمانوں کے فوجی سپہ سالار اپنی قابلیت، جنگی مہارت اور شجاعت میں اپنے مخالفین پر ہر طرح سے فوقیت رکھتے تھے۔ خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑے بیدار مغز انسان تھے۔ تمام جنگوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پلان وہ خود مرتب کرتے اور انہی ہدایات کے مطابق فوج کو لڑاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر میدان میں اسلامی لشکر نے فتح کے پھریرے اڑائے۔

عراق، ایران، شام اور مصر میں اشاعت اسلام

اسلامی مقبوضات میں اسلام کی اشاعت کے کئی اسباب تھے۔ ہم یہاں مختصر طور پر ان کا ذکر کریں گے۔ ان اسباب سے عراق، ایران، شام اور مصر میں اس سرعت سے اسلام پھیلا کہ پوری پوری آبادیاں اسلام میں داخل ہو گئیں۔

۱۔ **فتوحات کا اثر:** بنیادی طور پر اشاعت اسلام میں فتوحات کا بہت بڑا حصہ ہے اسلامی لشکروں نے نئے نئے علاقوں کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں داخل کر دیا۔ اس سے مقامی لوگوں کو مسلمانوں سے واسطہ پڑا اور انہیں نئے دین کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔ یہاں پر یہ وضاحت ہو جانی چاہئے کہ کبھی کسی کو خوف شمشیر سے مذہب بدلنے پر آمادہ نہیں کیا گیا۔ یہ الزام اب غیر مسلم بھی غلط ثابت کر چکے ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ مسلمانوں نے اس پر پوری طرح عمل کیا۔

۲۔ **اسلام کی واضح تعلیمات:** اسلام کی تعلیمات مکمل، واضح اور بالکل صاف و سادہ تھیں۔ اس کے برعکس عیسائیت کے عقائد نہایت پیچیدہ تھے ایرانیوں کے مذہب کی کچھ باتیں اسلام سے ملتی جلتی بھی تھیں۔ اس لئے لوگوں نے اسلام کی طرف رجوع کیا اور اسے قبول کر کے دل و دماغ کے لئے اطمینان کا سامان مہیا کیا۔ تھامس آرنلڈ اپنی کتاب "اشاعت اسلام" میں لکھتا ہے کہ یونانی فلسفے نے حضرت عیسیٰ کی سادہ تعلیمات کو ناقابل فہم عقیدوں اور ناقابل یقین باتوں سے بھر دیا تھا اور نصاریٰ میں کئی فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ ان کے نزاعات نے ان کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں اس سے عوام سخت پریشان تھے۔ اسلام کو قبول کر کے انہوں نے اس پریشانی سے نجات حاصل کر لی۔

۳۔ **ایرانی و رومی حکمرانوں کے مظالم:** اسلام کی اشاعت میں ایران اور روم کے اُن جفاجو حکمرانوں کا بڑا حصہ ہے جنہوں نے اپنے ظالمانہ اور وحشیانہ کردار و اخلاق سے اپنی رعایا کا جینا دوبھر کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے چنانچہ کسی کی عزت اور مال ان کے ظالم ہاتھوں سے محفوظ نہ تھا۔ بد اخلاقی و فحاشی کا یہ عالم کہ بطور طبری بہرام چوبین نے اپنی سگی بہن سے شادی کر لی تھی پانچویں صدی میں یزدگرد ثانی نے پہلے اپنی بیٹی سے شادی کی اور پھر اسے قتل کر دیا۔ ٹیکسوں کے ذریعے غریبوں کا خون چوسا جاتا تھا اور اس سے عیش و عشرت کی بساط بچھائی جاتی تھی ایک پارسی مورخ کے بقول خسرو پرویز کی بارہ ہزار عورتیں تھیں۔

رومیوں کی حالت اس سے بھی بدتر تھی اگرچہ ان کا مذہب نصرانیت تھا مگر حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کو اس طرح گم کر دیا گیا تھا جس طرح میٹھے پانی کا ایک قطرہ، کھرے سمندر میں ملا دیا جائے۔ رومیوں کو انسان کے خون کی چاٹ لگ گئی تھی۔ انہوں نے انسانوں کی کئی نسلیں ختم کر دیں۔ وحشی درندوں سے حضرت آدم کی اولاد کو پھڑوانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کی وحشت و بربریت کی داستانیں پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس مذکورہ کردار کے حکمرانوں نے اپنی رعایا کو سخت بدظن کر دیا تھا۔ چنانچہ نئے حکمرانوں کے آجانے سے ان کو عذاب سے نجات ملی۔ اس طرح نئے حکمرانوں کے مذہب کو بھی رعایا نے گلے سے لگایا۔

۴۔ <u>سفراء کی کوششیں</u>: اسلامی طریقے کے مطابق جنگ شروع ہونے سے پہلے دونوں طرف سے سفیر آتے جاتے تھے۔ اسلامی سفیر دشمن کے پاس جا کر اسلام کی تعلیمات بیان کرتے تھے اور دشمنوں کو اسے قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ اس کا بھی کبھی بڑا اچھا اثر ہوتا تھا۔

۵۔ <u>اسلامی اخلاق و کردار</u>: مسلمان گورنروں اور عام آدمیوں کا اخلاق و کردار بہت بلند تھا۔ ذمیوں سے حسن سلوک کیا جاتا تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ مسلمانوں کے اخلاق اور سادہ زندگی سے متاثر ہو کر بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

۶۔ <u>بدوی قبائل کا رجحان اسلام</u>: بہت سے بدوی قبائل جو روم و شام کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے۔ بنو غسان نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا جنگ قادسیہ (۱۵ھ) میں رستم کے ساتھ عیسائی بدوی قبائل بھی تھے۔ رستم کے قتل ہونے کے بعد یہ لوگ مسلمان جرنل کے پاس حاضر ہوئے اور کہا:

"وہ قبائل دانا تھے۔ جنہوں نے ہم سے پہلے اسلام قبول کر لیا ہے اب جب کہ رستم مارا گیا ہے ہم بھی اسلام قبول کرتے ہیں۔"

یہ تھے وہ اسباب و عوامل جن کی بدولت اسلامی مفتوحات میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلموں سے سلوک

اسلامی مقبوضات میں وہ رعایا جو غیر مسلم تھی اس کے حقوق بالکل ایسے ہی قرار دیئے گئے جیسے مسلمان رعایا کے تھے۔ مذہبی امور میں ان کو پوری آزادی حاصل تھی۔ اُن کی عزت و آبرو کا اسی قدر احترام تھا جس قدر مسلمانوں کی عزت و ناموس کا۔ اگر ان سے کبھی کوئی غلطی بھی ہوتی تب بھی ان کے حقوق کو پامال نہ کیا جاتا۔ قانون اسلامی کی نظر میں ذمی کی جان بھی اتنی ہی محترم تھی، جتنی مسلمان کی۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کے وارثوں نے قاتل کو قتل کر دیا۔[1]

حضرت عمرؓ نے حکم دے رکھا تھا کہ غیر مسلموں کے ساتھ جزیہ کی وصولی کے سلسلہ میں سختی نہ کی جائے۔ شام کے سفر میں آپ نے دیکھا کہ ان کے عامل جزیہ وصول کرنے کے لئے سزا دے رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ان کو تکلیف نہ دو۔ اگر تم انہیں عذاب دو گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا۔[2]

جزیہ وصول ہو کر آتا تو باقاعدہ تحصیلین سے قسمیں لیتے۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک مرتبہ جزیہ کی ایک بڑی رقم لائی گئی آپ نے اسے غیر معمولی دیکھ کر فرمایا۔ "مجھے گمان ہوتا ہے کہ تم نے لوگوں کو برباد کر دیا۔" تحصیلین نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم! ہم نے بہت نرمی سے وصول کیا ہے۔" آپ نے پھر پوچھا۔ "بغیر مارے باندھے؟" انہوں نے عرض کیا۔ "بغیر مارے باندھے۔" تب آپ نے اس مال کو خزانے میں داخل کرنے کی اجازت دی۔[3]

ایک دفعہ خلیفۂ ثانی نے ایک ضعیف العمر آدمی کو بھیک مانگتے دیکھا اور اس سے اس ذلیل حرکت کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا جزیہ ادا کرنے کے لئے بھیک مانگتا ہوں۔ اس پر آپ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا اور اس کے لئے وظیفہ مقرر کر کے افسر خزانہ کو لکھا۔

"خدا کی قسم یہ ہرگز انصاف نہیں ہے کہ ہم اس کی جوانی میں اس سے فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں اس کو رسوا کریں۔"

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں غیر مسلموں سے جتنے معاہدے اور صلح نامے ہوئے ان سب میں ان کو

---

[1] عنایہ شرح ہدایہ ج ۸ ص ۲۵۶

[2] کتاب الخراج ص ۷۱

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ الجہاد فی الاسلام از سید ابو الاعلیٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام بنیادی حقوق کی حفاظت کا یقین دلایا گیا اور کبھی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کی گئی اور اگر کہیں جزیہ وصول ہونے کے بعد مسلمانوں کو علاقہ خالی کرنا پڑا تو جزیہ کی رقم واپس کر دی گئی مثلاً معرکہ یرموک سے پہلے اسلامی فوج نے حمص وغیرہ کے مفتوحہ علاقے نازک حالات کے سبب خالی کر دیئے تو حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے جزیہ کی تمام رقم واپس کر دی۔ یہی وہ حسن سلوک تھا جس کی بدولت غیر مسلموں نے اپنے ہم مذہبوں کے لئے اپنے شہر کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمان حکمرانوں کو روتے ہوئے الوداع کیا اور خدا سے دعائیں کیں کہ انہیں جلد واپس لائے۔

اسلام بحیثیت قوت سیاسی

اسلام نے سیاسی تصورات میں جو اصلاح کی اور اپنا ایک واضح سیاسی نظام پیش کیا۔ اس کے بنیادی خدوخال ذہن میں لائیے جس سے بعد میں خلافتِ راشدہ کے فاروقی دور تک اسلام ایک عظیم قوتِ سیاسی بن گیا۔

اسلام نے سب سے پہلے رائج الوقت سیاسی تصورات میں بنیادی اصلاح یہ کی کہ سیاست اور مذہب کی تفریق ختم کر دی بلکہ واضح طور پر بتایا کہ خدا کو ماننے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے لئے چند مراسم عبودیت بجا لائے جائیں اور بقیہ زندگی میں اپنی من مانی کی جائے یا دوسرے انسانوں کا حکم مانا جائے۔ اسلام نے یہ تصور دیا کہ خدا وہ ہے جس کی خدائی پوری زندگی میں مانی جائے۔ انسان پر انسان کی خدائی کو اسلام نے فتنہ وفساد کی جڑ قرار دیا۔ خواہ یہ خدائی بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ اسلام نے اصل حاکم مطلق اللہ کی ذات کو قرار دیا اور اسی کا حکم دنیا میں چلے گا۔ نہ بندہ کسی دوسرے کو اپنا حاکم مطلق سمجھے اور نہ خود ہی حاکم بن بیٹھے۔ سب کا حاکم خدا ہے اور تمام اس کے بندے ہیں۔ جس سے خدا منع کر دے اس سے رک جانا چاہیئے اور جس کا امر کرے اسے کر گزرا جائے۔ مسلمان جب اسلامی ریاست قائم کریں گے تو اس میں اللہ کے دیئے ہوئے قانون کو نافذ کیا جائے اور اس قانون میں نہ اضافہ ہوگا اور نہ ترمیم کی جائے گی۔ حکمرانی کرنے والوں کی اطاعت رعایا پر بھی واجب ہوگی جب حکمران خدا کے قانون کا پابند ہوگا اور اسی کو نافذ کرے گا۔ حکمران کا معاملات میں اہل الرائے سے مشورہ لینا ضروری ہوگا۔

اسلامی ریاست کا مقصد صرف یہی نہیں ہوگا کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی سے روکے ان کی آزادی کی حفاظت کرے اور مملکت کو بیرونی حملوں سے بچائے بلکہ اس کا اصل مدعا اجتماعی عدل کے اسلامی نظام کو قائم کرنا ہوگا۔ اس کا مقصد بدی کی تمام صورتوں کو مٹانا ہوگا اور نیکی کی ان تمام شکلوں کو قائم کرنا ہوگا، جو خدا اور رسولؐ نے واضح طور پر بتا دی ہیں۔ مدینہ کی ریاست میں ان اصولوں پر قائم ہو کر اسلام ایک عظیم قوتِ سیاسی کی حیثیت سے ابھرا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ کا دور، غزوات و فتوحات کا دور تھا۔ ان کی حکومت ایران سے شمالی افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ حضرت عمرؓ کا ارادہ فتوحات کو اس حد تک وسیع کرنے کا نہ تھا۔ ان کی پالیسی یہ تھی کہ مسلمان قوم ایک ایسی وحدت میں ضم ہو جائے جو جنوب میں خلیج عدن سے لے کر انتہائے شمال میں صحرائے سماوہ تک پھیلی ہوئی ہو۔ لیکن پیش آنے والے واقعات نے مسلمانوں کو اپنی فتوحات جاری رکھنے پر مجبور کر دیا۔

فتوحات کی وسعت پر جزیرۃ العرب کے نظام حکومت نے گہرا اثر ڈالا۔ یہ نظام ہجرت رسول کے بعد بیس سالوں میں ایک ایسے انقلاب سے گزرا جس نے مسلمان قوم کو عظیم الشان تاریخی حوادث کا مقابلہ کرنے کی قوت بخشی۔ یہ نظام نہ تو کسی منطقی فکر آرائی کا نتیجہ تھا اور نہ ہی فقہا کی قانون سازی کا ثمرہ۔ اسلام کے صاف اور سادہ سیاسی تصورات ان کے پیچھے کام کر رہے تھے اور یوں اسلام کو مرکزی قوت حاصل ہو چکی تھی۔ اسی قوت نے انقلاب و ترقی کی راہوں کو ہموار کیا اور مملکت کے مختلف حصوں کو ایک لڑی میں پرو کر انہیں ناقابل شکست بنا دیا۔ بلاد عرب کی اس وحدت سے پہلے اسلام ایک قوت سیاسی کی حیثیت سے اپنا مقام پیدا کر چکا تھا۔

یہ خیال رہے کہ عرب اسلام سے پہلے کسی باقاعدہ نظم حکومت سے نہ صرف نا آشنا تھے بلکہ اسے اپنی آزادی کے منافی سمجھتے تھے۔ آس پاس کے ملکوں میں ان کے اپنے اپنے مستقل نظام قائم تھے۔ عراق و ایران اور شام پر بازنطینی نظام حکومت مسلط تھا لیکن مدینہ والوں نے ان دونوں نظاموں میں سے کسی کا چربہ نہیں اُتارا۔ ان کے پاس خدا کی کتاب اور رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کی صورت میں جو کچھ موجود تھا یہی دستور اسلامی ریاست کی وحدت و ترقی کا ضامن ہوا۔

حضرت صدیقؓ کے عہد خلافت میں جناب عمرؓ جن مسائل سے دلچسپی رکھتے تھے ان میں خصوصاً عرب قبائل کی سیاسی وحدت شامل تھی۔ جب وہ خود مسند آرائے خلافت ہوئے تو سب سے پہلے انہوں نے اپنی توجہ اسی وحدت کے استحکام پر مبذول فرمائی اور اپنی زبردست حکمت عملی سے اسلام کو ایسی منظم سیاسی قوت میں تبدیل کر دیا، جس کا رعب و اثر چاردانگ عالم میں پھیل گیا اور اسلامی بنیادوں پر ایک ایسی مملکت عالم وجود میں آئی جس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

فتوحات فاروقی بھی اپنی جگہ ایک کارنامہ سہی مگر ریاست مدینہ میں عادلانہ اور جمہوری نظام حکومت کا قیام اس سے بھی بڑا کارنامہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمہوری طرزِ حکومت
حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم ہوا جس میں جمہوریت کے بنیادی اصولوں کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ عوام کو حکمرانی میں شریک کیا گیا اور ان کی رائے کو ملکی معاملات میں شامل کیا گیا۔ عوام کو حق حاصل تھا کہ وہ امیر المومنین پر تنقید کر سکیں اور اپنے گورنروں کے خلاف شکایت کر سکیں۔ چنانچہ کئی گورنروں کو حضرت عمرؓ نے عوام کی شکایات پر معزول بھی کیا۔ آپ نے عام مہاجرین کی ایک مجلس قائم کر رکھی تھی جس کی روزانہ نشستیں مسجد نبویؐ میں ہوتی تھیں اور روزانہ کے عام مسائل پر اس میں غور ہوتا تھا۔

مجلسِ شوریٰ
مرکزِ اسلام میں عمر فاروقؓ نے ملک کے جملہ معاملات و مسائل کے حل کے لئے ایک مرکزی پارلیمنٹ قائم کر رکھی تھی۔ اس کو مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ مشاورت کہتے تھے۔ اس میں مہاجرین و انصار کے وہ ممتاز صحابہ شامل ہوتے جو تدبر اور معاملہ فہمی میں یکتائے زمانہ تھے۔ خلیفہ ان حضرات سے مشورہ کرتا آزادانہ بحث و تمحیص کے بعد معاملات طے کئے جاتے۔

صوبائی نظام
آپ نے تمام ملک کو گیارہ صوبوں میں تقسیم کر دیا تاکہ انتظام میں سہولت ہو جائے۔ ہر صوبے کا ایک گورنر ہوتا جسے اس وقت والی کہا جاتا تھا۔ بعض اوقات گورنر ہی فوجوں کا سپہ سالار ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں پر میر منشی، کلکٹر، قاضی اور پولیس افسر رکھے جاتے تھے۔ بعض حالات میں فوج کا سپہ سالار بھی علیحدہ رکھا جاتا تھا۔

حکام کا تقرر
حضرت عمرؓ گورنروں اور دوسرے افسروں کا تقرر بڑے غور و فکر کے بعد لوگوں کے مشورے سے کرتے تھے۔ ان کو تقرری کا پروانہ دے دیا جاتا جس میں ان کے اختیارات و فرائض بھی لکھ دیئے جاتے تھے۔ اُن کی جائیداد کا حساب لے لیا جاتا تھا اور اگر زمانہ گورنری میں کچھ شبہ پڑتا کہ وہ امیر و دولت مند ہو گئے ہیں تو باقاعدہ محاسبہ کیا جاتا۔ ڈیوٹی پر حاضر ہونے سے پہلے اُن سے حلف لیا جاتا کہ وہ:

۱۔ ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرے گا۔ ۲۔ باریک کپڑے نہیں پہنے گا۔

۳۔ چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا۔

۴۔ دروازوں پر دربان نہیں رکھے گا اور حاجتمندوں کے لئے اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوگا۔

سال میں ایک مرتبہ حج کے موقع پر عاملین کے خلاف شکایات سُنی جاتی تھیں اور مجمع عام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں انہیں غلطیوں پر سزا دی جاتی۔ فاروق اعظمؓ اپنے عاملین پر سخت نگرانی کرتے تھے انہیں حکم دے رکھا تھا کہ اگر تم نے رشوت لی، حکومت میں ذاتی غرض شامل کی یا غصے میں لوگوں کو ستایا تو اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

عدلیہ شروع شروع میں عدالت، صوبے کا انتظام اور فوج کی امارت عمال کے پاس ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ مملکت کے ہمہ گیر مسائل کو سلجھانے کے باعث انفرادی مقدمات کی سماعت میں تاخیر ہوتی ہے تو آپ نے عدیہ کو انتظامیہ سے بالکل الگ ایک شعبہ کے طور پر قائم کر دیا اور منتخب افراد کو قضاۃ کے عہدہ پر مقرر فرمایا۔

آپ نے قاضیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ انصاف ہر قیمت پر ہونا چاہیے اور کسی چھوٹے بڑے۔ امیر غریب محکوم و حاکم بلکہ امیر المومنین تک سے بھی کوئی نرمی نہ برتی جائے۔ آپ نے قاضیوں کو معقول تنخواہیں دیں تاکہ ان کے اندر دنیا کی حرص و طمع نہ پیدا ہو۔

بے لاگ عدل کا یہاں تک نفاذ ہوا کہ خود امیر المومنین نے ایک جرم میں اپنے بیٹے ابو شحمہ کو اسی دُرّے لگوائے جس سے وہ انتقال کر گیا۔

مالیات حضرت عمر فاروقؓ جس انداز سے حکومت کا انتظام کر رہے تھے۔ اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ باقاعدہ شعبۂ مالیات قائم ہو اور اس کے تحت خزانے قائم ہوں تاکہ تنخواہوں اور وظائف میں کوئی بے تدبیری نہ ہو سکے چنانچہ آپ نے ایک مرکزی بیت المال قائم کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلیفۂ اول کے زمانے میں بھی یہ قائم ہوا تھا مگر اس میں کبھی کوئی رقم جمع نہ ہوتی تھی۔

مرکزی بیت المال کے تحت ہر صوبے میں ایک صوبائی بیت المال قائم کیا گیا اور ان سب خزانوں میں باقاعدہ ایماندار افسران خزانہ (TREASURY OFFICERS) مقرر کئے گئے۔

آمد و خرچ کے اصول وضع کئے گئے اور باقاعدہ حساب کتاب رکھا جانے لگا صوبوں کی آمدنی صوبائی خزانوں میں جمع ہوتی تھی۔ وہاں کے اخراجات کے بعد جو رقم بچ رہتی تھی وہ مرکزی بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔

خرچ کی مدات: عام طور پر بیت المال میں سے درج ذیل مدوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔

۱۔ ملازمین کی تنخواہیں ۲۔ وظائف ۳۔ رفاہ عامہ کے کام ۴۔ قیدیوں کی کفالت ۵۔ دوسری دینی اور ملکی ضرورتیں۔

آمدنی کے ذرائع: بیت المال میں درج ذیل ذرائع سے آمدنی ہوتی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ خمس : یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ۔

۲۔ جزیہ : فوجی خدمت سے مستثنیٰ ذمیوں سے ایک خاص رقم لی جاتی تھی۔

۳۔ خراج : غیر مسلم کاشت کاروں سے ان کی زمین پر مالیہ کا نام تھا۔

۴۔ زکوٰۃ : صرف مسلمانوں سے لی جاتی تھی۔

۵۔ عشر : پیداوار کا دسواں حصہ مسلمان کاشتکاروں سے لیا جاتا تھا۔

۶۔ فے : وقف کے ذرائع آمدنی۔

۷۔ عشور : تجارتی ٹیکس۔ غیر ملکی تاجروں سے دس فی صدی، ذمیوں سے پانچ فیصدی اور مسلمانوں سے ڈھائی فیصدی وصول کیا جاتا۔

ٹکسال عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پہلی دفعہ غیر ملکی سکے بند کر کے اپنی ٹکسالوں میں چاندی کے سکے ڈھلوانے شروع کئے اور اُن پر عربی کی عبارات کندہ کروائیں۔

محکمہ مالگزاری REVENUE DEPARTMENT فاروقی عہد سے پہلے اس محکمہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ آپ نے مفتوحہ زمینوں کی پیمائش کرائی اور اُن کی پیداوار کے مطابق شرح مالیہ مقرر کی اور وہ زمینیں حکومت کی ملکیت قرار دے کر کاشتکاروں میں بانٹ دیں۔ زراعت کی ترقی کے لئے باقاعدہ نظام آب پاشی بنایا۔ کہیں نہریں کھدوائیں، بند بندھوائے اور تالاب بنوائے۔ بنجر زمینیں اگر کوئی آباد کرتا تھا تو وہ اسی کی ملکیت قرار پاتی تھیں۔

محکمہ رفاہِ عامہ فاروقی عہد میں یہ ایک نہایت عظیم الشان اور وسیع محکمہ تھا۔ لاکھوں لوگ اس میں کام کرتے تھے۔ یہ محکمہ مسافر خانے تعمیر کرتا، سڑکیں بنواتا، دریاؤں پر پل باندھتا، شاہراہوں پر چوکیاں، سرائیں، پانی کے حوض اور تالاب تعمیر کرتا۔ آب پاشی کے لئے نہریں کھدواتا۔ اس محکمہ کے تحت چار مشہور نہریں کھودی گئیں جن میں:

(ا) نہر ابو موسیٰ دجلہ سے نکالی گئی۔ اس کی نگرانی بصرہ کے حاکم ابو موسیٰؓ نے کی تھی۔

(ب) نہر معقل بھی دریائے دجلہ سے نکالی۔ اس کی نگرانی حضرت معقلؓ صحابی نے کی تھی۔

(ج) نہر سعد، حضرت سعدؓ نے انبار کے لوگوں کی درخواست پر کھدوانے کی کوشش کی جو پہاڑ حائل ہونے کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکی۔

(د) نہر امیر المومنین۔ ۱۸ھ میں جہازوں کی آمد و رفت کے لئے دریائے نیل اور بحیرۂ قلزم کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملانے کے لئے یہ نہر کھودی گئی۔

محکمۂ تعلیم فاروقی عہد میں دینی تعلیم کو بڑی ترقی ہوئی۔ اس محکمہ کے ذمے قرآن کریم کی تعلیم اور اشاعت اسلام کا کام تھا۔

محکمۂ ڈاک اسے برید کہا جاتا ہے۔ سرکاری مراسلات لانے لے جانے کے لئے تیز رفتار اونٹ اور گھوڑے مہیا کئے گئے تھے۔

محکمۂ پولیس حضرت عمرؓ نے عرب میں پہلی مرتبہ یہ محکمہ قائم کیا۔ پولیس کے افسر کو صاحب الاحداث کہا جاتا تھا۔ ان کے فرائض میں شامل تھا کہ لوگوں کو کم تولنے سے روکیں، شراب نہ بکنے دیں، سڑک پر مکان نہ بنانے دیں، جانوروں پر ظلم نہ ہونے دیں۔ وغیرہ

جیل خانہ کی ایجاد مجرموں کو سزا دینے کے لئے فاروقی عہد سے پہلے جیل خانہ کا نام ونشان تک نہ تھا۔ جیل خانے اضلاع میں بھی بنائے گئے اور عادی مجرموں کو قید رکھا جانے لگا۔

فوجی نظام حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ تک فوج کی کوئی تنخواہ وغیرہ نہ تھی۔ مال غنیمت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ فاروقی حکومت کے ابتدائی دور میں بھی یہی حال رہا لیکن جب دولت و اموال کی کثرت ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں مجلس شوریٰ بلائی۔ اس موقع پر ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا رجسٹر مرتب رہتا ہے۔

حضرت عمرؓ کو رجسٹر رکھنے کی تجویز پسند آئی۔ چنانچہ ایک دفتر کھول دیا گیا اور جو لوگ فوجی خدمات کے قابل تھے ان سب کے نام رجسٹر میں درج کر لئے گئے۔ آپ نے فوج کے دو حصے کئے ایک باقاعدہ فوج جو میدان جنگ میں رہتی تھی اور سرحدوں کی حفاظت کرتی تھی۔ دوسری رضاکار جسے ریزرو کہا جا سکتا ہے۔ سب فوجیوں کو باقاعدہ تنخواہ اور وظیفے دیئے جانے لگے۔ شہداء کے اہل وعیال کو بھی باقاعدہ وظیفے جاری ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے اس رجسٹر میں بدری صحابہؓ کو سرفہرست رکھا تھا۔

چھاؤنیاں: حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان سے مل گئی تھی لیکن جو اہم ممالک کہے جا سکتے تھے وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی چھاؤنیاں بھی انہی ممالک میں قائم کی گئیں۔ بعض ممالک میں اہمیت کے لحاظ سے ایک سے زیادہ فوجی مستقر بھی بنائے گئے۔ مدینہ، کوفہ، [illegible] دمشق، اردن اور فلسطین کی چھاؤنیاں خاص طور پر مشہو[illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھاؤنیں:

ان مقامات میں فوجوں کے رہنے کے لئے بارکیں بنائی گئی تھیں۔ ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل بھی تھے، جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہروقت ساز و سامان کے ساتھ تیار رہتے تھے۔ فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور رجسٹران کے صدر مقامات میں رہتے تھے۔ جمعہ کے دن چھٹی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ فوجیوں کو چار ماہ بعد گھر جانے کے لئے چھٹی ملتی تھی اور اس کا بھی باقاعدہ حساب رکھا جاتا تھا۔ انہی چھاؤنیوں میں رسد کے لئے غلّہ اور اجناس جمع کی جاتی تھیں اور ان کو سٹور کیا جاتا تھا۔

فوجیوں کی صحت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ گرمیوں اور سردیوں میں فوجی مہموں کے باقاعدہ پروگرام بنائے جاتے اور بہار کے موسم میں فوجوں کو صحت افزا مقامات پر بھیجا جاتا تاکہ ان کی صحت اچھی ہو جائے اور گھوڑے فربہ ہو جائیں۔ فوجیوں کو ہدایات تھیں کہ وہ آرام پسند نہ بنیں گھوڑے پر بغیر رکاب سواری کریں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں اور حماموں میں نہ جائیں (یعنی کھلی جگہ نہایا کریں)

جہاں فوج بھیجی جاتی اس کے ساتھ جاسوس، مخبر، خزانچی، محاسب، مترجم، قاضی اور طبیب جرّاح بھیجے جاتے تھے۔ ہر جگہ سے حضرت عمرؓ کے پاس پرچہ نویس باقاعدہ اطلاعات بھیجتے رہتے تھے ہر سپاہی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں ساتھ رکھتا تھا۔ غرضیکہ جدید طرز کی فوج کے لئے جو بھی ممکن انتظام ہو سکتا تھا وہ عمر فاروقؓ نے آج سے کئی سو سال پہلے کر کے دکھا دیا۔

شہادت

ذوالحجہ ۲۳ھ میں ایک روز آپ فجر کی نماز پڑھانے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ اللہ اکبر کہہ کے نماز کی نیت باندھی ہی تھی کہ ایک عیسائی غلام ابو لؤلؤ نے خنجر سے آپ پر حملہ کر دیا جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔ لوگوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔ تین روز کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا اور یکم محرم ۲۴ھ کو حجرہ رسولؐ میں آپ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی اور مدت خلافت دس سال پانچ ماہ۔

سیرت و اخلاق

حضرت عمر فاروقؓ سیرت و اخلاق کے لحاظ سے اسلام کی چلتی پھرتی تصویر تھے آپ کے اندر جلال و جمال کا حسین امتزاج تھا۔ باطل کے لئے خدا کی تلوار تھے، اور حق کے لئے پیکر تسلیم و رضا۔ آپ زمانۂ جاہلیت ہی سے اپنے ہم چشموں میں نمایاں تھے۔ اسلام قبول کر کے آپ کی صلاحیتوں اور اوصاف کو اور جلا نصیب ہوا۔ آپ صاحب علم اور ذہین و دانا تھے۔ نیکی، صداقت، خلوص اور ایثار آپ کی سیرت نمایاں خصوصیات تھیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولیم میور کے بقول عمر فاروقؓ کی زندگی سادگی اور فرض شناسی سے عبادت تھی۔ حق کے معاملہ میں ان کے دل میں کوئی مداہنت نہ تھی اور حق کی خاطر وہ ہر رشتہ کو کاٹ پھینکنے پر تیار ہو تے تھے۔

سادہ لباس پہنتے اور سادہ غذا کھاتے تھے۔ غریبوں کے کام کاج کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتے تھے۔ حضورؐ کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کی وفات کے وقت از خود رفتہ ہو گئے۔ آپ کے اہل بیت سے بے انتہا عقیدت و محبت تھی۔

آپ کی شخصیت پُر وقار تھی۔ لوگوں میں دور سے بیٹھے یا چلتے ہوئے نظر آجاتے تھے پہلوانی اور شہ زوری کا زمانہ جاہلیت سے شوق تھا شعر و شاعری کا بھی فطری ذوق رکھتے تھے اور ہزاروں بلند پایہ اشعار زبانی یاد تھے۔

آپ کی صحبت میں عموماً اہل علم بیٹھتے تھے۔ اہل کمال کی آپ بڑی قدر کرتے تھے علمی مسائل پر اکثر گفتگو مجلسیں گرم رکھتے۔ آپ علم الانساب اور عبرانی زبان سے بھی واقف تھے۔ نسب یاد رکھنا تو آپ کا خانہ زاد علم تھا۔ آپ بڑے بلند خطیب تھے۔ آپ کی تقریریں فصاحت و بلاغت کے بلند نمونے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو تحریر میں بھی کمال حاصل تھا۔

آپ بڑے صاحب الرائے تھے۔ اسلام کے کئی احکام آپ کی رائے کے موافق ہوئے۔ اذان کا طریقہ آپ کی رائے سے قائم ہوا۔ ازواج مطہرات کے پردہ کا حکم آپ کی رائے کے مطابق آیا۔ اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔

عدل و انصاف آپ کی زندگی کا عنوان قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ آپ نے اس معاملے میں دوست، دشمن، اپنے اور غیر کسی کی تمیز نہ کی اور بے لوگ انصاف کیا۔ آج بھی عدل فاروقی زبان زد خاص و عام ہے۔ غیر مسلموں سے حسن سلوک اور رواداری برتتے تھے۔

کارہائے نمایاں

حضرت عمر فاروقؓ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کے سامنے ایک نمونے کی اسلامی ریاست قائم و مستحکم کر دی اور اس ریاست کا ایسا عمدہ نظام حکومت قائم کیا کہ آج بھی مدبر و منتظم حیران ہیں۔

آپ نے جمہوری طرز کی ایسی ریاست قائم کی جس میں تمام معاملات مشورے سے طے پاتے تھے اور ایک معمولی آدمی کو بھی امیر المومنین پر سخت سے سخت تنقید اور نکتہ چینی کا حق حاصل تھا۔ ہر ماہ راتوں کو گشت کرتا تھا تاکہ رعایا کے حال سے پوری طرح باخبر ہو سکے۔

[illegible] کے غریبوں، محتاجوں اور ناداروں کی فہرستیں بنوائیں تاکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب کو وظائف دیئے جا سکیں اور کوئی بھی اسلامی ریاست میں بھوکا ننگا نہ رہ جائے۔ آپؓ نے مردم شماری کرائی اور سنِ ہجری قائم کیا۔

گورنروں اور افسروں کے انتخاب اور اُن کے محاسبے میں ایسے اصول وضع کئے کہ آج کی کوئی منظم و فلاحی ریاست اب تک ایسے اصول نہیں بنا سکی اور پھر اصولوں کے بنانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کو نافذ کیا۔

فوجی نظام کو اس طرح مرتب و منظم کیا کہ آج تک اس کی نظیر نہیں ملتی۔ دنیا اتنی ترقی کر چکی ہے مگر اس دور میں فاروق اعظمؓ نے اسلامی افواج کو جس طرح منظم کیا اس پر عقل حیران ہے۔ پورے نظامِ حکومت میں انہوں نے جو جدتیں کی ہیں، وہ ان کے ہی زرخیز ذہن میں آ سکتی تھیں۔

ہم مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ دورِ فاروقی سارے کا سارا کارہائے نمایاں سے بھرا پڑا ہے فتوحات سے لے کر انتظامِ ملکی تک سب کچھ ایسا ہے کہ اس کی تعریف کئے بغیر کوئی مؤرخ نہیں رہ سکتا آپ نے اسلامی ریاست کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا اور دُنیا کو ایک اسلامی فلاحی ریاست کی مثال دکھا دی۔

اہم سوالات

۱۔ ایرانیوں اور رومیوں کے خلاف مسلمانوں کے فتح کے اسباب بیان کیجئے۔ (۱۹۶۳ء، ۱۹۶۶ء، ۱۹۶۶ء ضمنی)

۲۔ حضرت عمرؓ کے عہد کی خاص خاص فتوحات کا حال لکھئے۔ (۱۹۶۰ء)

۳۔ عرب اور ایرانیوں کی لڑائی کے کیا اسباب تھے؟ عربوں نے کس طرح ایران کو بتدریج فتح کیا اس کا مفصل حال لکھئے؟ (۱۹۵۲ء)

۴۔ عربوں اور رومیوں کے درمیان ہونے والی اس لڑائی کا مختصر حال بیان کیجئے جس کے باعث مسلمانوں نے شام فتح کیا۔ (۱۹۵۲ء)

۵۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے کردار اور حالاتِ زندگی پر تبصرہ کیجئے۔ نیز بتایئے کہ ان کی خدمات اسلامی کے باوجود ان کو اُن کے عہدہ سے برطرف کرنے میں حضرت عمرؓ کہاں تک حق بجانب تھے؟ (۱۹۵۲ء، ۱۹۵۵ء)

۶۔ حضرت عمرؓ کے کردار اور ذمیوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۷۔ حضرت عمرؓ سب سے عظیم خلیفہ کہلانے کے کہاں تک حقدار ہیں۔ (۱۹۵۳ء)

۸۔ حضرت عمرؓ نے جو ملکی، فوجی اور مالی ادارے قائم کئے ان کا حال لکھئے۔ (۱۹۵۲ء، ۱۹۵۸ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳۸

حضرت عثمان غنیؓ (۲۴ھ تا ۳۶ھ)

ابتدائی زندگی

حضرت عثمان غنیؓ بنو امیہ کے خاندان سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ ۳ عام الفیل میں عفان کے گھر پیدا ہوئے۔ حضور سے عمر میں تین سال چھوٹے تھے۔ اپنے خاندان کے دوسرے افراد مثلاً ابو سفیانؓ اور مروان وغیرہ سے مزاج میں بالکل مختلف تھے آپ کا پیشہ تجارت تھا اور اس سے کافی مال دار ہو گئے تھے۔ آپ پڑھے لکھے اور شریف انسان تھے۔ فیاضی اور امارت کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شروع ہی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوششوں سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب ان کے چچا حکم کو ان کے اسلام کا علم ہوا تو اس نے ان کو باندھ دیا اور بھوکا پیاسا رکھنے لگا مگر کوئی اذیت بھی آپ کو راہ حق سے نہ ہٹا سکی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ان سے کر دی تھی اور جب سختیاں زیادہ بڑھیں تو حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت عثمانؓ سیدہ رقیہ کو ساتھ لے کر ہجرت کر گئے اور پھر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ ہجرت کر آئے۔

غزوہ بدر کے موقع پر آپؓ کی اہلیہ سخت بیمار تھیں۔ اس لیے حضورؐ کی اجازت سے ان کی تیمارداری میں مصروف رہے اور بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد جتنے غزوات ہوئے آپ ان میں حضورؐ کے ساتھ شریک رہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار سے بات چیت کرنے آپ ہی کو بھیجا گیا تھا اور جب قتل کی افواہ اڑی تو آپ کے بدلہ لینے کی خاطر مشہور بیعت رضوان واقع ہوئی۔

آپؓ نے اسلام کی راہ میں بڑی مالی قربانیاں دیں۔ مدینہ میں ایک کنواں تھا جسے آپؓ نے بیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر آپ نے بعض روایات کے مطابق تہائی فوج کا سازو سامان اور بعض کے مطابق دس ہزار دینار نقد اور ایک ہزار اونٹ دیئے۔ مالی ایثار میں حضرت صدیقؓ کے بعد انہی کا درجہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؓ کو ان کی دلداری کے لیے نکاح میں دے دیا۔ جس کی وجہ آپ کا لقب ذوالنورین (دو نوروں والا) مشہور ہوا۔ خلیفۂ اول اور دوم کے زمانے میں آپ اُن کے معتمد اور مشیر خاص رہے۔ آپ کی دینی خدمات، حسن تدبیر اور صلاحیتوں کو دیکھ کر جن چھ افراد کے نام حضرت عمرؓ نے خلیفہ کے لیے چنے تھے۔ ان میں آپؓ کا نام بھی شامل تھا۔

انتخاب خلافت جب حضرت عمرؓ کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو کبار صحابہؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ خلیفۂ اول کی طرح آپ بھی اپنا جانشین نامزد کر دیں۔ بڑے غور و فکر کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک انتخابی مجلس مقرر کی جس میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص شامل تھے۔ یہ لوگ اس وقت اُمت میں سب سے زیادہ بااثر اور مقبول تھے۔

فاروق اعظمؓ نے طریق انتخاب کے متعلق فرمایا کہ فیصلہ کثرت رائے سے کیا جائے اگر آراء برابر ہو جائیں تو جس طرف عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہوں اسے غالب سمجھا جائے اور جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر زبردستی امیر بننے کی کوشش کرے، اسے قتل کر دینا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے بیٹے عبداللہؓ کو خلافت کے حق سے صاف الفاظ میں محروم کر دیا تاکہ خلافت ایک موروثی منصب نہ بن جائے۔ آپؓ نے یہ بھی حکم دے دیا کہ فیصلہ تین دن کے اندر اندر ہو جانا چاہیے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد یہ لوگ اس مسئلہ پر غور و خوض کے لیے جمع ہوتے لیکن کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔ آخر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے خلافت کے حق سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اس پر مجلس نے ان کو خلیفہ تجویز کرنے کا پورا اختیار دے دیا۔ انہوں نے عام لوگوں میں چل پھر کر معلوم کرنے کی کوشش کی کہ عوام کا رجحان زیادہ تر کس شخص کی طرف ہے۔ حج سے واپس گزرتے ہوئے قافلوں سے دریافت کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے طلحہؓ اور زبیرؓ سے خلافت کے حق سے دست بردار ہونے کی درخواست کی جو ان ہر دو حضرات نے مان لی۔ اب صرف حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان فیصلہ کرنا تھا۔ انصار و مہاجرین سے مشورے کیے۔ دونوں امیدواروں سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کر کے ان کے خیالات کا جائزہ لیا۔ ان کے سوالات کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے بتایا کہ وہ قرآن و حدیث اور خلفاء سابقہ کی پیروی کریں گے مگر حضرت علیؓ نے سابقہ خلفاء کی پیروی کو ضروری قرار نہ دیا۔ اس سب کوشش

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنا دیا جائے ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی وفات کے تین دن بعد نماز فجر پڑھ کر آپ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا ۔ حضرت علیؓ پہلے تو کچھ خفا ہوئے مگر پھر سب کے ساتھ مجمع عام میں حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی ۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کی عمر ستر برس تھی ۔

اشاعت وفروغ اسلام

حضرت عثمانؓ غنی کے زمانہ میں اسلام کے فروغ اور اشاعت کی رفتار جاری رہی ۔ ان کے زمانے میں مسلمانوں نے کئی نئے علاقے فتح کیے اور عملاً اس دور میں ایک طرح سے پوری طرح سے ساسانی خاندان کے آخری تاجدار یزدگرد کے قتل ہونے کے بعد مسلمانوں کا سلطنت ایران پر قبضہ ہو گیا اور دوسری طرف پورا شمالی افریقہ زیر نگیں آ گیا ۔ آپ ہی کے زمانہ میں مسلمانوں نے اپنی بحریہ کو وجود بخشا اور کئی سمندری جزیروں میں اسلام کا علم لہرایا گیا ۔ فاروقی دور میں اسلام کی اشاعت کے جو اسباب ہم گنوا آئے ہیں تقریباً وہی اسباب تھے جن کی بدولت اسلام کا کارواں بڑھتا رہا اور اپنی برکتوں سے خشکی اور تری کو بھر دیا ۔

نئی فتوحات

فارس کی فتح کے بعد عبداللہ بن عامرؓ والی بصرہ اور سعید بن العاص حاکم کوفہ نے مل کر خراسان پر حملہ کیا اسے فتح کر کے والی بصرہ نے کرمان، ہرات، غزنی اور کابل کے علاقوں کو فتح کر لیا ادھر آرمینیہ اور آذربائیجان پر پوری طرح کنٹرول کر لیا گیا ۔

ایران میں اشاعت اسلام کے وجوہ

ایران میں اسلام کی اشاعت کے کئی اسباب جمع ہو گئے تھے ۔ ایران میں اس وقت کئی مذاہب کے ماننے والے موجود تھے ۔ ان میں زیادہ تعداد زرتشت کے ماننے والوں کی تھی ۔ ان کے علاوہ یہودی، عیسائی، صابی اور دوسرے کئی مذاہب کے ماننے والے موجود تھے ۔ سرکاری مذہب زرتشت کا تھا اور اس مذہب کے علما حکمرانوں کے ساتھ مل کر دوسرے مذاہب کے پیروکاروں پر بڑے مظالم کرتے تھے ۔

اس بات نے عوام کو حکومت سے اور زیادہ بدظن کر دیا تھا ۔ چنانچہ جب اسلام نے ان تمام علاقوں کو فتح کر لیا، ان تمام مذاہب کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا اور معمولی سی جزیہ کی رقم کے بدلے ان کو جان و مال اور مذہب کی حفاظت نصیب ہو گئی تو ان کا رجحان اسلام کی طرف ہو گیا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیسائیوں پر ایرانی حکمرانوں نے جو مظالم توڑے تھے اس سے ان کے اندر بڑی مایوسی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ان کے اپنے اندر بڑے نقائص تھے۔ اخلاقی کمزوریاں بھی بہت تھیں۔ ان حالات میں انسانی ذہن کسی امید کی کرن کا متلاشی ہوتا ہے چنانچہ یہ کرن اسلام ثابت ہوا۔

ایرانیوں کو اسلام کے قبول کرنے پر کئی باتوں نے آمادہ کیا۔ ان کے سابقہ مذہب کے کئی تصورات نئے حکمرانوں کے مذہب سے ملتے جلتے تھے مثلاً یزدان و اہرمن کا تصور یہاں بھی خدا اور شیطان کے ناموں سے موجود تھا۔

زرتشت کے مذہب میں بھی کائنات کی تخلیق چھ دوروں میں بیان کی گئی تھی اور اسلام بھی یہی کہتا تھا۔ فرشتوں اور جنوں کے متعلق عقیدہ بھی مشترک تھا۔ آخرت، جنت اور دوزخ کے عقائد بھی ملتے جلتے تھے بلکہ بعض روزانہ کی عبادات بھی مشابہ تھیں مثلاً زرتشیوں کی مذہبی کتاب اوستا میں بھی دن میں پانچ مرتبہ عبادت کرنے کا حکم تھا اور اسلام بھی اپنے پیروکاروں کو پانچ نمازوں کا حکم دیتا ہے۔[1]

شمالی ایران میں اس وقت بعض ایسے قبائل تھے جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہر شخص اپنے گھر میں مصلح ہے۔ اسے کسی بیرونی واعظ کی ضرورت نہیں اور انسان اشرف المخلوقات ہے۔ روح غیر فانی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے ہمسائے سے محبت کرے۔ خواہشات نفسانی کو قابو میں رکھے اور صبر کے ساتھ بہتر و نیک زندگی کے لیے جدوجہد کرے۔[2]

یہ عقائد ایسے تھے کہ ان کے ماننے والوں کو رسول کریم کی تعلیمات پر ایمان لانے کی بڑی آسانی سے ترغیب دی جا سکتی تھی۔

یہ وہ مختصر وجوہ تھے جن کی بنا پر حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ حکومت میں جب اسلام نے ایران کی سرزمین پر پوری طرح تسلط جما لیا تو وہاں کثرت سے اسلام پھیلا، اور ہر مذہب کے بے شمار پیروکار دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

بقیہ اسلامی مقبوضات میں بھی آہستہ آہستہ اسلام سرایت کرتا گیا۔

---

[1] THE PREACHING OF ISLAM. P. 209-10

[2] تاریخ ڈوزی ص ۱۹۱۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آرمینیہ اور شمالی افریقہ میں اشاعت اسلام

آرمینیہ وغیرہ کے علاقوں میں عیسائیوں کے بڑے بڑے مشہور گرجاگھر تھے جو ان کی مذہبی سرگرمیوں کے مراکز تھے اور لوگوں پر ان کی گرفت بڑی مضبوط تھی تاہم کئی لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اگرچہ ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔

شمالی افریقہ میں رومیوں اور ونڈالوں کی کشمکش ایک عرصہ سے جاری تھی۔ ونڈال قوم نے تقریباً ایک سو سال تک عیسائیوں کو ستایا مگر رومیوں کے شہنشاہ جسٹینین نے اُن کے اوپر ایسی تباہی مسلط کی کہ ان کے ۵ لاکھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس طرح پوری قوم کا خاتمہ ہوگیا۔ مسلمانوں نے اس علاقے کو فتح کرکے لوگوں کو اطمینان وسکون کی نئی زندگی سے ہمکنار کیا اور اس طرح بہت سے مقامی غلام باشندوں اور عیسائیوں میں سے لوگ اسلام لے آئے۔

فتنہ سبائی کا آغاز

بدقسمتی سے حضرت عثمانؓ کے زمانۂ حکومت میں دورِ فتن کا آغاز ہوگیا اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ بند ہوگیا۔ اس کے برعکس داخلی انتشار پیدا ہونے لگا اور بعض لوگوں کی مفسدانہ سرگرمیوں نے اس حد تک طول پکڑا کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیے گئے۔ اس شہادت نے تاریخ اسلام پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں اس فتنہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

عبداللہ بن سبا کی سرگرمیاں

عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا۔ اسلام کی سربلندی سے یہودیوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا تھا وہ اس کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ یہودی رہتے ہوئے اس کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔ اس لیے وہ بظاہر مسلمان ہوگیا اس منافق نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز اہل بیت کی محبت کے نام پر کیا۔ اس نے لوگوں میں عجیب وغریب عقائد پھیلانے شروع کردیے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں دوبارہ آئیں گے اس نے یہ بھی کہا کہ ہر نبی کا ایک وصی (جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو) ہوتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی علیؓ ہیں اس لیے ابوبکرؓ وعمرؓ اور عثمانؓ غاصب ہیں۔ خلافت پر اصل حق صرف حضرت علیؓ کا ہے۔ اس کے نظریات کو شام، بصرہ عجمیوں میں کچھ حامی مل گئے کیونکہ عجم صدیوں سے موروثی بادشاہت کا عادی تھا اس لیے قرابتداری عجمیوں کے نزدیک جانشینی کی واحد بنیاد تھی۔ عبداللہ بن سبا نے اس طرح سے دشمن رو

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اندر بہت سے لوگ شامل کر لیے۔

سازش

حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش کی ابتدا اس سے ہوئی کہ ابن سبا نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نعرہ لگا کر لوگوں کو ساتھ ملایا۔ اس کے بعد اس نے حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ اکثر عمال اموی تھے اس لیے اس نے حضرت عثمانؓ پر کنبہ پروری کا الزام لگانا شروع کر دیا۔ مفتوحہ قومیں چونکہ طبعاً شاہ پسند تھیں اس لیے ان پر حب اہل بیت کا جادو چلنے لگا اور چونکہ اسلام ان کے دل میں اچھی طرح نہیں اترا تھا اس لیے وہ عبداللہ بن سبا کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بعض مخلص اور سادہ دل بزرگ بھی ابن سبا کے جھانسے میں آ گئے۔ ابن سبا نے اپنے کام کا آغاز بصرہ سے کیا تھا لیکن ابن عامرؓ والی بصرہ نے اُسے بصرہ سے نکال دیا تو وہ مصر جا پہنچا اور مصر ہی میں اپنی تحریک کو فروغ دیا۔

بغاوت کا آغاز

بغاوت کا آغاز کوفہ سے ہوا۔ اشتر نخعی اور اس کے ساتھیوں نے حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ سعید بن العاصؓ حاکم کوفہ نے حضرت عثمانؓ کے پاس شکایت کی تو حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو امیر معاویہؓ کے پاس شام بھجوا دیا۔ امیر معاویہؓ نے انھیں سختی سے سمجھایا اور وہ لوگ بظاہر تائب ہو گئے۔

یزید بن قیس کا خروج

عبداللہ بن سبا اور اس کے حامی خفیہ طریق سے حضرت عثمانؓ کے خلاف منافرت پھیلانے میں مصروف رہے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے واقف کاروں کے نام خطوط لکھتے تھے جن میں عثمانی عمال کے مظالم کی من گھڑت کہانیاں لکھتے تھے ان خطوط کو دکھا کر ہر علاقے کے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ سوائے ان کے علاقے کے باقی سب جگہ مظالم ہو رہے ہیں۔ جب یہ سازشی تحریک قدرے آگے بڑھی تو سب سے پہلا عملی اقدام کوفہ میں یزید بن قیس نے اٹھایا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ کی راہ لی تاکہ حضرت عثمانؓ سے دست برداری کا مطالبہ کیا جا سکے۔ راستے میں قعقاع بن عمروؓ نے انھیں گرفتار کر لیا لیکن جب اس نے کہا کہ ہم تو صرف سعیدؓ بن العاص کی معزولی چاہتے ہیں تو اسے چھوڑ دیا۔ اس نے اشتر نخعی کو شام سے بلالیا۔ سعیدؓ بن العاص بھی مدینہ سے آتے ہوئے انھیں مل گئے۔ اشتر نے ان کے غلام کو قتل کر ڈالا اور کہا کہ "عثمانؓ سے کہو کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھیج دے"۔ سعید بن العاص واپس لوٹ گئے اور حضرت عثمانؓ سے گزارش کی کہ فتنہ پسندوں نے میری معزولی کو بہانہ بنایا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ ابو موسیٰؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشعری کو بھیج دیں۔ حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو گورنر کوفہ مقرر فرما دیا اور وقتی طور پر فتنہ دب گیا۔

عمال سے مشورہ

جب ہر طرف سے فساد کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمانؓ نے صورت حال پر غور کرنے کے لیے اپنے گورنروں کی ایک میٹنگ بلائی اور ان سے اس صورت حال کو ختم کرنے کے لیے مشورہ طلب کیا۔ عبداللہ بن عامرؓ والی بصرہ کی رائے یہ تھی کہ لوگوں کو جہاد میں لگا دیا جائے تاکہ ان کی توجہ فتنہ و فساد کی طرف نہ جا سکے۔ سعیدؓ بن العاص نے شورش پسند لیڈروں کے خاتمے کا مشورہ دیا۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ ہر گورنر کو اپنے علاقے میں امن کا ذمہ دار قرار دیا جائے اور شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ عبداللہؓ بن سعد نے شورش پسندوں کو مال و دولت سے راضی کرنے کا مشورہ دیا۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا: آپ لوگوں کی مرضی کے خلاف کام کرتے ہیں، انصاف سے کام لیجیے یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجیے ورنہ پھر ہمت کرکے جو دل میں آئے کیجئے۔ یہ عمروؓ کی رائے بہت عجیب تھی، لیکن مجلس کے خاتمے کے بعد عمرو بن العاص نے وضاحت کی کہ مجھے معلوم تھا کہ مخالفین ہماری گفتگو کی ٹوہ میں ہیں۔ میں نے یہ رائے اس لیے دی تاکہ وہ مجھے اپنا ہم خیال سمجھ کر راز دار بنائیں اور مجھے آپ کو ان کے شر سے بچانے کا موقعہ ملے۔ اس اجلاس کے بعد حضرت عثمانؓ نے عمال کو اپنے علاقوں میں واپس جانے کا حکم دیا۔

حضرت علیؓ اور اکابر صحابہؓ کا مشورہ

عبداللہ بن سبا کے مرد وار ہر طرف پروپیگنڈے میں مصروف تھے۔ اس نازک صورت حال میں حضرت زید بن ثابت انصاریؓ، ابو اسید ساعدیؓ، کعب بن مالکؓ اور حسان بن ثابتؓ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت علیؓ نے پہلے حضرت عثمانؓ کی شان اور مرتبہ کا اعتراف کیا اور پھر بعض عمال کی تقرری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ حضرت عثمانؓ نے وضاحت کی۔ حضرت علیؓ نے عمال پر سخت کنٹرول رکھنے کا مشورہ دیا۔ حضرت عثمانؓ نے عام مسلمانوں کے اجتماع میں اس وقت کے حالات کے بارے میں ایک تقریر کی اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیے۔

تحقیقاتی کمیشن

آپ نے صحابہ کرامؓ کے مشورے سے صوبوں کے حالات دریافت کرنے کے لیے کبار صحابہؓ کو بھیجنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ، اسامہ بن زید

۱؎ طبری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو مصر، عمار بن یاسر کو مصر اور عبداللہ بن عمر کو شام بھیجا گیا۔ ان بزرگوں نے عوام سے رابطہ قائم کیا، افسروں سے گفتگوئیں کیں۔ عام حالات اور گورنروں کے طرز عمل کا جائزہ لیا اور سوائے حضرت عمار بن یاسر کے باقی سب نے رپورٹ دی کہ حالات بالکل درست ہیں۔ ہر طرف امن وامان ہے۔ صرف چند شورش پسند سازشوں میں مشغول ہیں۔ البتہ عمار بن یاسر جو بہت سادہ دل بزرگ تھے سبائیوں کے ہاتھ آگئے اور دیر سے مدینہ لوٹے۔

اعلان عام

حضرت عثمانؓ نے اس تحقیقات کے بعد بھی عوام کے اطمینان کے لیے ایک اعلان عام جاری فرمایا کہ جس کسی کو میرے کسی عامل کے بارے میں شکایت ہو وہ حج کے موقعہ پر اس کی شکایت کرے اور اپنا حق وصول کرے۔ آپ نے عمال کو لکھ بھیجا کہ سب کے سب حج پر آئیں۔ حج کے موقع پر کسی عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش نہیں کی گئی۔

حج کے خاتمہ پر آپؓ نے پھر عمال سے مشورہ کیا۔ سعید بن العاص نے سازش کے سرغنوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ عبداللہ بن سعد نے کہا جب آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں تو آپ ان سے فرائض کا بھی مطالبہ کیجیے۔ امیر معاویہؓ نے شام کے بارے میں اطمینان دلایا کہ میرے ہاں کوئی بدامنی نہیں ہے۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ عمرؓ سے زیادہ لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کا طریقہ اختیار کیجیے سختی کے موقع پر سختی کیجیے اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجیے۔

حضرت عثمانؓ نے عمال کو ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے جاتے ہوئے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ حالات خراب ہو رہے ہیں اس لیے میرے ساتھ شام چلے چلیے لیکن حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں شام سے فوج بھیج دوں جو بوقت ضرورت آپ کی حفاظت کرے لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں ہمسائیگان رسولؐ کو فوج کے مصائب میں مبتلا نہ کروں گا۔ امیر معاویہؓ نے کہا: مجھے آپ پر ناگہانی حملہ کا خطرہ ہے آپ نے اس کے جواب میں صرف حَسْبِیَ اللّٰهُ نِعْمَ الْوَكِيْل کہا۔

شورش پسندوں کا مدینہ پر حملہ

صورت حال دن بدن خراب ہوتی چلی گئی اگلے سال شوال میں بلوائیوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حج کی وجہ سے مدینہ کے باشندے بھی کافی تعداد میں مکہ روانہ ہو گئے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوفہ، بصرہ اور مصر سے ایک ایک ہزار سبائی حج کے بہانے سے مدینہ آوارد ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر انھوں نے حضرت علیؓ، زبیرؓ، و طلحہؓ کو ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن سب نے انہیں جھڑک دیا۔ شورش پسندوں نے اہم ناکوں پر قبضہ کر کے اپنی پوزیشن مستحکم کر لی تھی۔ جمعہ کا دن آیا تو حضرت عثمانؓ نے خطبہ جمعہ دیا اور نماز کے بعد باغیوں کی فہمائش کی۔ باغیوں نے مسجد پر پتھراؤ شروع کر دیا اور حضرت عثمانؓ کو اتنے پتھر لگے کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کو گھر پہنچایا۔ آپ نے حضرت علیؓ سے باغیوں کو سمجھانے کے لیے کہا۔ حضرت علیؓ نے ۳۰ صحابہ کی جماعت کے ساتھ جن میں مہاجرین و انصار دونوں شامل تھے۔ باغیوں کو سمجھایا اور انہیں واپس جانے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ باغی مدینہ سے باہر اپنی لشکر گاہوں کی طرف واپس لوٹ گئے۔

حضرت علیؓ کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ نے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کی جس میں آئندہ کے لیے اپنی پالیسی کی وضاحت کی۔ یہ تقریر اتنی پرسوز تھی کہ صحابہ کرامؓ روتے رہے۔

خلافت سے دست برداری کا مطالبہ

اگلے روز بلوائی پھر غیر متوقع طور پر مدینہ آدھمکے اور ان کے قائدین علی اور محمد بن مسلمہؓ جو ان کو سمجھا بجھا کر واپس بھیجنے میں پیش پیش تھے کو ساتھ لے کر حضرت عثمانؓ سے ملے اور اس خط کے بارے میں سوال کیا جو انہوں نے ایک سرکاری قاصد سے چھینا تھا اور جس میں عامل مصر کو ان کو سخت سزا دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اس خط سے لاعلمی کا اظہار کیا چنانچہ محمد بن مسلمہ نے فرمایا یہ کام مروان کا ہے۔ لیکن بلوائی اس خط کی وجہ سے برہم ہو گئے تھے اور انہوں نے کہا، تعجب کا مقام ہے کہ اس قسم کے خطوط تمہاری مہر سے لکھے جائیں اور تمہارا غلام لے کر جائے، اور تم کو اس کی اطلاع نہ ہو۔ پس تم جھوٹے ہو یا سچے، ہر صورت تم کو معزول کرنا مناسب ہے کیونکہ جھوٹے کو مسلمانوں کا والی بنانا جائز نہیں ہے اور اگر تم سچے ہو تو تم اس قدر کمزور اور ضعیف ہو گئے ہو کہ بلا اجازت و اطلاع جس کا جو جی چاہتا ہے کرتا ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم خود خلافت چھوڑ دو۔ امیر المومنین عثمانؓ نے فرمایا: "میں اس لباس کو نہیں اتارنا چاہتا جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنایا ہے۔" ہاں اگر مجھ سے غلطی ہوئی تو توبہ کر لوں گا۔ لیکن بلوائی نہ مانے اور شور کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے بڑی مشکل سے انہیں وہاں سے ہٹایا اور خود بھی واپس لوٹ آئے۔

۱؎ تاریخ ابن خلدون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ

بلوائیوں نے اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے مکان کو گھیر لیا۔ اہل مدینہ بھی مدافعت کے لیے جا پہنچے لیکن حضرت عثمانؓ نے انہیں قسم دے کر واپس کر دیا۔ صرف حسنؓ بن علی، محمدؒ بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیرؓ دروازے پر پہرہ دیتے رہے۔ چالیس روز تک یہ محاصرہ ایسے ہی جاری رہا۔ یہاں تک کہ خبر مشہور ہوئی کہ اسلامی فوجیں دوسرے صوبوں سے مدینہ پہنچ رہی ہیں۔ بلوائیوں نے محاصرہ سخت کر دیا اور حضرت عثمانؓ کا پانی بند کر دیا۔ حضرت علیؓ اور ام المومنین ام حبیبہؓ نے بلوائیوں کو سمجھا بجھا کر حضرت عثمانؓ کو پانی اور کھانے کی چیزیں پہنچانے کی کوشش کی لیکن بلوائیوں نے اجازت نہ دی۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا تو بھی بلوائیوں نے انہیں اندر جانے کی اجازت نہ دی اور آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور کہا کہ "جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر کہہ دو۔"[۱]

حضرت عثمانؓ کی تقاریر

جب عثمانؓ ذوالنورین ہر طرف سے کٹ گئے تو انہوں نے اتمام حجت کے لیے چھت پر سے بلوائیوں کو مخاطب کیا اور اپنی پوزیشن کی وضاحت کی۔ آپ نے متنبہ کیا کہ "یاد رکھو خدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ جہاد کر سکو گے۔"[۲] آپ نے اپنی خدمات اسلام گنوائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مرتبہ آپ کو دیا تھا اس کا ذکر کیا، لیکن شورش پسند ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر میں آپ نے ان سے سوال کیا کہ اسلام میں کسی انسان کا قتل صرف تین صورتوں میں جائز ہے۔ کوئی شادی شدہ آدمی زنا کرے یا کوئی قتل عمد کا ارتکاب کرے یا اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے۔ میں نے ان تینوں میں سے کون سا جرم کیا ہے کہ تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت

اس مرحلے پر صحابہ کرامؓ نے جنگ کی اجازت طلب کی۔ زید بن ثابتؓ انصار کی جماعت لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے نوجوان ساتھی بھی قصر خلافت ہی میں موجود تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرما دیا اور باقی کو خدا کی قسم دے کر لڑنے سے منع کیا۔ مغیرہ بن شعبہ نے جو عرب کے مدبرین میں شمار ہوتے تھے مشورہ دیا کہ تین میں سے ایک صورت اختیار

---

۱ طبقات ابن سعد

۲ طبقات ابن سعد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیجئے یا تو ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلئے اور مقابلہ کیجئے یا پچھلی دروازے سے نکل کر مکہ کی طرف نکل جائیے کہ وہاں امن ہے یا شام چلے جائیے کہ وہاں معاویہؓ موجود ہیں لیکن حضرت عثمانؓ نے ان میں سے کوئی مشورہ بھی قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں جوار رسول ﷺ نہیں چھوڑنا چاہتا اور نہ اپنی جان کے لیے مسلمانوں کی خونریزی پسند کرتا ہوں چنانچہ آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ شہید کر دیے جائیں گے۔

دروازے پر امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، محمد بن طلحہؓ اور بہت سے صحابہ زادے پہرہ دے رہے تھے۔ شورش پسندوں نے دروازے سے اندر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن صحابہ زادوں سے شکست کھانے کے بعد وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے دروازوں کو آگ لگا دی۔ اسی دوران میں کچھ بلوائی دوسرے مکانوں پر چڑھ کر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ تلاوت قرآن پاک میں مصروف تھے۔ محمد بن ابی بکر جو حضرت عثمانؓ کے مخالفین میں پیش پیش تھا آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کو داڑھی سے پکڑ لیا لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "بھتیجے! تمہارے والد تمہیں دیکھتے تو تمہارا یہ فعل کبھی بھی پسند نہ کرتے۔" طبری کی ایک روایت ہے کہ محمد بن ابی بکر شرمندہ ہو کر واپس لوٹ آئے تھے۔ ایک اور شخص آگے بڑھا اور اس نے قرآن پاک کو پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ کنانہ بن بشر نے آپ کی پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ ماری جس سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور آپ گر کر بے ہوش ہو گئے اور ایک ظالم نے سینے پر بیٹھ کر کئی وار کیے اور آپؓ کو شہید کر ڈالا۔ حضرت نائلہ بچانے کے لیے آئیں تو ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ اس طرح سے وہ عظیم سانحہ پیش آیا جس نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر ڈالا۔

تجہیز و تکفین

حضرت عثمانؓ کی شہادت جمعہ کے دن ہوئی۔ مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا اور خوف کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ ایک دن لاش مبارک بے گور و کفن پڑی رہی۔ ہفتہ کی شام کو بعض صحابہؓ نے ہمت کی اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر سی جماعت نے سپرد خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا۔

شہادت کے نتائج

۱۔ اضطراب: فوری طور پر اس شہادت کی خبر سے ہر طرف اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ وہ صحابہ کرامؓ جو حضرت عثمانؓ سے اختلاف کیا کرتے تھے سخت پریشان ہوئے۔ حضرت علیؓ نے خبر سنی تو دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔" حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا "اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے۔" اور اسی طرح کے دوسرے تبصرے اس اضطراب و بے چینی کا پتہ دیتے ہیں جس نے مدینہ بھر کے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ مسلمانوں کے اتحاد کا خاتمہ: اس واقعہ نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو پارہ پارہ کر ڈالا اور حضرت عثمانؓ کی وہ پیش گوئی بالکل درست ہوئی کہ اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا تو تم قیامت تک نہ اکٹھے نماز پڑھ سکو گے نہ جہاد اکٹھے کر سکو گے۔ اس واقعہ نے فوراً ایک طبقہ جنم دیا جو حضرت عثمانؓ کے خون کے دعویدار تھے یہ لوگ عثمانی کہلاتے حضرت علیؓ کی حمایت میں رہنے والے لوگ شیعانِ علیؓ کہلائے۔ ایک تیسرا گروہ جو سرحدوں پر جہاد میں معروف تھا، غیر جانبدار ہو گیا۔ اس طرح باہمی الزامات اور غلط فہمیوں کا وہ طویل سلسلہ شروع ہوا جس نے مسلمانوں کے اتحاد کو ہمیشہ کے لیئے ختم کر ڈالا۔

۳۔ خلافت کی نوعیت میں تبدیلی: اس واقعہ سے پہلے تمام خلفائے اسلام انتخاب کے ذریعے خلیفہ بنائے گئے تھے لیکن اس واقعہ کے بعد امیر معاویہؓ نے قصاص عثمانؓ کی دعوت کی بنیاد پر اپنی خلافت قائم کر لی اور اس کے بعد اسے موروثی بنا ڈالا۔

فتنہ کے اسباب

حضرت عثمانؓ کے عہد میں یہ جو فتنہ رونما ہوا اس کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ کبار صحابہؓ کی کمی: عہد فاروقی تک حکومت کے اہم مناصب بڑے بڑے صحابہؓ کے پاس تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے شجرِ اسلام کو خون پسینے سے سینچا تھا اور جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان میں سے بہت سے فوت ہو چکے تھے اور جو باقی تھے وہ اتنے معمر ہو گئے تھے کہ ذمہ داریاں سنبھالنا ان کے لیئے مشکل ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ مناصب حکومت ان لوگوں کے ہاتھ آئے جو نہ تو اس حد تک محترم تھے اور نہ ہی دین کے ساتھ اس حد تک مخلص عوام کے اندر ان کے خلاف ردعمل پیدا ہونا غیر فطری نہ تھا۔

۲۔ اکابر قریش کو مدینے سے باہر جانے کی اجازت: فاروق اعظمؓ نے قریش کے سرداروں کو مفتوحہ علاقوں میں زمینیں خریدنے اور آباد ہونے سے منع فرما دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس پابندی کو اٹھا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ پرست قوموں نے انہیں "شہزادے" بنا ڈالا اور بعض لوگ ان سے حسد کرنے لگے۔ اس طرح انتشار پیدا ہوا۔

۳۔ مفتوحہ قوموں کا جذبۂ انتقام: جو قومیں حربوں سے شکست کھا گئی تھیں ان کے بعض افراد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابھی تک عربوں سے انتقام لینے کی سوچ رہے تھے چنانچہ ابن سبا نے یہ سارا ہنگامہ اسی جذبے کے تحت کھڑا کیا۔

۴۔ دولت کی فراوانی اسلامی فتوحات کی بدولت مسلمانوں میں دولت کی فراوانی ہو گئی تھی اور دولت کی زیادتی سے مزاج پر جو اثرات ہوتے ہیں وہ ظاہر ہونے لگے تھے۔

۵۔ قبائلی تعصب عرب میں قبائلی تعصب قدیم زمانے سے ہی موجود رہا تھا۔ قریش حکومت کے سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ اس سے ان کے ذہن میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ خود قریش کے مختلف قبائل بھی باہمی اتحاد نہ رکھتے تھے بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان قدیم چپقلش موجود تھی۔ اگرچہ بنو ہاشم نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے خلاف کوئی ناروا قدم نہیں اٹھایا لیکن مفسدوں نے اس کش مکش سے فائدہ اٹھایا۔

۶۔ عبداللہ بن سباء کی سازش عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے خلاف انتہائی کامیاب سازش کی کہ عثمانی عمال اس کا حساب نہ کر سکے

۷۔ اُموی عمال کا تقرر حضرت عثمانؓ کے نزدیک صوبوں کی حکومت کے لیئے جو لوگ قابل اعتماد تھے وہ اموی ہی تھے۔ حضرت عثمانؓ نے خواہ کتنے ہی خلوص سے ان کو مقرر کیا ہو۔ مخالفین کو کنبہ پروری کا الزام لگانے کا موقع ہاتھ آ جاتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے باوجود توجہ دلانے کے ان عمال کو برقرار رکھا اس سے مفسد بہت برہم ہوئے۔

۸۔ حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی حضرت فاروق اعظمؓ نہایت سخت گرفت کرنے کے عادی تھے۔ اس کے برعکس حضرت عثمانؓ کا مزاج نرمی کی طرف مائل تھا آپ کے عمال اپنے معاملات میں تقریباً آزاد تھے وہ اپنے صوبوں میں جو چاہتے کرتے آپ کے مخالفین کھلم کھلا آپ کے خلاف سازشیں کرتے لیکن آپ اُن پر گرفت نہ فرماتے۔ فتنہ وفساد برپا ہونے کے باوجود آپ نے صحابہؓ کو مفسدین کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی اس نرم مزاجی کی بدولت ابن سباء کی سازشیں کامیاب ہو گئیں۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کا جائزہ

الزامات: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو الزامات عائد کیے گئے وہ حسب ذیل ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ کبار صحابہ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا۔
۲۔ بعض اکابر صحابہؓ ابوذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ بدسلوکی کی۔
۳۔ بیت المال کا روپیہ ناجائز خرچ کیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں مثلاً طرابلس کے مال غنیمت کا خمس مروان کو دیا اور عبداللہ بن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ دیا۔
۴۔ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا۔
۵۔ اموی عمال کی بدعنوانیوں کا تدارک نہ کیا۔
۶۔ حدود کے اجرا میں تغافل برتا۔
۷۔ ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے۔
۸۔ حکم بن العاص کو آنحضرتؐ نے جلاوطن کر دیا تھا۔ آپؓ نے اسے واپس مدینہ بلا لیا۔
۹۔ مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔

الزامات کا تجزیہ

کبار صحابہؓ کو معزول کرنا فی نفسہٖ کوئی جرم نہیں۔ حضرت فاروقؓ نے بھی خالدؓ بن ولید کو معزول کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو اس لیے معزول کیا کہ حضرت عمرؓ وصیت فرما گئے تھے۔ ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ کے لوگوں کی شکایت کی وجہ سے معزول کیا گیا۔ سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی کا سبب ان کے ناظم بیت المال عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ جھگڑا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ ضعف پیری کی وجہ سے الگ کیے گئے اور ان کی جگہ حضرت زیدؓ بن ثابت کو مقرر کیا گیا۔ عمروؓ بن العاص کو معزول کرنے کی وجہ مصر کے خراج میں کمی تھی اور آپ کے جانشین عبداللہ بن ابی سرح نے جاتے ہی وہ کمی پوری کر دی۔

اپنے خاندان کے نوجوان اور ناتجربہ کار لوگوں کو مقرر کرنے کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ خراسان سے شمالی افریقہ تک بعض گورنر بنو امیہ سے متعلق تھے اور خود امور خلافت میں مروان بن الحکم اموی کو بہت زیادہ دخل حاصل تھا۔ تاہم ان عثمانی عمال کی سیاسی بصیرت اور فوجی قابلیت کی بدولت اسلامی سلطنت کی سرحدات چین، جیحون اور ہندوستان سے مل گئی تھیں۔

۲۔ اکابر صحابہؓ کے ساتھ بدسلوکی کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ دولت رکھنے کے اس حد تک مخالف تھے کہ ان کے مذہب میں صبح کے لیے کھانا رکھ کر سونا بھی جائز نہ تھا اس لیے وہ امیر معاویہؓ کے خلاف شام میں وعظ کہتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے انہیں دارالخلافہ بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ سے انہیں تنہائی کی خواہش کی تو وہ اجازت لے کر ایک ویران جگہ ربذہ چلے گئے۔ حضرت عثمانؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے دو خادم ان کے ساتھ کر دیئے۔ ان کے ساتھ بدسلوکی والی بات بالکل بے بنیاد ہے۔

حضرت عثمانؓ ساری امت کو مصحف صدیقی پر جمع کرنا چاہتے تھے اس لیئے انہوں نے باقی مصاحف کو جلا دینے کا فیصلہ کیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ اپنا مصحف حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو حضرت عثمانؓ کو اتحادِ ملت برقرار رکھنے کے لیے سختی کرنی پڑی اور ان کا وظیفہ بھی بند کر دیا گیا عمارؓ بن یاسر کو تحقیقاتی مشن پر مصر بھیجا گیا تھا وہ وہاں سبائی گروہ سے متاثر ہو گئے اور بہت دیر سے مدینہ لوٹے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ان کی فہمائش کی کیونکہ غیر جانبدارانہ تحقیق کرنے والے کسی شخص کے لیئے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ ایک سازشی عنصر کے ساتھ راہ و رسم بڑھائے۔

۳۔ بیت المال کے مال میں سے ناجائز اخراجات کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے مال میں سے اپنے رشتہ داروں کو تحائف دیتے رہتے تھے اور مخالفین نے ان تحائف کو بیت المال کی طرف منسوب کر دیا، حالانکہ حضرت عثمانؓ بہت مالدار آدمی تھے اور انہیں اپنا مال خرچ کرنے کا پورا اختیار تھا۔ مروان بن الحکم نے طرابلس کا مال غنیمت ۵ لاکھ میں خریدا تھا۔ عبداللہ بن ابی سرا کی حوصلہ افزائی کے لیئے حضرت عثمانؓ نے اس سے خمس غنیمت کے پانچویں حصے کا وعدہ کیا تھا لیکن جب لوگوں نے اعتراض کیا تو اس سے واپس لے لیا۔

۴۔ بقیع کی چراگاہ کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے اپنی پوزیشن خود واضح فرمائی کہ ان کے پاس اس وقت صرف دو اونٹ تھے جو حج کے لیے رکھے ہوئے تھے۔ دو اونٹوں کے لیئے چراگاہ وقف کرنا ویسے بھی بعید از قیاس ہے۔ یہ چراگاہ عہد فاروقی ہی سے بیت المال کے جانوروں کے لیئے وقف تھی اور حضرت عثمانؓ نے بھی اسے حسب سابق بیت المال ہی کے لیئے مخصوص رکھا

۵۔ اموی عمال کی بدعنوانیوں کے تدارک کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے بار بار اعلان فرمایا کہ ان سے متعلق اگر کوئی شکایت ہو تو پیش کی جائے، میں تدارک کے لیئے تیار ہوں لیکن اعلان عام کے باوجود کوئی شکایت پیش نہ کی گئی۔

۶۔ حدود کے بارے میں تغافل کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ عبداللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے قتل کی بنا پر قتل نہیں کروایا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے چند روز بعد ان کے صاحبزادے کو قتل کروانا مناسب معلوم نہیں ہوتا تھا اور ارکان شوریٰ کی اکثریت اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ کی ہم نوا تھی کہ خون بہا ادا کر دینا بہتر ہے۔ حضرت عثمانؓ نے وہ گرہ سے ادا کر دیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری مثال ولید بن عقبہ پر شراب کی حد کے اجرا میں تاخیر ہے۔ ولید کوفہ کا گورنر تھا، اس کے بارے میں جب یہ شکایت موصول ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے اس وقت تک توقف کیا۔ جب تک مطلوبہ گواہی میسر نہ آگئی اور گواہی میسر ہونے کے بعد حد جاری کروادی۔

۷۔ ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف کو جلا دینا امت محمدیہ پر بڑا احسان ہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت پوری اُمت ایک قرآن پر جمع رہی اس کو غلط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

۸۔ حکم بن العاص کی واپسی کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے وضاحت فرما دی تھی کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی واپسی کی اجازت حاصل کر لی تھی۔

۹۔ مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی صورت حال صرف اتنی ہے کہ مروان بن الحکم نے آپ کے علم و رضا کے بغیر گورنر مصر کے نام وہ خط لکھا تھا جس میں باغیوں کو سزا دینے کی ہدایت تھی۔ حضرت عثمان کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔

ان الزامات کو زیادہ اہمیت اس لیے مل گئی تھی کہ عثمانی دور کے تقریباً تمام گورنر اُموی تھے اور بعض لوگوں کے نزدیک یہ بات قابل اعتراض نیز مروان بن الحکم جس کو آپ نے سیکرٹری بنایا ہوا تھا، قابل اعتماد نہ تھا اور اس نے صورت حال کو بگاڑنے میں کافی حصہ لیا۔ حضرت عثمانؓ اپنی طبعی نرم مزاجی کی وجہ سے اس کی بے اعتدالیوں کا علاج نہ کر سکے۔

نتائج شہادت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اسلامی تاریخ کے واقعات میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں سے اسلامی اُمت کے درمیان اختلاف و افتراق کا بیج پڑ جاتا ہے۔ اسلامی فتوحات رک جاتی ہیں اور خانہ جنگی کا آغاز ہو جاتا ہے شیعہ، سُنی اور خارجی فرقے آگے چل کر معرض وجود میں آتے ہیں۔ اسلامی نظام مجروح ہو جاتا ہے اور اشاعت اسلام کا کام بالکل بند ہو جاتا ہے۔ جن قبائلی تعصبات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طویل محنت سے بالکل دبا دیا تھا، وہ دوبارہ سر نکال لیتے ہیں۔ اسی شہادت کا یہ نتیجہ بھی نکلا کہ خلافت راشدہ کے چوتھے حکمران کو اپنے پورے زمانہ میں بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون سے آغاز ہوا اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہہ کر بھی اس کا اختتام نہ ہوا۔

سیرت و اخلاق

حضرت عثمان غنیؓ اپنی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ رکھتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ آپ نہایت رحم دل، خوش اخلاق اور خدا ترس انسان تھے۔ حیاداری میں اتنے نمایاں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ فرشتے بھی عثمانؓ سے حیا کرتے ہیں۔

آپ عرب کے چند پڑھے لکھے لوگوں میں سے ایک تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی کتابت بھی کچھ عرصہ کرتے رہے۔ قرآن مجید کے حافظ تھے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے اندازہ دولت دی تھی مگر کبھی انہوں نے اپنے ذاتی عیش پر اُسے خرچ نہ کیا۔ سادہ لباس اور سادہ غذا استعمال فرماتے خدا کی راہ میں خرچ کرتے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے۔ کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ ہزاروں بے نواؤں کی کفالت و سرپرستی فرمائی۔

آپ کے اندر حد درجہ کی صلہ رحمی تھی۔ رشتہ داروں کا بہت خیال فرماتے۔ ان کی ہر ممکن مدد فرماتے۔ اپنی جیب خاص سے ان کو ہزاروں روپے عطا کر دیتے اپنے زمانے میں بعض کو بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز کیا۔ آپ کی اس بڑھی ہوئی صلہ رحمی پر بعض لوگوں کو اعتراض بھی ہوا۔

آپ نے پوری مملکت میں اسی طرح عدل و انصاف قائم رکھا جس طرح فاروقی دور میں تھا آپ کے اندر عفو و درگزر بہت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض امویوں نے آپ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اس سے آپ کے لیئے ان لوگوں نے بڑی مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ حضور حلم کا یہ حال تھا کہ جب باغیوں نے آپ کے دولت خانہ کو گھیر لیا تو آپ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی بلکہ ان کو زبانی سمجھاتے رہے حتیٰ کہ آپ کے محل میں ۷۰۰ آدمی لڑنے مرنے کے لیئے تیار تھے مگر آپ نے ان کو بھی منع کر دیا۔ تاکہ مسلمانوں کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین نہ ہوں۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ایک مرتبہ یہ تلوار میان سے باہر نکل گئی تو پھر مسلمان کبھی مل کر نہ رہ سکیں گے۔ بعد کے حالات نے آپ کی اس پیشین گوئی کو ٹھیک ثابت کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؓ کو اتنی محبت تھی کہ کبھی مدینہ شریف کو چھوڑنا پسند نہ کیا امیر معاویہؓ نے آپ کو بارہا شام آجانے کو کہا مگر آپ نے ہمیشہ انکار کیا۔ حضورؐ کو بھی آپ سے بہت محبت تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دے دیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ بڑے عبادت گزار، متقی اور متواضع انسان تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی۔ یہ آپ کے اخلاق کے چند نمایاں پہلو تھے۔

کارہائے نمایاں

حضرت عثمان غنیؓ کا دور بارہ سالوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ان میں ابتدائی چھ سال اسلامی شان و شوکت اور فتوحات کے سال تھے۔ آخری چھ سالوں میں بعض فتنہ پردازوں نے ملک میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کی جس سے فتوحات کا کام رک گیا۔ والیوں پر کڑی نگرانی نہ رہ سکنے سے بھی یہ کام متاثر ہوا۔

قرآن مجید کی اشاعت

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ بعض مقامات کے لوگ قرآن مجید کو غلط تلفظ سے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے قرآن مجید کے صدیقی نسخہ کی چار کاپیاں تیار کرائیں اور اپنی سلطنت کے چاروں حصوں میں ان کو بھیج دیا۔ ان مصدقہ نسخوں کے علاوہ دوسرے تمام نسخے جلا دیئے تاکہ کسی قسم کا اختلاف نہ ہو۔ آپ نے حکم دے دیا کہ قریشی لب و لہجہ میں قرآن کو پڑھا جائے۔ یہ آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

رفاہِ عامہ کے کام

آپ کے زمانہ میں دولت کی ریل پیل تھی۔ آپ نے حکم دے دیا کہ یہ رقم سڑکوں، پلوں، تالابوں اور مسافر خانوں پر خرچ کی جائے۔ نئی نئی فوجی چھاؤنیاں بھی تعمیر کرائیں۔ خاص طور پر مسجد نبویؐ کی توسیع پر بہت رقم خرچ کی اور اسے پتھر اور چونے سے خوبصورت بنایا۔

اسلامی فتوحات

آپ کے زمانہ میں بقول مورخ طبری کابل سے مراکش تک اسلامی سلطنت کی حدود وسیع ہو گئیں اور اس طرح اپنے پیشرو خلفاء کی دی ہوئی حدود میں آپ نے اضافہ کیا اور ان تمام ممالک میں اسلام کی تبلیغ کا کام کر کے بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا۔

بحری فوج کا اضافہ

حضرت عثمانؓ تک مسلمانوں کی کوئی بحری طاقت نہ تھی۔ امیر معاویہؓ کو رومیوں کی طرف سے سمندر کی جانب سے حملہ کا خطرہ رہتا تھا اور بعض دفعہ رومیوں نے حملے بھی کیے۔ چنانچہ ان کے اصرار پر آپؓ نے بحری فوج بنانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح پہلی دفعہ اسلامی بحریہ سمندروں میں یلغار کرنے لگی جس کے نتیجہ میں جزیرہ قبرص اور کئی دوسرے علاقے فتح ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم سوالات

۱۔ حضرت عثمانؓ کے انتخاب پر ایک تنقیدی نوٹ لکھیے؟ یہ انتخاب کہاں تک اسلام کی جمہوری روایات کے مطابق تھا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ اشاعت و فروغ اسلام کے کیا اسباب ہوئے؟

۳۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کا تجزیہ کیجئے اور ان کی شہادت کے نتائج بیان کیجئے (۱۹۵۹)

۴۔ حضرت عثمان کے کردار اور کارناموں کا تذکرہ کیجئے۔ ان واقعات کو مختصر طور پر لکھیے جو ان کی شہادت کا باعث بنے۔ (۱۹۵۷ء ۔ ۱۹۵۸ء ۔ ۱۹۵۹ء ۔)

۵۔ فتنہ ابن سبا پر روشنی ڈالیے۔ اس فتنہ کے پیدا ہونے کے اسباب بھی لکھیے؟

۶۔ حضرت عثمانؓ پر لگائے گئے الزامات کا تجزیہ کیجئے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳۹

حضرت علیؓ (۳۶ھ تا ۴۱ھ)

ابتدائی حالات

حضرت علیؓ، رسول کریمؐ کے چچیرے بھائی تھے۔ آپؓ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف آٹھ برس تھی حضورؐ نے آپ کی پرورش اور کفالت کی۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر آنحضرتؐ نے انہیں اپنے بستر پر سلا دیا تھا اور سخت خطرے کے باوجود آپ نے دوسرے دن امانتیں لوگوں کے سپرد کیں اور ہجرت کر آئے۔

مدینہ میں آنے کے بعد رسول کریمؐ نے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی شادی ان سے کر دی۔ حضرت علیؓ نے حضورؐ کے زمانہ میں غزوہ تبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں حصہ لیا اور اپنی بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ حیدر کرار اور اسد اللہ الغالب کے القاب سے مشہور ہوئے۔ خیبر کے فاتح بھی آپؓ ہی تھے۔

آپؓ کے پیشرو تینوں خلفاء آپ پر پورا اعتماد کرتے تھے اور مشورے لیا کرتے تھے حضرت عثمانؓ کے خلاف جو شورش پسند مدینہ میں گھس آئے تھے، آپؓ نے ان کو سمجھانے کی پوری کوشش کی اور اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو ان کے گھر کی حفاظت کے لیے بھیجا۔

انتخاب خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں جو فضا قائم ہو گئی تھی اس نے اکابر صحابہؓ کو بہت پریشان کیا کیونکہ اُمت یکایک بے سردار اور مملکت بے سربراہ ہو گئی تھی۔

اس وقت اُن چھ اصحابؓ میں سے چار موجود تھے جن کو حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت اُمت کے مقدم ترین اصحابؓ قرار دیا تھا۔ ایک حضرت علیؓ، دوسرے حضرت طلحہؓ تیسرے حضرت زبیرؓ، چوتھے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ ان میں سے حضرت علیؓ ہر لحاظ سے پہلے نمبر پر تھے۔ شوریٰ کے موقع پر، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اُمت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد دوسرے شخص جن کو اُمت کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہے۔ حضرت علیؓ ہی ہیں [1] اس لیے یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۴۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلافت کے لیئے انہی کی طرف رجوع کرتے۔ صرف مدینے ہی میں نہیں، پوری دنیائے اسلام میں دوسرا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی طرف اس غرض کے لیے مسلمانوں کی نگاہیں اٹھتیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ اور دوسرے اہل مدینہ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ۔

"یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ لوگوں کے لیئے ایک امام کا وجود ناگزیر ہے۔ اور آج آپ کے سوا ہم کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لیئے آپ سے زیادہ مستحق ہو نہ سابق خدمات کے اعتبار سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے اعتبار سے"۔ حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا مگر لوگوں کا اصرار برابر جاری رہا اور آخر کار حضرت علیؓ نے فرمایا:

"میری بیعت گھر بیٹھے خفیہ طریقے سے نہیں ہو سکتی۔ عام مسلمانوں کی رضا کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے"۔

چنانچہ مسجد نبوی میں اجتماع عام ہوا اور تمام مہاجرین و انصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ شورش پسند لوگ جو مدینہ میں موجود تھے ان سب نے بھی بیعت کر لی۔ صرف ۱۷ یا ۲۰ ایسے بزرگ تھے جنھوں نے بیعت نہ کی۔[1]

انتشار امت کا آغاز

حضرت علیؓ کی خلافت سے تھوڑا پہلے اسلام کی عظیم امت میں انتشار کی صرف ایک لہر اٹھی تھی جس کے نتیجہ میں خلیفۂ ثالث شہید کر دیئے گئے۔ آپ کے زمانہ کا آغاز ایسے دور میں ہوا، جب کہ شورش برپا کرنے والے دو ہزار افراد مدینہ میں موجود تھے۔ خلیفۂ چہارم کو اس وقت تین چیزیں ایسی درپیش ہوئیں جن کی بدولت امت میں انتشار کی جو لہر اٹھی تھی اس میں اضافہ ہوا اور امت انتشار کی طرف بڑھنے لگی۔

اس میں ایک بات یہ تھی کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے میں ان لوگوں کا بھی ہاتھ تھا جنھوں نے حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کی تھی اور بالفعل جرم قتل کا ارتکاب کیا تھا خلافت کے کام میں ان لوگوں کی شرکت ایک بہت بڑے فتنے کا موجب بن گئی۔ حالات ایسے تھے کہ اس وقت مدینہ

---

[1] خلافت و ملوکیت از مولانا مودودی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان لوگوں کو بیعت سے روکا ہی نہیں جا سکتا تھا اور پھر انتخاب خلیفہ کا فیصلہ اپنی جگہ درست بھی تھا۔ اس وقت اگر تمام اُمت اور با اثر افراد اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کے ہاتھ مضبوط کر دیتے تو یقیناً قاتلین عثمانؓ کیفر کردار کو پہنچا دیئے جاتے اور اس فتنہ کو بآسانی ختم کیا جا سکتا تھا۔

دوسرے یہ کہ بعض اکابر صحابہ حضرت علیؓ کی بیعت سے الگ رہے۔ ان بزرگوں نے انتہائی نیک نیتی سے محض فتنے سے بچنے کی خاطر یہ طرز عمل اختیار فرمایا تھا۔ اگرچہ جس فتنے سے وہ بچنا چاہتے تھے اس سے بدرجہا زیادہ بڑے فتنے میں ان کا یہ فعل مددگار بن گیا۔

تیسرے حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ۔

ان تین باتوں نے حضرت علیؓ کو نظام خلافت مستحکم کرنے کی مہلت ہی نہ دی چنانچہ انتشار بڑھتا چلا گیا۔

ابھی حضرت علیؓ نے خلافت کا کام شروع کیا ہی تھا کہ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ چند دوسرے اصحاب کے ساتھ ان سے ملے اور کہا کہ ہم نے اقامت حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے اب آپ ان لوگوں سے قصاص لیجئے جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"بھائیو! جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی ناواقف نہیں ہوں مگر میں ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ کیا آپ حضرات اس کام کی کوئی گنجائش کہیں دیکھ رہے ہیں جسے آپ کرنا چاہتے ہیں"

سب نے کہا "نہیں"

حضرت علیؓ نے اس پر فرمایا:

"خدا کی قسم میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تاکہ لوگوں کے حواس اپنی جگہ آجائیں۔ خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق وصول کرنا ممکن ہو جائے"[1]

جنگ جمل

اس کے بعد یہ لوگ حضرت عائشہؓ کے پاس مکہ چلے گئے اور وہاں سے ان کو ساتھ لے کر بصرہ جا پہنچے۔ یہاں پر ان لوگوں نے قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کی خاطر

---

[1] طبری ج ۳ ص ۴۵۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک فوج تیار کی۔ حضرت علیؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ ایک فوج لے کر نکلے۔ اس میں وہ لوگ بھی شریک تھے جو قاتلین عثمانؓ تھے۔ ان کی شرکت سے حضرت علیؓ کی بدنامی بھی ہوئی مگر اس سے فتنہ و انتشار بھی بڑھا۔

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو طرفین میں سے فتنہ کو ہوا دینے والے لوگوں نے صلح و صفائی کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا اور اچانک جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے جس کے نتیجہ میں مسلمان کی تلوار مسلمان کے خون سے رنگین ہوئی اور ایک خون کا بدلہ لینے کے لیے دس ہزار خون ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ دوسری عظیم ترین بدقسمتی تھی جو رونما ہوئی۔ اس سے امت میں مزید انتشار بڑھا۔ یہ تاریخی واقعہ اسلامی تاریخ میں جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوا حضرت عائشہؓ اس جنگ میں ایک اونٹ پر سوار تھیں اور لڑائی اس کے اردگرد ہی تھی اس لیے اسے جنگ جمل کہا جاتا ہے۔

جنگ صفین ۳۷ھ

حضرت عثمانؓ کے قصاص کا دعویٰ کرنے والے دوسرے فریق حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ انہوں نے دمشق میں حضرت عثمانؓ کے خون سے رنگین کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منظر عام پر لگا دیں اور اس طرح لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر حضرت علیؓ کے خلاف کر دیا۔

ادھر حضرت علیؓ نے خلیفہ بننے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول کر کے حضرت سہلؓ کو مقرر فرما دیا لیکن حضرت معاویہؓ نے آپ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

جنگ کا آغاز

حضرت علیؓ کو مجبوراً شام پر چڑھائی کرنی پڑی۔ صفین کے مقام پر فرات کے مغربی جانب فریقین کا آمنا سامنا ہوا۔ محرم کا مہینہ گزرنے کے بعد جولائی ۶۵۷ء مطابق ۹۔صفر ۳۷ھ میں جنگ صفین کا آغاز ہوا اور معرکہ رات بھر جاری رہا، دوسرے دن بھی جنگ جاری رہی۔ تیسرے روز شامی فوجوں میں انتشار اور کمزوری پیدا ہوئی تو امیر معاویہؓ نے عمرو بن عاصؓ سے مشورہ کیا۔ عمرو بن عاصؓ نے اس گرتی ہوئی فوج کو ایک نئے حربے سے سنبھالا۔ شام کے لشکریوں کو نیزوں پر قرآن پاک بلند کرنے کا مشورہ دیا انہوں نے ساتھ ہی حسب ہدایت پکار پکار کر کہنا شروع کیا۔

"یہ اللہ کا کلام ہے ہمارے اور اپنے درمیان اس کے فیصلے کو منظور کرو۔ اگر جوانان عراق [illegible] تو اسلامی مملکت کی [illegible] سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا" اس اعلان پر حضرت علیؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سپاہی جنگ سے گریز کرنے لگے حضرت علیؓ نے سمجھایا کہ یہ شامیوں کی جنگی چال ہے۔ اس پر توجہ نہ دو مگر حضرت علیؓ کی اس بات پر کوئی توجہ نہ دی گئی اور اکثریت صلح پر آمادہ ہو گئی۔ اشعث بن قیس، مسعر بن فدکی اور دوسرے سرداران فوج جو فرقہ سبائیہ سے تعلق رکھتے تھے فیصلہ کن جنگ کے خواہاں نہ تھے۔ انہوں نے برملا حضرت علیؓ سے کہا کہ "ہم کو کتاب اللہ کی طرف بلایا جا رہا ہے ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔" حضرت علیؓ نے ان کو بہت سمجھایا اور جنگ جاری رکھنے پر اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا "یا تو آپ لڑائی بند کرنے کا حکم دیجئے ورنہ ہم آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر چکے ہیں۔" جب حالات بگڑتے دیکھے تو حضرت علیؓ نے مالک اشتر کو پیغام بھیجا کہ لڑائی بند کر کے واپس آ جاؤ۔ ہماری جماعت میں فتنہ پھیل گیا ہے اس طرح یہ جنگ بغیر ہار جیت کے ختم ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے اشعث کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا کہ وہ معلوم کر کے آئیں کہ قرآن مجید کے فیصلے کو قبول کرنے سے ان کی کیا مراد ہے اشعث جواب لایا کہ وہ فریقین کی طرف سے ایک ایک پنچ (حکم) نامزد کرنے اور ان سے از روئے قرآن کریم فیصلہ کروانے کے خواہاں ہیں۔ حضرت علیؓ کے سپاہیوں اور سرداروں نے اس تجویز کو بہت سراہا۔

ثالثوں کا فیصلہ

حضرت معاویہؓ نے اپنی طرف سے عمروؓ بن عاص کو ثالث (حکم) بنایا حضرت علیؓ کی فوج میں ثالث بنانے پر بھی جھگڑا ہوا۔ لشکر والے ابو موسیٰ اشعری کو حکم بنانا چاہتے تھے جبکہ حضرت علیؓ ان کی بجائے عبداللہ ابن عباسؓ کو، مگر حضرت علیؓ کی یہ تجویز رد کر دی گئی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اشترؒ کو ثالث بنانا چاہا تو سرداروں نے اس سے بھی انکار کر دیا تو مجبوراً حضرت علیؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو ثالث بنا دیا۔

عہد نامہ

عمرو بن عاصؓ حضرت علیؓ کے خیمے میں آئے اور ایک عہد نامہ تحریر کیا اس میں یہ طے پایا کہ ہم صرف خدا اور کلام خدا کے فیصلے کو منظور کریں گے۔ کتاب اللہ شروع سے آخر تک ہمارے درمیان فیصلہ کی بنیاد ہو گی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمروؓ بن عاص حکم مقرر کیے گئے ہیں وہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنت رسول اللہ صلعم کی پیروی کریں گے۔

اس عہد نامہ پر فریقین کی طرف سے متعدد ذمہ دار لوگوں کے دستخط ہوئے اور یہ طے پایا کہ دونوں ثالث دومۃ الجندل آ کر اپنے فیصلے کا اعلان کریں گے۔ یہ نامہ ۱۳۔ صفر ۳۷ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو لکھا گیا۔ دومۃ الجندل پہنچ کر عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ پہلے وہ حضرت علی کو معزول کریں اور پھر عمرو حضرت معاویہؓ کو معزول کر دیں گے اور اس کے بعد اُمت جس پر اتفاق کرے اسے خلیفہ بنا لیا جائے۔ حضرت ابو موسیٰؓ اپنی سادگی کی بنا پر اس چال میں آ گئے اور انھوں نے اعلان کر دیا مگر حضرت عمرو بن العاصؓ نے اعلان کیا کہ ابو موسیٰؓ نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا ہے مگر میں امیر معاویہؓ کو خلافت پر برقرار رکھتا ہوں اس پر حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں میں غم و غصہ کی زبردست لہر دوڑ گئی مگر تیر ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ قبل اس کے کہ حضرت علی امیر معاویہ سے نبٹتے اپنی ہی فوج کے ایک نئے گروہ یعنی خوارج کے ساتھ انھیں نبرد آزما ہونا پڑا۔ اس طرح عمرو بن العاص کی چال کامیاب ہو گئی۔

خوارج کی ابتداء

واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی کی فوج میں زبردست اختلاف پیدا ہو گیا حضرت علی کی فوج کے گروہ مختلف الخیال ہو گئے۔ ایک جماعت تو مطمئن تھی کہ جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا۔ دوسری جماعت (جس میں بنی تمیم کی اکثریت تھی) حکم بنائے جانے کو سراسر غلطی کہتی تھی۔ قبیلہ عنزہ کے دو بھائیوں نے اس فیصلے کو سنا اور پکار کر کہا کہ "ہم خدا کے سوا کسی دوسرے کا فیصلہ قابل تسلیم نہیں سمجھتے۔ دین خداوندی کے ہوتے ہوئے تم انسانوں کو حکم نہیں بنا سکتے۔ اگر ایسا کرتے ہو تو بتاؤ ہمارے مقتولین کا کیا حشر ہو گا؟" اس خیال کی تائید دوسرے قبیلوں نے کی۔ بنی راسب، قبیلہ مراد اور بنی تمیم بھی ثالث بنائے جانے اور معاہدہ کے خلاف ہو گئے۔ یہ اختلاف پورے لشکر میں پیدا ہو گیا۔ حضرت علیؓ کے کوفہ پہنچنے تک بارہ ہزار آدمی معاہدہ تحکیم کے خلاف ہو کر لشکر سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے امیر شبیث بن ربعی کو بنا لیا اور عبداللہ بن الکواء کو امام نماز منتخب کر لیا۔ حضرت علیؓ کے لشکر سے نکلنے والے تاریخ اسلام میں خارجی کہلائے۔ بعد میں ان لوگوں نے اپنے خاص عقاید بنا لیے جن کی وجہ سے حضرت علیؓ کو پہلے ان کے خلاف تلوار اٹھانی پڑی۔

خوارج کے مذہبی و سیاسی عقاید

نئے فرقے نے اپنے عقیدہ کی اس طرح وضاحت کی "حکم صرف خدائے عزوجل کا مانا جا سکتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (حق بات کہنا اور باطل کی نفی کرنا) ہمارا فرض ہے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں خطاکار ہیں۔ حضرت معاویہؓ اس لیے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو جو خلیفہ برحق تھے خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت علیؓ اس لیے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ معاملات کی گفتگو کی اور قرآن کے کھلے حکم کو چھوڑ کر ان کے معاملہ میں انسانوں کو حکم تسلیم کیا اور اس طرح (معاذ اللہ) کفر کا ارتکاب کیا ہم پہلے ان دونوں سے جنگ کریں گے اور فتح کے بعد مشورے سے ایسا نظام قائم کریں گے جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔

خوارج کے نظریات

۱۔ خوارج حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے اس لیے کہ ان کا انتخاب صحیح طریق پر ہوا تھا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ کے متعلق وہ کہتے تھے کہ شروع کے چھ سال ان کی خلافت صحیح راہوں پر قائم رہی لیکن بعد میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی پیروی ترک کر دی لہذا ان کا معزول کرنا حق بجانب تھا۔

۳۔ حضرت علیؓ کے متعلق ان کا یہ نظریہ تھا کہ انہوں نے ثالث (حکم) تسلیم کر کے (نعوذ باللہ) کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ ان کے نزدیک حکم بنانے والے اور تحکیم پر راضی ہونے والے سب گناہگار تھے۔

۴۔ وہ اصحاب جمل یعنی حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کو گناہ عظیم کا مرتکب قرار دیتے تھے۔

۵۔ خوارج نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاص جو ثالث مقرر کیے گئے تھے پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔

۶۔ خلیفہ بنائے جانے کے بارے میں وہ یہ کہتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی متفقہ رائے سے بننا چاہیے۔ کسی ایک شخص کی رائے سے خلیفہ کو منتخب نہیں کیا جا سکتا۔

۷۔ ان کے نزدیک خلیفہ کا قریش ہی سے ہونا ضروری نہ تھا کسی قبیلے کا قابل ترین فرد خلیفہ بن سکتا ہے خواہ وہ حبشی غلام ہو۔ تمام مسلمانوں پر اپنے خلیفہ کی اطاعت لازمی ہے

۸۔ خارجیوں کا ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ اگر خلیفہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے تو مسلمان اسے معزول کر سکتے ہیں اور کر دینا چاہیے۔

۹۔ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا ان کے نزدیک کافر تھا۔

جنگ نہروان ۹ صفر ۳۸ھ مطابق ۱۷ جولائی ۶۵۸ء

حضرت علی مرتضیٰؓ شام پر فوج کشی کی تیاری میں تھے جب اس فتنے کی سرکشی اور قتل و غارت گری کی اطلاعات ملیں اور ان کے حد سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھ جانے کا علم ہوا تو شام کا ارادہ ملتوی کر کے خارجیوں کی تنبیہ کے لیے نہروان کا قصد کیا نہروان پہنچ کر حضرت ابو ایوبؓ انصاری اور قیس بن سعد بن عبادہ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں راہ راست پر لائیں لیکن ان بزرگوں کی مساعی ناکام رہیں خارجیوں نے جواب دیا کہ تمہارے ہم عقیدہ ہمارے نزدیک گردن زدنی ہیں۔ ہم سب نے تمہارے بھائیوں کو قتل کیا تھا اور آئندہ بھی قتل کریں گے۔ اب حضرت علی کے لیے سوائے لڑائی کے کوئی چارہ نہ رہا، آپ کے حکم سے حضرت ابو ایوبؓ نے سفید جھنڈا ہاتھ میں لے کر اعلان کیا کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا اسے امان ہے جو میدان سے بھاگ کر کوفہ یا مدائن چلا جائے گا اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس اعلان سے کچھ لوگ کوفہ اور کچھ دوسری طرف روانہ ہو گئے صرف تین ہزار خارجی مقابلہ کو رہ گئے اور ایسے جم کر لڑے کہ تاریخ میں ان کا نام آج تک باقی ہے۔ ان کے عقائد خواہ کیسے ہوں لیکن ان کی بہادری کی تعریف میں تمام مورخین رطب اللسان ہیں لیکن بالآخر اس جنگ میں ان کی شکست نے بہت حد تک خارجی فتنے کا سدباب کر دیا۔

خوارج کے چند مشہور گروہ

۱۔ **النجدات**:۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خلافت کا قیام سرے سے غیر ضروری ہے۔

۲۔ **ازارقہ**:۔ یہ گروہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک کہتا تھا اور ان سے جنگ فرض عین قرار دیتا تھا نیز ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا مباح سمجھتا تھا۔

۳۔ **اباضیہ**:۔ یہ گروہ مسلمانوں کو مشرک تو نہیں کہتا تھا مگر کافر قرار دیتا تھا۔

انتظام حکومت حضرت علیؓ نے اپنا انتظام حکومت خالص اسلامی طریقہ پر اس انداز پر برقرار رکھا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قائم ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں گورنروں پر پوری طرح کنٹرول کیا اور اپنے عمال کا سختی سے محاسبہ کیا۔ ان کی تھوڑی سی غلطی بھی ان کی نظروں سے نہ بچ سکتی تھیں۔

بیت المال پر تصرف شریعت کے عین مطابق کرتے۔ کبھی ایک درہم بھی غلط جگہ پر صرف نہ ہونے دیا۔ اپنے قریبی عزیزوں کو بھی ناجائز ایک رتی عطا نہ کرتے۔

ذمیوں کے حقوق کا آپ نے پوری طرح خیال رکھا اور ان کے ساتھ پوری طرح عدل و انصاف کیا گیا۔ عدلیہ کو پوری آزادی حاصل تھی۔ میزان عدل میں کسی کے ساتھ بے رعایت کا سلوک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ کرنے دیتے تھے۔

باوجود مشکلات کے آپ نے اسلامی نظام خلافت کو مستحکم کرنے اور غلط طریقوں کے خاتمہ کی پوری کوشش کی۔ اس طرح آپ نے نظام حکومت کو بہتر بنانے کی سعی فرمائی۔

شہادت

نہروان کی جنگ میں خارجیوں کو حضرت علیؓ کے ہاتھوں جو شکست فاش نصیب ہوئی تھی اس کے بعد ان لوگوں میں سے تین نے فیصلہ کیا کہ اُمت مسلمہ کا فساد ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو قتل کر دیا جائے۔ سازش یہ کی گئی کہ ایک ہی دن فجر کے وقت تینوں کو ختم کیا جائے۔

حضرت امیر معاویہؓ پر ایک خارجی نے وار کیا مگر آپ کو زیادہ زخم نہ آیا اور آپ بچ گئے عمرو بن العاصؓ نے اس دن کسی اور کو نماز کے لیے بھیج دیا۔ چنانچہ وہ آدمی قتل ہو گیا۔ حضرت علیؓ پر ابن ملجم خارجی نے زہر آلود خنجر سے حملہ کیا۔ زخم کاری لگا جس کے باعث حملے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان ۴۰ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا۔

سیرت و اخلاق

حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا ایک طرف آپ بڑے عالم و فاضل تھے اور دوسری طرف آپ بے انتہا شجاع اور دلیر تھے۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ آپ نے ہمیشہ حضورؐ کی طرف سے مراسلت اور معاہدے لکھے۔ قرآن و سنت پر آپ کو پورا عبور تھا اور مسائل اسلامی کی روح کو خوب سمجھتے تھے۔ آپ کے خطبوں سے آج بھی علم و ادب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ نہایت بلند ہمت اور صاحب حزم انسان تھے۔ باوجود سخت مشکلات اور رکاوٹوں کے آپ نے ہمت ہاری اور جس بات کو درست سمجھتے تھے اس کے لیے کسی کی رائے کے آگے نہ جھکے۔ آپ مدبر اور دور اندیش تھے۔ آپ جانتے تھے کہ اگر حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول نہ کیا گیا تو اس سے اُن کے دماغ میں بادشاہت کے خیالات پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ کے اس خیال کو بعد کے واقعات نے درست ثابت کر دیا۔

آپ کی ذات بے شمار محاسن کا منبع تھی۔ آپ کی زندگی سادہ اور تکلفات سے عاری تھی مٹی پر بیٹھنے اور سونے ہی کی وجہ سے حضورؐ نے آپ کو ابو تراب کی کنیت سے پکارا تھا ہمیشہ غریبوں کی مدد کرتے۔ اگر کوئی سائل آجاتا تو خود فاقہ کر لیتے اور اُسے خالی ہاتھ نہ لوٹاتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقر و فاقہ زندگی میں آپ کا معمول تھا۔ آسائشات سے آپ کو نفرت تھی۔ حتیٰ کہ گھر میں کوئی ملازم تک نہ تھا۔ اکثر کام خود ہی کر لیا کرتے تھے۔

آپ پرہیزگار اور عابد و زاہد انسان تھے۔ نماز میں اتنی محویت و استغراق ہوتا کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔

آپ حق گو اور بے باک انسان تھے۔ آپ کی حق پسندی اور بے باکی سے بعض اوقات خود آپؓ کے عزیز خفا ہو جاتے۔ آپ بڑے امانت دار تھے۔ بیت المال سے کسی کو ایک کوڑی تک بلاوجہ نہ دیتے بلکہ جب حضرت مسلم بن عقیل نے کچھ مانگا تو آپ نے انکار کر دیا تو وہ حضرت معاویہؓ سے مل گئے جنہوں نے قومی خزانہ سے ان کو ڈھیروں نقدی دے دی۔

حضرت علیؓ کی سیرت کے متعلق آخر میں ولیم میور نے جو تحریر کیا اس پر ختم کرتا ہوں ولیم میور لکھتا ہے

"حضرت علیؓ کے کردار میں بہت سی باتیں قابل تعریف تھیں وہ نرم مزاج اور عفو و درگزر کرنے والے تھے۔ بصرہ کو آپ نے بزور مطیع کیا تو آپ نے عام معافی دے دی اور بے حد تحمل سے کام لیا۔"

حضرت علیؓ ایک زیرک مشیر، جاں نثار صحابی، بہادر و نڈر مجاہد، بحر علوم اسلامی کے غواص اور نہایت درجہ کے پارسا اور نیکوکار مسلمان تھے۔ اگر انہیں موقع ملتا تو وہ زیادہ جوش اور عزم و استقلال کے ذریعہ ان مذہبی اختلافات کا پوری طرح سدباب کر سکتے تھے جو بعد میں بڑھتے چلے گئے۔ ؎1

کارہائے نمایاں

حضرت علیؓ کو اپنے پیشرو خلیفہ کی طرح امن و اطمینان کا کوئی لمحہ بھی میسر نہ آیا جس میں آپ بیرونی فتوحات میں اضافہ کر سکتے۔ آپ کے زمانہ میں بدقسمتی سے مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تاہم آپ نے سب سے بڑا کارنامہ یہ سر انجام دیا کہ جن مشکل حالات میں خلیفہ منتخب کیے گئے تھے۔ اور ہر دور کا دشمن آپ کی راہ میں حائل ہو گیا اس کے باوجود آپ نے اسلامی نظام حکومت کو پوری طرح اپنی عملداری میں رائج رکھا اور خلافت علیٰ منہاج النبوت سے سرمو نہ ہٹے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک جمہور اسلام ان کو خلیفہ

؎1 W MUIR EARLY CALIPHATE P 300

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راشدانہ تھی ہے۔ آپ کے زمانہ میں شوریٰ کا اہتمام ہوتا تھا۔ بیت المال پر پوری نگرانی کی جاتی تھی اور مختلف صوبوں کے عاملین کا سختی سے محاسبہ کیا جاتا تھا۔ یہ باتیں اسلامی نظام حکومت کی جان ہوتی ہیں۔ پھر آپ نے اپنے سارے دور میں ایک خلیفہ کا سا طرزِ عمل اختیار کیئے رکھا

آپ کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلام کی کشتی کو ان رجحانات کے ہاتھوں میں جانے سے پوری طرح روکنے کی کوشش کی جو لوگوں پر اپنی بادشاہت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس ہیئے ایک مرتبہ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے تھے تو آپ نے لوگوں کو بتایا کہ میں کیوں ان سے لڑنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ "خدا کی قسم، اگر یہ لوگ تمہارے حاکم بن گئے تو تمہارے درمیان کسریٰ اور ہرقل کی طرح کام کریں گے۔

ایک دوسری تقریر میں انہوں نے فرمایا:

"چلو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تم سے اس لیئے لڑ رہے ہیں کہ ملوک جبابرہ بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں۔"[1]

ان خیالات سے یہ اندازہ لگ سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کو یہ خطرہ سامنے نظر آرہا تھا کہ مسلمانوں میں بادشاہت قائم ہوجائے گی چنانچہ آپ نے اپنی ہر ممکن کوشش کی کہ بادشاہت کی بجائے خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم اور جاری رہے

آپ کا تیسرا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جب دیکھا کہ خوارج اپنے عقائد اور اعمال کے لحاظ سے ایک بڑے فتنے کا موجب بن رہے ہیں تو نہروان کے مقام پر ان سے جنگ کی اور ان کے زور کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ ان کی سرگرمیاں جاری رہیں مگر وہ اُمّت اسلامیہ میں بلند جگہ نہ پا سکے اور آہستہ آہستہ ختم ہوگئے۔

اہم سوالات

۱۔ حضرت علیؓ کے کردار اور کارناموں کا حال بیان کیجئے (۱۹۵۷ء، ۱۹۵۸ء)

۲۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں انتشارِ اُمت کا آغاز کس طرح ہوا۔ اس کے واقعات بیان کیجئے

۳۔ خوارج کون تھے؟ ان کی ابتدا کیونکر ہوئی، ان کے مذہبی اور سیاسی عقائد کا مختصر تذکرہ کیجئے (۱۹۶۰ء، ملتان یونیورسٹی)

[1] طبری ج ۴ ص ۵۸، ۵۹، بحوالہ خلافت وملوکیت۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۴۰

خلافت راشدہ کی اہم خصوصیات

اسلامی تعلیمات کے عین مطابق جو نظام حکمرانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں قائم فرمایا۔ آپؐ کے بعد چاروں خلفاء نے اسی طرز پر ایک مثالی معاشرہ اور مثالی نظام حکمرانی قائم کر دیا جس کی درج ذیل خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔

۱۔ انتخابی خلافت خلافت کے متعلق خلفائے راشدین اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا متفق علیہ تصور یہ تھا کہ یہ ایک انتخابی منصب ہے جسے مسلمانوں کے باہمی مشورے اور ان کی آزادانہ رضامندی سے قائم ہونا چاہیئے۔ موروثی یا طاقت سے برسر اقتدار آنے والی امارت ان کی رائے میں خلافت نہیں۔ بلکہ بادشاہی تھی۔ چنانچہ چاروں خلفاء کا انتخاب مسلمانوں کے مشورے اور رائے سے ہوا۔

۲۔ شورائی حکومت خلفائے راشدین حکومت کے انتظام اور قانون سازی کے معاملے میں قوم کے اہل الرائے لوگوں سے مشورہ کیے بغیر کام نہیں کرتے تھے مجلس شوریٰ کے ارکان کو پوری آزادی کے ساتھ اظہار رائے کا حق تھا۔

۳۔ بیت المال کے امانت ہونے کا تصور خلفاء بیت المال کو خدا اور خلق کی امانت سمجھتے تھے۔ فرمانرواں کی ذاتی اغراض کے لیئے اس کا استعمال ان کے نزدیک حرام تھا۔ بادشاہی اور خلافت میں بنیادی فرق ہے کہ بادشاہ لوگ قومی خزانے کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اس میں آزادانہ تصرف کرتے ہیں۔

۴۔ حکومت کا تصور خلفائے راشدین حکومت کو منصب کی بجائے عظیم ذمہ داری سمجھتے تھے اور اس بار عظیم کو با دل ناخواستہ قبول کرتے تھے۔ اُن کے دل میں نہ تو اس کے لیئے رغبت ہوتی تھی اور نہ خواہش۔ اُن کے نزدیک کمزور اور طاقتور برابر تھے۔ لوگوں کو صاف بتا دیا تھا کہ اگر ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کریں تو ہماری اطاعت کرو ورنہ اطاعت واجب نہیں۔ اگر ہم غلط راہ اختیار کریں تو ہمیں سیدھا کرو۔ خلفاء کی زندگی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک عام آدمی کی طرح گزرتی تھی۔ ان کے ماتحت تمام عاملین بھی حاکم کی بجائے خادم قوم سمجھے جاتے تھے اور ان کو بھی یہی ہدایت کی جاتی تھی۔

۵۔ قانون کی بالاتری خلفائے راشدین اپنی ذات کو بھی قانون سے بالاتر نہیں رکھتے تھے بلکہ قانون کی نگاہ میں اپنے آپ کو اور مملکت کے ایک عام شہری کو مساوی قرار دیتے تھے۔ ان کے اپنے مقرر کردہ قاضی ان کے خلاف فیصلہ دینے میں اسی طرح آزاد تھے جس طرح عوام کے خلاف۔

۶۔ عصبیتوں سے پاک حکومت اس دور میں خلفاء نے ٹھیک ٹھیک اسلام کے اصول اور اس کی روح کے مطابق قبائلی، نسلی اور وطنی عصبیتوں سے بالاتر ہو کر تمام لوگوں کے درمیان یکساں سلوک کیا۔ صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ نے خاص طور پر بے لاگ اور غیر متعصبانہ طریقے سے نہ صرف عرب قبائل بلکہ غیر عرب نومسلموں کے ساتھ بھی منصفانہ برتاؤ کیا اور خود اپنے خاندان اور قبیلے کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے سے قطعی مجتنب رہے۔ اس طرح مسلمانوں میں ساری عصبیتیں دب گئیں اور مسلمانوں میں وہ بین الاقوامی روح ابھر آئی جس کا اسلام تقاضا کرتا تھا۔ اس اصول میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کچھ نرمی برتی گئی جس کا نتیجہ بعد میں وہی نکلا جس کا اندیشہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھا۔

۷۔ روح جمہوریت اس خلافت کی اہم ترین خصوصیت یہ تھی کہ اس میں تنقید اور اظہار رائے کی پوری آزادی تھی۔ خلفاء ہر وقت اپنی قوم کی دسترس میں تھے وہ خود اپنے اہل الشوریٰ کے درمیان بیٹھتے اور مباحثوں میں حصہ لیتے تھے۔ آزادانہ فضا میں ہر شریک مجلس ایمان و ضمیر کے مطابق رائے دیتا تھا۔ فیصلے دلیل کی بنیاد پر ہوتے تھے۔ ان کا عوام سے براہ راست رابطہ تھا۔ ان کے گھر عوام کی آبادیوں میں تھے اور عوام ہی کے درمیان وہ چلتے پھرتے تھے اور ہر شخص کو انہیں ٹوکنے، ان پر تنقید کرنے اور ان سے محاسبہ کرنے کی آزادی حاصل تھی۔[1]

خلافت راشدہ کا نظام حکومت

مرکزی نظام خلافت راشدہ میں خلیفہ عام مسلمانوں میں سے منتخب ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے

[1] خلافت و ملوکیت، از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانہ سے اُسے امیر المومنین کہا جانے لگا۔ اس کے عام شہریوں سے زیادہ حقوق نہ تھے وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا تھا۔ اور اسی صورت میں عوام ان کی اطاعت کرتے تھے۔ ملکی معاملات کے سرانجام دینے کے لیے مرکز میں ایک مجلس شوریٰ قائم تھی اور امیر ان سے مشورے کا پابند تھا۔

امیر المومنین کے فرائض میں نماز جمعہ کی امامت و خطبہ، گورنروں کا تقرر، دوسرے عہدیداروں کا انتخاب، مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق، اشاعت اسلام، اسلامی نظام زندگی کا قیام، اعلان جہاد، ملکی امن و استحکام، رعایا کی فلاح و بہبود وغیرہ شامل تھے۔

صوبائی نظام اسلامی ریاست کی حدود جیسے جیسے وسیع سے وسیع تر ہوتی گئیں اسی طرح اس کو صوبوں میں بانٹا جاتا رہا۔ اس سے نظم و نسق میں بڑی سہولت ہو گئی تھی۔ چنانچہ ہر صوبہ کا ایک عامل مقرر کیا جاتا تھا۔ عامل ایسا فرد مقرر بنایا جاتا تھا جو علم و تقویٰ اور انتظامی قابلیت میں نمایاں ہوتا تھا۔ گورنر کے علاوہ صوبے میں فوجی کمان دار، قاضی، افسر خزانہ، پولیس افسر، کاتب اور میر منشی وغیرہ مقرر کیے جاتے تھے۔

مالی انتظام خلفائے راشدین کے زمانہ میں بیت المال کو منظم کیا گیا اور اس کے آمد و خرچ کے ذرائع و مدات منضبط ہوئیں۔ زمینوں پر مالیہ مقرر کیا گیا۔

فوجی نظام اس عہد میں فوج کو باقاعدہ مرتب کیا گیا۔ ان کی تنخواہیں مقرر ہوئیں اور بڑی بڑی چھاؤنیاں بنائی گئیں جن میں فوجیوں کو باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی اور ان کو ایمرجنسی کے لیے ہر وقت تیار رکھا جاتا تھا۔

محکمہ پولیس ملک میں اسلامی قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کا سراغ لگانا پولیس کے افسروں کا کام تھا۔ چنانچہ فوجداری مقدمات قائم کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا۔ اس طرح سے مجرم چھپ کر جرم نہ کر سکتے تھے۔ عادی مجرموں کو ان جیل خانوں میں قید کر دیا جاتا تھا جو اسی مقصد کے لیے اس عہد میں تعمیر کیے گئے تھے۔

عدلیہ خلفائے راشدین کے دور میں باقاعدہ عدلیہ کو وجود نصیب ہوا مستقل عدالتیں قائم ہوئیں۔ اضلاع میں بھی قاضی مقرر کیے گئے۔ قاضی نہایت متدین، صاحب شریعت کتاب و سنت کے ماہر اور فہم و فراست کے مالک افراد کو بنایا جاتا تھا۔ ہر فرد کو مفت اور جلد انصاف مل جاتا تھا اور اس میں شریعت کے اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر فیصلہ کر دیا جاتا تھا تاخیر نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی مدد کے لیے مفتی بھی مقرر تھے۔

محکمۂ تعلیم اسلامی تعلیم کے احیاء و فروغ کے لیے اس زمانہ میں باقاعدہ یہ شعبہ قائم کیا گیا۔ مدرسین اور معلمین مقرر ہوئے اور ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اس مقصد کے لیے زیادہ تر مساجد کو استعمال کیا گیا۔

یہ وہ مختصر سا خاکہ ہے اس نظامِ حکومت کا جو خلفائے راشدین کے دور میں قائم ہوا۔

اہم سوالات

۱۔ خلفائے راشدینؓ کے عہدِ حکومت کی خصوصیات بیان کیجئے اور آپ کے خیال میں کس خلیفہ نے اسلام کو مستحکم کرنے میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے؟ (۱۹۵۷ء)

۲۔ خلفائے راشدینؓ کے نظامِ حکومت کا مختصر حال لکھیے؟ (۱۹۶۰)

۳۔ یہ تیس سال تک جو خلافتِ راشدہ قائم رہی وہ اسی طرز اور حکمتِ عملی پر کاربند رہی جو حضرت عمرؓ نے وضع کی تھی۔ بحث کیجئے؟ (۱۹۵۶ء)

۴۔ خلفائے راشدینؓ کے عہدِ حکومت کے انتظامی اور سیاسی اداروں کا مختصر حال قلمبند کیجئے؟

۵۔ خلفائے راشدینؓ کے نظامِ سلطنت کی خاص خاص باتیں بیان کیجئے (۱۹۶۳ء)

المكتبة السلفية
شیش محل روڈ لاہور
15980

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ